پارلیمنٹ میں وزیر اعظم
نریندر مودی
کی تقریریں

(2014-2021)

پارلیمنٹ میں

وزیر اعظم

نریندر مودی کی

تقریریں

2014-2021

یہ عزت مآب وزیر اعظم کے خطابات کا اردو متن (سیاقی ترجمہ) ہے۔

شائع کردہ

لوک سبھا سیکر ٹیریٹ

پیش لفظ

پارلیمنٹ جمہوریت کا اعلیٰ ترین مندر ہے۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں ہونے والی تعمیری بحث اور مکالمے ایک مضبوط، ترقی یافتہ اور پختہ جمہوریت کا مظہر ہیں۔ جمہوریت ایک ایسا نظام حکومت ہے جو معاشرے کے تمام طبقات کو یکساں مواقع فراہم کرتا ہے۔ ہماری جمہوریت نے آزادی کے بعد 75 سال کا شاندار سفر طے کیا ہے۔ سال 2014 ہمارے جمہوری سفر کا ایک بہت اہم پڑاؤ تھا، جب شری نریندر مودی جی نے وزیر اعظم کے طور پر ملک کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس سال سے لے کر اب تک ان کی قابل اور کامیاب قیادت میں ملک نے جامع ترقی، استحکام اور خوشحالی کی نئی مثالیں قائم کی ہیں۔

عزت مآب وزیر اعظم شری نریندر مودی کی قیادت میں گزشتہ 8 سالوں کے اندر ملک کی معیشت میں نمایاں ڈھانچہ جاتی اور اقتصادی اصلاحات کی گئی ہیں، جس کی وجہ سے آج ہندوستانی معیشت دنیا کی اعلیٰ معیشتوں کی صف اول میں ہے۔ اس عرصے میں پارلیمنٹ نے جی ایس ٹی، دیوالیہ اور دیوالیہ پن کوڈ، ریئل اسٹیٹ ریگولیشن اتھارٹی، کرپٹو کرنسی ریگولیشن جیسے عہد ساز قانون منظور کیے ہیں، جن کے ذریعے آج ہندوستان ایک مستحکم اور مضبوط معیشت کا حامل ملک ہے۔

ہماری معیشت کی مضبوطی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہم نے کووڈ-19 جیسے چیلنجوں کا کامیابی سے سامنا کیا ہے اور آج ہم بین الاقوامی عدم استحکام کا بھی کامیابی سے سامنا کر رہے ہیں۔ سال 2026 تک ہندوستان کو 5 ٹریلین امریکی ڈالر کی معیشت بنانے کا وزیر اعظم کا وژن اپنے ہدف کی طرف تیزی سے گامزن ہے۔

حکومت نے نہ صرف معیشت کے میدان میں بلکہ عام آدمی کی سماجی و اقتصادی زندگی میں بھی مثبت تبدیلیوں کے لیے نئے پروگرام اور پالیسیاں مرتب کی ہیں۔ آیوشمان بھارت اسکیم کے ذریعے سب کے لیے صحت کی سہولیات کی دستیابی کو یقینی بنایا جا رہا ہے۔ غریب کسانوں کے لیے پی ایم کسان سمان ندھی یوجنا، پردھان منتری فصل یوجنا نے ان کی زندگیوں میں مثبت تبدیلی لائی ہے۔ خاص طور پر کسانوں کو ان کی فصلوں کی مارکیٹنگ اور ان کی پیداوار کے لیے ایم ایس پی میں مسلسل اضافے جیسے فیصلوں سے ملک میں کسانوں کی حالت بہتر ہوئی ہے۔ دیہی اور شہری علاقوں میں پردھان منتری آواس یوجنا کے نفاذ سے خواتین کی پوزیشن خاص طور پر مضبوط ہوئی ہے کیونکہ اس اسکیم کے تحت جائیداد کی رجسٹری خانوادے کی صرف خاتون رکن کے نام پر ہی کی جا سکتی ہے۔ 'بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ' جیسی اسکیموں نے لڑکیوں کو بااختیار بنانے کی سمت میں بہتر نتائج دیے ہیں۔

'سب کا ساتھ، سب کا وکاس' کے جذبے پر عمل کرتے ہوئے، عزت مآب وزیر اعظم نے سماج کے تمام طبقات کی فلاح و بہبود کے لیے کام کیا ہے۔ سب کے لیے پینے کے پانی کی دستیابی کے لیے جل جیون مشن، سب کے لیے صاف ستھری زندگی کے لیے سوچھ بھارت مشن، آبی گزر گاہوں اور ساحلوں کی صلاحیت کو بروئے کار لانے کے لیے ساگر مالا اور قبائلی علاقوں میں 300 نئے شہر تعمیر کرنے کی 'رربن' اسکیم اور اس طرح کے بہت سے فائدہ مند، فلاحی اور بنیادی ڈھانچے کی ترقی کے پروگرام شروع کیے گئے ہیں۔

ڈیجیٹل انڈیا، میک ان انڈیا، اسٹارٹ اپ انڈیا جیسے پروگراموں کو 21ویں صدی کے جدید ہندوستان کی تعمیر کے لیے لاگو کیا گیا ہے جس نے ملک میں نوجوان صنعت کاروں کی حوصلہ افزائی کے لیے ایک سازگار ماحول پیدا کیا ہے۔ معیشت کو جدید بنانے کے لیے، BHIMاور Rupay کارڈ جیسے ڈیجیٹل ادائیگی کے نظام کو متعارف کرایا گیا ہے جس سے ملک میں معاشی بدعنوانی اور کالے دھن پر روک لگانے میں مدد ملی ہے۔ آج تمام مستفیدین بغیر کسی کمیشن کے براہ راست ان کے کھاتے میں سبسڈی حاصل کر رہے ہیں۔ استفادہ کنندگان کے آدھار کارڈ کو سرکاری اسکیموں سے جوڑنے کی وجہ سے سماجی بہبود کی اسکیموں میں شفافیت آئی ہے اور حکومت کی بھاری رقم کی بھی بچت ہوئی ہے۔

یہ کتاب ایوان میں ہمارے دور اندیش اور ترقی پسند وزیر اعظم کی ولولہ انگیز تقاریر اور خطابات کا مجموعہ ہے جو ملک کی سماجی، انتظامی، معاشی اور سیاسی صورتحال پر محترم وزیر اعظم کی واضح سوچ اور گرانقدر خیالات سے عام آدمی کے ساتھ ساتھ اراکین پارلیمنٹ اور محققین کو متعارف کرائے گی۔ اس کتاب کے ذریعے وہ مختلف قومی اور بین الاقوامی موضوعات پر ان کے خیالات سے بصیرت حاصل کر سکیں گے۔ ہمارے لیے یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ یہ کتاب 'آزادی کے امرت مہوتسو' کے موقع پر شائع ہو رہی ہے۔ اس کتاب کے ذریعے، ہندوستان کو ایک مضبوط، محفوظ اور خوشحال ملک بنانے کے لیے عزت مآب وزیر اعظم کے وژن کو پورے ملک اور پوری دنیا تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔

میں عزت مآب وزیر اعظم شری نریندر مودی جی کی تقاریر کا یہ مجموعہ شائع کرنے کے لیے لوک سبھا سکریٹریٹ کی اس پہل کی ستائش کرتا ہوں۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ یہ عظیم کوشش پارلیمانی بحث کو تقویت بخشے گی اور اراکین پارلیمنٹ، محققین، پبلک پالیسی اور خارجہ پالیسی کے طالب علموں اور ہندوستانی سیاست اور جمہوریت کے مضبوط ڈھانچے کو سمجھنے اور سیکھنے میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے انتہائی مفید ثابت ہو گی۔

اوم برلا

اسپیکر، لوک سبھا

دیباچہ

جب شری نریندر دامودرداس مودی کو سال 2014ء میں ہندوستان کے وزیر اعظم کے طور پر اس کی قیادت کے لیے منتخب کیا گیا، تو وہ اس اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے والے ایسے پہلے رہنما بن گئے جنہیں یہ اعزاز حاصل تھا کہ وہ آزاد ہندوستان میں پیدا ہونے والے ہندوستانیوں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا سفر، جیسا کہ شاید ناگزیر تھا، ایک نئی غیر نوآبادیاتی قوم کی تقدیر کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ ان کی زندگی ایک ایسی قوم کی آئینہ دار تھی جو ناقابل تسخیر مشکلات سے دوچار تھی، پھر بھی پر اعتماد، مستحکم، مضبوط، متحد اور روشن جمہوریت ہندوستان کی تقدیر میں خود اعتمادی سے بھرپور تھی۔ شری نریندر مودی کے سفر میں آنے والی آزمائشیں اور مصائب بھی ان لاتعداد ہم وطنوں کی جدوجہد کی داستان ہیں جنہوں نے مختلف طریقوں سے مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے عزم وہمت، صبر و تحمل، اور محنت و مشقت سے ایک نوجوان اور نوخیز قوم اور اس کی جمہوری سیاست کی پرورش کی۔ وزیر اعظم کے طور پر پارلیمنٹ میں پہلے دن شری نریندر مودی کی طرف سے سنسد بھون کی سیڑھیوں پر جمہوریت کے مندر کو جو خراج عقیدت پیش کیا گیا، وہ پارلیمانی جمہوریت کے تمام عقیدت مندوں کی یاد میں بہت دیر تک نقش رہے گا۔ اس عمل نے شراکتی حکمرانی کی اخلاقی اقدار میں ان کے مستقل ایقان کی ایک زبردست عینی تصدیق کے طور پر کام کیا جس کی لو کو اس سرزمین نے کئی ہزار سال تک زندہ رکھا۔

یہ جلد 2014 اور 2021 کے درمیان ہندوستان کی پارلیمنٹ میں وزیر اعظم کے طور پر دی گئی شری نریندر مودی کی 34 تقاریر کا ایک ترتیب وار مجموعہ ہے۔ یہ تقاریر قارئین کو ان کے عالمی نظریات میں جھانکنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ یہ ایک ایسا عالمی نظریہ ہے جو ہماری تہذیب کے روحانی مرکز سے متاثر ہے، اس کی جامع اخلاقیات کی صلاحیت سے ڈھلا ہے، اس کی متعدد ثقافتوں کی گوناگونیت سے مالا مال ہے اور نئی، عقلی اور سائنسی چیزوں کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ یہی وہ عالمی نظریہ ہے جس نے ہندوستانی قوم کی اقوام عالم میں ایک عالمی رہنما کے طور پر اپنا مناسب مقام دوبارہ حاصل کرنے کی اہلیت پر وزیر اعظم مودی کے غیر متزلزل اعتماد کی بنیادی اساس کا کام کیا ہے، یہ حیثیت ہندوستان کو روایتی طور پر دنیا کی تاریخ کے بیشتر حصوں میں حاصل رہی ہے۔

قارئین کو معلوم ہو گا کہ پارلیمنٹ میں ان کی تقریریں وزیر اعظم مودی کے آئین ہند اور اس کی اقدار پر قائم رہنے والے اعتماد کی تصدیق کرنے میں کبھی ناکام نہیں ہوئیں۔ ان کے نزدیک ہندوستان کا آئین ہزاروں سالوں سے اپنے لوگوں کے غور وفکر اور تدبر سے حاصل ہونے والی حکمت کا نتیجہ ہے۔ یہ عام لوگوں کی امیدوں اور امنگوں کا منبع ہے، ایک ایسی قوت جو قوم کو ایک ساتھ جوڑ کر رکھتی ہے اور یہ تمام طبقات اور ملک کے تمام خطوں کے لیے ہندوستان کی مشترکہ تقدیر کی ملکیت کا پختہ ثبوت بھی ہے۔ وزیر اعظم کے الفاظ میں، ہندوستان کا آئین 'ہندوستان کے لیے وقار' اور 'ہندوستان کے لیے اتحاد' کا مجسمہ ہے۔ اسی تناظر میں وزیر اعظم کے اس دعوے کو کہ ہندوستان کا آئین واحد مذہب ہے، ان کی حکومت کا واحد مذہبی صحیفہ ہے، کو دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

شری نریندر مودی جب وزیر اعظم بنے تو ایک بڑی ریاست کے خدمت گزار وزیر اعلیٰ تھے جنہوں نے اس قدر بلندی حاصل کی۔ ایک دہائی سے زیادہ عرصے تک ایک بڑی ہندوستانی ریاست کے چیف ایگزیکٹو کے طور پر حاصل کیے گئے تجربے کی دولت نے انہیں مرکز اور ریاست کی مصروفیات کی نوعیت پر منفرد نقطہ نظر فراہم کیا ہے۔ 'تعاون پر مبنی وفاقیت ' کا تصور جسے انہوں نے پارلیمنٹ میں بڑا زور دے کر بیان کیا ہے وہ اس بات پر غور وفکر کا نتیجہ ہے کہ ہماری سیاست کے وفاقی کردار سے متعلق آئین کی دفعات کس طرح کام کرتی ہیں ۔ ان کی بعض تقاریر میں اس بات کا دوٹوک اعتراف ہے کہ ہندوستان جیسے بڑے اور متنوع ملک میں وفاقی منصوبے کی کامیابی کے لیے وزیر اعظم اور وزرائے اعلیٰ کو ایک ٹیم کے طور پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا، جی ایس ٹی ایکٹ کی کامیاب منظوری اور نفاذ کو باہمی افہام وتفہیم اور مطابقت کے جذبے کی ایک واضح شہادت کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس نے یونین اور ریاستوں کے درمیان گفت وشنید کی راہ ہموار کی ہے۔ اس سلسلے میں یہ کامیابی اپنے حقیقی معنوں میں تعاون پر مبنی وفاقیت کے آئیڈیل کے حصول کے راستے میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

وزیر اعظم مودی نے عام آدمی کی جدوجہد کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ یہ ان کی اپنی زندگی کی کہانی ہے، جو مراعات اور استحقاق کے تکلفات سے عاری ہے۔ وزیر اعظم کا اپنا سفر، جو کسی بھی ہندوستانی کے سفر میں منعکس ہے، ایک غیر متزلزل، کبھی نانہ کہنے والے رویے کے ذریعے قابل ذکر بنا۔ وقار، سالمیت، اور فرض کا ایک فطری احساس؛ علم کے لیے ایک ناقابل تسخیر بھوک؛ تجربے سے سیکھنے اور اپنانے کی تیاری اور سب سے بڑھ کر مادر وطن کے لیے ایک اٹل عقیدت۔ شاید اسی تناظر میں ان کی تقاریر نے کئی مواقع پر غیر معمولی کامیابیوں کی صلاحیت پر ان کے پختہ یقین کو آواز دی ہے جو کہ ہر انسان میں فطری طور پر موجود ہے۔ وہ اسے حکومتوں کا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ ہر شہری کو اپنی لیاقت کو ڈھونڈنے میں مدد کریں۔ وزیر اعظم کو اجتماعی صلاحیت کی وسعت اور گہرائی پر بے پناہ اعتماد ہے جس کی نمائندگی ہمارے ملک کے نوجوان کرتے ہیں۔ یکساں کھیل کا میدان، صحیح ترغیبات، اور معاون ماحول کے پیش نظر، ہمارے دیہی اور چھوٹے شہروں کے نوجوانوں نے عالمی اور مقامی دونوں طرح کے عوامی اور پیشہ ورانہ میدانوں میں قابل ذکر مسابقتی مزاج اور خوبی کا مظاہرہ کیا ہے۔ وزیر اعظم مودی کو ہمارے اب تک نظر انداز کیے جانے والے سطح 2 اور سطح 3 شہروں کی بڑھتی ہوئی رونق میں بڑی امید اور تبدیلی کے امکانات نظر آتے ہیں، جنہوں نے حالیہ دنوں میں انٹرپرائز اور جدت کے لیے بنیادی ڈھانچے اور ماحول سازی میں بے مثال بہتری دیکھی ہے۔ ہر فرد کی انفرادی صلاحیت میں وزیر اعظم کے گہرے یقین کا اظہار ان کے ذریعے اس خوبصورت شلوک کو پڑھ کر کیا گیا ہے:

अमन्त्रमक्षरं नास्ति, नास्ति मूलमनौषधम्।
अयोग्यः पुरुषो नास्ति, योजकस्तत्र दुर्लभः॥

(حروف میں کوئی ایسا حرف نہیں جو منتروں میں استعمال نہ کیا گیا ہو، کوئی جڑ ایسی نہیں ہے جس میں طبی خصوصیات نہ ہوں، کوئی ایسا شخص نہیں جو مکمل طور پر ناکارہ ہو، لیکن شاذونادر ہی کوئی ایسا شخص ہے جو ان منتروں کو استعمال کرنا جانتا ہو۔)

چونکہ ہر فرد منفرد صلاحیتوں سے مالا مال ہے، اس لیے اس تالیف میں بہت سی تقریریں حکومتوں کے پابند فریضے میں وزیر اعظم کے ثابت قدمی کے یقین کی عکاسی کرتی ہیں کہ وہ ہندوستان کے ہر شہری کی صلاحیتوں کے ادراک کے لیے ایک سازگار ماحول فراہم کرنے کے لیے اپنے وسائل کے اندر ہر کام کریں۔ **'سب کا ساتھ، سب کا وکاس'** اس لیے ان کی حکومت کی پالیسی پیٹرن کا سنگ بنیاد ہے۔ یہ ایک ایسا پالیسی فریم ورک ہے جو ہر شہری کو یہ باور کراتا ہے کہ حکومت اپنے لوگوں پر بے حد بھروسہ کرتی ہے، کہ ہر فرد کو ایک باوقار زندگی کی یقین دہانی کرائی جاتی ہے، چاہے اس کی طرز زندگی کا معیار کچھ بھی رہا ہو، اور یہ کہ ہر انفرادی ٹیلنٹ کے لیے کوششیں کرنے کے لیے مراعات دی جائیں گی۔ وزیر اعظم عام آدمی کی دیانتداری میں جو یقین رکھتے ہیں، وہ ان کی نیک نیتی کی عکاسی کرتا ہے، جو بلاشبہ شہریوں اور سرکاری اہلکاروں کے درمیان اعتماد کا ایک صحت مند ماحولیاتی نظام بنانے میں ایک تبدیلی کا ضامن ہے۔ اس کی وضاحت خود وزیر اعظم کے ذریعہ دی گئی ایک مثال کے ذریعے کی گئی ہے، جس میں ان کی حکومت کی جانب سے شہریوں کے ذریعے خود تصدیق شدہ دستاویزات کو سرکاری طور پر تسلیم کرنے کے بارے میں یقین کی جست لگائی گئی ہے، اس موجودہ شرط کو تبدیل کرنے سے جو سرکاری اہلکاروں کے ذریعہ تصدیق کو لازمی قرار دیا گیا تھا، نہ صرف سابقہ بہت بڑی پریشانی اور مشکلات سے نجات ملے گی، بلکہ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ معاشرے اور سیاست میں اعتماد کے عہد کو مزید مضبوطی حاصل ہوگی۔

موجودہ تالیف میں متعدد تقریریں جن دھن یوجنا، براہ راست فائدہ کی منتقلی، توقعاتی اضلاع کی تیز رفتار ترقی، کسان برادریوں کے لیے بہت سی اسکیموں، سب کے لیے صحت کی ضمانت کے لیے آیوشمان یوجنا، 'ووکل فار لوکل'، میک ان انڈیا، اسٹارٹ اپ انڈیا، چھوٹے کاروباریوں اور کاروباروں کے لیے اسکیمیں، تجارت کے طریقہ کار کو آسان بنانا، پسماندہ طبقوں کے لیے ٹیکنالوجی کا استعمال، ملک کے نظر انداز حصوں، خاص طور پر شمال مشرقی ریاستوں کو مرکزی دھارے میں لانا جیسے اقدامات کی طرف واضح اشارہ کرتی ہیں۔ ان کے خیال میں حکومت کی اسکیموں اور اقدامات کا تصور، ڈیزائن اور اس پر عمل درآمد اس طرح ہونا چاہیے کہ تمام شہریوں کے لیے قابلِ بھروسہ اور قابلِ

فراہمی حقوق اس طرح پیدا کیے جائیں کہ اس طرح کے پالیسی اقدامات کے ثمرات حقیقی معنوں میں پسماندہ، سماجی طور پر پسماندہ افراد اور معاشی طور پر پسماندہ، خواتین، کسان اور نوجوان وغیرہ تک پہنچے۔ عوامی خدمات کی فراہمی کو مزید موثر، شفاف، صارف دوست اور پیش قیاسی بنانا وزیر اعظم کا مشن رہا ہے۔ یہ عدم اطمینان اور مایوسی کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑتا ہے، بلکہ امید، فلاح و بہبود، بااختیار بنانے اور انسلاک و ملکیت کا احساس پیدا کرتا ہے۔ ترقی اور پیشرفتی کا وزیر اعظم مودی کا وژن، ایک فلاحی ریاست کا ہے جو کاروبار دوست اور جدید ہندوستان کے ساتھ ہم آہنگ ہے، عالمی معیار کے بنیادی ڈھانچے، جدید ٹیکنالوجی اور اختراعات سے لیس ہے۔ وزیر اعظم کا ماننا ہے کہ "ایک بھارت شریشٹھ بھارت" (ایک ہندوستان، بہترین ہندوستان) کے حتمی خواب کے حصول کی جستجو میں کامیابی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب حکومت فلاح و بہبود، ترقی اور اعتماد کے ذریعے قوم کی عظیم شان میں مشترکہ حصہ داری کا احساس پیدا کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

وزیر اعظم مودی ایک نوجوان قوم کی بڑھتی ہوئی خود اعتمادی میں مستقبل کے روشن امکانات دیکھتے ہیں۔ اس لیے وہ اراکین پارلیمنٹ اور ان کے ذریعے قوم سے کہتے ہیں کہ وہ بڑا سوچیں، اپنی صلاحیتوں پر یقین رکھیں، دور اندیشی کا مظاہرہ کریں اور ان لوگوں کے بہکاوے میں نہ آئیں جو آپ کو تباہی کی پیشین گوئی کر کے مایوس کرتے ہیں۔ وہ ممبران پارلیمنٹ کو یقین دلاتے ہیں کہ حکومت ترقی کی راہ پر پوری طرح سے آگے بڑھ رہی ہے جو مستقبل قریب میں قوم کی معیشت کو 5 ٹریلین ڈالر پلس لیگ میں لے جائے گی۔ وزیر اعظم کا ماننا ہے کہ ہندوستان واقعی امکانات کی سرزمین ہے۔ ہمارے ملک کے لوگوں کو سال 2047 کے ہندوستان کا خواب دیکھنا چاہئے۔ ہماری آزادی کا صد سالہ سال–جسے عالمی سطح پر ایک مثالی سال کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

وزیراعظم کا یہ پختہ نظریہ ہے کہ کسی بھی معاشرے میں نظم و ضبط برقرار رکھنے اور اسے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے شہریوں کو نظم و ضبط اور خلوص کے ساتھ اپنے شہری فرائض انجام دینے کی ضرورت ہے۔ ہر ایک کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ بنیادی فرائض شہریوں کے حقوق کے ساتھ مل کر چلتے ہیں، اور اسی لیے، وزیر اعظم نے تمام ہم وطنوں کو اپنی نصیحت میں زور دیا ہے کہ وہ قوم کے تئیں اپنے فرائض ایمانداری کے ساتھ ادا کریں تاکہ ہندوستان امرت کال کے دوران ایک مثالی مقام حاصل کر سکے۔

وزیر اعظم مودی کا ایک ایسے ہندوستان کا غیر مبہم اور واضح یقین ہے جو ہمیشہ بلند، متحد اور مضبوط، جامع اور پراعتماد ہوگا۔ قارئین دیکھیں گے کہ ان کی تقریریوں میں شلوکوں اور منتروں کا اکثر حوالہ ہے جو ہمارے مشترکہ تجربات اور عقائد کے نظام کو بہترین انداز میں بیان کرتے ہیں۔ وقت کی کسوٹی پر پرکھی گئی اس حکمت نے اسلاف کی لاتعداد نسلوں کو زمانوں تک راہنمائی فراہم کی ہے۔ لامحالہ، وزیر اعظم خوبصورت ویدک منتر کے ذریعے فرد کے ساتھ ساتھ ہندوستانی عوام کی اجتماعی ذہانت کو بھی اجاگر کرتے ہیں:

अयुतोअहं, अयुतो मे आत्मा, अयुतं मे
अयुतं चक्षु,अयुतं श्रोत्रम

(میں ایک نہیں ہوں، میں اکیلا نہیں ہوں، میں اپنے ساتھ کروڑوں انسانوں کو دیکھتا اور تجربہ کرتا ہوں، اس لیے میری روحانی طاقت کروڑوں کی ہے۔ میرے پاس لاکھوں کی نظر ہے، میرے پاس لاکھوں کی سننے کی طاقت ہے، اور کرما کی طاقت ہے۔)

21-2014 کی مدت کے دوران عزت مآب وزیر اعظم کی تمام 34 تقاریر کا اہم ہندوستانی زبانوں میں ترجمہ اور اشاعت کے چیلنجنگ کام کو انجام دینا لوک سبھا سکریٹریٹ کا اعزاز رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ قارئین اپنی مادری زبانوں میں وزیر اعظم کے خیالات اور نظریات کو سمجھنے، پرکھنے اور تنقیدی انداز میں جانچنے کے قابل ہوں گے۔ کثیر لسانی اشاعت کی یہ پہل عزت مآب اسپیکر، لوک سبھا، شری اوم برلا کی تحریک تھی جن کی ہر مرحلے پر رہنمائی اور حوصلہ افزائی نے ہم سب کو اس چیلنجنگ، لیکن انوکھے منصوبے کو شروع کرنے کی ترغیب دی ہے۔ شری ستپال گلاٹی، جوائنٹ سکریٹری اور لوک سبھا سکریٹریٹ کے افسران نے انتھک محنت کی اور تقاریر کے ترجمے میں متعدد چیلنجوں کا سامنا کرتے ہوئے اپنے عزم کو برقرار رکھا۔ وزیر اعظم شری نریندر مودی کی تقاریر کی موجودہ اشاعت میں لوک سبھا سکریٹریٹ کی اسکی اشاعت کے سبھی مرحلوں میں دکھائی گئی محنت اور لگن قابل تحسین ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہندوستان میں مختلف لسانی پس منظر سے تعلق رکھنے والے قارئین اس اشاعت کو نہایت مفید پائیں گے۔

اتپل کمار سنگھ

سکریٹری جنرل، لوک سبھا

فہرست مضامین

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
.1	شریمتی سمترا مہاجن کے لوک سبھا اسپیکر منتخب ہونے پر وزیر اعظم کی استقبالیہ تقریر [06.06.2014]	3
.2	لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[11.06.2014]	7
.3	راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[11.06.2014]	21
.4	لوک سبھا میں ڈپٹی اسپیکر کی تہنیت پر وزیر اعظم کی تقریر[13.08.2014]	35
.5	مرکزی وزیر سادھوی نرنجن جیوتی کے ذریعے قابل اعتراض الفاظ کے استعمال پر لوک سبھا میں وزیر اعظم کا بیان[05.12.2014]	37
.6	پاکستان میں 26/11 کے ملزم ذکی الرحمٰن لکھوی کو ضمانت ملنے پر لوک سبھا میں وزیر اعظم کا بیان[19.12.2014]	39
.7	لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[27.02.2015]	43
.8	لوک سبھا میں وزیر اعظم کا بیان[09.03.2015]	63
.9	لوک سبھا میں وزیر اعظم کا بیان[23.04.2015]	67

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
.10	ڈاکٹر بی آر امبیڈکر کی پیدائش کی 125ویں سالگرہ کی تقریبات میں آئین کے تئیں پابندی عہد پر لوک سبھا میں وزیر اعظم کا بیان[27.11.2015]	69
.11	لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[03.03.2016]	87
.12	لوک سبھا میں جی ایس ٹی بل پر وزیر اعظم کا خطاب[08.08.2016]	103
.13	لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[07.02.2017]	115
.14	راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[08.02.2017]	135
.15	بھارت چھوڑو تحریک کی 75ویں سالگرہ کے موقع پر خصوصی بحث کے دوران لوک سبھا میں وزیر اعظم کا خطاب[09.08.2017]	153
.16	لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[07.02.2018]	163
.17	راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[07.02.2018]	183
.18	راجیہ سبھا سے ریٹائر ہونے والے اراکین کے لیے وزیر اعظم کی الوداعی تقریر[28.03.2018]	203
.19	لوک سبھا میں وزارتی کونسل میں عدم اعتماد کی تحریک پر وزیر اعظم کی تقریر[20.07.2018]	207
.20	راجیہ سبھا میں ڈپٹی چیئرمین کی تہنیت پر وزیر اعظم کی تقریر [09.08.2018]	227

صفحہ نمبر	موضوع	نمبر شمار
233	لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[07.02.2019]	21.
259	پارلیمنٹ میں شری اٹل بہاری واجپئی کی تصویر کی نقاب کشائی کی تقریب میں وزیر اعظم کا خطاب[12.02.2019]	22.
263	16ویں لوک سبھا کی آخری نشست میں وزیر اعظم کا خطاب[13.02.2019]	23.
273	شری اوم برلا کے لوک سبھا اسپیکر منتخب ہونے پر وزیر اعظم کی استقبالیہ تقریر[19.06.2019]	24.
277	لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[25.06.2019]	25.
293	راجیہ سبھا کے 250ویں اجلاس پر وزیر اعظم کی تقریر[18.11.2019]	26.
301	70ویں یوم آئین پر پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں وزیر اعظم کا خطاب[26.11.2019]	27.
309	لوک سبھا میں 'شری رام جنم بھومی تیرتھ شیتر ٹرسٹ' کے قیام پر وزیر اعظم کی تقریر[05.02.2020]	28.
313	لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[06.02.2020]	29.
333	راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[06.02.2020]	30.
353	شری ہری ونش نارائن سنگھ کے راجیہ سبھا کے ڈپٹی چیئر مین منتخب ہونے پر وزیر اعظم کی تقریر[14.09.2020]	31.

صفحہ نمبر	موضوع	نمبر شمار
359	راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[08.02.2021]	.32
381	چار اراکین کو الوداع کہنے کے لیے راجیہ سبھا میں وزیر اعظم کا خطاب[09.02.2021]	. 33
385	لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب[10.02.2021]	.34

67th Mahaparinirvan Diwas of Dr. B. R. Ambedkar

Floral Tribute to Pandit Madan Mohan Malviya and Shri Atal Bihari Vajpayee

Floral Tribute to Netaji Subhash Chandra Bose

IPU President Address in the Central Hall of Parliament

2014

شری نریندر مودی پارلیمنٹ کے سینٹرل ہال میں پہلی بار آمد پر پارلیمنٹ کی سیڑھیوں پر جھک کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے۔

"پارلیمنٹ ملک کی جمہوریت کا مندر ہے۔"

شریمتی سمترا مہاجن کے لوک سبھا اسپیکر منتخب ہونے

پر وزیراعظم شری نریندر مودی کی استقبالیہ تقریر

۶ جون، ۲۰۱۴

شریمتی سمترا مہاجن کے لوک سبھا اسپیکر منتخب ہونے پر وزیر اعظم کی استقبالیہ تقریر

6 جون2014

عزت مآب اسپیکر صاحبہ، میں ایوان کی عظیم روایت کے مطابق متفقہ طور پر آپکے اسپیکر کی حیثیت سے منتخب ہونے پر تمام جماعتوں اور تمام ممبروں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ہم سب کے لئے فخر کی بات ہے کہ جمہوریت کے اس مندر کے منبر پر آج ایک خاتون فائز ہو رہی ہیں اور اس ایوان کی صدارت کر رہی ہیں جو ملک کے عام آدمی کو درپیش مشکلات کے حل کے لئے رہنمائی فراہم کرنے میں ایک طویل سفر طے کرے گا۔

میڈم اسپیکر، اس ایوان کے لئے یہ فخر کی بات ہے کہ آپ نے اندور میں میونسپل کارپوریشن کے ممبر سے اپنا سیاسی سفر شروع کرکے اور کئی دہائیوں پر محیط عوامی زندگی میں منتخب نمائندے کی حیثیت سے اس ایوان میں آپ اس مقام تک پہنچی ہیں اور آپ کو اس ایوان کے ممبر کی حیثیت سے آٹھ بار منتخب ہونے کا جو تجربہ حاصل ہے،اس ایوان کی کارروائی کو چلانے میں وہ انتہائی مفید اور قیمتی ثابت ہو گا۔

سولہویں لوک سبھامیں ایوان کی تشکیل کئی لحاظ سے پہلی لوک سبھاسے کافی مشابہت رکھتی ہے۔ پہلی لوک سبھاکے قیام کے بعد ایک طویل عرصہ گزراہے کہ آج ہم اس حقیقت کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ پہلی باراس ایوان میں 315 نئے ممبران منتخب ہو کر آئے ہیں۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کئی پرانے رسم ورواج اور روایات کو الوداع کہہ رہے ہیں اور نئی، صحتمند روایات کو اپنارہے ہیں اور پوری دنیاکے سامنے اس ایوان کو ایک نئی شکل میں پیش کررہے ہیں، دنیا اسکی طرف بہت امیدوں اور آرزووں کے ساتھ دیکھ رہی ہے۔ یہ نیاخون اور نئی توانائی یقینی طور پر اس ایوان کو دنیاکے سامنے بھارت کو ایک مضبوط جمہوریت کی حیثیت سے پیش کرنے کا موقع فراہم کرے گی۔ اور جمہوریت کا یہ مندر یقینی طور پر اس ملک کی حقیقی ترقیاتی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے توانائی کا ایک منبع ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ ایوان یقینی طور پر آپ کی قیادت اور رہنمائی میں عوام کی امیدوں اور امنگوں کو پورا کر سکے گا۔

آپ کا نام ہی خیر سگالی اور دوستی کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور سب کے دلوں میں آپکے ساتھ وابستگی کا احساس بھی۔ اس کا ذکر صحیفوں میں بھی ہے – "مہاجنو ین گتہ پنتھا"، جس کا مطلب یہ ہے کہ عظیم شخصیتوں کی راہ پر چلنا بہتر ہے اور یہاں ہمیں ایک

مہاجن خود آج ایوان کی کرسی پر فائز نظر آتی ہیں۔ ایوان کو یقینی طور پر آپ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہو گا۔ میں آپ کو اپنی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ پورا ایوان آپ کا مکمل تعاون کرے گا اور آپکے احکامات کی تعمیل میں اور ہندوستان کے عام آدمی کی امنگوں اور توقعات کی تکمیل میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ میں ایک بار پھر آپ سے نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں اور میں آپ کے انتخاب کی متفقہ طور پر حمایت کرنے پر تمام سیاسی جماعتوں سے بھی دلی طور پر اظہار تشکر کرنا چاہتا ہوں جس نے اس صحت مند روایت کی بقاء کو یقینی بنایا ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ!

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر 'شکریہ کی تحریک' پر وزیر اعظم شری نریندر مودی کا جواب

۱۱ جون، ۲۰۱۴

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

11 جون 2014

عزت مآب اسپیکر صاحبہ، میں اس ایوان میں پہلی بار منتخب ہو کر آیا ہوں۔ آج یہاں میرا داخلہ بھی نیا ہے اور تقریر کا موقع بھی پہلی بار ملا ہے۔

اس ایوان کے وقار، روایات بہت ہی اعلیٰ رہے ہیں۔ اس ایوان میں کافی تجربہ کار، تین چار دہوں سے قوم کے سوالوں کو اجاگر کرنے والے، سلجھانے والے ممبران اور لگاتار کوشش کرنے والی بزرگ شخصیات بھی موجود ہیں۔ جب مجھ جیسا ایک نیا شخص کچھ کہہ رہا ہو، ایوان کے وقار اور تعظیم میں اگر کوئی چوک ہو جائے تو نیا ہونے کے ناطے آپ مجھے معاف کر دیں گے، ایسا مجھے پورا یقین ہے۔ عالی وقار صدر جمہوریہ کے خطاب پر لوک سبھا میں پچاس سے زائد معزز ممبران نے اپنے خیالات پیش کیے۔ میں نے ایوان میں رہتے ہوئے اور کچھ اپنے کمرے میں بیٹھ کر تقریباً سبھی تقریریں سنی ہیں۔ عزت مآب ملیکارجن جی، عزت مآب ملائم سنگھ جی، ڈاکٹر تھمبی دورئی جی، بھرتوہری جی، ٹی ایم سی کے نیتا اور سبھی ممبران کو میں نے سنا۔ ایک بات صحیح ہے کہ ایک آواز یہ اٹھی کہ آپ نے اتنی ساری جو باتیں بتائی ہیں، انہیں کیسے کروگے، کب کروگے؟ میں مانتا ہوں کہ آپ نے صحیح موضوع کو اٹھایا ہے اور اس بات کا دل میں آنا بہت فطری امر ہے۔ میں اپنا ایک تجربہ بیان کرتا ہوں۔ میں نیا نیا گجرات میں وزیر اعلیٰ بن کر آیا تھا اور ایک بار میں نے ایوان میں یہ کہہ دیا کہ گجرات کے گاؤوں میں، گھروں میں 24 گھنٹے بجلی پہنچانا چاہتا ہوں۔ ٹریزری بنچ نے خوب تالیاں بجائیں، لیکن سامنے کی طرف سناٹا تھا۔ ہمارے جو حزب مخالف کے لیڈر تھے، چودھری امر سنگھ جی، وہ کانگریس کے سینئر نیتا تھے، بڑے سلجھے ہوئے انسان تھے۔ وہ بعد میں وقت لے کر مجھ سے ملنے آئے۔ انھوں نے کہا کہ مودی جی کہیں آپ سے کوئی چوک تو نہیں ہو رہی ہے، آپ نئے ہو، آپ کو زیادہ تجربہ نہیں ہے، یہ چوبیس گھنٹے بجلی دینا ممکن ہے کیا؟ آپ کیسے دوگے؟ ایک دوست کے ناطے انہوں نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں نے اس پر کافی غور کیا ہے اور مجھے لگتا ہے کہ ہم کر لیں گے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ دو ہزار میگاواٹ اگر ڈیفیسٹ ہے تو آپ کیسے کروگے؟ ان کے دل میں یہ خیال آنا بہت فطری تھا۔ لیکن مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ وہ کام گجرات میں ہو گیا۔ اس لیے یہاں پر بیٹھے ہوئے سبھی سینئر حضرات کے دل میں سوال آنا بہت فطری بات ہے کہ ابھی تک نہیں ہوا ہے تو اب کیسے ہو گا۔ چونکہ یہ کام ابھی تک نہیں ہوا ہے، اس لیے شک وشبہہ ہونا بہت فطری بات ہے۔ لیکن میں اس ایوان کو یقین دلاتا ہوں کہ راشٹرپتی جی نے کام کا جو راستہ دکھایا ہے، اسے پورا کرنے

میں ہم کوئی کوتاہی نہیں برتیں گے۔ ہمارے لیے راشٹرپتی جی کا خطاب محض ایک رسم و روایت نہیں ہے۔ ہمارے لیے ان کے ذریعے کہی ہوئی ہر بات میں ایک تقدس کا پہلو ہے، ایک مقدس عزم ہے اور اسے پورا کرنے کی ہماری بھرپور کوشش بھی ہے اور یہی جذبہ ہماری تحریک کا سبب بھی بن سکتا ہے جو ہمیں کام کرنے کی ترغیب دے گا۔ اس لیے راشٹرپتی جی کے خطاب کو آئندہ کے لیے بھی ہمیں پوری اہمیت دینی چاہیے، اسے سنجیدگی سے لینا چاہیے اور ایوان میں ہم سب کو مل کر اسے پورا کرنے کی ہر کوشش کرنی چاہیے۔

جب انتخابات ہوئے تو انتخابات ہونے تک ہم سب امیدوار تھے، لیکن اب ایوان میں آنے کے بعد ہم عوام کی امیدوں کے سفیر ہیں۔ تب تو ہم امیدوار تھے، لیکن ایوان میں پہنچنے کے بعد ہم جنتا کی امیدوں کے محافظ ہیں۔ کسی کا فرض ہوگا کہ سفیر کی حیثیت سے اسے پایہ تکمیل تک پہونچائیں، کسی کا فرض یہ ہوگا کہ اگر کچھ کمی رہتی ہے تو محافظ بن کر پوری آواز اٹھائیں۔ یہ بھی ایک اعلیٰ فریضہ ہے۔ ہم سب مل کر اس فریضے کو انجام دیں گے۔

مجھے اس بات کا اطمینان رہا کہ زیادہ تر اس ایوان میں جو بھی موضوعات آئے ہیں، چھوٹی موٹی نوک جھونک تو ضروری بھی ہوتی ہے، لیکن پوری طرح ایک مثبت ماحول نظر آیا۔ جو مدعے اٹھائے گئے، ان کے اندر بھی ایک امید تھی، ایک ہوپ تھی۔ یعنی ملک کے سوا سو کروڑ شہریوں نے جس امید کے ساتھ اس ایوان کو منتخب کیا ہے، اس کی بازگشت اس طرف بیٹھے ہوئے لوگ ہوں یا اس طرف بیٹھے ہوئے، سب کی باتوں میں ظاہر ہوئی ہے، یہ میں مانتا ہوں۔ یہ بھارت کی تقدیر کے لیے ایک مبارک علامت ہے۔ راشٹرپتی جی نے اپنے خطاب میں انتخابات، ووٹروں اور نتائج کو سراہا ہے۔ میں بھی اہل وطن کو تہنیت پیش کرتا ہوں، ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ کئی برسوں کے بعد ملک نے ایک مستحکم حکومت کے لیے، ترقی کے لیے، اچھی حکومت کے لیے ووٹ دے کر پانچ سال کے لیے ترقی کے سفر کو یقینی بنایا ہے۔ بھارت کے ووٹروں کی یہ فکر، اور انہوں نے ہمیں جو ذمہ داری دی ہے، انکو ہمیں پورا کرنا ہے۔ لیکن ہمیں ایک بات سوچنی ہوگی کہ دنیا کے اندر بھارت ایک بڑا جمہوری ملک ہے، اس حیثیت سے تو کبھی کبھار ہمارا ذکر ہوتا ہے، لیکن کیا وقت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ دنیا کو ہم یہ باور کرائیں کہ ہم کتنی بڑی جمہوری طاقت ہیں، ہماری جمہوری روایات کتنی اعلیٰ ہیں، ہمارے عام سے عام، ان پڑھ سے ان پڑھ شخص کی رگوں میں بھی جمہوریت دوڑ رہی ہے اور اسکے تیئں اسکی عقیدت کتنی زیادہ ہے۔ اپنی ساری امیدوں اور تمناؤں کو جمہوری طریقے سے پورا کرنے کے لیے وہ کتنا بیدار ہے۔ کیا کبھی دنیا کے سامنے ہماری اس طاقت کو صحیح طور پر پیش کیا گیا؟ ان انتخابات کے بعد ہم سب کی ایک اجتماعی ذمہ داری بنتی ہے کہ دنیا کو ڈنکے کی چوٹ پر ہم یہ سمجھائیں۔ دنیا کو ہم متاثر کریں۔ پورے یوروپ اور امریکا میں مل کر جتنے ووٹرس ہیں، اسسے کہیں زیادہ لوگ ہمارے یہاں انتخابات

میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ ہماری کتنی بڑی طاقت ہے۔ دنیا کے سامنے بھارت کی اس حیثیت کو بھی ہم نے اجاگر کیا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ ہم سب کی ذمہ داری بنتی ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ کچھ خلارہ گیاہے۔ بارہ سو برسوں کی غلامی کی ذہنیت ہمیں پریشان کررہی ہے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم سے تھوڑا اونچا شخص مل جائے تو سر اونچا کرکے بات کرنے کی ہماری ہمت نہیں ہوتی ہے۔ کبھی کبھار کسی کے جلد کا رنگ بھی ہمیں متاثر کر دیتا ہے۔ ان ساری باتوں سے باہر نکل کر بھارت جیسی طاقتور جمہوریت اور ان انتخابات میں اس طرح کا ظاہر ہونے والا روپ، اب دنیا کے سامنے طاقتور ملک کے طور پر سامنے لانے کا وقت آگیا ہے۔ ہمیں دنیا کے سامنے سر اونچا کرکے، آنکھ سے آنکھ ملا کر، سینہ تان کر، بھارت کے سوا سو کروڑ عوام کی قوت کو ظاہر کرنے کی طاقت رکھنی چاہیے اور اس کو ایک ایجنڈا کی شکل میں آگے بڑھانا چاہیے۔ بھارت کی شان اور وقار اس کی وجہ سے بڑھ سکتے ہیں۔

عزت مآب اسپیکر صاحبہ، یہ سوال صحیح ہے کہ اس دیش پر سب سے پہلا حق کس کا ہے؟ سرکار کس کے لیے ہونی چاہیے؟ کیا سرکار صرف پڑھے لکھے لوگوں کے لیے ہو؟ کیا سرکار صرف گنتی کے چند لوگوں کے فائدے کے لیے ہو؟ میرا کہنا ہے کہ سرکار غریبوں کے لیے ہونی چاہیے۔ امیر کو اپنے بچوں کو پڑھانا ہے تو وہ دنیا کا کوئی بھی ٹیچر ہائر کر سکتا ہے۔ امیر کے گھر میں کوئی بیمار ہو گیا تو سیکڑوں ڈاکٹر آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن غریب کہاں جائے گا؟ اس کے نصیب میں تو وہ سرکاری اسکول ہے، اس کے نصیب میں تو وہی سرکاری اسپتال ہے اور اسی لیے سب سرکاروں کی یہ سب سے پہلی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ غریبوں کی سنیں اور غریبوں کے لیے جئیں۔ اگر ہم سرکار کا کاروبار غریبوں کے لیے نہیں چلاتے ہیں، غریبوں کی بھلائی کے لیے نہیں چلاتے ہیں تو دیش کی جنتا ہمیں قطعی معاف نہیں کرے گی۔

عزت مآب اسپیکر صاحبہ، یہ اس سرکار کی اولین ترجیح ہے۔ ہم تو پنڈت دین دیال اپادھیائے جی کے آدرشوں پر پلے ہوئے لوگ ہیں جنھوں نے ہمیں انتیودیہ کی تعلیم دی تھی۔ گاندھی، لوہیا اور دین دیال جی، تینوں کے خیالات کی ڈور کو ہم پکڑے ہوئے ہیں، انسانوں کی آخری قطار میں بیٹھے ہوئے انسان کی فلاح کا اس صدی کی سیاست کی ان تینوں عظیم شخصیات نے ہمیں ایک ہی راستہ دکھایا ہے کہ سماج کے آخری سرے پر جو بیٹھا ہوا انسان ہے، اس کی فلاح کو اولیت دی جائے۔ ہم اس پر پابند عہد ہیں۔ انتیودیہ کی فلاح، ہم اس عہد کے پابند ہیں۔ غریب کو غریبی سے باہر لانے کے لیے اس کے اندر وہ طاقت لانی ہے جس سے وہ غریبی کے خلاف جدوجہد کر سکے۔ غریبی کے خلاف لڑائی لڑنے کا سب سے بڑا اوزار تعلیم ہے۔ غریبی سے لڑنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اندھی عقیدت سے آزادی۔ اگر غریبوں میں اندھی عقیدت کے جذبات ہیں، تعلیم کا فقدان ہے، اگر ہم اس میں سے انہیں باہر لانے میں ناکام ہوتے ہیں، اس دیش کا غریب کسی کے ٹکڑوں پر پلنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ وہ اپنے بل بوتے پر اپنی

دنیا کھڑی کرنے کے لیے تیار ہے۔ عزت اور فخر سے جینا غریب کی فطرت ہے۔ ہم اس کی اس بنیادی طاقت کو مزید بڑھاوا دینے کی کوشش کریں۔اس لیے سرکاری منصوبے کے تحت ہم غریب کو اسکی غریبی سے باہر نکلنے کی طاقت دیں، غریب کو غریبی کے خلاف لڑنے کی طاقت دیں۔ حکومت کے سارے نظام غریب کو بااختیار بنانے کے لیے کام آنے چاہئیں اور سارے نظاموں کا آخری نتیجہ اس آخری سرے پر بیٹھے ہوئے انسان کے لیے کام میں آئے، اگر اس سمت میں کوشش ہوگی تبھی جا کر اس کا بھلا ہم کر پائیں گے۔

ہم صدیوں سے کہتے آئے ہیں کہ ہمارا ملک زراعت پر مبنی ملک ہے، یہ گاؤوں کا ملک ہے۔ یہ نعرے تو بہت اچھے لگے، سننا بھی بہت اچھا لگا، لیکن کیا ہم آج اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ ہم اپنے گاؤں کی زندگی کو بدل پائے ہیں، اپنے کسانوں کی زندگی کو بدل پائے ہیں۔ یہاں میں کسی سرکار کی تنقید کرنے کے لیے کھڑا نہیں ہوا ہوں۔ یہ ہماری اجتماعی ذمہ داری ہے کہ بھارت کے گاؤوں کی زندگی کو بدلنے کے لیے اس کو ہم فوقیت دیں، کسانوں کی زندگی کو بدلنے کے لیے اس کو فوقیت دیں۔ راشٹر پتی جی کے خطاب میں اس کام کو پورا کرنے کے لیے ہم نے کوشش کی ہے۔ یہاں ایک موضوع ایسا بھی آیا کہ کیسے کریں گے؟ ہم نے گاؤں کی ترقی کے لئے ایک لفظ "رربن" کا استعمال کیا ہے جو راشٹر پتی جی کے خطاب میں ہم نے دیکھا ہوگا۔ جہاں سہولت تو شہر کی ہو اور روح گاؤں کی۔ گاؤں کی پہچان گاؤں کی روح سے باقی ہے۔ آج بھی وہ اپناپن موجود ہے وہاں، گاؤں میں ایک بارات آتی ہے تو پورے گاؤں کو لگتا ہے کہ ہمارے گاؤں کی بارات ہے۔ گاؤں میں ایک مہمان آتا ہے تو پورے گاؤں کو لگتا ہے کہ یہ ہمارے گاؤں کا مہمان ہے۔ یہ ہمارے دیش کی ایک انمول وراثت ہے۔ اس کو بنائے رکھنا ہے، اس کو بچائے رکھنا ہے۔ لیکن کیا ہم اپنے گاؤں کے لوگوں کو جدید سہولیات سے محروم رکھیں گے؟ میں تجربے سے کہتا ہوں کہ اگر گاؤں کو جدید سہولیات سے آراستہ کیا جائے تو گاؤں ملک کی ترقی میں زیادہ تعاون کر رہا ہوگا۔ اگر گاؤں میں بھی چوبیس گھنٹے بجلی ہو، اگر گاؤں کو بھی براڈ بینڈ کنکٹی ویٹی ملے، گاؤں کے بچے کو بھی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ملے، پل بھر کے لیے مان لیں کہ شاید ہمارے گاؤں میں اچھے استاد نہ ہوں، لیکن آج کی سائنس ہمیں لانگ ڈسٹنس ایجوکیشن کے لیے پوری طاقت دیتی ہے۔ شہر میں بیٹھ کر بھی اعلیٰ سے اعلیٰ استاد کے ذریعے گاؤں کے آخری کنارے پر بیٹھے ہوئے اسکول کے بچے کو ہم پڑھا سکتے ہیں۔ ہم سیٹیلائٹ نظام کا استعمال، اس جدید سائنس کا استعمال ان غریب بچوں کی تعلیم کے لیے کیوں نہ کریں؟ اگر گاؤں کی زندگی میں ہم یہ تبدیلی لائیں تو کسی کو بھی اپنا گاؤں چھوڑ کر جانے کا دل نہیں کرے گا۔ گاؤں کے نوجوان کو کیا چاہیے؟ اگر روزگار مل جائے تو وہ اپنے ماں باپ کے پاس رہنا چاہتا ہے۔ کیا گاؤوں کے اندر ہم صنعتوں کا جال نہیں کھڑا کر سکتے ہیں؟ کم از کم ہم ایک بات پر زور دیں۔ زراعت پر مبنی صنعتوں پر زور دیں۔ اگر ہم پیداوار میں اضافہ کریں اور اس

پر اگر ہم زور دیں۔ اس کی ایک زبردست طاقت ہے اور اس طاقت کو اگر ہم نے پہچان لیا تو ہم گاؤں کی معاشی زندگی میں انقلاب لا سکتے ہیں، گاؤں کے طرز زندگی کو بدل سکتے ہیں اور کسان کا منافع بھی اس سے وابستہ ہے۔

سکم ایک چھوٹی سی ریاست ہے، بہت کم آبادی ہے۔ لیکن اس چھوٹی سی ریاست نے ایک بہت بڑا کام کیا ہے۔ بہت جلد مستقبل قریب میں سکم ہندوستان کے لیے باعث فخر آرگینک اسٹیٹ بننے جا رہا ہے۔ وہاں کی ہر پیداوار آرگینک ہونے والی ہے۔ آج پوری دنیا میں آرگینک زرعی پیداوار کی بہت زیادہ مانگ ہے۔ آج دنیا میں ہولسٹک ہیلتھ کا خیال رکھنے والا ایک پورا طبقہ موجود ہے، جو جتنا مانگو اتنی قیمت دے کر آرگینک چیزیں خریدنے کے لیے قطار میں کھڑا ہے۔ عالمی منڈی پر غالب آنے کے لیے سکم کے کسانوں نے جو محنت کی ہے، اس کو جوڑ کر اگر ہم اس منصوبے کو آگے بڑھائیں تو دور دراز ہمالیہ کی گود میں بیٹھا ہوا صوبہ سکم کتنی بڑی طاقت کے ساتھ ابھر سکتا ہے۔ اس لیے کیا کبھی ہم خواب نہیں دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارے پورے شمال مشرق کو آرگینک اسٹیٹ کی شکل میں ہم کیسے ابھار سکیں۔ پورے شمال مشرق کو آرگینک اسٹیٹ کی شکل میں اگر ہم فروغ دیں اور دنیا کی مارکیٹ پر قبضہ کرنے کے لیے بھارت سرکار کی طرف سے ان کو مدد ملے تو وہاں دور پہاڑیوں میں رہنے والے لوگوں کی زندگی میں، زراعت کے شعبے میں کتنی بڑی تبدیلی آسکتی ہے۔ ہماری اتنی ساری زرعی یونیورسٹیاں ہیں۔ بہت ساری ریسرچ ہو رہی ہے، لیکن بدقسمتی سے لیب بہت کم ہیں۔ ہم کو اس پر زور دینے کی سخت ضرورت ہے۔ ہمیں زراعت کو روایتی زراعت سے باہر لا کر جدید زراعت کی سمت لے جانے کی ضرورت ہے۔ گجرات نے ایک چھوٹا سا تجربہ کیا تھا، سوائل ہیلتھ کارڈ۔ ہمارے ملک میں بہت سے کسان کے پاس ابھی بھی ہیلتھ کارڈ نہیں ہے۔ ہم نے گجرات میں ایک پہل کی تھی۔ اس کی زمین کی نوعیت کا اس کے پاس کارڈ رہے۔ اس کی وجہ سے پتہ چلا کہ اس کی زمین جس فصل کے لیے کارآمد نہیں ہے، وہ اسی فصل پر خرچہ کر رہا ہے۔ جس مقدار میں فرٹیلائزر کی ضرورت نہیں ہے، اتنی مقدار میں وہ فرٹیلائزر ڈالتا تھا۔ جن دوائیوں کی قطعی ضرورت نہیں تھی، وہ دوائیاں استعمال کرتا تھا۔ بیکار ہی سال بھر میں پچاس ہزار روپے یا لاکھ روپے یوں ہی پھینک دیتا تھا۔ لیکن سوائل ہیلتھ کارڈ کی وجہ سے اس کو یہ بات سمجھ آئی کہ زراعت کو کیسے کیا جائے۔ کیا ہم ہندوستان کے ہر کسان کو سوائل ہیلتھ کارڈ دینے کی مہم پوری نہیں کر سکتے؟ ہم اس کو کر سکتے ہیں۔ سوائل ٹسٹنگ کے ساتھ بھی ہم آمدنی کا ایک ذریعہ نکال سکتے ہیں۔ جو لوگ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ کیسے کروگے؟ میں ان کے لئے اس موضوع کو ذرا تفصیل سے بتا رہا ہوں کہ ہم کیسے کریں گے۔

ہمارے زرعی یونیورسٹی کے طالب علم اپریل، مئی اور جون میں گاؤں جاتے ہیں اور پورے ہندوستان میں سینئر سکنڈری کے جو اسکول ہیں، جن میں ایک لیبارٹری ہوتی ہے۔ کیوں نہ چھٹیوں میں ان لیباریٹریز کو سوائل ٹسٹنگ لیباریٹریز میں تبدیل کیا

جائے۔ زرعی یونیورسٹی کے طالب علم جو چھٹیوں میں اپنے گاؤں جاتے ہیں، ان کو اسکولوں کے اندر کام میں لگایا جائے اور چھٹیوں کے اندر وہ اپنا سوائل ٹسٹنگ کا کام اس لیبارٹری میں کریں۔ اس سے اسکول کو آمدنی بھی ہوگی اور اچھی لیبارٹری بنانے کے ارادے کو حوصلہ ملے گا۔ ایک عوامی تحریک کے طور پر اسے بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم چھوٹے چھوٹے تجربے اور تدبیریں کریں گے تو ہم چیزوں کو بدل سکتے ہیں۔

آج ہمارے ریلوے کی حالت کیا ہے؟ وہی لکیر کے فقیر ہیں۔ ان کو لکھا گیا کہ پیر کے روز جو مال آئے وہ ایک ہفتے کے اندر چلا جانا چاہیے۔ اگر پیر کو ماربل اسٹیشن پر آیا ہے، جسے ممبئی پہنچانا ہے اور منگل کو ٹماٹر آیا ہے، تو وہ پہلے ماربل بھیجا جاتا ہے، بعد میں ٹماٹر۔ کیوں؟ ماربل اگر چار دن بعد پہنچے گا تو کیا فرق پڑتا ہے، لیکن اگر ٹماٹر پہلے پہنچتا ہے تو کم سے کم وہ خراب تو نہیں ہوگا۔ ہمیں اپنے پورے نظام کو حساس بنانا ہے۔

آج ہمارے ملک کی یہ بدقسمتی ہے کہ باوجود اس کے کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے نام پر ہم دنیا میں چھائے ہوئے ہیں، سوفٹ ویئر انجینئر کے طور پر ہماری پہچان بن گئی، لیکن آج ہمارے ملک کے پاس ایگرو پروڈکٹس کا ریئل ٹائم ڈاٹا نہیں ہے۔ کیا ہم انفارمیشن ٹیکنالوجی کے نیٹ ورک کے ذریعے ایگرو پروڈکٹس کا ریئل ٹائم ڈاٹا اکٹھا نہیں کرسکتے ہیں؟ ہم نے مہنگائی کو دور کرنے کا وعدہ کیا ہے اور ہم اس پر پورے اخلاص کے ساتھ کوشش کرنے کے لیے پابند عہد ہیں اور یہ اس لیے نہیں کہ یہ صرف انتخابی وعدہ تھا اس لیے کرنا ہے، یہ ہماری سوچ ہے کہ غریب کے گھر میں شام کو چولھا جلنا چاہیے۔ غریب کے بیٹے آنسو پی کر سو جائیں، اس صورت حال میں تبدیلی آنا چاہیے۔ یہ ہم سبھی کا فرض ہے چاہے ریاستی سرکار ہو یا مرکزی سرکار، اقتدار میں ہو یا حزب اختلاف میں، ہم سبھی کی اجتماعی جواب دہی ہے کہ ہندوستان کا کوئی غریب بھوکا نہ رہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لیے ہم اس کام کو کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ریئل ٹائم ڈیٹا ہو تو آج بھی ملک میں اناج کے ذخیرے پڑے ہیں۔ ایسا نہیں کہ اناج کے گودام نہیں ہیں، لیکن انتظام کی کمی ہے۔ اگر سرکار کے پاس یہ جانکاری ہو کہ اسکی کہاں ضرورت ہے، اس کو تبھی شفٹ کر دیا جائے اور گودام بنا کر اسے وہاں رکھ دیا جائے تو اس مسئلے کا حل نکل سکتا ہے۔ اب فوڈ کارپوریشن آف انڈیا کو دیکھ لیں، سالوں سے بس یہی سسٹم چل رہا ہے۔ کیا اسے جدید نہیں بنایا جاسکتا ہے؟ پروکیورمنٹ کا کام کوئی اور کرے، پریزرویشن کا کام کوئی الگ کرے، ڈسٹری بیوشن کا کام کوئی الگ کرے، اس نظام کو اگر تین حصوں میں بانٹ دیا جائے اور تینوں کی ذمہ داری طے کر دی جائے تو میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہم ان حالات کو بدل سکتے ہیں۔

زرعی شعبے میں کیا ہم اپنی اگریکلچرل یونیورسٹیز کو مزید بہتر نہیں کر سکتے، اپنے کسانوں کو مضبوط نہیں کر سکتے، ان پر ہمیں توجہ دینا ہو گا، یہ وقت کا تقاضا ہے۔ جیسا میں نے جدید زراعت کے بارے میں کہا۔ ہم ٹیکنالوجی کو اگریکلچر میں جتنی تیزی سے لائیں گے، اس شعبے کو اتنا ہی فائدہ ہو گا، کیوں کہ خانوادوں کی توسیع ہوتی جا رہی ہے اور زمین کم ہوتی جا رہی ہے۔ ہمیں زمین میں پیداواریت بڑھانی پڑے گی۔ اس کے لیے ہمیں اپنی یونیورسٹیوں میں ریسرچ کا کام بڑھانا پڑے گا۔ اتنے برسوں میں بھی دالوں میں کوئی خاص ریسرچ نہیں ہوئی ہے۔ دالیں ہمارے سامنے بہت بڑا چیلنج بنی ہوئی ہیں۔ آج غریب آدمی کو پروٹین حاصل کرنے کے لیے دالوں کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں ہے اور جسم کی نشوونما میں پروٹین کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اگر غزائیت کی کمی کے خلاف جنگ لڑنی ہے تو ہمیں ان سوالوں کو ایڈریس کرنا ہو گا۔ دالوں کے معاملے میں کئی برسوں سے نہ تو ہم پیداواریت میں کوئی اضافہ کر پائے ہیں اور نہ ہی دالوں کے اندر پروٹین کی مقدار بڑھا پائے ہیں۔ ہم گنے میں چینی کی مقدار بڑھانے میں کامیاب ہوئے ہیں، لیکن ہم دالوں میں پروٹین کی مقدار بڑھانے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ یہ بہت بڑا چیلنج ہے۔ کیا ہم اپنے سائنس دانوں اور اپنی زرعی یونیورسٹیوں کو اسکے لئے ترغیب دیں گے؟ ہم ان مسائل پر کیو میلیسٹو ایفکٹ کے ساتھ اگر چیزوں کو آگے بڑھاتے ہیں تو میں مانتا ہوں کہ ان مسائل کا حل نکل سکتا ہے۔

بھارت کی ترقی کے سفر میں ہماری پچاس فی صدی جو خواتین کی آبادی ہے، ان ہماری ماں بہنوں کو فیصلوں میں شریک کرنے کی ضرورت ہے۔ انھیں ہمیں معاشی ترقی سے جوڑنا ہو گا۔ ترقی کی نئی اونچائیوں کو اگر پار کرنا ہے تو ہندوستان کی پچاس فی صد ہماری خواتین کی جو طاقت ہے، اس کی سرگرم شراکت کو ہمیں یقینی بنانا ہو گا۔ ان کی عزت و وقار کی فکر کرنی ہو گی، ان کی حفاظت کی فکر کرنی ہو گی۔

پچھلے دنوں میں جو کچھ واقعات پیش آئے ہیں، ہم اقتدار میں ہوں یا نہ ہوں، تکلیف دہ واقعہ ہے۔ چاہے پونے میں قتل کا واقعہ ہو، چاہے اتر پردیش میں ہونے والا قتل ہو، چاہے منالی میں حادثے کا شکار ہونے والے نوجوان ہوں، چاہے ہماری بہنوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات ہوں، یہ سارے واقعات ہم سب کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ سرکاروں کو سختی سے کام لینا ہو گا۔ اب ملک لمبا انتظار نہیں کرے گا، متاثرہ افراد طویل انتظار نہیں کریں گے اور ہمارا اپنا ضمیر ہمیں معاف نہیں کرے گا۔ اس لیے میں سیاسی قائدین سے اپیل کرتا ہوں۔ میں پورے ملک کے سیاسی قائدین سے خصوصی طور پر دست بستہ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ جنسی تشدد کے واقعات کا صرف نفسیاتی تجزیہ کرنا کم سے کم ہم بند کریں۔ ہمیں زیب نہیں دیتا ہے۔ ہم ماں بہنوں کی عزت

کے ساتھ کھلواڑ کرنا بند کریں۔ اس سیاسی سطح پر پہنچ کر ہمیں اس قسم کی بیان بازی کرنا زیب دیتا ہے کیا؟ کیا ہم خاموش نہیں رہ سکتے؟ خواتین کی عزت، خواتین کا تحفظ، یہ ہم سب کی، سوا سو کروڑ اہل وطن کی ترجیح ہونی چاہیے۔

اس ملک کی 65 فی صدی آبادی 35 سال سے کم عمر کی ہے۔ ہم کتنے خوش قسمت ہیں۔ ہم اس دور کے اندر آج زندہ ہیں۔ ہم اس دور میں پارلیمنٹ میں بیٹھے ہیں جب ہندوستان دنیا کا سب سے نوجوان ملک ہے۔

ڈیموگرافک ڈویژن کی طاقت کو ہم پہچانیں۔ پوری دنیا کو آنے والے دنوں میں لیبر فورس کی، مین پاور کی، اسکلڈ مین پاور کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ جو لوگ اس علم کا تجربہ رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ پوری دنیا کو اسکلڈ مین پاور کی ضرورت ہے۔ ہمارے پڑوس میں چین بوڑھا ہوتا جارہا ہے، ہم نوجوان ہوتے جارہے ہیں۔ یہ ایک فائدہ ہے۔ اس لیے دنیا کے سبھی ملک خوش حال سے خوش حال ملک کا ایک ہی ایجنڈا رہتا ہے۔ اسکل ڈیولپمنٹ ہمارے ملک کی ترجیح ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں کامیاب ہونا ہے تو ہمیں 'شرمیو جیتے' کے اس منتر کو بامعنی بنانا ہوگا۔ ملک کی تعمیر میں مزدور کا ایک اہم مقام ہے۔ وہ وشوکرما ہے۔ اس کا ہمیں احترام کرنا چاہیے۔

بھائیو اور بہنو، بھارت کے بارے میں دنیا میں ایک پرسیپشن بن گیا ہے۔ 'سکیم انڈیا' کی ہماری ایک پہچان بن گئی ہے۔ ملک کی اس پہچان کو ہمیں ایک 'اسکلڈ انڈیا' کے طور پر بنانی ہے، اور اس خواب کو ہم یقیناً پورا کر سکتے ہیں۔ اس لیے پہلی بار ایک الگ وزارت انٹرپرینیورشپ اینڈ اسکل ڈیولپمنٹ تشکیل دے کر اس پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔

ہمارے ملک کی ایک بدقسمتی یہ بھی ہے کہ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ کیا پڑھے لکھے ہو تو وہ کہتا ہے کہ گریجویٹ ہوں، ایم اے ہوں، ڈبل گریجویٹ ہوں۔ ہمیں سن کر اچھا لگتا ہے۔ میں نے بہت بچپن میں ہی دادا دھرم ادھیکاری جی کی ایک کتاب پڑھی تھی۔ وہ مہاتما گاندھی کے وچاروں کے ایک اچھے مفکر رہتے تھے اور ونوبا جی کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ دادا دھرم ادھیکاری جی نے اپنا ایک تجربہ بیان کیا تھا کہ کوئی نوجوان ان کے پاس نوکری مانگنے گیا۔ انھوں نے پوچھا کہ بھائی کیا کرتے ہو، کیا پڑھے ہو وغیرہ۔ اس نے کہا کہ میں گریجویٹ ہوں۔ پھر کہنے لگا کہ مجھے نوکری چاہیے۔ دادا دھرم ادھیکاری جی نے اس سے پوچھا کہ تمھیں کیا آتا ہے؟ اس نے بولا – میں گریجویٹ ہوں۔ پھر انھوں نے کہا۔ ہاں بھائی، تم گریجویٹ تو ہو، پر بتاؤ تمہیں کیا آتا ہے؟ اس نے کہا – نہیں، نہیں! میں گریجویٹ ہوں۔ چوتھی بار پوچھا کہ یہ تو بتاؤ تمہیں آتا کیا ہے۔ وہ بولا میں گریجویٹ ہوں۔ ہم اس بات سے تجربہ کر سکتے ہیں کہ زندگی کا گزارہ کرنے کے لیے ہاتھ میں ہنر ہونا چاہیے، صرف ہاتھ میں سرٹیفکیٹ ہونے سے بات نہیں بنتی۔ اس لیے ہمیں

اسکل ڈیولپمنٹ پر مزید زور دینا ہوگا، لیکن اسکلڈ ورکرز جو ہیں، انکو ایک سماجی اسٹیٹس بھی دینا ہوگا۔ ساتویں جماعت تک پڑھا ہوا بچہ غریبی کی وجہ سے اسکول چھوڑ دیتا ہے۔ کہیں جا کر کے قسمت سے اسکل ڈیولپمنٹ کے کورس کا اگر اس کو موقع ملتا ہے تو وہ ادھر چلا جاتا ہے، لیکن لوگ اس کو اہمیت نہیں دیتے، اچھا، ساتویں پڑھے ہو، چلے جاؤ۔ ہمیں ایک بہتر نظام کھڑا کرنا پڑے گا۔ میں نے گجرات میں تجربہ کیا تھا۔ جو دو سال کی آئی ٹی آئی کرتے تھے، میں نے ان کو دسویں کے مساوی بنا دیا، جو دسویں کے بعد آئے تھے، ان کو بارہویں کے مساوی بنا دیا۔ ان کو ڈپلوما یا آگے پڑھنا ہے تو راستے کھول دیے۔ ڈگری میں جانا ہے تو راستے کھول دیے۔ ساتویں پاس تھا، لیکن ڈگری تک جا سکتا ہے، راستے کھول دیے۔ بہت ہمت کے ساتھ نئے فیصلے کرنے ہوں گے۔

اگر ہم اسکل ڈیولپمنٹ کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں تو اس کی سماجی حیثیت پیدا کرنی ہوگی۔ دنیا میں ورک فورس کی ضرورت ہے۔ آج ساری دنیا کو ٹیچرس کی ضرورت ہے۔ کیا ہندوستان ٹیچر ایکسپورٹ نہیں کر سکتا ہے۔ میتھس اور سائنس کے ٹیچر اگر ہم دنیا میں ایکسپورٹ کریں، ایک تاجر دوسرے ملک جائے گا تو زیادہ سے زیادہ ڈالر لے کر آئے گا، لیکن ایک ٹیچر دوسرے ملک جائے گا، پوری کی پوری نسل اپنے ساتھ سمیٹ کر کے لے آئے گا۔ ایسی ہماری طاقت ہونی چاہیے۔ دنیا میں اپنی صلاحیت کو اجاگر کرنا ہے تو یہی راستے اختیار کرنے ہوتے ہیں۔ کیا ہم اپنے ملک میں اس طرح کے نوجوانوں کو تیار نہیں کر سکتے؟ یہ سارے امکانات بھرے پڑے ہیں، ان امکانات کو لے کر کے اگر آگے چلنے کا ہم مادّہ رکھتے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ ہم بہتر نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمارے دلت اور قبائلی بھائی بہنوں کی بابت کیا ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آزادی کے اتنے برسوں بعد ان کی زندگی میں ہم کوئی خاطر خواہ تبدیلی لا سکے ہیں۔ ایسا نہیں کہ بجٹ خرچ نہیں ہوئے یا کسی سرکار نے سنجیدگی سے کام نہیں لیا۔ میں ایسا کسی پر الزام نہیں لگا رہا ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انکی صورت حال میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ کیا ہم پرانے ڈھرّے سے باہر آنے کو تیار ہیں؟ ہم سرکاری منصوبوں کے تحت کم سے کم سماج کے ان طبقوں کو ان حالات سے باہر لا سکتے ہیں۔ ان کی زندگی میں تبدیلی کیوں نہیں آسکتی ہے؟ مسلمان بھائیوں کو میں دیکھتا ہوں، جب میں چھوٹا تھا، جو سائیکل ریپیرنگ کرتا تھا، آج اس کی تیسری نسل کا بیٹا بھی سائیکل ریپیرنگ ہی کرتا ہے۔ ایسی بدحالی کیوں آئی؟ اب ان کی زندگی میں تبدیلی کیسے لائی جائے؟ اس تبدیلی کے لیے ہمیں توجہ کے ساتھ کام کرنا پڑے گا۔ خصوصی منصوبوں کو لے کر کے آنا پڑے گا۔ میں ان منصوبوں کو میں منہ بھرائی کے طور پر نہیں دیکھتا ہوں، میں ان کی زندگی میں اسے ایک تبدیلی کے طور پر دیکھتا ہوں۔ کسی جسم کا اگر ایک عضو معذور ہو جائے تو اس جسم کو کوئی صحت مند نہیں مان سکتا۔ جسم کے سبھی اعضاء اگر مضبوط ہوں، تبھی تو وہ جسم طاقتور ہو سکتا ہے۔ اس لیے سماج کا کوئی ایک حصہ اگر کمزور رہا تو سماج کبھی طاقتور نہیں ہو سکتا۔ اس لیے سماج کے سبھی حصے طاقتور ہونے چاہئیں۔ اس بنیادی جذبے سے

تحریک پاکر ہمیں کام کرنے کی ضرورت ہے اور ہم اس کے تئیں پابند عہد ہیں۔ ہم اس کو کرنا چاہتے ہیں۔ ملک میں ترقی کی ایک نئی تعریف کی سمت جانے کی مجھے ضرورت محسوس ہوئی۔ کیا آزادی کی تحریک اسی لیے تھی؟ کیاملک میں آزادی کی لڑائی اسی لئے لڑی گئی تھی؟ بارہ سو سال کی طویل مدت میں کوئی سال ایسا نہیں گیا جس میں آزادی کے لیے مرنے والے دیوانے نہ ملے ہوں۔ 1857 کے بعد پوری جنگ آزادی کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ ہندوستان کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہو گا، جہاں سے کوئی مرنے والا تیار نہ ہوا ہو، شہید ہونے کے لیے تیار نہ ہوا ہو۔ سلسلہ چلتا رہا تھا، پھانسی کے تختے پر چڑھ کے ملک کے لیے قربان ہونے والوں کا سلسلہ کبھی نہیں رکا۔

بھائیو اور بہنو، آپ میں سے بہت لوگ ایسے ہوں گے، جو آزادی کے بعد پیدا ہوئے ہوں گے۔ کچھ حضرات ایسے بھی ہیں، جو آزادی کے پہلے پیدا ہوئے ہوں گے، آزادی کی جنگ میں لڑے بھی ہوں گے۔ میں آزادی کے بعد پیدا ہوا ہوں۔ میرے دل میں خیال آتا ہے مجھے وطن کے لیے مرنے کا موقع نہیں ملا، لیکن وطن کے لیے جینے کا موقع تو ملا ہے۔ ہم یہ بات لوگوں تک کیسے پہنچائیں کہ ہم وطن کے لیے جئیں اور وطن کے لیے جینے کا ایک موقع لے کر سن 2022 میں جب آزادی کو 75 سال ہوں، وطن کے لیے جان نثار کرنے والی ان عظیم ہستیوں کو یاد کرتے ہوئے ہم ایک کام کر سکتے ہیں۔ باقی سارے کام بھی کرنے ہیں لیکن ایک کام جو تیزی سے کریں کہ ہندوستان میں کوئی خاندان ایسا نہ ہو جس کے پاس رہنے کے لیے اپنا گھر نہ ہو، ایسا گھر جس میں نل بھی ہو، نل میں پانی بھی ہو، بجلی بھی ہو، بیت الخلا بھی ہو۔ یہ ایک کم سے کم بات ہے۔ ایک تحریک کے طور پر سبھی ریاستی سرکاریں اور مرکزی سرکار مل کر، ہم سبھی ممبران مل کر اگر آٹھ نو سال کا پروگرام بنادیں، روپیہ خرچ کرنا پڑے تو کریں لیکن آزادی کے 75 سال جب منائیں تب بھگت سنگھ کو یاد کر کے، سکھ دیو کو یاد کر کے، راج گورو کو یاد کر کے، مہاتما گاندھی، سردار پٹیل، ان سبھی عظیم ہستیوں کو یاد کر کے ان کو ہم مکان دے سکتے ہیں۔ اگر ہم اس عزم کی تکمیل کر کے آگے بڑھتے ہیں تو ملک کے خوابوں کو پورا کرنے کا کام ہم کر سکتے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ اقتدار میں آنے کے بعد جو کام سہل نہ ہو، ایسا کام ہاتھ میں لینا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ عزت مآب ملائم سنگھ جی نے کہا کہ میں نے سرکار چلائی ہے۔ سرکار چلائی ہے اس لیے میں کہتا ہوں کہ بھائی یہ کیسے کروگے، یہ کیسے ہو گا؟ ان کے پر خلوص جذبے کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ انھوں نے تشویش کا اظہار کیا ہے، لیکن ہم مل بیٹھ کر کے راستہ نکالیں گے۔ ہم نے خواب تو دیکھا ہے، اسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ کچھ مشکل پیش آئے گی تو آپ جیسے تجربہ کار لوگ ہیں، جن کی رہنمائی ہمیں ملے گی۔ غریب کے لیے کام کرنا ہے، اس کے لیے ہمیں آگے بڑھنا ہے۔

یہاں یہ بات بھی آئی، نئی بوتل میں پرانی شراب ہے۔ ان کو شراب یاد آنا بڑا فطری امر ہے۔ یہ بھی کہا کہ یہ تو ہماری باتیں ہیں، آپ نے ذرا اوپر نیچے کر کے رکھی ہیں، کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ہم کہہ رہے ہیں، وہ آپ کو بھی پتہ تھا۔ کل سے مہابھارت کا ذکر ہو رہا ہے اور میں کہنا چاہتا ہوں کہ ایک بار دریودھن سے پوچھا گیا کہ بھائی یہ دھرم اور ادھرم، سچ اور جھوٹ تم کو سمجھ ہے کہ نہیں ہے، تو دریودھن نے جواب دیا تھا، اس نے کہا کہ جانامی دھرمم نہ چہ مے پرَوِرتّی، میں دھرم کو جانتا ہوں، لیکن یہ میری فطرت نہیں ہے۔ سچ کیا ہے مجھے معلوم ہے۔ اچھا کیا ہے، مجھے معلوم ہے، لیکن وہ میرے ڈی این اے میں نہیں ہے۔ اس لیے آپ کو پہلے پتہ تھا، آپ جانتے تھے، آپ سوچتے تھے، مجھے اس سے اعتراض نہیں ہے، لیکن دریودھن کو بھی تو معلوم تھا۔ اس لیے جب مہابھارت کا ذکر کرتے ہیں، مہابھارت لمبے عرصے سے ہمارے کانوں میں گونجتی رہی ہے، سنتے آئے ہیں، لیکن مہابھارت کا دور پورا ہو چکا ہے۔ نہ پانڈو بچے ہیں، نہ کورو بچے ہیں، لیکن عوام کے دلوں میں آج بھی پانڈو ہی فاتح ہوں، ہمیشہ ہمیشہ جذبہ رہا ہے۔ کبھی پانڈو شکست خوردہ ہوں، یہ کبھی لوگوں کا جذبہ نہیں رہا ہے۔

بھائیو اور بہنو، فتح ہمیں بہت کچھ سکھاتی ہے اور ہمیں سیکھنا بھی چاہیے۔ فتح ہمیں انکساری سکھاتی ہے۔ میں اس ایوان کو یقین دلاتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ یہاں کے جو ہمارے سینئرز ہیں، چاہے وہ کسی بھی پارٹی کے کیوں نہ ہوں، ان کے آشیرواد سے ہم اس طاقت کو حاصل کریں گے جو ہمیں تکبر سے بچائے۔ جو ہمیں ہر لمحہ انکساری سکھائے۔ یہاں پر کتنی ہی تعداد کیوں نہ ہو، لیکن مجھے آپ کے بغیر آگے نہیں بڑھنا ہے۔ ہمیں تعداد کے بل پر نہیں چلنا ہے، ہمیں اجتماعیت کے بل پر چلنا ہے۔ اس لیے اس اجتماعیت کے جذبے کو لے کر ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔

ان دنوں گجرات ماڈل کا بہت ذکر ہوتا ہے۔ جنھوں نے میری تقریر سنی ہوگی انھیں میں بتانا چاہتا ہوں کہ آخر گجرات ماڈل ہے کیا۔ گجرات میں بھی ایک ضلع کا ماڈل دوسرے ضلع میں نہیں چلتا ہے کیوں کہ یہ ملک تنوع سے بھرا ہوا ہے۔ اگر کچھ کے ریگستان کا ماڈل اٹھا کر میں ولساڈ کے ہرے بھرے ضلع میں لگادوں تو وہ وہاں نہیں چلے گا۔ اسی سمجھ کی وجہ سے تو گجرات آگے بڑھا ہے۔ یہی اس کا ماڈل ہے کہ جس میں یہ سمجھ ہے۔ گجرات کا دوسرا ماڈل یہ ہے کہ ہندوستان کے کسی بھی کونے میں اچھا ہو، ان اچھی باتوں سے ہم سیکھتے ہیں، ان اچھی باتوں کو ہم قبول کرتے ہیں۔ آنے والے دنوں میں بھی ہم اس ماڈل کو لے کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں، ہندوستان کے کسی بھی کونے میں اچھا ہوا ہو، جو اچھا ہے، وہ ہم سب کا ہے، اس کو دوسری جگہوں پر بھی لاگو کرنے کی کوشش کرنی ہے۔

کل تمل ناڈو کی طرف سے کہا گیا تھا کہ تمل ناڈو کا ماڈل گجرات کے ماڈل سے اچھا ہے۔ میں اس بات کا استقبال کرتا ہوں کہ اس ملک میں اتنا تو ہوا کہ ترقی کے ماڈل کا مقابلہ شروع ہوا ہے۔ جب ایک ریاست یہ کہنے لگے کہ میری ریاست تمہاری ریاست سے آگے بڑھنے لگی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ گجرات ماڈل کا یہ سب سے بڑا کنٹری بیوشن ہے کہ پہلے ہم مقابلہ نہیں کرتے تھے، اب کر رہے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آنے والے دنوں میں ریاستوں کے درمیان ترقی کا مقابلہ ہو۔ ریاستوں اور مرکز کے درمیان ترقی کا مقابلہ ہو۔ ہر کوئی کہے کہ گجرات پیچھے رہ گیا ہے اور ہم آگے نکل گئے ہیں۔ یہ سننے کے لیے میرے کان ترس رہے ہیں۔ ملک میں اگر یہ ہو گا تبھی تو تبدیلی آئے گی۔ چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی بہت اچھا کرتی ہیں۔ جیسا میں نے کہا کہ سکّم ایک آرگینک اسٹیٹ بنا ہے۔ تمل ناڈو نے شہری علاقوں میں ہارویسٹنگ کا جو کام کیا ہے اس سے ہم سب کو سیکھنے کی ضرورت ہے۔ ماؤواد کے ظلم کے سایہ میں جینے والی ریاست چھتیس گڑھ نے پی ڈی ایس سسٹم کا ایک نیا نمونہ دیا ہے اور غریب سے غریب شخص کو پیٹ بھرنے کے لیے اس نے نئی اسکیم دی ہے۔

ہماری بہن ممتا جی مغربی بنگال کو 35 سال کی برائیوں سے باہر لانے کے لیے آج کتنی محنت کر رہی ہیں، ہم ان کی ان باتوں کی عزت کرتے ہیں۔ آپ کو جان کر خوشی ہو گی کہ میں نے کیرل کے بھی ایک افسر کو بلایا تھا۔ وہ بہت ہی جونیئر آفیسر تھے اور وہاں لیفٹ کی سرکار چل رہی تھی۔ ان کی عمر بہت کم تھی۔ میں نے اپنے یہاں ایک چنتن شِوِر منعقد کیا اور میں اور میرے وزراء کی پوری کونسل ایک اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے وہاں موجود تھی۔ میں نے ان سے کُٹُمب شری اسکیم کے بارے میں جانا تھا۔ انھوں نے ہمیں دو گھنٹے پڑھایا۔

میں نے ناگالینڈ کے چیف سیکرٹری کو بلایا تھا کہ آیئے مجھے پڑھایئے۔ ناگالینڈ میں قبائلی لوگوں کے لیے ایک بہت اچھی اسکیم بنی تھی۔ یہی تو ہمارے ملک کا ماڈل ہونا چاہیے۔ ہندوستان کے کسی کونے میں کسی بھی مکتب فکر کی سرکار کیوں نہ ہو، اس کی اچھائیوں کی ہم عزت کریں، اچھائیوں کا اعتراف کریں۔ یہی ماڈل ملک کے کام آئے گا۔ ہمارا ایک بڑے بھائی کا رویہ کہ تم کون ہوتے ہو؟ تم لے جانا بس دو چار ٹکڑے، ہم ایسا نہیں چاہتے ہیں، ہم مل جل کر ملک کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں، اس لیے ہم نے کوآپریٹو فیڈرل ازم کی بات کی ہے۔ امداد باہمی کے فلسفے کو لے کر چلنے کی ہم نے بات کی ہے اور اس لیے ایک ایسے ہی نظام کو آگے بڑھانے کی ہم لوگوں کی کوشش ہے۔ اس کوشش کے ساتھ ہم آگے بڑھیں گے، ایسا مجھے یقین ہے۔

عزت مآب اسپیکر صاحبہ، یہ جو تجویز رکھی گئی ہے، اس کے لیے آج میں سبھی سینئر قائدین کا شکر گزار ہوں اور کل ملا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ آج ایک بامعنی بحث رہی اور حمایت میں بحث رہی اور اگر تنقید بھی ہوئی تو اس میں بھی ایک امید کا پہلو تھا۔ میں اسے بہت صحت مند مانتا ہوں اور اس کا استقبال کرتا ہوں۔ اور آج کسی بھی پارٹی کی طرف سے جو اچھی تجاویز ہمیں ملی ہیں انھیں میں اپنی تنقید نہیں مانتا ہوں، انھیں میں اپنے لئے راہنمائی مانتا ہوں۔ اس سے ہم استفادہ حاصل کریں گے، اچھائی کے لیے استعمال کریں گے اور جمہوریت میں تنقید اچھائی کے لیے ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیے۔ الزام برے ہوتے ہیں، تنقید کبھی بری نہیں ہوتی ہے، تنقید تو طاقت دیتی ہے۔ اگر جمہوریت کی سب سے بڑی طاقتور کوئی جڑی بوٹی ہے تو وہ تنقید ہے۔ ہم اس تنقید کے لیے ہمیشہ کے لیے تیار ہیں۔ میں چاہوں گا ہر پالیسی کا مطالعہ کرکے گہری تنقید ہونی چاہیے تاکہ تپ کر، نکھر کر ایسا سونا نکلے جو آنے والے دنوں میں ملک کے لیے کام آئے۔ اس جذبے کے ساتھ ہم چلنا چاہتے ہیں۔

آج نئے ایوان میں مجھے اپنی بات بتانے کا موقع ملا۔ عزت مآب اسپیکر صاحبہ، کہیں کوئی لفظ ادھر ادھر ہو گیا ہو، اگر میں قواعد کے بندھن سے باہر چلا گیا ہوں تو یہ ایوان مجھے ضرور معاف کرے گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ایوان کے پورے تعاون سے، جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا، انتخابات سے پہلے ہم امیدوار تھے، انتخابات کے بعد ہم امیدوں کے رکھوالے ہیں، ہم امیدوں کے سفیر ہیں، سوا سو کروڑ اہل وطن کی امیدوں کو پورا کرنے کی ہم کوشش کریں۔ اسی ایک توقع کے ساتھ کہ آپ سب کی حمایت ملے۔ اسی بات کو دہراتے ہوئے آپ سب کا بہت بہت شکریہ۔

راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر 'شکریہ کی تحریک' پر وزیر اعظم شری نریندر مودی کا جواب

۱۱ جون، ۲۰۱۴

راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

11جون2014

معزز چیئر مین صاحب اور تمام معزز سینئر ممبران، مجھے ایوان میں آج پہلی بار تقریر کرنے کا موقع ملا ہے۔ تمام تجربہ کار اور سینئر معزز ممبران یہاں موجو ہیں۔ آگے مجھے ان سب سے بہت کچھ سیکھنا بھی ہے۔ لیکن آج شروعات میں، میرے تجربے کی کمی کی وجہ سے اگر کوئی چُوک ہو جائے تو آپ سب مجھے معاف کر دیں گے۔

ایوان کے قریب 42 معزز ممبران نے صدر کے خطاب پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ قابل احترام جناب غلام نبی آزاد جی، جناب ستیش مشرا جی، جناب ڈریک اوبرائن جی، جناب ڈی پی ترپاٹھی جی، پروفیسر رام گوپال یادو جی، جناب سیتارام یچوری جی، تمام سینئر معزز ممبران نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تمام جماعتوں کے قائدین نے اپنے خیالات پیش کیے اور اسکی خوب حمایت ہوئی۔ کچھ تعمیری مشورے بھی آئے ہیں۔ کچھ نے اپنی توقعات کا بھی اظہار کیا ہے، یہ بحث بہت معنی خیز رہی۔ کسی بھی بینچ پر کیوں نہ بیٹھے ہوں، لیکن جو بھی قابل قبول مشورے آئے ہیں، ہم ان تمام مشوروں کو آنے والے دنوں میں تعمیری انداز میں استعمال کرنے کی کوشش کریں گے۔

میں تعمیری تجاویز دینے پر تمام معزز ممبران کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ معزز ممبران نے تشویش کا بھی اظہار کیا اور اپنے خدشات کا بھی، کہ یہ کیسے ممکن ہو گا۔ کب کریں گے اور کیسے کریں گے؟ یہ سچ ہے کہ پچھلے کئی سالوں سے، مایوسی کی ایسی فضا چھائی ہوئی ہے اور ہر ایک کا ذہن اس طرح کا ہو چکا ہے کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا، اب سب کچھ بیکار ہو گیا ہے۔ اس کا سایہ ابھی بھی باقی ہے، اور اسکی وجہ سے یہ کیسے ہو گا، کب ہو گا، کون کرے گا، یہ سوال اٹھانا بہت فطری بات ہے۔ لیکن ایسے ساتھیوں کو بھی کچھ ہی دنوں میں یہ یقین ہو جائے گا کہ اب مایوسی کا ماحول چھٹ چکا ہے اور ملک نے ایک نئی امید اور اعتماد کے ساتھ آگے بڑھنے کا عزم کر لیا ہے۔

کئی سالوں کے بعد ملک نے ایک ایسا مینڈیٹ دیا ہے، جس میں ملک نے استحکام کو ترجیح دی ہے اور مستحکم حکومت کے لئے ووٹ کیا ہے۔ ہندوستان کے ووٹروں کا یہ فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہیں ہے۔ ہم اہل وطن کے مشکور ہیں کہ انہوں نے اتنے جوش و خروش سے ہندوستان کے پارلیمانی نظام کو منظور کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ، وقت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم سب کو اپنی عظیم جمہوریت

پر فخر ہونا چاہئے اور اس فخر کے ساتھ، سر اونچا کر کے، آنکھ ملا کر دنیا کے سامنے بات کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ ہمارے ووٹروں کی تعداد امریکہ اور یورپ کے کل ووٹروں کی آبادی سے زیادہ ہے، یعنی ہمارا اتنا بڑا ملک ہے، اتنی بڑی جمہوریت ہے۔ ہمارے یہاں پر چاہے ان پڑھ ہو، غریب ہو، گاؤں میں رہتا ہو، اور اس کے پاس پہننے کے لئے کپڑے بھی نہ ہوں، لیکن جس طرح سے جمہوریت اسکی رگوں میں سرایت ہے، یہ ہمارے ملک کے لئے بہت فخر کی بات ہے۔ لیکن ہم ابھی تک اس کی اصلی شکل میں اسے دنیا کے سامنے نہیں لا سکے ہیں۔ یہ ہم سب کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ ہندوستان کی جمہوری طاقت کو دنیا کے سامنے اجاگر کریں اور ایک نیا اعتماد پیدا کریں، ہمیں اس سمت میں کوشش کرنی چاہئے۔

صدر جمہوریہ نے اپنے خطاب میں بہت سے نکات کا احاطہ کیا ہے اور تمام معزز ممبران نے اپنے اپنے انداز میں اس پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ایک بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ فتح اور شکست دونوں میں ہی ایک سبق دینے کی طاقت ہوتی ہے۔ اور ہمیں اس سے سبق لینے کی ضرورت بھی ہے۔ جو فتح سے سبق حاصل نہیں کرتا ہے وہ در حقیقت شکست کا بیج بوتا ہے۔ اور جو شکست سے سبق نہیں لیتا ہے وہ تباہی کے بیج بوتا ہے۔ فتح اور شکست کے ترازو سے اوپر اٹھ کر ہمیں کچھ سیکھنا بھی ہے۔

میں ایک بار آچاریہ ونوبا جی کے فکری نظریات کو پڑھ رہا تھا۔ اس میں انہوں نے "نوجوانوں" کی وضاحت کی ہے، اور اسے بہت آسان اور خوبصورت انداز میں سمجھایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نوجوان وہ ہوتا ہے جو کل کے بارے میں سوچتا ہے، کل کی بات کرتا ہے، لیکن جو ماضی کے بارے میں گاتا رہتا ہے، وہ جوان نہیں ہو سکتا۔ اس کی سوچ جوان نہیں ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے ماضی کی بات کو ہی گنگناتے رہنا، چاہے لوگ اسے قبول کریں یا نہ کریں، چاہے لوگ اسے مسترد کر دیں، پھر بھی اسی رنگ میں ہونا مناسب نہیں ہے۔ ہم نے بھی دیکھا ہے کہ ریل یا بس میں جب کبھی بوڑھے بزرگ مل جاتے ہیں تو ان کو دیر تک سننا پڑتا ہے۔ ان کا ماضی کیا تھا، انکی وہ ساری کہانیاں سننا پڑتی ہیں۔ یہ ونوبا جی کی جوانی کی عظیم تعریف ہے اور میں یہ مانتا ہوں کہ ونوبا جی کی ایک نوجوان کی یہ بہترین تعریف ہے۔ جو ہمیں اپنے آنے والے دنوں کے بارے میں سوچنے کی ترغیب دیتی ہے۔

ہندوستان کی ایک طاقت اس کا وفاقی ڈھانچہ ہے۔ وفاقی ڈھانچہ آئین کی سب سے بڑی طاقت ہے جو بابا صاحب امبیڈکر اور اس وقت کے ہمارے بزرگوں نے ہمیں دی ہے۔ ہمیں یہ محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا ہم نے دہلی میں بیٹھ کر اس وفاقی ڈھانچے کو مضبوط کیا ہے یا نہیں کیا ہے؟ اسے زیادہ طاقتور بنایا کہ نہیں بنایا ہے؟ اور اگر ہندوستان کو آگے بڑھنا ہے تو ریاستوں کو

آگے بڑھنا ہو گا۔ اگر ملک کو خوشحال ہونا ہے تو ریاستوں کو خوشحال ہونا ہو گا۔ اور اگر ملک کو بااختیار بنانا ہے تو ریاستوں کو بااختیار بنانا ہو گا۔

اس لئے جب میں گجرات میں وزیر اعلی کی حیثیت سے کام کرتا تھا تو ہم ہمیشہ ایک منتر بولتے تھے 'بھارت کی ترقی کے لئے گجرات کی ترقی'، ہم نے ہمیشہ یہ لفظ استعمال کیا۔ کیا ہم ریاستوں میں اس طرح کا ماحول بنا پائیں ہیں؟ یہ میری خوش قسمتی رہی ہے کہ ایک ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے ہم نے اس پریشانی کو محسوس کیا ہے اور اس تکلیف کو برداشت کیا ہے۔ میری یہ بھی خوش نصیبی رہی ہے کہ اگر دہلی میں موافق حکومت ہو تو ریاست کا کیا حال ہوتا ہے اور جب دہلی میں ناموافق حکومت ہو، تب ریاست کا کیا حال ہوتا ہے۔ میں ان حالات کا شکار رہ چکا ہوں۔ میں نے ان مشکلات کا سامنا کیا ہے۔ ریاستوں کو کتنی پریشانی جھیلنی پڑتی ہے، میں اس سے اچھی طرح سے واقف ہوں۔ ریاست کس قدر ٹھوکر کھاتی ہے، ریاست کو کس طرح انکار کیا جاتا ہے، کس طرح ریاستوں کے ترقیاتی منصوبے صرف ذاتی مفاد کی بناء پر روکے جاتے ہیں۔ ماحولیات کے نام پر ریاستوں کے ترقیاتی سفر کو روکنے کے لئے کس طرح کی سازشیں ہوتی ہیں، میں ان ساری چیزوں کا شکار رہا ہوں۔ اسلئے آج ایک ایسے شخص کو وزیر اعظم بننے کا موقع ملا ہے، ایک ایسے شخص کو ملک کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، جو ریاستوں کے دکھوں کو بخوبی سمجھتا ہے۔ آج میں اس دکھ کو جانتے ہوئے، اس ایوان کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم کام کریں گے۔

محترم چیرمین صاحب، صدر جمہوریہ کی تقریر میں ہم نے اس بات پر زور دیا ہے اور ہم نے تعاون پر مبنی وفاق کی بات کی ہے۔ یہ بڑے بھائی، چھوٹے بھائی کا کاروبار نہیں چلے گا۔ ہمیں ریاستوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا ہو گا۔ ہم نے ان کے شانہ بشانہ کام کرنے کی سمت طے کرلی ہے۔ ہمیں ایک ایسا ورک کلچر قائم کرنا پڑے گا جس میں ریاستوں کو بھی اس بات کا احساس ہو کہ میں ہندوستان کی بھلائی کے لئے کام کر رہا ہوں اور ہندوستان کی حکومت چلانے والے لوگوں کے بھی ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ ہندوستان کی چھوٹی سے چھوٹی ریاست ہی کیوں نہ ہو، اس کی ترقی کے بغیر ہندوستان کی ترقی ممکن نہیں ہے۔ ہمیں اس ذہنی حالت کے ساتھ ملک کو آگے چلانا ہے۔

محترم چیئرمین صاحب، میں یہ بات بڑے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ہم ریاستوں کو اعتماد میں لیں تو ہمارے کام کی رفتار بہت بڑھ سکتی ہے۔ ہم نے معزز صدر جمہوریہ کی تقریر میں 'ٹیم انڈیا کے تصور' کے بارے میں کہہ دیا ہے کہ اگر ہندوستان جیسے وفاقی نظام والے ملک کو چلانا ہے تو وزیر اعظم اور تمام وزرائے اعلیٰ 'ٹیم انڈیا' کی حیثیت سے کام کریں۔

وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کے وزرا کی ٹیم کافی نہیں ہے۔ وزیر اعظم اور ریاستوں کے وزراء اعلی کی ٹیم کی شکل میں ہمیں آگے آنا ہو گا۔ اور اگر ہم اس پر زور دیتے ہیں تو ہم ملک کی ترقی میں ریاستوں کی طاقت کو جوڑ پائیں گے۔ میں نے سنا، ہمارے میترین جی کی تقریر ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ان کے وزیر اعلی نے چالیس خط لکھے تھے لیکن ایک کا بھی جواب نہیں آیا تھا۔ ہمیں اس صورتحال کو بدلنا ہو گا۔ لہذا، اس نظام کو لانے کے لئے کوئی میکانزم تیار کیا جائے، ہم اس پر کوشش کرنے کے حق میں ہیں۔ ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔

ہمارے ملک میں کچھ لوگوں کو گجرات ماڈل کی بڑی فکر ہو رہی ہے۔ کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ بھی سوال ہے کہ آخر گجرات ماڈل ہے کیا؟ ان کی اس مصیبت کا میں اندازہ لگا سکتا ہوں۔ اگر گجرات ماڈل کو آسان زبان میں سمجھنا ہے تو وہ یہ ہے کہ اگر اترپردیش میں مایاوتی کی سرکار نے کوئی اچھا کام کیا ہو تو اس کو سمجھنا اس کو قبول کرنا اور اپنے یہاں لاگو کرنا، یہی گجرات ماڈل ہے۔ کیرل میں دائیں بازو کی سرکار تھی، لیکن ان کا ایک 'کُٹمب شری' پروگرام تھا۔ ہم نے اس سے سیکھا اور اپنے یہاں اس کو لاگو کیا۔ سب سے بڑی بات ہے کہ آج جو ایک ریاست اور دوسری ریاست کی جو بحث چل رہی ہے، وہ دراصل ایک ماڈل کی بحث ہے اور ماڈل کی بحث ترقی کے تناظر میں ہو رہی ہے۔ یہ ہمارے لئے ایک اچھا ماحول تیار کر رہی ہے کہ ایک ریاست دوسرے ریاست کے ساتھ ترقی میں مسابقت کر رہی ہے۔ میرے کان اس بات کو سُننے کے لئے ہمیشہ ترستے رہے ہیں کہ کبھی بنگال یہ کہے کہ ہم گجرات سے آگے نکل گئے، کبھی تامل ناڈو کہے کہ ہم گجرات اور بنگال دونوں سے آگے نکل گئے، کبھی آندھرا پردیش کہے کہ ہم تلنگانہ سے آگے نکل گئے، کبھی تلنگانہ کہے کہ ہم آندھرا پردیش سے آگے نکل گئے، کبھی بہار کہے کہ ہم نے گجرات کو پیچھے چھوڑ دیا۔ یہ رقابت کا ماحول، ترقی کی مسابقت کا ماحول ہمیں ملک میں دیکھنا ہے اور اس کو ہمیں بڑھاوا دینا ہے۔ اس سمت میں ہم اس بات کو لے کر آئے ہیں کہ ہم ایک تعاون پر مبنی وفاق کے نظام کو لے کر دیش کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ہر ریاست کی اپنی طاقت بھی ہے، ہر ریاست کی اپنی خصوصیت بھی ہے۔ ہمیں اس کو سمجھنا ہو گا۔ گجرات جیسی چھوٹی ریاست، لیکن ہر ضلع میں ہمارا ایک ماڈل کام نہیں کرتا ہے۔ ایک ہی طرح کے کُرتے ساری دنیا کو پہنائے نہیں جاسکتے۔ یہاں کی خصوصیت یہ ہے کہ ریگستان والے کچھ کا ماڈل ہرے بھرے ولساڈ میں نہیں چل سکتا ہے۔ اسی طرح سے ایک ریاست کا ماڈل دوسری ریاست پر تھوپا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح سے دہلی کے نظریات ریاستوں پر تھوپے نہیں جاسکتے۔ ان کی ترجیحات کیا ہیں، ان کی دقتیں کیا ہیں، اس کے مطابق وسائل کا استعمال کر کے ان کی صلاحیتوں کو بڑھاوا دینے سے وہ تیز رفتار سے ترقی کی منزلیں طے کریں گی۔ اس لئے ترقی پذیر ریاستوں اور ملک دونوں کی یہ مجموعی ذمہ داری بنتی ہے۔ ایک نئے سیاسی کردار کی سمت میں ہم کو آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ ہم بھارت

ماں کے کردار کو دیکھیں تو ہمیں دھیان میں آتا ہے کہ بھارت ماں کا مغربی کنارہ، وہاں تو کچھ سرگرمی نظر آتی ہے، جس میں کیرل ہے، کرناٹک ہے، گوا ہے، گجرات ہے، مہاراشٹر ہے، راجستھان ہے، ہریانہ ہے، دہلی ہے، پنجاب ہے۔ لیکن ہمارے دیش کا مشرقی علاقہ، جس میں اڈیشہ ہے، بہار ہے، مغربی بنگال ہے، اترپردیش کا پروانچل ہے، کیا ہماری بھارت ماتا ایسی ہو جس کا ایک ہاتھ تو مضبوط ہو اور دوسرا ہاتھ کمزور ہو؟ تو پھر یہ بھارت ماتا کیسے مضبوط بنے گی؟ اس لئے یہ ہماری ترجیحات میں شامل ہے کہ بھارت کا مشرقی کنارہ جو ترقی میں پیچھے رہ گیا ہے، اس کو کم سے کم مغرب کی برابری میں لانے کے لیے ہمیں بے حد کوشش کرنی ہے۔

جب ہم کہتے ہیں 'سب کا ساتھ سب کا وکاس' تو ہماری مراد ہے کہ ترقی چوطرفہ ہونی چاہیے، ترقی سب کو چھونے والی ہونی چاہیے، ترقی تمام ریاستوں والی ہونی چاہئے، ترقی سب کی پسند کی ہونی چاہیے، ترقی سب کی فلاح کے لئے ہونی چاہیے۔ اسلئے ترقی کو کسی ایک کونے تک محدود رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب ہم ترقی کی تعریف کریں تو وہ تعریف جامع ہونی چاہیے، جس میں سب کی فلاح شامل ہو، اور ترقی کے اسی تصور کو آگے لیکر بڑھنے والے ہم لوگ ہیں۔ اس لئے ہندوستان کا جو مشرقی علاقہ ہے اس کی ہم فکر کریں۔

ہم شمال۔ مشرقی ریاستوں کی مالی مدد کر کے انکو ان کے نصیب پر چھوڑ دیں، ایسا کب تک چلے گا؟ کیا ہم نئے سرے سے نہیں سوچ سکتے؟ آج ہمارے دیش میں 30 ہزار سے زیادہ کالج ہیں۔ ہر کالج کے طلباء ہفتہ دس دن کے لیے باہر جاتے ہیں۔ یہ ان کا ایک ریگولر پروگرام رہتا ہے۔ کیا کبھی ہم نے اپنے کالج کو گائیڈ کیا ہے کہ کم سے کم ہر کالج سال میں ایک بار دس دن کے لیے شمال مشرق کا ایک دورہ ضرور کرے۔ آپ اس پر غور کیجئے اگر دیش کے کالج کے 100-100 طلبا بھی شمال مشرق میں ایک ہفتہ رہ کر کے آتے ہیں تو اس سے شمال مشرق کی سیاحت کتنی بڑھ سکتی ہے۔ ایکوٹورزم کتنا بڑھ سکتا ہے۔ اس سے ہندوستان کے کونے کونے کا آدمی شمال مشرق کے لوگوں کے سکھ۔ دکھ کو جانے گا، محسوس کرے گا اور شمال مشرق کے لوگوں کے ساتھ ان کا کتنا اپنا پن ہو جائے گا۔ اسے بھی لگے گا کہ ہندوستان کے کونے کونے میں بھارت ماں کی جئے بولنے والے لوگ ہیں۔ ان کو گلے لگانے کا یہ ایک راستہ نہیں ہو سکتا ہے؟

کس طرح سے نئے طریقوں سے ہم ملک کو چلا سکتے ہیں۔ اس کا منصوبہ بنانا ہوتا ہے۔ ایک بار وزیر اعلی کی اپنی میعاد کے دوران میں میں نے شمال۔ مشرق کے سبھی وزراء اعلی کو اس بارے میں خط لکھا تھا۔ جب وزیر اعظم جناب منموہن سنگھ تھے، تب ایک بار انھوں نے این۔ ڈی۔ سی کی میٹنگ بلائی تھی۔ اس وقت بھی میں نے ان سے سے پبلکلی یہ کہا تھا اور ان سے گزارش کی تھی

کہ شمال مشرق کی کسی بھی ریاست سے 200 خواتین پولیس آپ دو سال کے لئے گجرات میں بھیج دیجئے اور پھر ہر دو سال کے بعد آپ ان کو کو بدلتے رہیے، اس سے پندرہ سو سے دو ہزار لوگوں کو وہاں کام ملے گا اور جب وہ واپس جائیں گے تو یہاں کے کئ خاندانوں سے ان کا ناطہ جُڑ جائے گا۔ اس طرح سے باہمی ربط کا کتنا اچھا کام ممکن ہو سکے گا۔ ہم جو ایک بھارت کی بات کہتے ہیں، یہی اس ایک بھارت کا خواب ہے۔ یہ دو یا تین بھارت کے تناظر میں ایک بھارت نہیں ہے۔ یہ بھارت کے اتحاد کی بات ہے۔

آج ذات پات کے زہر نے ملک کو ڈبو دیا ہے۔ علاقائیت کی زبان نے ملک کو تباہ کر کے رکھا ہے۔ وقت کی مانگ ہے کہ ہم یہ توڑنے والی زبان کو چھوڑ کر کے اتحاد کی زبان کو ایک آواز سے بولنا شروع کر دیں۔ اس لیے 'ایک بھارت شریشٹھ بھارت' کا خواب ہم لائے ہیں۔ اگر کسی کو ایک بھارت میں دو بھارت دِکھتا ہے تو یہ ان کی ذہنی بیماری کا نتیجہ ہے۔ ہم تو ایکتا کا منتر لے کر کے آئے ہیں۔ ہم زبان سے اوپر اٹھ کر، ذات پات سے اوپر اٹھ کر، فرقہ سے اوپر اٹھ کر ایک ملک کا خواب لے کر کے چلے ہیں۔ یہ ملک کثرت میں وحدت کا حامل ملک ہے۔ ہمارا ملک وحدانی نظام کا حامل ملک نہیں ہے۔ اور اس ملک کو ایسا ہونا بھی نہیں چاہیے۔ ہم وہ لوگ نہیں ہیں جو ہر بیس کلومٹر پر ایک ہی طرح کا پزّہ کھائیں۔ ہم تو وہ لوگ ہیں جو نیچے سے چلیں تو اِڈلی کھاتے کھاتے نکلیں اور اوپر جاتے جاتے وہ پراٹھا ہو جاتا ہے۔ یہ تنوع سے بھرا ہوا ملک ہے۔ یکسانیت کا تصور یہاں محال ہے۔ اسلئے 'ایک بھارت شریشٹھ بھارت' کا خواب لے کر ہم آگے قدم بڑھا رہے ہیں۔ ہم اپنے ملک میں وسائل سے متعلق ایک نئے طریقے سے سب کو کیسے ترغیب دیں۔ ریاستوں کا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ سب الگ الگ خصوصیات کی حامل ہیں، سب کی دقتیں بھی الگ الگ ہیں۔ آخر ان مسائل کا وقت سے حل کرنے کا کلچر کیوں نہ ہو؟ جیسے ہمالیہ کی ریاستیں ہیں۔ ہمالیہ کی ریاستوں کو ہم ترائی خطے کی ترقی کے ماڈل میں فِٹ نہیں کر سکتے۔ ہمارا افسر وہاں جائے گا تو وہ کہے گا کہ یہاں 60 کلو میٹر کی رفتار سے گاڑی چلنی چاہیے۔ لیکن ہمالیہ میں 60 کلو میٹر کی رفتار سے گاڑی کیسے چلے گی؟ وہ کہے گا، ایک گاڑی جب وہ اتنا کلو میٹر جائے گی تو اتنا ڈیزل ملے گا، اب وہاں وہ اتنے ڈیزل سے کہا چلنے والی ہے؟ اور اس لئے ہمیں ایک ٹیلر میڈ حل سے باہر آنا پڑے گا۔ اس لیے صدر جمہوریہ کے خطاب میں اس بات کو ہم نے اجاگر کیا ہے کہ ہمالیہ خطے کی جتنی ریاستیں ہیں، ان کو ایک ساتھ بٹھا کر ان کے مسائل کو سمجھا جائے اور ان کے لئے کیا کوئی کامن انتظام کر سکتے ہیں۔ اس سمت میں ہم کوشش کریں گے۔

ساحلی ریاستوں میں سمندر کے کنارے ترقی کی بات ہے۔ آج عالمی تجارت کا دور ہے۔ ہمارے سمندری ساحل کے علاقے کی جتنی تیزی سے ترقی ہونی چاہئے تھی، وہ نہیں ہو رہی ہے۔ ہمارا ساحلی علاقہ بھارت کی خوشحالی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ہمارے ساحلی علاقے ہمارے لئے سب سے بیش قیمتی اثاثہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کو سب سے زیادہ نظر انداز کیا گیا ہے۔ ہم نے زیادہ سے

زیادہ اگر سوچا تو ماہی گیروں کے بارے میں سوچا۔ ہم نے پورے ساحلی علاقے کی ترقی کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔ اور اسی لئے صدر جمہوریہ کے خطاب میں ساحلی علاقے کی ترقی کے لئے الگ سے فکر کرنے کی ایک بات کی گئ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ساحلی ریاستیں ایک ساتھ بیٹھیں۔ ساحلی ترقی میں کیا کامن فکر ہو، ان کی کیا دقتیں ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ وہ مطابقت کیسے بٹھائیں، وہ ایک دوسرے کی طاقت کیسے بنیں۔ اور ترقی کے لئے مقابلے میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ کیسے اپنے تجربات شیئر کریں۔ ہندوستان کا سمندری ساحل بہت بڑا ہے۔ ہم ایک ایسی جغرافیائی لوکیشن پر ہیں کہ ہم مشرق اور مغرب کو جوڑنے کے لئے ایک بہت بڑی بحری طاقت بن سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس میں جتنا آگے بڑھنا چاہیے تھا، نہیں بڑھے۔ شری لنکا کا کولمبو چھوٹا سا شہر ہے لیکن آج وہ عالمی تجارت میں، سمندری تجارت میں جس طرح کا مرکز ہے، ویسا ہی اُس طرف سنگاپور بنا ہوا ہے۔ اور اِس طرف پاکستان کے اندر چین اپنا اثر بڑھا رہا ہے۔ ایسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے بھارت کو اپنے سمندری ساحل کی طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ کیا اس کے لئے ہمارے سمندری ساحل کی ریاستوں کی ترقی کا ماڈل، ان کے ساتھ بیٹھ کر نہیں بنایا جا سکتا؟

ہمارے یہاں لینڈ لاک ریاستیں ہیں۔ ان میں بھی تنوع ہے۔ ان کے تنوع کو سمجھنا ہو گا۔ ہمارے یہاں ماؤواد سے متاثر علاقے ہیں۔ کچھ علاقے ایسے بھی ہیں جہاں ماؤواد اپنا اثر پھیلا سکتا ہے۔ کیا ان کی پہچان کر کے، ان کے ساتھ بیٹھ کر مسائل کے حل کے لیے مرکز اور ریاست مل کر کام نہیں کر سکتے؟ اس لیے ہم آگے آنے والے دنوں میں ان چیزوں کو آگے کیسے لے جائیں۔ ان تمام چیزوں کو آگے لے جانے کا راستہ بھی یہیں سے کھلتا ہے، تاکہ ہندوستان کی ہر ایک ریاست اپنی طاقت اور صلاحیت کی بنیاد پر ترقی کے سفر میں آگے بڑھے۔ آجکل کیا ہوتا ہے۔ ہم دلی میں بیٹھ کر سیاسی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کوئی بھی فیصلہ کر لیتے ہیں، کوئی بھی قانون بنا دیتے ہیں۔ لیکن ان کو نافذ کرنے کی ذمہ داری ریاستوں کی ہوتی ہے۔ ان کے پاس وسائل نہیں ہوتے ہیں اور اسی لئے وہ منصوبہ دھرا کے دھرا رہ جاتا ہے۔ اخبار میں چار چھ دن آ جاتا ہے اور پھر ریاست کو سننا پڑتا ہے کہ آپ کی دلّی نے تو یہ کیا مگر آپ نے اُسے لاگو نہیں کیا۔ یہ کشیدگی کا ماحول ہم کیوں پیدا کرتے ہیں؟ میں ریاست میں رہا ہوں، اس لئے مجھے معلوم ہے کہ یہ کشیدگی ہمیں مخالف سمت میں لے جاتی ہے اور اس لئے ہمیں ان حالات پر سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے اور اس میں تبدیلی کرنے کی ضرورت ہے۔

ہماری زراعت کے بھی الگ الگ ایگرو کلائمٹ زونس ہیں۔ ہر ریاست میں ایک فصل کا ایک خاص ایریا ہے۔ اسکی میپنگ تو کی گئی ہے، لیکن گیہوں اگانے والی ریاستوں کے الگ مسائل ہیں، ان کو الگ سے بٹھا کر بات کریں۔ چاول کی پیداوار کرنے والی ریاستوں کی دقتیں الگ ہیں، ان سے ہم الگ سے بات کریں۔ اور گنا کی کھیتی کرنے والی ریاستوں کی الگ پریشانی ہے، ان سے الگ

سے بات کریں۔ جب تک مسائل کے اعتبار سے اقدام نہیں کریں گے، ہم اتنے بڑے ملک کو صرف دلی سے چلانے کی کوشش کرتے رہیں گے اور پالیسی سازی کے معاملے میں ہم دنیا کو کہیں گے کہ ہم نے اتنے قانون بنائے، اتنے کام کیے، لیکن اس سے حالات نہیں بدلیں گے۔ آج ضرورت ہے کہ ہم اپنے خیالات کو، اپنی بات کو آخری شخص تک کیسے پہونچائیں۔ آخری شخص تک پہنچاناسب سے بڑامسئلہ ہے۔ اور اسکی سب سے اہم وجہ گورننس ہے۔

ہم نے سوراج تو حاصل کر لیا لیکن ہمیں اس بات کو قبول کرنا چاہیے کہ ہم سُوراج نہیں دے پائے۔ جس دن میں نیتا چُنا گیا۔ جنھوں نے اس دن کی میری تقریر سنی ہوگی، میں نے صاف کہا ہے کہ میں ان خیالات کا حامل نہیں ہوں کہ پہلے کی سرکار نے کچھ نہیں کیا ہے، اور کوئی سرکار کچھ نہ کرنے کے لیے تو آتی نہیں ہے، ہر حکومت کچھ کرنے کے لیے آتی ہے۔ اپنے اپنے وقت میں ہر حکومت نے کچھ نہ کچھ کیا ہے۔ ان سب کا یہ مجموعی نتیجہ ہے کہ آج ہم یہاں ہیں۔ لیکن جتنا ہونا چاہیے تھا، نہیں ہوا ہے۔ جس سمت میں ہونا چاہیے تھا اس سمت میں نہیں ہوا ہے۔ اور جس طرح سے ملک کے اندر توانائی بھرنی چاہیے تھی، ایسا نہیں کیا گیا۔

جناب والا، ہمارے ملک کے رہنما باہر جاکر آج بھی کہتے ہیں کہ ہمارا ملک تو غریب ہے۔ اور یہی لوگ آج یہاں ہمیں میز ائیل دکھارہے ہیں۔ یہ ملک کبھی سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا۔ یہ ملک دنیا کے خوشحال ملکوں میں آگے مانا جاتا تھا۔ یہ ملک علم اور سائنس کی دنیا میں ترقی پر گامزن ملک مانا جاتا تھا۔ غلامی کے دور میں سب کچھ مسمار ہو چکا ہے، اس میں سے ہم باہر آسکتے ہیں۔ ہم اچھی حکمرانی پر کیسے زور دیں، ہم اپنے جمہوری نظام میں اتنے مگن ہو گئے، پتہ نہیں کون سی پریشانی محسوس کی کہ ہم نے اچھی حکمرانی پر زور ہی نہیں دیا۔ اچھی حکمرانی عام شہریوں کے تئیں جوابدہ ہوتی ہے۔ کیا آج ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری حکمرانی کا پورا نظام عام شہریوں کے تئیں جواب دہ ہے؟ جمہوریت کی پہلی شرط ہوتی ہے کہ وہ شہریوں کے تئیں جوابدہ ہونی چاہیے۔ لیکن یہ صورت حال نہیں ہے۔ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں ہیں کہ آج کے نظام میں غریب سے غریب شخص کی شنوائی ہو رہی ہے؟ اگر غریب کے لیے حکومت نہیں ہے تو جمہوریت کی یہ کونسی شکل ہے جو اس طرح کی کمیاں پیدا کر رہی ہے۔ اس لیے وقت کی مانگ ہے کہ ملک کے اندر اچھی حکمرانی پر ہمیں زور دیناہوگا۔ اسلئے ہمیں اچھی حکمرانی پر زور دیناہے۔

جناب والا، کوئی آدمی کتناہی صحتمند کیوں نہ دکھائی دیتاہو، قد ہو، وزن ٹھیک ہو، کوئی بیماری بھی نہ ہو، لیکن اگر ایک ڈائبٹیز اس کے جسم میں داخل ہو جائے تو اس کا پورا جسم بیماریوں کا گھر بن جاتا ہے۔ جس طرح سے جس میں ڈائبٹیز کا داخلہ پورے جسم کو

برباد کر دیتا ہے اسی طرح سے انتظامیہ میں خراب حکمرانی کا داخلہ پوری انتظامیہ کو، پورے ملک کو تباہ کر دیتا ہے۔ خراب حکمرانی ڈائبٹیز سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ یہ ہماری کوشش اور پہل ہے کہ ہم اچھی حکمرانی کی طرف بڑھیں۔

جناب والا، ملک میں بدعنوانی کی بڑی فکر ہے۔ اور میں مانتا ہوں کہ آج پوری دنیا میں ہماری ایک پہچان بنی ہے۔ اچھی ہے، بری ہے، صحیح ہے، غلط ہے، ہر ایک کے اپنے اپنے خیالات ہوں گے۔ لیکن دنیا کے سامنے ہندوستان اسکام انڈیا(scam India) بن گیا ہے۔ یہ ہماری عام پہچان بن گئی ہے اور اسی نے بھارت کی ترقی کے سفر کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ ہماری سیاحت پر بہت بڑی بریک لگی ہے۔ یہ کیوں لگی؟ جنسی زیادتی کے واقعات ہمارے یہاں سیاحوں کے آنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ ملک کی ترقی کے سفر میں بھارت کے چھوٹے چھوٹے واقعات بھی تشویش کا سبب ہیں اور اس پر سیاست نہیں ہو سکتی ہے۔ کیا ہم دہشت گردی پر بھی سیاست کریں گے؟ کیا ہم ماؤواد کے حملوں پر بھی سیاست کریں گے؟ کیا ہم ماں بہنوں کے ساتھ جنسی زیادتی پر بھی سیاست کریں گے؟ کیا ہم بے قصوروں کے قتل پر بھی سیاست کریں گے؟ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم ان سب سے اوپر اٹھ کر کے ایک اجتماعی ذمہ داری کے ساتھ ان مسائل کے بارے میں کوئی سمجھوتہ نہ کرتے ہوئے، مل بیٹھ کر کوئی راستہ نکالیں گے اور ملک کی شبیہ جو برباد ہو رہی ہے، اس سے اس کو باہر نکالنے کی کوشش کریں گے۔

جناب والا، دنیا کی دلچسپی بھارت کے تئیں بڑھی تھی۔ سیاحت کے لئے لوگ بھارت کی طرف مُڑے تھے۔ لیکن اچانک پچھلے کچھ وقت میں اس میں گراوٹ آئی ہے۔ یہ گراوٹ انہیں واقعات کی وجہ سے آئی ہے۔ کیا یہ ہماری اجتماعی ذمہ داری نہیں ہے؟ کیا سیاست سے اوپر اٹھ کر کے ان مسائل کے حل کے لیے راستے نہیں نکالے جاسکتے ہیں؟

جناب والا، یہ ایسا ایوان ہے جہاں ہمارے ملک کے دانشور بیٹھتے ہیں۔ یہ ملک کا باوقار ایوان ہے۔ انہیں ہماری راہنمائی کرنی ہوگی۔ اسی ایوان میں ہماری راہنمائی کرنی ہوگی۔ ہمیں مل جل کر کے راستے تلاش کرنے ہوں گے اور ہماری کوشش ہے کہ ہم مل بیٹھ کر راستے تلاش کریں۔ اور ملک کو آگے لے جائیں۔

جناب والا، ہمارے ملک میں بدعنوانی کے خلاف عام آدمی کا غصہ ہے۔ ہمارے قانونی نظام میں کون بدعنوان آدمی کب جیل جائے گا، اس کے لئے ملک اب مزید انتظار کرنے کو تیار نہیں ہے۔ اس کے ہاتھ میں جو ہتھیار ہے، اس سے سیاسی رہنماؤں کو سزا دینے کے لئے آج وہ قابل ہوا ہے۔ لیکن اتنے سے بات نہیں بننے والی ہے۔ جتنی فکر کرپشن ہونے کے بعد کی جاتی ہے، اس سے زیادہ فکر اس بات کی ہونی چاہئے کہ وہ ہو ہی نہیں۔ اس لئے صدر جمہوریہ کے خطاب میں ہم نے اس بات پر زور دیا ہے کہ بدعنوانی

کے بعد کے اقدام پر بہت بحث ہو چکی۔ اس کے کئ پہلو ہیں۔ لیکن کرپشن نہ ہو، اس کے لئے بھی کچھ چیزیں ہو سکتی ہیں۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ حکومت کی ایک واضح پالیسی ہونی چاہیے۔ کاغذ پر پالیسیاں موجود ہیں۔ اگر حکومت ان پالیسیوں کی بنیاد پر چلے تو کسی کے بھی ساتھ امتیازی سلوک نہیں ہو تا۔ اول اور آخر کی گنجائش نہیں رہتی۔ سب کو برابر کے مواقع ملتے۔ اور اگر شفافیت ہو تو ہر کوئی سوال پوچھ سکتا ہے۔ اس لئے حکومت کو ان پالیسیوں پر کام کرنا چاہیے۔ تو پھر بد عنوانی کے امکانات بہت ہی کم رہتے اور اس طرح کے امکانات کا دائرہ بھی سمٹ جاتا۔

دوسری بات، آج ٹیکنالوجی بد عنوانی کو روکنے میں ایک بہت بڑا کر دار ادا کر سکتی ہے۔ ماحولیاتی وزارت کی فائلیں ایسی ہی جمع رہتی ہیں اور طرح طرح کے الزامات لگتے ہیں۔ لیکن اگر وہ آن لائن ہو تو کوئی بھی درخواست کنندہ گھر بیٹھ کر اپنے پاس ورڈ سے آن لائن دیکھ سکتا ہے کہ آج میری فائل کی کیا پوزیشن ہے۔ ٹیکنالوجی کے ذریعے اتنی شفافیت آسکتی ہے کہ ہمارے یہاں ایک عام آدمی بھی بد عنوانی کرنے سے پہلے پچاس بار سوچے گا۔ سی سی ٹی وی کیمرہ جیسی چیزیں بھی آج آدمی کو ڈرار ہی ہیں، خونخوار آدمیوں کو بھی ڈرار ہی ہیں، تو ہم ٹکنالوجی کا بھرپور استعمال کر سکتے ہیں۔ کرپشن پر لگام لگانے کے لئے بھی ای ٹینڈرنگ وغیرہ جیسی چھوٹی موٹی چیزیں شروع ہوئی ہیں۔ لیکن اس کو اور اور جامع طریقے سے آگے لایا جائے۔ اتنا ہی نہیں اگر ہم اسکول میں بچوں کی حاضری کو بائیو میٹرک سسٹم سے جوڑ دیں تو پھر اگر کہیں 40 بچے ہیں اور کوئی 80 لکھوا کر ساری سہولت لے رہا ہو تو وہ کرپشن اپنے آپ پتہ چل جائے گا۔ زمینی سطح سے لے کر ٹاپ لیول تک کرپشن کی ساری باتیں ہوتی ہیں۔ اگر ریلوے کے اندر سی سی ٹی وی کیمرے کا انتظام ہو گا تو ریلوے کے اندر چلنے والی سر گرمیوں کو ہم روک سکتے ہیں۔ ایسی کئی باتیں ہیں۔ ایک پالیسی۔ ڈریون اسٹیٹ ہو، ٹیکنالوجی کا بھرپور استعمال ہو اور بد عنوان لوگوں کے لیے سخت سے سخت کارروائی کرنے کا نظام ہو تو مجھے یقین ہے کہ ہم حالات کو بدل سکتے ہیں۔

ہم چاہیں یا نہ چاہیں، دیش میں ہمارے ان ایوانوں کا وقار مجروح ہوا ہے۔ ایک تاثر ہے کہ ایوان میں وہی لوگ جاتے ہیں جن کا مجرمانہ پس منظر ہو تا ہے۔ پانچ ہوں، سات ہوں، دس ہوں، لیکن ایک امیج بنا ہوا ہے۔ یہ ہم لوگوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ ہم اس کلنک سے اپنے دونوں ایوانوں کو نجات دلائیں اور اسکا ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ ہم سب مل کر یہ طے کریں، بھارت کی سپریم کورٹ سے یہ گزارش کریں کہ ابھی جتنے ہمارے ممبران ہیں، ان میں سے اگر کسی پر بھی کوئ ایف آئ آر درج ہوئ ہے تو عدالتی میکنزم کے تحت اس پر تیزی سے کاروائی ہو اور ایک سال کے اندر اندر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہونا چاہیے۔ جو گنہگار ہو وہ جیل چلا جائے اور جو بے قصور ہے وہ بے داغ ہو کر دنیا کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ کیوں سیاسی وجوہات کی بنا پر اتنے جرائم رجسٹر

ہوتے ہیں؟ کیوں بے گناہ لوگ مارے جاتے ہیں؟ ہم دیش اور دنیا کو بتائیں کہ کم سے کم 2015 کے اندر ہم ایک ایسے ہندوستان کو ایوان میں دیکھیں گے، چاہے وہ لوک سبھا ہو یا راجیہ سبھا ہو، یہاں پر بیٹھا ہوا کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہوگا جس پر کوئی داغ لگا ہوا ہو۔ دنیا کے اندر ہم ایک شروعات کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اس طرح سے ایک بار لوک سبھا کی صفائی کر دیں تو پھر سیاسی پارٹیوں کو بھی ٹکٹ دینے کے وقت پچاس بار سوچنا پڑے گا۔ اگر ہم ایک سال کے اندر یہ صفائی کر دیتے ہیں تو سیٹیں خالی ہونے لگیں گی، کوئی ہمت نہیں کرے گا۔ یہ ترتیب بعد میں اسمبلیوں تک لے جائی جائے اور پھر دھیرے دھیرے کارپوریشنوں تک لے جائی جائے۔ جب ایک بار ماحول بن جائے گا اور وہ اتفاق رائے سے بنے گا تب جا کر ہم سیاست کو جرم سے پاک کر سکتے ہیں۔ اس کی شروعات کرنے کا یہ صحیح طریقہ ہے۔ اس لئے صدر جمہوریہ کے خطاب میں اس بات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ میں نہیں مانتا کہ کوئی ایسا بھی ہوگا جو اس سے نجات نہ چاہتا ہو۔ جس پر ایف آئی آر ہوگی، وہ بھی کہے گا کہ صاحب یہ تلوار 15 سال سے لٹک رہی ہے۔ ہر بار نامزدگی کے وقت لکھنا پڑتا ہے، ہر بار غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعہ اخباروں میں شائع ہوتا ہے کہ اس کے اوپر 25 جرم ہیں۔ اس سے ہر کوئی نجات چاہتا ہے۔ ہمیں لمبی قانونی کارروائی سے گزرنا پڑتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ سبھی ممبران، چاہے وہ لوک سبھا کے ہوں یا راجیہ سبھا کے ہوں، سب مل کر کے اس بات کے لئے تعاون کریں گے اور سپریم کورٹ کے مطابق جو بھی مجرم ہیں انکے لئے جیل ہو اور جو بے گناہ ہیں وہ بے داغ دنیا کے سامنے ہوں، اس کا انتظام ہمیں کرنا چاہیے۔ اور ان دونوں ایوان میں وہ صلاحیت ہے کہ وہ اس کام کو کر سکتے ہیں۔ ایسے متعدد معاملے ہیں۔

ہم لوگ یہاں سے شروعات کریں اور اس کے بعد باقی کام ہو جائے گا۔ لیکن میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں کہ کوئی بچنا نہیں چاہیے۔ قانون کی حکمرانی ہونی چاہیے۔ بے گناہوں کو تحفظ ملنا چاہیے اور گناہگاروں کو سزا ملنی چاہیے۔ اسی لیے تو جو کالا دھن کے لیے دو سال سے ایس آئی ٹی کی تشکیل کا کام لٹک رہا تھا، ہم نے آتے ہی اس کام کو کر دیا۔ اس کام کو کر دیا کیونکہ وہ ہماری ترجیح ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ یہ کالا دھن والے کون لوگ ہیں؟ لیکن دیش کے عوام کے سامنے یہ حقیقت آنا ضروری ہے کہ کالا دھن ہے یا نہیں ہے، ہے تو کس کا ہے؟ کس کا ہے اور کتنا ہے؟ کیسے آیا اور کہاں گیا؟ دیش کو پتہ تو چلے، اور اگر نہیں ہے تو ملک سے اس طرح کا دھواں ہٹ جائے گا۔ ملک کو ایک سکون کا احساس ہوگا۔ اس لئے ایسے کاموں میں بغیر کسی کوتاہی کے، ہمت کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیئے اور اگر ہم آگے بڑھتے ہیں تو ملک کے عام شہری کی پارلیمنٹ کے تئیں احترام میں اضافہ ہوگا، جمہوریت کے تئیں اسکی عقیدت میں اضافہ ہوگا اور حکومتی نظام میں وہ یقین کرنے لگے گا۔

آج ملک کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اسکا بھروسہ ٹوٹ گیا ہے اور یہ بھروسہ اس حد تک ٹوٹا ہے کہ یہاں بیٹھے ہوئے لوگ کبھی موبائل فون سے کسی کو ایس ایم ایس کرتے ہیں تو بعد میں فون بھی کرتے ہیں کہ میرا ایس ایم ایس ملا کیا؟ ایسا کیوں؟ کیونکہ بھروسہ ٹوٹ گیا ہے۔ بھروسہ ٹوٹ گیا ہے۔ ورنہ یہ یقین ہونا چاہیے کہ اپنے موبائل سے جب ہم نے ایس ایم ایس بھیجا ہے تو گیا ہی ہو گا۔ لیکن فون کر کے پوچھتے ہیں کہ میں نے جو ایس ایم ایس کیا ہے، وہ ملا ہے کیا؟ یہ جو بھروسہ ٹوٹ گیا ہے اس کو پھر سے بحال کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی سرکاری اسپتال جاتا ہے تو اس کو یقین ہونا چاہیے کہ اس کی بیماری ٹھیک ہو گی۔ بچہ سرکاری اسکول میں گیا تو ماں باپ کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ اسکی پڑھائی میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔ یہ بھروسہ ہونا چاہیے اور بھروسہ پیدا کرنا ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ لیکن اگر ہم مل بیٹھ کر اس کام کو کریں تو کر سکتے ہیں۔ آپ سب نے جو مشورے دیے ہیں وہ سبھی مشورے ہمارے لئے قابل قدر ہیں۔ اور میں یہ کہتا ہوں اور میں بڑے ادب کے ساتھ کہتا ہوں، بھلے ہی ہم کامیاب ہو کر آئے ہوں، بھلے ہی ملک کے عوام نے کئی برسوں کے بعد ہم کو اتنی بڑی حمایت دی ہے، لیکن اگر آپکی حمایت نہیں تو وہ حمایت بھی ادھوری ہے، اور اس لئے ہم آپ کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں۔ ضرورت پڑی تو ہمیں آپکی راہنمائی میں چلنے میں کوئی گریز نہیں۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہو گی۔ جب نرسمہا راؤ جی کی حکومت تھی۔ جینیوا کے اندر ایک کانفرس میں شرکت کے لئے جانا تھا۔ پاکستان کے خلاف ایک لابنگ کرنے کی ضرورت تھی۔ اور نرسہاراؤ جی نے اٹل بہاری واجپئی جی کو پسند کیا اور انکو ایک وفد کی شکل میں بھیجا تھا اور اس کام کو کیا تھا۔ تو ساری جو اچھی باتیں ہیں ان اچھی باتوں کو ہمیں آگے بڑھانا ہے۔ اور اس لئے ہم دیش کے لئے کام کرنے والے لوگ ہیں۔ پارٹی سے بڑا ملک ہوتا ہے، اس منتر کو لے کر چلنا ہے اور اس مقدس ایوان میں اس منتر کو اجاگر کرنے کے لیے ہم لوگ کوشش کریں گے۔ آپ کے تعاون سے مسائل کے حل کو رفتار ملے گی۔ سیاست کرنے کے لئے آخری سال کافی ہوتا ہے۔ ابھی تو چار سال ہم صرف ملک کے مفاد میں سوچیں، ایک ایسی قومی پالیسی کے بارے میں سوچیں۔ ہار جیت سے جو کڑواہٹ آئی ہے اس کو باہر رکھ کر کے آئیں۔ آتی ہے کڑواہٹ، مگر اتنی کڑواہٹ کے ساتھ آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ تو سینئر ہاؤس ہے، اس لئے سینئر ایوان کا ماحول جوش و خروش سے بھرا ہونا چاہیے، اس کو برقرار رکھنے کی ہم کوشش کریں گے۔

مجھے یقین ہے کہ ملک کے خوابوں کو پورا کرنے کے لئے صرف کامیاب لوگ ہی نہیں، منتخب ہوئے تمام لوگوں کا جو فرض ہوتا ہے، اس فرض کو پورا کرنے میں ہم پیچھے نہیں رہیں گے۔ پھر ایک بار ایوان کے سامنے اپنی بات کو رکھنے کا مجھے موقع ملا، میں آپ کا ممنون ہوں اور میں پورے ایوان سے گزارش کرتا ہوں کہ جو تجویز آپ کے سامنے رکھی گئی ہے اس تجویز کو اتفاق رائے سے حمایت کرتے ہوئے ہم ملک کو ایک نئی سمت دیں، نئی طاقت دیں۔ بہت بہت شکریہ!

لوک سبھا میں ڈپٹی اسپیکر کی تہنیت پر

وزیر اعظم شری نریندر مودی کی تقریر

۱۳ اگست، ۲۰۱۴

لوک سبھا میں ڈپٹی اسپیکر کی تہنیت پر وزیر اعظم کی تقریر

13 اگست 2014

معزز اسپیکر صاحبہ، اس ایوان کی اعلی روایات کے مطابق پھر ایک بار ایوان کی سبھی پارٹیوں نے، سبھی ممبروں نے جناب تھمبی دُریٔ کو اتفاق رائے سے نائب اسپیکر کے لئے پسند کیا ہے۔ میں سب سے پہلے ایوان کا اور خصوصی طور سے حزب مخالف کے سبھی اراکین کا دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جناب تھمبی دُریٔ جی پہلے بھی ایوان کے نائب اسپیکر کی حیثیت سے اس ایوان کی سرپرستی فرماتے رہے ہیں، وہ ایک ممبر کی حیثیت سے بھی بڑے فعال رہے ہیں۔ ہر موضوع پر انکے علم کا فائدہ اس ایوان اور ملک کو ہوتا رہا ہے۔ کچھ وقت کے لئے حکومت کے وزیر ہونے کی وجہ سے ان کا سرکاری کام کاج میں بھی تجربہ ہے۔ انکی ایک اور بھی خاصیت رہی ہے کہ وہ ایکیڈ میشین بھی ہیں۔ انہوں نے اپنی تعلیم مختلف موضوعات میں حاصل کی ہے۔ وہ ماہر تعلیم بھی ہیں اور ایک سرگرم کارکن بھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ کسان بھی ہیں۔ وہ گونا گون شخصیت کے مالک ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ڈپٹی اسپیکر کی حیثیت سے اس ایوان کو چلانے میں انکی سرپرستی میں ہم مستفید ہوں گے۔ میں ڈپٹی اسپیکر صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے اوپر جو ذمہ داری ہے اس کو نبھانے میں حکومت کی طرف سے آپ کو مکمل تعاون حاصل رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ بحث مباحثہ کا جو ماحول پورے اجلاس میں رہا ہے اس کو مزید تقویت دینے میں آپ کا اہم کردار رہے گا۔ میری طرف سے اور ایوان کی طرف سے آپکو بہت بہت نیک خواہشات اور مبارکباد۔

سادھوی نرنجن جیوتی معاملے پر لوک سبھا میں

وزیر اعظم شری نریندر مودی کا بیان

۵ دسمبر، ۲۰۱۴

مرکزی وزیر سادھوی نرنجن جیوتی کے ذریعے قابل اعتراض الفاظ کے استعمال پر وزیر اعظم کا بیان

5 دسمبر 2014

عزت مآب اسپیکر صاحبہ، پچھلے کچھ وقت سے راجیہ سبھا میں ایوان کی کاروائی نہیں چل پا رہی ہے۔ میں لوک سبھا کے سبھی معزز اراکین کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس مسئلے کی حساسیت کے باوجود بھی اس ایوان کو چلنے دیا ہے۔ اس متنازعہ بیان کے متعلق اس ایوان میں اس مسئلے کے اٹھنے سے پہلے ہی جب میری پارٹی کے اراکین پارلیمنٹ کے ساتھ میٹنگ ہوئی تھی، تب میں نے بڑی سختی کے ساتھ ایسے اور ایسی زبان کا استعمال نہ کرنے کی ہدایت بھی دی تھی اور اپنی ناراضگی کا اظہار بھی کیا تھا۔ کوئی بھی ایسی چیزوں کو قبول نہیں کر سکتا ہے۔ وزیر محترمہ نے بھی معافی مانگی لی ہے۔ ان کا سماجی پس منظر ہم سب کو معلوم ہے۔ وہ گاؤں سے تعلق رکھتی ہیں، اور اب انہوں نے معافی بھی مانگ لی ہے تو اب اس ایوان کے سینئر ممبران کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اتنے بڑے ایوان کے سامنے ہمارا ایک ساتھی جب معافی مانگتا ہے تو ہمیں بھی اپنی فراخ دلی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور معاف کر دینا چاہئے۔ میں لوک سبھا کے سبھی اراکین کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ایوان کو چلنے دیا۔ اس بات پر پورے ایوان کی اور وہ سبھی لوگ جو عوامی زندگی میں ہیں، ان کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنی حدود میں رہیں اور سب کو قبول کریں اور ان حدود کے اندر رہتے ہوئے ہی، چاہے ایوان کے اندر ہوں یا ایوان کے باہر، ہمیں اپنی باتیں کہنی چاہیے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اور میں مانتا ہوں کہ جب محترمہ وزیر نے معافی مانگ لی ہے اور وہ ایک نئی وزیر ہیں تو تمام پارٹیوں کے سبھی سینئر جو یہاں بیٹھے ہیں، ان سے بھی میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ اب آپ اس بات کو ختم کر کے ملکی مفاد میں کام کو آگے بڑھائیں۔

پاکستان میں ۲۶/۱۱ کے ملزم ذکی الرحمٰن لکھوی کو ضمانت ملنے پر لوک سبھا میں وزیراعظم شری نریندر مودی کا بیان

۱۹ دسمبر، ۲۰۱۴

پاکستان میں 26/11 کے ملزم ذکی الرحمٰن لکھوی کو ضمانت ملنے پر لوک سبھا میں وزیر اعظم کا بیان

19 دسمبر 2014

محترمہ اسپیکر صاحبہ، بنگلہ دیش کے صدر آج یہاں ہیں تو میں ان کے ساتھ میٹنگ میں مشغول تھا۔ آج ایوان نے، پاکستان میں حال میں جو واقعہ رونما ہوا ہے، اسکے بارے میں ایک آواز میں اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے، اپنی مذمت کا اظہار کیا ہے۔ بھارت کی حکومت نے اس واقعہ کے فورا بعد پاکستان کو سخت سے سخت الفاظ میں، بھارت کے جذبات سے واقف کرایا ہے اور انکو یہ پیغام پہنچایا ہے۔ پاکستان سے یہ امید کی ہے کہ ابھی ابھی جو انکے یہاں جو یہ ہولناک واقعہ پیش آیا ہے، بچوں کے اوپر جو وحشتناک حملہ ہوا ہے اور جس بے رحمی سے انکو مارا گیا ہے، اس سے جتنی تکلیف پاکستان کو ہوئی ہے، اس سے ذرہ برابر بھی کم تکلیف بھارت کو نہیں ہوئی ہے۔ ہندوستان کے ہر بچے کی آنکھوں میں آنسو ہے۔ ہر ہندوستانی کی آنکھ میں آنسو ہے۔ اس کے فوراً بعد اس طرح کا رویہ، دنیا بھر کے انسانیت دوست لوگوں کے لئے بہت بڑا صدمہ پہنچانے والا ہے۔ ہم نے پاکستان کو مناسب الفاظ میں میں اپنی بات پہنچا دی ہے۔ ایوان نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے، اس جذبے کا احترام کرتے ہوئے حکومت کی آگے کی سرگرمیاں اسی تناظر میں رہیں گی۔ ہماری وزیر خارجہ بنگلہ دیش کے صدر کے ساتھ آج کی مصروفیت سے فارغ ہو کر سوموار کو ایوان میں تفصیل سے اپنا بیان دے کر ایوان اور ملک کو تمام حقائق سے واقف کرائیں گی۔

2015

شری نریندر مودی 'ڈیجیٹل انڈیا' کے ایک پروگرام میں خطاب کرتے ہوئے۔

"ڈیجیٹل انڈیا کے لئے ہماری مساعی ہمہ گیر ہے۔ یہ مختلف طریقوں سے آپ کی زندگیوں کو متاثر کرے گا اور انہیں آسانی فراہم کرے گا۔"

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر 'شکریے کی تحریک' پر وزیر اعظم شری نریندر مودی کا جواب

۲۷ فروری، ۲۰۱۵

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

27 فروری 2015

محترمہ اسپیکر صاحبہ، میں جناب صدر جمہوریہ کے خطاب پر شکریہ ادا کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ میں اس ایوان کے سبھی معزز اراکین کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں بہت ہی اچھی بحث ہوئی۔ تقریباً ساٹھ محترم اراکین کے خیالات کو سننے کا موقع ملا اور تقریباً چالیس معزز ممبران نے تحریری شکل میں اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ اس طرح یہ کافی معنی خیز بحث رہی۔ اس میں مختلف موضوعات پر بحث کی گئی ۔ حزب اختلاف کے جناب کھڑگے صاحب اور سبھی پارٹیوں کے سینئر رہنماؤں نے اپنی بات رکھی۔

جناب صدر جمہوریہ نے اپنے خطاب میں ملک جن مسائل سے نبرد آزما ہو رہا ہے، ان مسائل کے حل کے لیے کیا کوششیں ہو رہی ہیں، کس سمت میں ہو رہی ہیں اور کس رفتار سے ہو رہی ہیں، ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ اگر کچھ معزز اراکین کو لگتا ہے کہ یہ ہوتا تو اچھا ہوتا، وہ ہوتا تو اچھا ہوتا۔ میں اس کو مثبت شکل میں دیکھتا ہوں۔ اپنے خیالات کا اظہار کرنے والے محترم اراکین، چاہے اس طرف کے ہوں یا اس طرف کے ہوں، انکی توقعات کی بہت اہمیت ہے۔ ان کی توقعات کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ ان کو یہ بھروسہ ہے کہ شاید مسائل کا حل اسی مدت میں ہوگا۔ یہ اچھی بات ہے۔ کچھ یہ بھی باتیں آئیں ہیں کہ آپ تو ہمارے منصوبے کا ہی نام بدل رہے ہیں۔ میں نہیں مانتا ہوں کہ معاملہ منصوبہ کا اور منصوبے کے نام کا ہے۔ اصل معاملہ ان مسائل کے حل کا ہے جن کے لئے یہ اسکیمیں بنی ہیں۔ منصوبہ نیا ہو یا پرانا، اس پر تو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ سارے مسائل پرانے ہیں۔

اس لیے ہمیں جو مسائل وراثت میں ملے ہیں ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ہم راستے تلاش کر رہے ہیں۔ ان کو یہ بھی لگتا ہے یہ تو ہمارا منصوبہ تھا۔ آپ نے ان کا نام بدل دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے موضوعات پر تنقید نہیں کرنا چاہیے، آپ کو فخر کرنا چاہیے۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ چلو بھائی۔ مسائل کے حل کے لئے کچھ باتوں میں، اِدھر کے لوگ ہوں یا اُدھر کے، پرانے ہوں یا نئے، سب کی فکر جائز ہے۔ سمت صحیح ہے، تو یہ اپنے آپ میں ایک اچھی بات ہے، میں ایسا مانتا ہوں۔

مجھے یاد ہے کہ ہم پر باہر تنقید ہوا کرتی تھی کہ بھائی آزادی کی تحریک میں آپ کہاں تھے؟ ایک بار اَٹل جی نے بہت معقول جواب دیا تھا۔ اَٹل جی نے کہا کہ اچھا بتاؤ 1857 کی تحریک آزادی میں آپ کہاں تھے؟ یہ چیزیں کچھ لمحے کے لیے ٹھیک لگتی ہیں۔ آپ نرمل بھارت کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ سوچھ بھارت لے آئیں۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ سال 1999 میں اَٹل جی نے ٹوٹل سینی ٹیشن کا منصوبہ شروع کیا تھا، ایک پروگرام شروع کیا تھا۔ کیا نرمل بھارت اسی منصوبے کا دوسرا نام تھا؟ میں سمجھتا ہوں کہ معاملہ مسئلے کا ہے، نام کا نہیں۔

ہمارے ملک میں صفائی ایک مسئلہ ہے اور صفائی کا تعلق سیدھے طور سے ہماری ذہنیت سے ہے۔ میں جب صفائی مہم کی بات کرتا ہوں تب میرے دل و دماغ میں وہی غریب ہوتا ہے۔ عالمی بینک کی رپورٹ کہتی ہے کہ جب بھی گندگی کی وجہ سے کوئی بیماری پھیلتی ہے تو ایک غریب پر سات ہزار روپے کا خرچ آتا ہے۔ صفائی کی ذمہ داری ہم سب پر زیادہ ہے۔ اگر غریب کا اوسط نکالیں، اگر پانچ افراد کا خاندان ہے تو 35 ہزار روپے ہوتے ہیں۔ صفائی کا دوسرا تعلق عورتوں کے احترام سے ہے۔ آج بھی گاؤں میں ماں بہنوں کو کھلے میدان میں رفع حاجت کے لیے جانا پڑتا ہے۔ اندھیرے کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ یہ اس طرح کا مسئلہ نہیں ہے۔

مسئلہ ہماری ماں بہنوں کی عزت کا ہے، ان کو جینے کا حق دینے کا ہے۔ جب ان چیزوں کا یاد کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بھائی یہ ہمیں کرنا ہوگا۔ بچیاں اسکول چھوڑ دیتی ہیں۔ پڑھائی چھوڑ دیتی ہیں۔ کیوں؟ اسکی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ اسکول میں بچیوں کے لیے بیت الخلا نہیں ہے۔ سوال کسی کو ذمہ دار ٹھہرانے کا نہیں ہے۔ اس مسئلے کا حل ڈھونڈنے کا ہے۔ اس صفائی مہم کو بڑھانا ہے۔ یہ تین چیزیں میرے ذہن کو ہمیشہ متحرک کرتی ہیں۔ صفائی مہم کوئی رسم اجرا کا جلسہ نہیں ہے، یہ مسلسل کرنے کا کام ہے اور ہم سب کو اس کام کو انجام دینا ہے۔ ہم میں سے کوئی نہیں ہے، جسے گندگی پسند ہے۔ لیکن صفائی کی شروعات ہمیں کرنی چاہیے، اس پر ہم سنجیدہ نہیں ہیں۔ سوا سو کروڑ لوگوں کو اس کام میں جوڑنا چاہیے یا نہیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ کل سپریا جی نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ یہ ایک اچھی مہم ہے، اس سے ہم ایم پی کیسے وابستہ ہوں؟ ایوان میں انہوں نے پوچھا کہ ہم اس سے کیسے وابستہ ہو سکتے ہیں؟ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ عوام الناس اس صفائی کے کام کو کتنا پسند کرتے ہیں۔

مجھے میڈیا گروپ کے کچھ لوگ ملے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے کیدارناتھ کے موسیمات پر کام کیا۔ روپے اکٹھا کیے، ہمیں 4 کروڑ روپے ملے۔ گجرات میں زلزلہ آیا تو ہم لوگوں نے کام کیا۔ لوگوں نے تین کروڑ روپے دیے۔ ابھی ہم نے صفائی کے حوالے

گا کہ اگر آپ یہ کام ووٹ کی خاطر بھی کرتے ہیں تو بھی سماج کے لیے یہ ایک اچھا کام ہے۔ اگر سیاست کی بنا پر یہ کام کرتے ہیں تو بھی اس سے بڑا نیک کام کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کا نام یہ رہے یا وہ رہے۔ اس سے اوپر اٹھ کر کے، مسئلہ نہ رہے، اس پر ہم توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

محترم ملائم سنگھ جی نے ایک بہت اچھی بات کہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ مودی جی صفائی کی بات کرتے ہیں۔ اَسّی گھاٹ کی صفائی کرنے گئے تھے، وہ کام ابھی بھی مکمل نہیں ہوا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ میں ہنسوں یا روؤں۔ اس لیے کہ محترم ملائم سنگھ جی اتر پردیش سرکار کی رپورٹ کارڈ دے رہے تھے یا مرکزی حکومت کی رپورٹ پیش کر رہے تھے۔ تقریباً تین مہینے سے 'اسّی گھاٹ' کی صفائی چل رہی ہے۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ کتنی گندگی ہوگی۔ جس اَسّی گھاٹ سے وارانسی کی پہچان ہے۔

میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ میں ملائم سنگھ کی بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ لوہیا جی صفائی مہم چلاتے تھے۔ آپ لوہیا جی کی کوئی بھی بات دیکھیں گے تو ملک میں صفائی کے لئے مہاتما گاندھی جی کے بعد پوری طاقت سے اگر کسی نے آواز بلند کی تھی تو لوہیا جی نے آواز اٹھائی تھی۔ لوہیا جی نے یہ آواز اٹھائی تھی۔ اس لیے مودی جی کو اس میں ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر لوہیا جی نے اچھی بات کہی ہے تو مودی کو بھی اس راستے پر چلنے میں فخر محسوس کرنا چاہئے۔ اتنے وقت کے بعد بھی وہاں بہت کوڑا کچرا تھا۔ آپ کو سن کر حیرانی ہوگی کہ غیر ممالک میں ہمارے سفارت خانے ہیں۔ سشما جی نے سبھی ممالک میں ہمارے سفارت خانے کو خط لکھا ہے کہ 'صفائی مہم' کا آغاز ہندوستان میں ہوا ہے۔ اپنے سفارت خانے کا ذرا حال دیکھیے۔ مجھے سفارت خانے سے جو فوٹو گراف آئے ہیں ان کا حال پہلے کیا تھا اور اب کیا ہے؟ جہاں ہمارے لوگ رہتے تھے، وہاں گندگی کا انبار تھا۔ کاغذات پانی میں بھیگ گئے تھے۔ کیا سرکاری دفاتر میں انتظام نہیں ہے۔ انتظام ہے۔ لیکن عادت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ایک نیک کام ہے، اسی لئے ہم اس میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ کام اس حکومت یا اس حکومت کے سربراہ کا نہیں ہے، یہ کام سوا سو کروڑ دیش کے لوگوں کا ہے۔ آپ نے جس نام سے اس کام کو بڑھایا ہے۔ میں اس کا استقبال کرتا ہوں۔ آپ نے اب تک جو کیا ہے، اس کا میں استقبال کرتا ہوں۔ ان چیزوں میں اختلاف کی بات نہیں ہو سکتی ہے۔ لال قلعہ سے یہ کہنے کی جسارت مجھ میں تھی۔ میں نے کہا تھا کہ اس ملک میں اب تک جتنے وزیر اعظم رہے ہیں، اب تک جتنی حکومتیں رہی ہیں، یہ ملک ان سبھی کے تعاون سے آگے بڑھا ہے۔ لال قلعے کی فصیل سے میں نے بھارت کی سبھی سرکاروں کی بات کہی۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ہم نے نو مہینے میں سب کچھ کر دیا ہے۔ ہم ایسا دعویٰ کرنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی ہم یہ بات مانتے ہیں کہ دیش 15 اگست 1947 کو وجود میں آیا تھا۔ یہ ملک ہزاروں سال کی وراثت ہے۔ رِشیوں، منیوں، آچاریوں، بھکتوں، اساتذہ، مزدوروں اور کسانوں نے اس دیش کو بنایا ہے۔ سرکاروں نے ملک نہیں بنایا ہے۔

حکومتیں آتی ہیں، جاتی ہیں۔ سرکاریں ملک نہیں بناتی ہیں۔ ملک عوام کی کوشش سے بنتا ہے۔ عوام کی طاقت سے بنتا ہے اور ملک اپنی رفتار سے چلتا ہے۔ اپنے فلسفہ سے چلتا ہے۔ نظریات آتے جاتے رہتے ہیں۔ بدلتے رہتے ہیں۔ بنیادی عناصر ملک کو چلاتے ہیں۔ بھارت کا بنیادی عنصر ہے۔

اِکم ستیہ وِپرہ بہودھاوَدنتی   سروے بھَونتو سکھِنہ

سروے سنتو نرامیاہ   سروے بھدرانی پشینتو

ماکداچِت دُکھابھاگ بھویت   اوم شانتی! شانتی! شانتی!

یہ بھارت کا بنیادی عنصر ہے، یہاں سب کی بھلائی کی بات ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ملک آج یہاں ہے۔ سرکاریں آئیں گی، جائیں گی، بنیں گی، بگڑیں گی۔ کچھ لوگوں کو لگتا ہے کہ دلّی میں آپ کا کیا ہوا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ گذشتہ تین ہفتے سے مدھیہ پردیش میں الگ الگ چناؤ کے نتیجے آرہے ہیں۔ پنچایت، نگرپالیکا اور مہا نگر پالیکاؤں کا کیا ہوا تھا۔ آسام میں اتنی زبردست جیت حاصل ہورہی ہے۔ پنجاب، راجستھان میں کیا ہوا، کیا اسی کا حساب لگائیں گے، بولنے میں بہت اچھا لگتا ہے۔ اتنا حصول اراضی کا قانون لے کر میدان میں گئے تھے، تاریخ میں کانگریس کی اتنی کم سیٹیں کبھی نہیں آئی تھیں۔ یہاں تک کہ ایمرجنسی کے بعد بھی کانگریس کے حالات اتنے بُرے نہیں ہوئے تھے، جتنے اس بار ہوئے ہیں۔ اگر ایکٹ کی وجہ سے آپ جیتنے والے ہوتے اور کسانوں کو یہ پسند آیا ہوتا تو آپ جیت جاتے۔ اس لیے مہربانی کرکے آپ وہ دلیل نہ دیں، بولنے میں ٹھیک لگتا ہے لیکن اس دلیل سے آپ سچائی کو ثابت نہیں کرسکتے۔ اس لیے میں کہنا چاہوں گا کہ ہمیں مسائل کا حل تلاش کرنا ہے، یہاں غوروخوض کرکے راستہ تلاش کرنا ہے۔

کبھی کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ آپ منریگا بند کردیں گے یا آپ نے منریگا بند کردیا ہے۔ میں اتنا یقین ضرور کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کو میری صلاحیت کے بارے میں شک ہوگا، آپ کی نیت بھی الگ الگ ہوسکتی ہے کہ اس میں مودی کو زیادہ علم نہیں ہے، اس میں کم تجربہ ہے۔ یہ سب ہوگا، لیکن ایک چیز کے بارے میں آپ ضرور مانتے ہونگے کہ میرے پاس سیاسی سوجھ بوجھ تو ہے۔ میری سیاسی سوجھ بوجھ کہتی ہے کہ منریگا کبھی بند مت کرو۔ میں ایسی غلطی نہیں کرسکتا، کیونکہ منریگا آپ کی ناکامیوں کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ آزادی کے ساٹھ سال بعد آپ کو لوگوں کو گڈھے کھودنے کے لیے بھیجنا پڑا۔ یہ آپ کی ناکامیوں کی یادگار ہے اور

میں بینڈ باجے کے ساتھ اس یادگار کا ڈھول پیٹتا رہونگا۔ دنیا کو بتاؤں گا کہ یہ گڈھے جو آپ کھود رہے ہیں، ان ساٹھ سال کے گناہوں کا نتیجہ ہے۔ اس لیے میری سیاسی سوجھ بوجھ پر آپ شک مت کیجیے۔ منریگا رہے گا، آن بان شان کے ساتھ رہے گا اور بانگ دہل دنیا کو بتایا جائے گا۔ ہاں، ایک بات اور ضرور ہوگی، چونکہ میں دیش کے مفاد کے لیے جیتا ہوں، دیش کے مفاد کے لیے جینا چاہتا ہوں۔ اس لیے اس میں دیش کا زیادہ فائدہ کیسے ہو، ان غریبوں کا بھلا کیسے ہو، اس میں جو کچھ چیزیں جوڑنے کی ضرورت ہوگی جوڑا جائے گا، اس میں سے نکالنا کچھ نہیں ہے، آپ فکر مت کیجیے، جو جوڑنا پڑے گا، جوڑیں گے، جو طاقت دینی پڑے گی، ہم دیں گے۔ کیونکہ ہم مانتے ہیں کہ لوگوں کو پتا چلے کہ ایسے ایسے کھنڈر چھوڑ کر کون گیا ہے۔ اتنے سالوں کے بعد بھی آپ کو یہ گڈھے کھودنے کے لے مجبور کس نے کیا ہے۔

یہ ان کو معلوم ہونا چاہیے، اس لیے یہ بہت ضروری ہے، آپ نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ آپ اپنا نقش قدم چھوڑ گئے ہیں جس سے لوگوں کو پتہ چل سکے۔ جب کبھی بھی بدعنوانی کی بحث ہوتی ہے، میں مانتا ہوں کہ بدعنوانی نے ہمارے ملک کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ ملک میں بدعنوانی کی بحث سیاسی دائرے میں نہ کریں، کیونکہ سیاست کے دائرے میں بحث کر کے ہم اس سنجیدہ مسئلے کو تو تو، میں میں میں الجھا دیتے ہیں۔ کس کی قمیص زیادہ سفید، بس یہیں تک ہم محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ میں اُدھر الزام لگاؤنگا، وہ اِدھر الزام لگائیں گے اور مال کھانے والے کہیں نہ کہیں کھاتے رہیں گے۔ اگر ہم سب مل جائیں تو بدعنوانی کا کیا ہوگا؟ اگر ہم سب مل کر یہ طے کریں کہ اسے آگے نہیں ہونے دینگے تبھی بدعنوانی ختم ہو سکتی ہے۔ اس کا حل جو حکومت میں بیٹھے ہیں ان کی ذمہ داری ہونی چاہیے کہ پالیسی پر مبنی اسٹیٹ چلائیں۔ جب پالیسی پر مشتمل انتظامات ہوتے ہیں تو گرے ایریا کم سے کم رہتا ہے۔ خدا نے ہم سب کو اتنی عقل دی ہے، میں یہ دعویٰ نہیں کروں گا کہ ہم ایسے قانون بنائیں جس میں کوئی خامی ہی نہ رہے، انسان اتنا طاقت ور نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے آج مسئلہ نہ ہو، لیکن پانچ مہینے یا پانچ سال بعد کوئی مسئلہ ابھر کر نہ آئے، لیکن گرے ایریا کم سے کم رہے، جب گرے ایریا کم سے کم رہتا ہے تب افسر شاہی کو انٹر پریٹیشن کا موقع نہیں ملتا۔ ہماری کوشش ہے کہ حکومتیں پالیسی کے تحت چلنے والی ہوں۔ انفرادی وژن کی بنیاد پر ملک نہیں چل سکتا ہے، نہ حکومتیں چل سکتی ہیں۔ ساری چیزیں بھارت کے آئین کے دائرے میں ہونی چاہیے۔ تبھی مسائل کا حل نکل سکتا ہے۔

مثال کے طور پر کوئلہ بلاک کی الاٹمنٹ کو لے لیجیے، جب سی۔اے۔جی نے اپنی رپورٹ دی، رپورٹ لکھنے والوں کو بھی لگتا تھا کہ اتنا تو نہیں ہو سکتا۔ پہلے کبھی چھ سو کروڑ روپے کی بدعنوانی کے بارے میں سنا تھا۔ پانچ سو کروڑ روپے کی بدعنوانی کا سنا تھا لیکن 186000 کروڑ روپے کی بدعنوانی! اس پر ملک بھی حیرت زدہ رہ گیا۔ سیاسی طور پر بولنے کے لیے کام تو آتا تھا، لیکن پھر بھی

من میں آتا تھا کہ 186000 کروڑ کا گھوٹالہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کوئلے کی الاٹمنٹ ہوئی تو اس کے بعد سپریم کورٹ نے 204 کوئلہ بلاک کو رد کر دیا۔ ابھی تک 18 یا 19 بلاک نیلام ہوئے ہیں۔ ان میں تقریباً ایک لاکھ کروڑ روپے سے زیادہ آچکا ہے۔ جب 204 نیلام ہو جائیں گے تب سی۔ اے۔ جی نے جتنا سوچا تھا، اس سے بھی بڑی آمدنی اس نیلامی سے ہونے والی ہے۔ اس وقت زیرو تھیوری کی بات چلی تھی۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا ہوں کہ جن کے وقت میں یہ ہوا، ان کو کیا کرنا چاہیے۔ وہ میرا موضوع نہیں ہے۔ وہ آپ کا خدا جانے۔

اگر ہم اس سمت میں چلتے ہیں، تو مجھے لگتا ہے کہ راستے مل سکتے ہیں۔ یہ ایک سیدھی مثال ہے کہ بدعنوانی سے پاک سسٹم کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ ایسے سسٹم کو فروغ دیا جاسکتا ہے جس میں بدعنوانی کا موقع کم ہو جائے۔ اس کے لیے آپ بہتر سے بہتر مشورہ دیں۔ اس موضوع پر مجھ سے وقت مانگیں گے تو میں وقت دونگا۔ میں آپ سے سمجھنا چاہونگا اور آپ بھی ہمیں گائڈ کیجیے کہ اس بڑے مسئلے سے نکلنے کے لیے یہ چار راستے ہیں۔ سرکاری نظام اسے دیکھے گی لیکن ہم سب مل کر کوشش کریں اور اس برائی سے ملک کو نجات دلائیں۔ ہم مان کر چلیں کہ یہ ہو کیا رہا ہے؟

یہاں پر زیادہ تر محترم ممبران نے کالے دھن کی بات کی۔ جس کالے دھن کی بات کرنے سے لوگ کتراتے تھے، کالے دھن کی بات آتے ہی چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، جب ان کے منھ سے آج کالے دھن کی بات سنتا ہوں تو مجھے اتنا لطف آتا ہے کہ بتا نہیں سکتا۔ میں مانتا ہوں کہ ہماری سب سے بڑی حصولیابی یہ ہے کہ ہم نے ملک کو کالے دھن پر بولنے کے لیے مجبور کر دیا۔ سپریم کورٹ کی باتیں تو بہت ہوتی ہیں، لیکن سپریم کورٹ نے کالے دھن پر ایس۔ آئی۔ ٹی تشکیل دینے کے لیے کہا تھا۔ سپریم کورٹ کا احترام کرنے سے ہم رہ گئے۔ کیا ہماری ذمہ داری نہیں تھی کہ جب سپریم کورٹ نے کالے دھن کے لیے ایس۔ آئی۔ ٹی بنانے کے لیے کہا تھا تو بغیر وقت ضائع کیے ہم ایس۔ آئی۔ ٹی بنا دیتے؟ ہم نے تین سال تک ایس۔ آئی۔ ٹی نہیں بنائی، سپریم کورٹ کے کہنے کے باوجود بھی نہیں بنائی۔ نئی سرکار بنانے کے بعد ہم نے پہلی کابینہ میٹنگ میں پہلا فیصلہ کالے دھن پر ایس۔ آئی۔ ٹی کی تشکیل کے لیے کیا۔ جب کالے دھن کی بات آتی ہے تو سوئس بینک کا ذکر ہوتا ہے۔

میں جناب ارون جیٹلی جی کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں قوانین کا مطالعہ کیا، بین الاقوامی قانون کا مطالعہ کیا اور سوئزر لینڈ حکومت کو اس بابت ہمیں اہم جانکاری دینے کے لیے راضی کیا۔ اب اس کی وجہ سے وہاں کے بینک کی جانکاریاں پانے کے لیے ہمارے لیے راستہ کھلا ہے۔ میں جناب وزیر مالیات کا استقبال کرتا ہوں۔ اتنا ہی نہیں، جی۔ 20 سمٹ میں آپ بھی جاتے تھے۔ ہم تو

پہلی بار گئے ہیں۔ ہمارے لیے تو کئی چہروں کو پہلی بار دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ ہم نے جی۔ 20 سمٹ کے پلیٹ فارم کا کیسا استعمال کیا؟ جی۔ 20 سمٹ کے اندر جو مشترکہ اعلامیہ ہوا، اس میں ہم نے گذارش کی کہ کالے دھن، ڈرگ ٹریفکنگ کے خلاف جی20 کو ذمہ داری کے ساتھ قدم اٹھانا چاہیے اور اس میں ہم تعاون کریں گے۔ کالے دھن کو روکنے کے لیے ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے۔ ہمیں مل کر جس پر دباؤ ڈالنا ہے، ڈالیں گے۔ ہم نے اس بات کا فیصلہ جی۔ 20 میں کروایا۔ یہ ہماری کوشش تھی۔ اس راستے سے اب ہم بھٹکنے والے نہیں ہیں، ہٹنے والے بھی نہیں ہیں اور کوئی اس سے بچے گا بھی نہیں، یہ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔

مہربانی کر کے کوئی یہ نہ کہے کہ ہم نے یہ سب کچھ ایک انتقامی جذبے سے کیا ہے۔ ہم وعدہ کر کے آئے ہیں۔ وہ شخص کوئی بھی ہو، ضروری نہیں سب سیاسی لیڈر ہی ہوں، لیکن جس نے بھی بدعنوانی کی ہے اس نے ملک کا نقصان کیا ہے۔ اس لیے اس کام کو انجام دینے کے لئے قوت ارادی کی ضرورت ہے اور وہ ہمارے پاس ہے۔ سرکار کی کوشش ہونی چاہیے، ہم یہ کر رہے ہیں اور مکمل کامیابی حاصل کرنے تک کرتے رہیں گے، یہ میں اس ایوان کو یقین دلاتا ہوں۔

کبھی کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے نیا کیا کیا؟ میں ایک مثال دیتا ہوں کہ کام کو کیسے کیا جائے۔ ہم ایک طرف کسان کی بہت بات کرتے ہیں لیکن کسان کو مصیبتوں سے باہر نکالنے کے لیے راستے تلاش کریں گے کہ نہیں؟ کئی طریقے ہیں۔ جیسے ہم ایک کام لے کر نکلے ہیں، "پر ڈراپ، مور کراپ"۔ ہمارے ملک میں پانی کی کمی ہے، ساری دنیا پانی کے مسئلے سے دوچار ہونے والی ہے۔ کیا حکومتوں کی ذمہ داری نہیں ہے کہ آنے والے تیس چالیس سال کے مستقبل کو دیکھ کر کچھ باتیں کریں؟ صرف فوری فائدہ کے لیے ہی کریں گے کیا؟ ہوسکتا ہے کہ اس سے کچھ سیاسی فائدہ حاصل ہو جائے لیکن قومی پالیسی کے ترازو میں وہ بات بیٹھے گی کیا؟ ہم نے سوائل ہیلتھ کارڈ کی بات کہی ہے۔ ہم نے منتر دیا ہے "صحت مند دھرا تو کھیت ہرا"۔ لیکن ہم صرف وگیان بھون میں ربن کاٹ اور دیا۔ چراغ جلا کر کام نہیں کرتے ہیں۔ یہ سرکار کیسے کام کرتی ہے؟ میں نے افسران کو ہدایت دی ہے۔ جیسے آج کسی بھی ڈاکٹر کے پاس جائیں تو پہلے وہ خون جانچ کروانے کے لیے کہتا ہے، پھر پیشاب جانچ کروانے کے لیے کہتا ہے اور اس کے بعد ہی وہ دوائی کے لیے غور کرتا ہے۔ وہ ساری جانچ کرواتا ہے اور تب تک کوئی دوائی نہیں دیتا۔ جس طرح سے جسم کی صحت کے لیے ان چیزوں کی ضرورت ہے، کیا ہم ملک کے کسانوں تک یہ بات نہیں پہنچا سکتے کہ آپ فصل پیدا کرنے سے پہلے، زمین سے فائدہ اٹھانے سے قبل ،زمین کی حالت کیسی ہے، یہ جان لیں۔ جسے ہم بھارت ماں کہہ رہے ہیں، اس بھارت ماں کا حال کیا ہے، اس زمین کا حال کیا ہے، دھرتی ماتا کا حال کیا ہے، وہ تو پہلے جانو۔ کہیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہماری زمین بیمار تو نہیں ہو گئی؟ ہم نے اتنا یوریا ڈالا،

یوریا کا جھگڑا کرتے رہے۔ کیا ہم نے اتنا یوریا ڈال کر اپنی زمین کو تباہ تو نہیں کر دیا ہے؟ یہ کب سمجھ میں آئے گا، جب ہم زمین کی جانچ کریں گے۔ جب ہم مٹی کی جانچ کا کارڈ نکالیں گے۔ ہاں، دے دینگے، اس سے بات نہیں بنے گی۔ میں نے کہا ہے کہ کیوں نہ ہم گاؤں گاؤں مٹی کی جانچ کے لیب کے لیے انٹر پر نور تیار کریں؟" گاؤں کے نوجوان جو تھوڑے بہت پڑھے لکھے ہیں، ان کو تربیت دیں۔ گاؤں میں اگر وہ لیب بناتا ہے تو اسے بینک کی طرف سے قرض دیے جائیں تاکہ گاؤں کے لوگوں کی اس لیباریٹری میں جانے کی عادت بن جائے اور وہ ہر سال بارش کے موسم سے پہلے زمین کی جانچ کروالیں، رہنمائی حاصل کریں، مائیکرو نیوٹریشن کی تفصیل حاصل کرلیں۔

جناب صدر ایوان، ہمارے یہاں دسویں، بارہویں سائنس کے اسکول اور کالج میں لیباریٹری ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں قریب فروری سے جولائی تک لیباریٹری بند رہتی ہے۔ کیونکہ بچے امتحان میں مصروف ہو جاتے ہیں اور اسکول کھلنے میں جون جولائی کا مہینہ آجاتا ہے۔ اس طرح قریب تین چار مہینے کے اہم وقت میں اسکول کی لیب خالی پڑی رہتی ہے۔ زمین کی جانچ کے لئے کوئی بہت بڑی ٹکنالوجی نہیں ہے۔ اسے آرام سے کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے کہا کہ ان دسویں اور بارہویں کے طلبا کو بھی تربیت دی جائے۔ اسکول میں چھٹی کے دنوں میں اس لیب کو مٹی کی جانچ کے لیب میں اسے تبدیل کیجیے۔ اس سے اسکول کو تو آمدنی ہوگی ہی ساتھ ہی گاؤں کے نوجوانوں کو بھی آمدنی ہوگی۔ ہمارا ملک غریب ہے، کیا ہم کوئی راتوں رات لیب بنا پائیں گے۔ ہم اپنے بنیادی ڈھانچوں کا پورا پورا استعمال کریں گے۔ یہی ہے اچھی حکمرانی، یہ ہیں طریقے، ان طریقوں سے مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔ جب ایک بار کسان کو پتہ چل جائے گا کہ میری زمین اس فصل کے لائق نہیں ہے تو میں مانتا ہوں کہ ہمارا کسان فوراً اس پر عمل در آمد کرے گا اور آج کسان کا جو خرچہ ہوتا ہے وہ اس سے بچ جائے گا۔

جناب صدر، کبھی یہاں ذکر ہوا کہ خام تیل کی بین الاقوامی قیمت کم ہوئی ہے۔ لیکن آپ نے پٹرول اور ڈیزل کی قیمت کم نہیں کی؟ تب ہم بھول جاتے ہیں، جب ہم سرکار میں آئے، تو سوکھے کی حالت تھی، بارہ فیصدی بارش کم ہوئی تھی۔ تب ہم نے فیصلہ کیا کہ ڈیزل میں جو رعایت دی جاتی ہے، اس میں 50 فیصد اور اضافہ کیا جائے گا، بجلی کے لئے جو پیسے لیے جاتے ہیں، اس کی رعایت میں پچاس فیصد اور اضافہ کیا جائے اور اس کی وجہ سے ڈیزل پر اور حکومت پر بہت بڑا مالی بوجھ بڑھ گیا ہے۔ ہم نے کسانوں کو رعایت دی ہے، جو کہتے ہیں کہ نہیں دی ہے، تو ایسا نہیں ہے۔ لیکن آپ کو پچھلے مئی، جون، جولائی کا یاد نہیں رہتا۔ آپ کو بس اکتوبر، دسمبر کا یاد رہتا ہے۔ ایسا نہیں ہے جی! سرکار آخر کس کے لیے ہے۔ یہ سرکار غریب کے لیے ہے، یہ غریبوں کے مفاد کے لیے وقف سرکار ہے۔ یہ ہم ہی ہیں جنہوں نے اخراجات کم کرنے کے لیے اخراجات کمیشن بنایا ہے، کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ حکومت میں جو غیر

ضروری خرچے ہو رہے ہیں، اس کو روکنا چاہیے تا کہ وہ پیسے غریب کے کام آئیں۔ غریب کی فلاح و بہبود کے کام میں آئیں، اس پر ہم کام کر رہے ہیں۔ ہم گڈ گورنینس کی طرف جا رہے ہیں۔ آپ دیکھیے، ہم ایسے لوگ ہیں، اب آپ یہ نہیں کہیں کہ یہ سب ہمارے زمانے سے ہے، میں بچپن سے ابھی تک بھی نہیں سمجھ پایا تھا کہ فوٹو کاپی کا زمانہ آیا، پھر بھی ہمیں اپنے سرٹی فیکٹ کی تصدیق کرانے کے لیے کسی گزیٹیڈ افسر کے پاس جانا پڑتا تھا، کسی ایم ایل اے کے گھر کے باہر قطار میں کھڑا رہنا پڑتا تھا، کسی ایم پی کے گھر کے باہر قطار میں کھڑا رہنا پڑتا تھا۔ ایم ایل اے یا ایم پی موجود نہ ہو تو بھی ان کا ایک چھوٹا سا آدمی رہتا تھا، وہ ٹھپہ مار دیتا تھا کہ ہاں بھائی، آپ کا سرٹی فیکٹ درست ہے۔ ہم اس پر تو بھروسہ کرتے ہیں، لیکن ملک کے شہری پر بھروسہ نہیں کرتے ہیں۔ ہم نے اصول وضع کیے ہیں کہ خود دستخط کر کے دے دیجیے اور جب فائنل رزلٹ آئے گا، تب آپ اصل دستاویز دکھا دیجیے۔ آپ کہیں گے کہ یہ چھوٹی چیز ہے، لیکن یہ ملک کے عام لوگوں میں یقین پیدا کرتا ہے کہ سرکار مجھ پر بھروسہ کرتی ہے۔

ہمارے یہاں ایک ایک کام کے تیس چالیس صفحات کے فارم بھرے جاتے تھے۔ میں نے آتے ہی کہا کہ بھائی، اتنے لمبے لمبے فارم کی کیا ضرورت ہے، سرکار کی فائلیں بڑھتی ہی جا رہی ہیں، جتنا آن لائن ہو سکتا ہے، اسے آن لائن کیا جائے اور کم سے کم کر دو، تو کم سے کم کر دیا۔ کئی جگہ پر فارم کے عمل کو ایک صفحہ میں کر دیا ہے۔ ہم سسٹم کو آسان کرنے میں یقین رکھتے ہیں۔ ریڈ ٹیپ کو ہم کم کرنا چاہتے ہیں تا کہ عام لوگوں کو اس کی سہولت ملے، اس سمت میں ہم کوشش کر رہے ہیں۔ ایک کے بعد ایک کام ہم کرتے چلے جا رہے ہیں اور اس کا فائدہ ملنے والا ہے۔

ہمارے یہاں جو سرکاری ملازم سبکدوش ہوتے ہیں، ان کو ہر سال پنشن لینے کے لیے نومبر مہینے میں زندہ ہونے کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔ سابق ایم پی کو بھی دفتر میں جا کر دینا پڑتا ہے۔ ایک عمر تک تو ٹھیک ہے، اسی بہانے باہر جانے کا موقع مل جاتا ہے، لیکن ایک عمر کے بعد وہاں جانا ممکن نہیں ہوتا۔ کیا ہم اس سسٹم کو بدل نہیں سکتے کہ ٹکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر بھی اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دے سکے، اس کا پنشن پہنچ جائے۔ ہم نے اس کا پورا میکانزم بنا دیا ہے۔ یہ ہمارے غریب پنشن پانے والوں کا احترام ہے۔

آپ کو لگے گا کہ یہ اتنا بڑا ملک ہے اور مودی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے ہیں۔ تمام مصیبتوں کی جڑ تو یہی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو بعد میں بڑا درخت بن جاتی ہیں، زہریلا درخت بن جاتی ہیں، جو سبھی کو پریشانی میں ڈال دیتی ہیں۔ یہ اس لیے ضروری ہے۔

مجھے یہ یاد ہے کہ پچھلے سیشن میں ہمارا بہت مذاق اڑایا گیا۔ میں نہیں جانتا کہ اس طرح کی زبان کا استعمال وہ کیسے کر رہے تھے، کیا یہ مناسب تھا؟ یہاں تک کہہ دیا کہ آپ کو پارلیمنٹ میں آنے کا ویزا دے رہے ہیں۔ اس طرح کے الفاظ کا استعمال کرنے والوں کو میں اور تو کچھ نہیں کہتا، لیکن اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ بین الاقوامی سطح پر کچھ کام متعین ہوتے ہیں، جنھیں کرنا پڑتا ہے۔

ان میٹنگ میں گذشتہ وزراء اعظم کو بھی جانا پڑتا تھا، اس وزیر اعظم کو بھی جانا پڑے گا اور مستقبل میں جو وزیر اعظم آئے گا، اسے بھی جانا پڑے گا۔ لیکن اگر وہی مذاق کا موضوع بن جائے تو کیا ہماری سیاست اتنے نیچے آگئی ہے کہ ہم ایسی باتوں پر تبصرہ کر رہے ہیں؟ کیا آپ کے پاس میری تنقید کرنے کے لیے اور موضوع نہیں ہے؟ میں کہنا چاہتا ہوں، اگر آپ کو ملک کی اتنی فکر تھی، اگر اس ملک کا وزیر اعظم بیرون ملک گیا تو کتنا وقت وہاں گذارا، کبھی اس کی بھی جانچ کر لیتے، کبھی اس کی بھی جانکاری حاصل کرتے۔ میں آج کہنا چاہتا ہوں، میں جاپان گیا، جاپان کے اپنے پروگرام میں میں نے ایک پروگرام یہ شامل کیا۔ میں وہاں ایک نوبل انعام یافتہ سائنس داں یاماناکا سے ملاقات کرنے گیا۔ کیوں؟ کیا تصویر بنوانے کے لیے؟ میں اس لیے گیا کہ انھوں نے سٹیم- سیل پر تحقیق کی ہے۔ میں نے جتنا پڑھا ہے، میرے دل میں آیا کہ شاید ان کی یہ تحقیق ہمارے کام آسکتی ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میرے ملک کے قبائلیوں کو روایتی طور سے سِکل- سیل جیسی ہولناک بیماری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ سِکل- سیل کی بیماری کینسر سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ سکل- سیل کے مرض میں مبتلا مریض سے پوچھو تو پتہ چلے گا کہ یہ کتنی اذیت ناک ہوتی ہے اور نسل در نسل چلتی ہے۔ ابھی تک اس کی کوئی دوا نہیں ملی ہے۔ ایک امید جاگی ہے کہ شاید سٹیم سیل کے ذریعے سکل- سیل بیماری سے نجات مل جائے۔ میں گیا، وہاں جا کر میں نے ان سے گفتگو کی۔ بنگلور کے ہمارے سائنس انسٹی ٹیوٹ کے ساتھ آج اس سمت میں کام چل رہا ہے کہ سٹیم سیل کے ذریعے ہمارے نوجوان سائنس داں کچھ تحقیق کریں تاکہ میرے قبائلی بھائیوں کو نسل در نسل جن پریشانیوں میں زندگی گزارنی پڑتی ہے، ان سے وہ باہر آسکیں۔

ہم آسٹریلیا گئے، جی- 20 سمٹ میں شریک ہوئے۔ وہاں میں اُن زرعی سائنس دانوں سے ملنے ان کے لیب میں گیا جنھوں نے فی ہیکٹر زیادہ چنا پیدا کرنے کا اور سب سے خراب زمین میں چنا کی کھیتی کا کامیاب تجربہ کیا تھا، تحقیق کی تھی۔ کبھی میں نے پڑھا تھا۔ میں ان کے پاس گیا۔ ہم دَلہن کے معاملے میں بہت پیچھے ہیں۔ ہمارے ملک کے غریب کو دال سے پروٹین ملتا ہے۔ اگر ہمارا کسان اچھی مقدار میں دَلہن پیدا کر سکتا ہے، فی ہیکٹر زیادہ دَلہن پیدا کر سکتا ہے تو اس کو بھی اچھی آمدنی ہوگی اور ہمارے اس غریب کا بھی بھلا ہوگا۔ اس لیے میں نے ان سائنس داں کے پاس جا کر یہ سمجھنے کے لیے کچھ گھنٹے گذارے، ہمارے ملک کے کسانوں کو زیادہ دال پیدا کرنے کے لیے کیا راستہ اختیار کرنا چاہیے، زیادہ چنا پیدا کرنے کے لیے کیا راستہ ہو سکتا ہے، اَرہر پیدا کرنے

کے لیے کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے میں نے وقت گذارا۔ میں ایک دوسرے انسٹی ٹیوٹ میں بھی گیا، اس بات کے لیے گیا تھا کہ انھوں نے کیلے میں کچھ نئی تحقیق کی ہے۔ میں سمجھنا چاہتا تھا، مجھے پورا پتہ نہیں تھا، ان کے ساتھ بیٹھا، انکی لیب دیکھی، ان کے تجربات دیکھے۔ انھوں نے کیلے میں غذائیت کی مقدار بڑھانے میں بہت کامیابی حاصل کی ہے۔ زیادہ وٹامن پانے میں کامیابی پائی ہے۔ کیلا امریکہ کا پھل نہیں ہے۔ میرے بھائیوں بہنوں، کیلا غریب سے غریب کا پھل ہوتا ہے۔ اگر کیلے میں غذائیت کی مقدار بڑھتی ہے، وٹامن زیادہ ملتے ہیں اور اس طرح کی تحقیق کے ساتھ کیلا تیار ہوتا ہے تو میرے ملک کا غریب سے غریب شخص کیلا کھائے گا، اس کو زیادہ طاقت ملے گی۔ اگر ہم بیرون ملک جاتے ہیں تو اس کام کے لیے جاتے ہیں، ملک کا غریب ہمارے ذہن میں ہوتا ہے، ملک کا آدی واسی ہمارے ذہن میں ہوتا ہے، ملک کا کسان ہمارے ذہن میں ہوتا ہے اور دنیا میں جو بھی اچھا ہے، جو میرے ملک کے غریب کے کام آئے اس کو لانے کی تڑپ ہوتی ہے۔ اس تڑپ کے لیے ہم کوشش کرتے ہیں اور اس لیے وقت کا مناسب استعمال کرتے ہوئے ہم کس طرح سے اپنے ملک کو آگے لے جائیں، اس کے لیے سوچتے ہیں، اس کے لیے کوشش کرتے رہتے ہیں کہ کیسے غریبوں کے معیار زندگی کو بہتر بنایا جائے ۔ یہاں پر جن دھن منصوبہ کو لے کر جو کہا گیا کہ یہ تو ہمارے وقت تھا۔ بینکوں کو نیشنلائز کیے ہوئے چالیس ہو گئے۔ بینکوں کو نیشنلائز غریبوں کے لیے کیا گیا تھا، لیکن آج بھی اس ملک کا غریب بینک کے دروازے سے دور ہے۔

بینکنگ سسٹم ہماری معیشت کا اہم جزو بن گیا ہے۔ اگر ہم آگے چل کر کوئی بھی منصوبہ بنانا چاہتے ہیں تو شروعات یہیں سے ہوتی ہے۔ ہم نے 15 اگست کو یہ اعلان کیا تھا اور کہا تھا کہ 26 جنوری کو جب ہم پرچم کشائی کریں گے، اس سے پہلے یہ کام پورا کریں گے۔ وقت پر کام پورا کیا کہ نہیں؟ جس بینک کے اندر غریب کو جانے کا موقع نہیں ملتا تھا، بینک کے ملازم جو کوٹ پینٹ ٹائی پہنتے ہیں، ایئر کنڈیشنڈ کمروں سے باہر نہیں نکلتے ہیں، بینک کا وہ ملازم میرے غریب کی جھونپڑی تک گیا، غریب کے گھر تک گیا، کیا اس کے لیے سرکار تحریک نہیں دے سکتی، کیا اس کے لیے سرکار تبدیلی نہیں لا سکتی ہے، ہم یہ تبدیلی لائے ہیں۔ میں آج خاص طور پر بینکنگ سیکٹر کے اوپر سے نیچے تک کے سبھی تجربہ کاروں کا استقبال کرتا ہوں کہ انھوں نے اس بات پر عمل کیا۔ انھوں نے نہ صرف اس بات کو قبول کیا بلکہ اسے پورا بھی کیا۔ جب یہ انتظام ہو گیا ہے۔ منریگا کے لیے کہا گیا تھا کہ اس میں بہت خامیاں ہے۔ اب ہم منریگا کا پیسہ بھی جن دھن منصوبہ کے تحت دینگے، آدھار کارڈ ہے، اس سے گڑبڑی کم سے کم ہو جائے گی اور پیسہ سیدھا غریب کے کھاتے میں جائے گا۔ ہمارے ذہن میں غریب ہے، لیکن غریبوں کے نام پر ہمارے ذہن میں سیاست نہیں ہے۔ غریبوں کی خدمت کو ہم دیوتاؤں کی خدمت کا ایک موقع سمجھتے ہیں۔ اس لیے جب بھی ہم ان کے لئے کام کرتے ہیں تو اسی بات کو مد نظر رکھ کر کرتے ہیں اور ہم انکی فلاح و بہبود کے راستے تلاش کرنے کی مسلسل کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

اب میں ملک میں چل رہے صفائی ستھرائی کے کاموں کے بارے میں کچھ حقائق سے آپ کو آگاہ کرنا چاہوں گا۔ تقریباً سوا چار لاکھ بیت الخلا کی اسکول میں ضرورت ہے۔ تقریباً سوا چار لاکھ میں سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب نئے بیت الخلا بنانے پڑیں گے اور باقی بیت الخلا کو مرمت کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک الگ آن لائن پورٹل بنایا گیا ہے۔ اس کا نقشہ تیار کیا گیا ہے۔ پختہ پتا کیا گیا ہے کہ یہاں اتنے بیت الخلا چاہیے۔ ساری تفصیل کا خاکہ تیار کیا گیا ہے۔ مجھے اطمینان کے ساتھ کہنا ہے کہ اب تک لگ بھگ 60-65ہزار لڑکیوں کے لیے بیت الخلا بنانے کا کام پورا ہو چکا ہے۔ میں سبھی ایم پی کا بھی استقبال کرتا ہوں۔ کئی ایم پی نے اس کام سنجیدگی سے لیا ہے۔ اپنے علاقے میں ایم پی لیڈ فنڈ کا بھی استعمال کیا ہے۔ سی ایس آر میں استعمال ہوا ہے۔ جہاں ضلع کے افسر فعال ہیں انھوں نے تیزی سے کام کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آنے والے دنوں میں جو چھٹی ہے، اگر ہم سبھی یہ طے کریں، آپ اپنے یہاں سیکٹر کو پوچھیں، اپنے ضلع کے افسران سے معلوم کریں کہ اس کام کا کیا ہوا۔ آپ خط بھیج دیجیے۔ مجھے یقین ہے کہ جون مہینے میں جب نیا سیشن شروع ہوگا، اس کے پہلے اس چھٹی کے بعد بیت الخلا بنانے کا کام مکمل ہو جائے گا۔ یہ اطمینان صرف یہاں کے لیے نہیں ہے، یہ اطمینان وہاں کے لیے بھی ہے، ہم سبھی کے لیے ہے۔ آپ اس کام کو کریں گے، ایسا مجھے مکمل یقین ہے۔

صفائی کا کیا اثر ہے؟ اس کا ٹورزم پر کافی اثر پڑ رہا ہے۔ ہم نے آن لائن ویزا، 'ویزا آن ارائیول' کیا ہے اور دوسرا کام صفائی کا کیا ہے۔ ان دونوں کا مشترکہ اثر ٹورزم پر پڑ رہا ہے۔ گذشتہ سال کے مقابلے میں ٹورزم میں بہت اچھا اضافہ ہوا ہے۔ کئی معاملوں میں منفی پرچار کے باوجود بھی کچھ ایسی چیزیں ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے ہمارے یہاں ٹورزم میں کافی اضافہ ہوا ہے۔

اب ہم کہیں گے کہ آفات کی روک تھام کا کیا ہوا؟ آپ بتائیں کہ ایسی کون سی سرکار ہوگی، جس کے وقت میں آفات واقع نہ ہوئے ہوں، ہر سرکار کے وقت میں آفات آئے ہیں۔ ان آفات کے لیے ہر سرکار کو کچھ نہ کچھ کرنا پڑا ہے۔ لیکن آفات کی روک تھام کے طریقے بھی بدلے جاسکتے ہیں۔ جب جموں وکشمیر میں سیلاب آیا تو میں نے پہلا کام یہ کیا کہ بھارت سرکار میں جموں وکشمیر کے جتنے افسران ہیں، پہلے ان کی فہرست تیار کروائی اور ان کو سب سے پہلے وہاں بھیجا۔ اس وقت کے داخلہ سکریٹری پہلے کے جموں وکشمیر کیڈر کے تھے، انھیں میں نے وہاں بھیج دیا اور ہفتے بھر وہاں رکھا۔ کیوں؟ کیا بھارت سرکار کا یہی فرض ہے کہ صرف اتنا چیک دے دیا۔ نہیں، اتنے سے بات نہیں بنتی۔

ہمیں پوری قوت سے ان کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ میں بذات خود کشمیر گیا اور کتنے ہی گروپ کے ساتھ میں نے تفصیل سے گفتگو کی۔ میں نے اپنی دیوالی ان لوگوں کے ساتھ منائی۔ کیوں؟ تاکہ حکومت میں بیٹھے ہوئے دیگر

لوگ بھی اپنے فرض کے تئیں حساس ہوں اور ایسا نہیں ہے کہ اتنے پر ہی بات پوری ہو گئی اور ان کو ان کے نصیب پر چھوڑ دیا جائے۔ یہ ہمارا فرض بنتا ہے اور اس لیے ہماری مثبت اپروچ ہے۔ قدرتی آفات کا وقت تو تو، میں میں کا نہیں ہوتا ہے۔ اس میں ہمیں ایک اپنا پن کی ذمہ داری کے ساتھ کام کرنا ہوتا ہے اور ہمارے پاس جو بھی طاقت ہوتی ہے، کیسے اس کا صحیح ڈھنگ سے استعمال کرتے ہوئے ہم مسائل سے نجات حاصل کر سکتے ہیں؟ ہماری کوشش یہی ہوتی ہے۔ ہم اسی طرف جانا چاہتے ہیں۔

یہاں پر میں حصول اراضی قانون کو لے کر بہت اچھی اچھی باتیں سن رہا ہوں۔ ہمیں اتنا غرور نہیں کرنا چاہیے کہ ہم نے جو کیا، اس سے اچھا اس دنیا میں کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا۔ جب حصول اراضی قانون بنا تھا، تب ہم بھی تو آپ کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر اس کو پاس کرنے کے لیے کھڑے تھے۔ ہم جانتے تھے کہ اس کا سیاسی فائدہ حاصل کرنے کے لیے سب لوگ جلد بازی کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود بھی ہم آپ کے ساتھ کھڑے رہے۔ لیکن ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ 1884 میں جو قانون بنا، اس کی کمیاں دیکھتے دیکھتے 2013 آ گیا اور 120 سال گذر گئے۔ آزادی کے بعد بھی 60 سال تک اس ملک کے کسان اسی قانون کے بھروسے جیتے رہے جو 1884 میں بنا تھا۔ اگر کسانوں کا بُرا ہوا تو کس کی وجہ سے؟ جب یہ قانون بنا تو ہم آپ کے ساتھ تھے۔ قانون بننے کے بعد جب ہماری سرکار بنی تو سبھی ریاستوں کے سبھی پارٹیوں کے وزیر اعلیٰ، کسی ایک پارٹی کے وزیر اعلیٰ نہیں، سبھی پارٹیوں کے وزیر اعلیٰ ایک آواز میں کہہ رہے تھے کہ صاحب، آپ کسانوں کے لیے کچھ سوچیے۔ کسان بغیر پانی کے مر جائے گا۔ اس کو سینچائی چاہیے۔ اس کو کھیتی نہیں، انفراسٹرکچر چاہیے۔ گاؤں میں اس کو سڑک چاہیے۔ گاؤں کے غریب کو رہنے کے لیے گھر چاہیے اور آپ نے ایسا قانون بنایا ہے، آپ بھاجپا والے بھی اس قانون سازی میں شریک تھے۔ اس سے ہمارا کوئی بھلا نہیں ہو رہا ہے۔

یہ بات ہندوستان کے سبھی ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ نے کہی۔ یہ ملک جو فیڈرل کو آپریشن کی بات کرتا ہے، یہ ملک جو فیڈرلزم کی بات کرتا ہے، کیا ہم اتنے مغرور ہو گئے ہیں کہ ہم اپنی ریاستوں کے وزیر اعلیٰ کی بات کو نہیں سنیں؟ کیا ہم اتنے مغرور ہو گئے ہیں کہ ہماری ریاستوں کے وزیر اعلیٰ پریشان ہیں اور ہم ان کی باتوں کو نہ سنیں؟ کیا ہمیں باتیں نہیں سننی چاہیے اور ان کے جو جذبات ہیں، کیا ان کے جذبات کا ہمیں مثبت طریقے سے احترام نہیں کرنا چاہیے؟ ان کی مانگ کیا ہے؟ مجھے فوج کے افسران ملے۔ وہ بولے کہ ہم کیا کریں؟ یہ جو آپ نے قانون بنایا ہے اور وہ تو ہم کو ہی کہتے ہیں کیونکہ ہم نے ساتھ دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ صاحب، ہمیں جو ڈیفنس کے پروجیکٹس کرنے ہوتے ہیں، اب جو آپ کا قانون بنا ہے، اس کے تحت ہو ہی نہیں پائے گا۔ ہمیں ہمارے جوہری نظام کے لئے جو انفراسٹرکچر کھڑا کرنا ہے، کیا ہم پوچھنے جائیں گے، کیا ہم لکھیں گے کہ ہمیں اس کام کو کرنا ہے؟ اس سے تو اچھا ہے کہ ہم پاکستان کو ہی لکھ دیں کہ ہم اس جگہ پر یہ کام کر رہے ہیں۔ ہماری فوج کے افسران اتنے پریشان ہیں کہ صاحب، کیا

ہو گا؟ ایسا نہیں ہے کہ کسی نے کوئی گناہ کیا ہے، کوئی جرم کیا ہے۔ لیکن غلطی رہ گئی۔ غلطی درست کرنا کیا ہماری ذمہ داری نہیں ہے؟ یہ چھوٹا سا طریقہ ہے کہ اس غلطی کو درست کرنا ہے۔ آپنے جو کیا ہے، ہم اس سے انکار نہیں کرتے ہیں۔ آپ نے جو کوشش کی ہے اگر اس میں کچھ کمی رہ گئی ہے تو اس میں ہم کچھ جوڑنا چاہتے ہیں۔

مہربانی کرکے اسے سیاست کے ترازو میں مت تولیے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس میں ابھی بھی اگر آپ کو لگتا ہے کہ کسانوں کے خلاف ایک بھی چیز ہے تو میں اس میں بدلاؤ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں سب سے زیادہ مشرقی اتر پردیش، بہار، مغربی بنگال، آسام، نارتھ ایسٹ، اڈیسہ، مشرقی آندھرا کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ہندوستان کے مشرقی کنارے پر تو گاؤں میں بھی چھوٹا موٹا انفراسٹرکچر ہے، گاؤں میں سڑکیں بنی ہیں۔ ہمارے اس قانون کا سب سے بڑا نقصان اگر کسی کا ہوا ہے تو پورے مشرقی ہندوستان کا ہوا ہے، مشرقی بھارت کا ہوا ہے۔ یہ جو وزیر اعلیٰ آکر چیخ رہے تھے، اسی بات کو لے کر چیخ رہے تھے کہ ہمیں جب کچھ آگے بڑھنے کا وقت آیا ہے، اسی وقت آپ بریک لگا رہے ہیں۔ کیا ہمارے مشرقی ہندوستان کے علاقوں کو بھی مغرب میں گاؤں کا جو انفراسٹرکچر ہے، ویسا ہی ان کو ملنا چاہیے کہ نہیں ملنا چاہیے، انہیں وہ سہولیتیں ملنی چاہئیں کہ نہیں ملنی چاہئیں۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ آپ نے جو کیا ہے، ہمارے سر آنکھوں پر، میں آپ پر فخر کرتا ہوں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس میں جو کمیاں رہ گئیں ہیں، وقت ہے کہ انہیں تھوڑا درست کرلیں، یہ صرف کمیوں کو ٹھیک کرنے کی کوشش ہے اور وہ بھی صرف کسانوں کے لیے ہے۔ میں ایوان کے سبھی ممبران سے درخواست کرتا ہوں کہ اسے اپنی انا کا موضوع نہ بنائیں اور اس قانون کے بننے کے بعد بھی میں اس کا سارا کریڈٹ اس وقت جنھوں نے اسے بنایا تھا، انہیں کو دونگا، سرعام دونگا، یہ سیاست کے لیے نہیں ہے۔

میں نے وزرائے اعلیٰ کو سنا ہے، ان کی پریشانیوں کو سنا ہے اور میں بھی وزیر اعلیٰ رہ چکا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ہم دلّی میں بیٹھ کر کوئی قانون بنادیتے ہیں، ان ریاستوں کو کتنی پریشانی ہوتی ہے، کبھی ہمیں اندازہ نہیں ہوتا ہے۔ میں ایک طرح سے ان کا نمائندہ بھی ہوں، کیونکہ میں اسی ٹولی میں طویل عرصے تک رہا ہوں اور اس لیے میں ان کے درد کو جانتا ہوں۔ کسان کے خلاف ایک بھی چیز ہو، ہم ٹھیک کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہو سکتا ہے، یہ کام کرتے وقت ہماری بھی کچھ کمی رہی ہو، لیکن ہمارا کام کمیاں دور کرنا ہے، اس کا سیاسی فائدہ آپ لے لیجیے، مجھے کوئی عتراض نہیں ہے۔ آپ اس کے لیے جلوس نکالیے، ریلی کیجیے، لیکن ملک کے لیے فیصلہ بھی کیجیے۔ اسلئے میں درخواست کرونگا کہ اس سمت میں جانے کے بجائے اس سے اوپر ہو کر سوچیے۔

نارتھ ایسٹ کے معاملے میں ہم 'ایکٹ ایسٹ' پالیسی کو لے چل رہے ہیں۔ میں ابھی بھی مانتا ہوں، میں زندگی میں ایک راہب رہا ہوں۔ میری خوش نصیبی رہی ہے، تقریباًہندوستان کے سبھی اضلاع میں مجھے رات گذارنے کا موقع ملا ہے۔ میں زندگی کے چالیس سال تک ایک راہب کی شکل میں گھومتا رہا ہوں، اس لیے میں جانتا ہوں۔ میں نارتھ ایسٹ میں بہت رہا ہوں۔ وہاں ترقی کی بہت گنجائش ہے، وہ ملک کا آرگینک کیپٹل بن سکتا ہے۔ وہاں اتنی طاقت ہے۔ میں ابھی بھی بار بار نارتھ-ایسٹ جاتا ہوں۔ اگر میرا سیاسی مقصد ہوتا تو جہاں 60-80 سیٹوں کی اکثریت ہوتی، میں اس طرف جاتا۔ لیکن جہاں ایک ایک سیٹ ہے، وہاں جاکر دو دو دن گذارتا ہوں۔ یہ میں سیاسی مقصد سے نہیں کرتا ہوں۔ یہ میرے ملک کی امانت ہے۔ ان کی فکر کرنی پڑے گی۔ ان کے ساتھ جڑنا پڑے گا اور اسی لیے میرا یہ مقصد ہے کہ ہندوستان کا مغربی کنارا جس تیزی سے بڑھا ہے، ہمیں بہت جلدی ہندوستان کے اس مشرقی کنارے کو کم سے کم اس کی برابری میں لانا پڑے گا۔ خواہ میرا بہار ہو، چاہے میرا بنگال ہو، چاہے آسام ہو، چاہے میرا نارتھ ہو، خواہ میرا مشرقی اترپردیش ہو، اس کی برابری میں لانا پڑے گا۔ ہم اس ملک کے ایک حصّے کو ایک طرف رکھ کر اور دوسرے حصّے کو خوشحال بناکر ملک کو آگے نہیں لے جاسکتے اور اس لئے میں ترقی کی اس سمت بدل دینا چاہتا ہوں۔ میں چاہوں گا کہ آپ اس میں میری مدد کریں۔

آپ دیکھیے کہ کوآپریٹیو فیڈرلزم کی باتیں بہت ہوئی ہیں۔ پہلے کیا ہوتا تھا، ہمیں یاد ہے، ریلوے میں پُل بن گیا، لیکن دونوں طرف رابطہ نہیں ہے۔ دو دو سال سے پُل ایسے ہی کھڑا پڑا ہے۔ کبھی دونوں طرف رابطہ بنا ہے تو پُل نہیں بن رہا ہے۔ کیوں، یا تو وہ سرکار ہمیں پسند نہیں ہے یا ایک ڈیپارمنٹ دوسرے ڈیپارمنٹ کی سنتا نہیں ہے۔ سالوں سے کام چل رہا ہے۔ سینکڑوں پروجیکٹ ہیں، اتنا ہی نہیں، ایک گاؤں میں ریل جاتی ہے، اب گاؤں میں ریل کے اس طرف بستی بننے لگ گئی۔ اب پانی کا پائپ ڈالنا ہے۔ ریل والے آڑے آجاتے ہیں، دو دو سال تک پائپ لے جانے کی اجازت نہیں دیتے۔

بتایئے بھائی انکا کیا گناہ ہے۔ سرکار کسی کی بھی ہو، لیکن اُس گاؤں والے کا کیا گناہ ہے کہ ریل کے نیچے پائپ لے جاکر بیچارے کو پانی دینا ہوتا تھا۔ میں نے حکومت میں آکر پہلا حکم یہ دیا کہ جتنی چیزیں ہیں، ان کو کلیئر کرو اور آج میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے سب کو کلیئر کردیا ہے۔ یہ نہیں دیکھا کہ وہاں کس پارٹی کی سرکار برسر اقتدار ہے۔ ترقی ایسے ہوتی ہے۔ اس لیے ہم نے اس سمت میں کوشش کی ہے۔ ہمارے یہاں کچھ چیزیں تو اجازت کے چکر میں لٹک جاتی ہیں۔ ریلوے کو میں نے دیگر شعبوں کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ میں نے کہا ہے کہ سبھی شعبے ساتھ مل کر کام کرو۔ سبھی ریاستوں کے ساتھ مل کر کام کرو۔ ریل گزر رہی ہے تو سارے لوگ روک دیئے جائیں، ایسا کام نہیں ہوسکتا ہے۔ ہم ترقی کی اس تعریف کو لے چلے تھے۔ اس لیے میں کوآپریٹیو فیڈرلزم

کی بات کرتا ہوں کیونکہ ان ریاستوں کے مسائل کو ہمیں دیکھنا چاہیے۔ اس نے یہ کیا، وہاں کیا، نہیں کیا، اس کی بنیاد پر ملک نہیں چلتا ہے۔ ملک کو آگے بڑھانا ہے تو ریاستوں کو آگے بڑھنا پڑے گا۔ میں جب ریاست کا وزیر اعلیٰ تھا تو ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ ہندوستان کے لیے گجرات کی ترقی ضروری ہے۔

یہ منتر میں نے ہمیشہ اپنی زندگی میں پیش نظر رکھا تھا اور میں سب کو بتاتا تھا۔ آج میں کہتا ہوں کہ ملک کو خوشحال بنانے کے لیے ریاستوں کو خوشحال بنانا ہے۔ ملک کو مضبوط بنانے کے لیے ریاست کو مضبوط بنانا ہوگا۔ ہم یہ تصور کرتے ہیں۔ ہم نے آتے ہی معدنیات کی رائلٹی وغیر ڈیڑھ گنا کر دیا۔ وہ پیسہ کس کو جائے گا؟ ریاستوں کا جائے گا۔ وہ ریاستیں کون ہیں؟ یہ وہ ریاستیں ہیں جہاں سب سے زیادہ معدنیات ہیں۔ یہ جو میں مشرقی ہندوستان کی ترقی کی بات کرتا ہوں، ان کی جڑیں اس میں پیوست ہیں۔ کیونکہ معدنیات سب سے زیادہ ہمارے ملک کے مشرقی علاقے میں ہیں۔ وہاں ان کو اس سے فائدہ ہونے والا ہے۔ کوئلے کی نیلامی ہوئی تو اس کا پیسہ کسے جائے گا؟ یہ سارا کا سارا پیسہ ریاست کے خزانے میں جانے والا ہے۔ کچھ ریاستوں نے تصور تک نہیں کیا ہوگا کہ ان کے بجٹ سے زیادہ پیسہ ان کے سامنے ہوگا۔ ہم یہاں تک پہنچ جائیں گے۔ کیا یہ فیڈرل ڈھانچے میں ریاستوں کو مضبوط کرنے کا طریقہ ہے نہیں ہے؟

ابھی ہم نے فنانس کمیشن کی رپورٹ کو قبول کیا ہے اور ریاستوں کو 42 فیصد دے رہے ہیں، جبکہ فنانس کمیشن کی اس پر ایک رائے نہیں ہے۔ فنانس کمیشن کے ممبران کے اندر بھی تنازعات ہیں۔ ہم اس کا فائدہ اٹھا سکتے تھے، لیکن ہم نہیں اٹھانا چاہتے ہیں، کیونکہ لازمی طور پر ہمارا عزم ہے کہ ریاست کو خوشحال ہونا چاہیے، ریاست مضبوط ہونی چاہیے۔ اس لیے ہم 42 فیصد دے رہے ہیں۔ یہ رقم چھوٹی نہیں ہے۔ جب آپ رقم سنیں گے تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ اتنا سارا روپیہ آیا ہے۔ کچھ ریاستوں کے پاس تو تجوری بھی چھوٹی پڑ رہی ہے، اتنے روپے رکھے ہیں۔ اتنا ہی نہیں، اس کے بعد پنچایتوں کے لیے الگ، نگر پالیکاؤں کے لیے الگ، مہانگر پالیکاؤں کے لیے الگ، اتنا ہی نہیں جب کوئی تباہی آتی ہے، جب کبھی قدرتی آفات آتی ہیں، اس کے لیے الگ، یہ سب میں ملاؤں تو تقریباً 47-48 فیصد ہو جاتا ہے۔ آزادی کے بعد پہلی بار یہ جان کر آپ خوشی ہوگی اور شاید ان ریاست میں بیٹھے ہمارے رہنماؤں کو بھی ہوگی، بلکہ میں کہتا ہوں کہ شاید ان کو بھی خیال نہیں ہوگا، آزادی کے بعد پہلی بار ہندوستان کی ریاستوں کے پاس جو خزانے ہیں اور بھارت سرکار کے پاس جو خزانے ہیں، ان تمام خزانوں کو اگر اکٹھا کیا جائے اور حساب لگائیں گے تو نکلے گا کہ 62 فیصد خزانہ ریاستوں کے پاس ہے اور صرف 38 فیصد ہی خزانہ بھارت سرکار کے پاس ہے۔ پہلی بار ملک میں ہم نے الٹی ترتیب دی کہ مرکزی سرکار کا خزانہ ہم نے کم کیا ہے اور ریاستوں کا خزانہ بھرا ہے۔ ہمارا ماننا ہے کہ ریاستوں کو ہمیں طاقتور بنانا چاہیے۔ ریاستوں کو

ترقی کے لیے مواقع دینا چاہیے۔ ہم اس کام کو کر رہے ہیں اور سیاست سے پرے ہو کر رہے ہیں۔ اس کی پارٹی، اس کی پارٹی اور جھنڈے کے رنگ دیکھ کر ملک کی ترقی کے فیصلے نہیں ہوتے ہیں۔ ہمیں تو اگر جھنڈے کا رنگ نظر آتا ہے تو صرف ترنگا نظر آتا ہے اور کوئی رنگ نہیں نظر آتا ہے۔ اسی کو لے کر ہم چلتے ہیں۔

جناب صدر، ہمارے ملک میں سیاسی وجوہات سے فرقہ پرستی کا زہر پھیلتا جارہا ہے۔ یہ آج سے نہیں چلا آرہا ہے، یہ لمبے عرصے سے چلا آرہا ہے، جس نے ملک کو تباہ کر کے رکھا ہوا ہے، دلوں کو توڑنے کا کام کیا ہے، لیکن سوال ہم سے پوچھے جارہے ہیں کہ ہمارا رول کیا ہے؟ میں آج اس ایوان کو بتانا چاہتا ہوں کہ 27 اکتوبر 2013 کو میں پٹنہ کے گاندھی میدان میں تھا۔ بم دھماکے ہو رہے تھے، بے قصور لوگ موت کے گھاٹ اتارے جارہے تھے، لاکھوں کا مجمع تھا۔ بے حد بُرا ماحول تھا، خون کی دھارائیں بہہ رہی تھیں، اس وقت جب انسان کے دل سے باتیں نکلتی ہیں، وہ سچائی کے ترازو پر سو فیصد درست ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی لاگ لپیٹ نہیں ہوتا ہے۔ بم، بندوق کے درمیان خون بہہ رہا تھا، لوگ مر رہے تھے، اس وقت میری جو تقریر ہوئی، اس میں میں نے کہا تھا، میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ بتایئے ہندوؤں۔ پٹنہ کے گاندھی میدان میں بم، بندوق، پستول اور گولیوں کے درمیان اٹھائی ہوئی یہ آواز ہے اور اس لیے مہربانی کر کے ہمیں ان خیالی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

اس لئے بھارت سے محبت کرنے والے ہر شخص کے لیے یہ بات واضح ہے کہ یہ ملک ایک تنوع سے بھرا ہوا ملک ہے۔ کثرت میں وحدت ہمارے ملک کی شناخت ہے، یہی ہماری طاقت ہے۔ ہم ایک رخ کے طرف دار نہیں ہیں، ہم اتحاد کے طرف دار ہیں اور سبھی فرقوں کا پھلنا پھولنا بھارت کی سرزمین میں ہی ممکن ہے۔ یہ بھارت کی خوبی ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارا جو آئین بنا ہے، وہ آئین ہزاروں سال کے ہمارے غور و فکر کو ظاہر کرتا ہے۔ ہمارا جو آئین بنا ہے، وہ ہمارے بھارت کے عام انسان کی امیدوں اور امنگوں کو منعکس کرنے والا آئین ہے اور اس آئین کی حد میں رہ کر ہی ملک چل سکتا ہے۔ ملک آئین کی حد سے باہر نہیں چل سکتا ہے۔ کسی کو بھی قانون ہاتھ میں لینے کا حق نہیں ہے۔ کسی کو بھی فرقے کی بنیاد پر کسی کے ساتھ امتیاز کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ہر کسی کو اپنے طریقے سے چلنے کا حق ہے اور میری ذمہ داری ہے، میں برسر اقتدار ہوں، حکومت کیسے چلے گی اس کی ذمہ داری میری ہے۔ اس لئے میں آپ کو کہنا چاہتا ہوں، میں بار بار کہتا آیا ہوں، فرقہ کے نام پر غلط باتیں کرنے والوں کو کہنا چاہتا ہوں، میں آج یہ کہنا نہیں چاہتا ہوں، آپ کا منہ بند کرنے کے لیے میرے پاس ہزاروں چیزیں ہیں، میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا ہوں، اس

کے لیے میں وقت برباد نہیں کرتا ہوں، لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارا عزم کیا ہے۔ میں نے بار بار کہا ہے کہ میری حکومت کا ایک ہی مذہب ہے۔ پہلے بھارت، ہماری حکومت کا مقدس صحیفہ ہے، بھارت کا آئین، میری حکومت کی ایک ہی بھکتی ہے، بھارت بھکتی، میری سرکار کی ایک ہی پوجا ہے، سوا سو کروڑ اہل وطن کی فلاح و بہبود، میری سرکار کا ایک ہی طرز عمل ہے، 'سب کا ساتھ – سب کا وکاس'۔ اس لیے ہم آئین کو لے کر، آئین کی حد میں رہ کر ملک کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔

'ایکم سَت وِپرا اہ بہودھاوَدنتی' ہمارا فلسفہ رہا ہے۔

سچائی ایک ہے، عقل منداسے بہت سے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ یہ کہنے والے لوگوں میں سے ہم ہیں۔ اور اتنا ہی نہیں، یہی ملک ہے جہاں گرو نانک دیو نے کہا ہے:

'سب میں ہی رب رہیا، پر بھو ایکائی پیکھ پیکھ نانک بگسائی'

"The one God is pervading in all, beholding him in all Nanak is delighted"۔ یہ ہمارا فلسفہ رہا ہے۔ یہ ہماری روایت رہی ہے۔ اور اس لیے ہم وہ لوگ ہیں 'تین تیکتین بُھنجِتھا' اس منتر کو لے کر کام کرنے والے ہیں۔ اسی لیے جب میں کہتا ہوں کہ سب کا ساتھ سب کا وکاس، تو یہ سب کا ساتھ، سب کا وکاس میں مجھے آپ کا بھی ساتھ چاہیے کیونکہ ہمیں سب کی ترقی کرنا ہے۔

میں ایک بار پھر، جن جن معزز ممبران نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کا بھی شکر گذار ہوں اور جو اعلیٰ باتیں آپ کے توسط سے آئیں ہیں، ان پر بھی غور کر کے کہ ملک کے مفاد میں کہاں کہاں انہیں نافذ کیا جاسکتا ہے، اس کے لیے بھی ہم کوشش کریں گے۔ میں پھر ایک بار عزت مآب جناب صدر جمہوریہ کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور خواہشمند ہوں کہ آئندہ بھی ان کی رہنمائی ہمیں ملتی رہے، یہ امید کرتا ہوں۔ بہت بہت شکریہ

لوک سبھا میں وزیر اعظم شری نریندر مودی کا بیان

۹ مارچ، ۲۰۱۵

لوک سبھا میں وزیر اعظم کا بیان

9مارچ2015

محترمہ اسپیکر صاحبہ، ایوان اور ملک میں جو ناراضگی ہے، اس ناراضگی میں، میں بھی اپنی آواز ملاتا ہوں۔ اس ملک نے علیحدگی پسندی کے مسئلہ پر، دہشت گردی کے مسئلہ پر، کسی پارٹی کی بنیاد پر، نہ تو اس سے پہلے کبھی سوچا تھا، نہ آج بھی سوچتا ہے، نہ ہی وہ آئندہ کبھی سوچے گا۔ ایوان کو بھی، ایک آواز کے ساتھ، آج ہونے والے کسی بھی حرکت کے لئے اپنی ناراضگی اور غصے کا اظہار کرنا چاہئے، جو آج کیا ہے۔ اور میں اس ایوان کو یقین دلاتا ہوں، میں ملک کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت کے قیام کے بعد جو بھی سرگرمیاں ہورہی ہیں۔ یہ نہ تو حکومت ہند کے مشورے سے ہورہی ہیں اور نہ ہی حکومت ہند کو اطلاع دے کر ہورہی ہیں۔

اور اس لئے میں اس ایوان کے معزز ممبران سے گزارش کرتا ہوں کہ وقت آنے پر آپ سیاسی تبصرے ضرور کریں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی وہاں کی حکومت میں شریک ہے، اس کے لئے آپ بھرپور اسکی تنقید بھی کریں، اور وہ آپ کا حق ہے اور ہونا بھی چاہیئے۔ لیکن ہم ایسا نہ کریں کہ ملک کی یکجہتی کے حوالے سے ہماری مختلف آوازیں ہوں، یہ پیغام نہ تو دنیا میں جانا چاہیئے، نہ کشمیر میں جانا چاہیے اور نہ ہی ملک میں جانا چاہیئے۔ اور اس لئے میں اس ایوان کو اور پورے ملک کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ حکومت ایسی کسی بھی حرکت کو قبول نہیں کرتی ہے۔ ملک کے اتحاد و سالمیت پر کوئی سمجھوتہ ہمیں منظور نہیں ہے۔ آئین کی حدود میں ہی قدم اٹھائے جاتے ہیں، آگے بھی اٹھائے جائیں گے۔

دوسرا... مودی جی خاموش کیوں ہیں؟ میں نے اُس ایوان میں بھی اس کے بارے میں تفصیل سے اپنی بات کہی تھی۔ اور اس لئے ایسی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہمیں خاموش رہنا پڑے ۔ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے انہیں اصولوں کی خاطر شیاما پرساد مکھرجی کی قربانی بھی دیکھی ہے۔ اور اسلئے براہ کرم ہمیں حب الوطنی کا درس نہ دیں۔ اور میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم نے کچھ چیزوں کی وضاحت طلب کی ہے، اور جیسا کہ محترم وزیر داخلہ نے کہا، وضاحت آنے کے بعد، ان سے بھی ایوان کو آگاہ کیا جائے گا۔

اور اسی لئے میں ایک بار پھر یہ کہتا ہوں کہ یہ غصہ کسی پارٹی کا نہیں ہے، یہ غصہ ملک کا ہے۔ یہ غم و غصہ اس بینچ اور اس بینچ کے بارے میں نہیں ہے، یہ غم و غصہ پورے ایوان کا ہے۔ اور ہم علیحدگی پسند قوتوں، علیحدگی پسندی کی حمایت کرنے والوں،

اور قانون کی پامالی کرنے والوں کے لئے، اور اتحاد اور سالمیت کے لئے جو بھی اقدامات ضروری ہیں وہ کریں گے اور ان کے خلاف ایک ہی آواز میں اپنا غم وغصہ ظاہر کرتے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

لوک سبھا میں وزیر اعظم شری نریندر مودی کا بیان

۲۳ اپریل، ۲۰۱۵

لوک سبھا میں وزیر اعظم کا بیان

23 اپریل 2015

محترمہ اسپیکر صاحبہ،

کئی سالوں سے، کسانوں کی خود کشی پورے ملک کے لئے تشویش کا باعث رہی ہے۔ وقتاً فوقتاً، ہر حکومت، اس سے جو بھی ممکن ہو پایا ہے، کرتی رہی ہے۔ کل کے واقعہ سے پورے ملک میں جو تکلیف ہے، اس کا اظہار ایوان کے تمام معزز ممبروں نے کیا ہے۔ میں بھی اس تکلیف میں شریک ہوں۔ یہ ہم سب کا عہد رہے کہ ہم سب مل کر کے اس کا حل نکالیں گے۔ جو بھی اچھے مشورے ہونگے، حکومت اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ کسان کی زندگی سے بڑی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ انسان کی زندگی سے بڑی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اور اس لئے راج ناتھ جی نے آپ کو حکومت کی طرف سے جو معلومات دینا تھی وہ آپ کو دی ہے۔ لیکن میں، اس ایوان کی تکلیف سے اپنے آپ کو جوڑتے ہوئے... ، ہم سب، پارٹی کوئی بھی ہو، ملک سب سے بڑا ہوتا ہے۔ مسئلہ بڑا ہے، سنگین ہے۔ ہم سب کو سوچنا ہوگا کہ ہم کہاں غلط رہے، کون سا غلط راستہ اختیار کر لیا، کیا کمیاں تھیں، پہلے کون سی خامیاں رہیں۔ پچھلے دس مہینوں میں کیا کوتاہیاں رہیں۔ یہ سب کی ذمہ داری ہے۔ لیکن ہمیں کسانوں کی اس پریشانی کے حل کے لئے کوئی راستہ تلاش کرنا ہوگا اور اس موضوع پر جو بھی مشورے کھلے ذہن کے ساتھ آئیں گے، آپ مجھے ضرور بتائیں، ہم کوئی راستہ تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم کسان کو بے بس نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمیں اس کے غم میں بھی، اس کے مستقبل کے لئے اس کے ساتھ شریک ہونا ہے۔ اور یہ قرارداد... آج کی بحث میں، وہ قراردادیں سامنے آئیں، اجتماعی قراردادیں سامنے آئیں کہ ہم سب مل کر اپنے کسانوں کو اب مرنے نہیں دیں گے، میں اس ایوان سے یہ گزارش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر بی آر امبیڈکر کی پیدائش کی ۱۲۵ویں سالگرہ تقریبات کے ضمن میں آئین کے تئیں پابندی عہد پر لوک سبھا میں **وزیراعظم شری نریندر مودی** کا بیان

۲۷ نومبر، ۲۰۱۵

ڈاکٹر بی آر امبیڈکر کی پیدائش کی 125ویں سالگرہ تقریبات میں آئین کے تئیں پابندی عہد پر لوک سبھا میں وزیر اعظم کا بیان

27 نومبر 2015

عزت مآب اسپیکر صاحبہ، آپ نے اس اہم بحث کا آغاز کیا۔ آپ نے پورے ملک کے سامنے اعلیٰ خیالات کے ساتھ آئین کی اہمیت اور اسکی افادیت اور آئین سازی میں ملک کی عظیم ہستیوں کی دوراندیشی کو بہت ہی موثر طریقے سے پیش کیا۔ آپکی تقریر پارلیمانی تاریخ میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت کی حامل ہوگی، ایسا مجھے یقین ہے۔ میں آپ کو بہت مبارکباد دیتا ہوں۔

ایوان میں بھی اس پروگرام میں جو دلچسپی کا مظاہرہ کیا گیا، سب نے اتفاق رائے سے جو حمایت دی اور اپنے طریقے سے آئین کی اہمیت اور اس کے تئیں عہد کو جس طریقے سے اس چرچہ کے ذریعے پیش کیا، اس کے لئے میں ایوان کے سبھی معزز ممبران کا دل سے خیر مقدم کرتا ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نہیں مانتا ہوں، کچھ لوگوں کی یہ غلط فہمی ہے اور شاید پرانی عادت کی وجہ سے ایسا چلتا ہوگا، کہیں میں دیکھ رہا تھا کہ وزیر اعظم چرچہ کے آخر میں جواب دیں گے۔ میں نہیں مانتا ہوں کہ یہ بحث اس طرح کی ہے۔ میں بھی ان سبھی ممبران کی طرح ایک ممبر ہوں اور جیسے سبھی معزز ممبران نے اپنے احساسات کا اظہار کیا ویسے ہی میں بھی اپنے احساسات کا اظہار کرنے کے لئے کھڑا ہوں، کیونکہ اس بحث کی روح وہی ہے۔ اس بحث کی روح ہم ہیں، پورا ایوان ہے۔ ملک کے سب عوامی نمائندے ہیں۔ اور اس لئے آخر کار، اس بحث کا اصل مقصد بھی وہی تھا۔ یہ بات صحیح ہے کہ 26 جنوری کو ہم اپنا یوم جمہوریہ مناتے ہیں، لیکن تاریخ کا ایک اہم واقعہ 26 نومبر بھی ہے۔ اس کو بھی اجاگر کرنا اتنا ہی ضروری ہے اور 26 نومبر کو اجاگر کرکے 26 جنوری کو کوئی نیچا دکھانے کی کوشش نہیں ہے۔ 26 جنوری کی جو طاقت ہے، وہ 26 نومبر میں مضمر ہے، یہ اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

میں تفصیل سے آج اسکولوں کے نصاب کے بارے میں نہیں جانتا ہوں۔ ہر ریاست کے اپنے اپنے نصاب ہوتے ہیں۔ لیکن ہم لوگ جب چھوٹے تھے تو ناگرک شاستر (علم شہریت) پڑھایا جاتا تھا اور اس میں تھوڑا سا تعارف ہمارے آئین کا آتا تھا لیکن بعد میں جاکر وہ قریب قریب کھو جاتا تھا اور یا تو کوئی وکالت کے پیشے میں جائے یا کوئی سیاست میں جائے، ان تک ہی ہمارے آئین کی ساری سرگرمی محدود ہوتی تھی۔ بھارت جیسا ملک جو تنوع سے بھرا ہوا ہے۔ ہم سب کو باندھنے کی طاقت آئین میں ہے، ہم سب کو بڑھانے کی طاقت آئین میں ہے اور اس لئے وقت کی مانگ ہے کہ ہم آئین کے تقدس، آئین کی طاقت اور آئین میں مضمر باتوں سے عوام الناس کو متعارف کرانے کی مسلسل کوشش کریں۔ ہمیں اس عمل کو بڑی لگن سے، مستعد ہو کر کرنا چاہئے۔

26 نومبر یوم آئین کے ذریعے حکومت کی یہ سوچ ہے اور اس میں دھیرے دھیرے بہتری آئے گی، کیونکہ یہ بنیادی موضوع ہے۔ کوئی چیز حتمی نہیں ہوتی ہے۔ اس میں مسلسل ترقی ہوتی رہتی ہے۔ ہم اس سلسلے کو ہر سال کس طرح آگے لے جائیں، ہمارا یہ کہنا نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ایک بار ایک خاص جشن تھا۔ باباصاحب امبیڈکر کا 125 واں یوم پیدائش جب ملک منا رہا تھا تو اس کے سبب پارلیمنٹ کے ساتھ جوڑ کر اس پروگرام کا انعقاد ہوا لیکن مستقبل میں اس کو لوک سبھا تک محدود نہیں رکھنا ہے۔ اس کو جن سبھا تک لے جانا ہے۔ اس پر بڑے پیمانے پر سیمینار ہو، بحث ہو، مقابلے ہوں، ہر نسل کے لوگ آئین کے بارے میں غور و فکر کریں، سمجھیں اور چرچہ کریں۔ اس سلسلے میں مسلسل غوروخوض چلتے رہنا چاہئے اور اس لئے ایک چھوٹی سی کوشش کا آغاز ہو رہا ہے۔

آج ایوان میں جس طرح سے مثبت بحث ہوئی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ موضوع بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اسے اور آگے بڑھانا چاہئے۔ اور ہم ضرور آگے کوشش کریں گے۔ جیسا کہ میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کیوں نہ ہم پورے ملک میں لگاتار بھارت کے آئین کے متعلق آن-لائن مقابلاتی پروگرام کا انعقاد کریں، سوالات پوچھے جائیں، مضمون نویسی کے مقابلے ہوں تاکہ پورے ملک کی ایک عادت بنے اور ہمارے اسکول کالج اس سے منسلک ہوتے رہیں۔ تمام اسکولوں کے اندر ایسا انتظام ہو۔ ایک سلسلے وار طریقے سے آئین پر بحث چلتی رہے۔ ایسے کئی پروگرام کو تشکیل دینے کے بارے میں آگے سوچا جاسکتا ہے۔ میں نے ایک بات لال قلعہ سے کہی تھی، ایک بار اس ایوان میں بھی کہی تھی۔ لیکن شاید کچھ لوگوں کو چیزوں کو سمجھ کر بُھول جانے کی فطرت ہوتی ہے، اور کچھ چیزیں یوں ہی بُھلادی جاتی ہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ اس سے قبل کسی وزیر اعظم نے لال قلعہ سے اس طرح کی بات کہی ہے۔ اگر کہا ہو تو میں ان کو سلام کروں گا۔ میں نے یہ کہا تھا کہ اس ملک میں جتنی حکومتیں بنی ہیں، ان سبھی حکومتوں کے اور جتنے بھی وزیر اعظم بنے ہیں ان سبھی وزراء اعظم کے تعاون سے یہ ملک آگے بڑھا ہے۔ میں نے یہ بات لال قلعہ سے کہی تھی۔ میں نے اس ایوان میں بھی اس بات کو کہا تھا۔ اور آج میں دوبارہ کہتا ہوں کہ یہ ملک کئی لوگوں کی جانفشانی سے آگے بڑھا ہے، سبھی حکومتوں کے تعاون سے آگے بڑھا ہے۔ ہاں، شکایت یہ ہوتی ہے کہ توقع سے کم ہوا ہے۔ اور جمہوریت میں شکایت کرنے کا سب کو حق حاصل ہے۔ لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ پرانی حکومتوں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ یہ بات کوئی کہہ بھی نہیں سکتا ہے۔ اور یہ بات میں آج نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ لال قلعہ سے بھی میں نے یہ بات کہی تھی، اور یہ میرا ایقان ہے۔ ہم یہ بھی نہ بھولیں کہ راجہ مہاراجاؤں نے، تخت نشینوں نے اس ملک کو نہیں بنایا ہے۔ اس ملک کو اس ملک کے عوام نے بنایا ہے، عام لوگوں نے بنایا ہے، مزدوروں نے بنایا ہے، کسانوں نے بنایا ہے، غریبوں نے اپنے پسینے سے بنایا ہے، اساتذہ نے بنایا ہے، پروفیسروں نے بنایا ہے۔

اس ملک کے لوگوں نے صدیوں سے مسلسل اپنا کردار نبھاتے ہوئے اس ملک کو بنایا ہے۔ اس لئے ہم سبھی کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ان سبھوں کے تیئں ہم اپنے قرض کو تسلیم کریں اور ان کو سلام کریں۔ آئین کے اندر بھی سب کا رول رہا ہے۔ اس وقت جن کے ہاتھوں میں ملک کی قیادت کی باگ ڈور تھی، ان کا خاص کردار رہا ہے۔ اور اس لئے اتنا بہترین آئین آج ہمیں ملا ہے۔ اس کی ہم جتنی بھی تعریف کریں، کم ہے، ہم جتنا فخر کریں، کم ہے۔ اور اگر اسے میں عام فہم زبان میں کہوں تو ہمارا آئین ڈگنٹی فار انڈیا اینڈ یونیٹی فار انڈیا، ان دو منتروں کی عکّاسی کرتا ہے۔ عام آدمی کی ڈگنیٹی اور ملک کی ایکتا اور سالمیت۔ بابا صاحب امبیڈکر کے رول سے ہم کبھی بھی انکار نہیں کر سکتے ہیں۔ اسکا مطلب قطعی یہ نہیں ہے کہ جب ہم بابا صاحب امبیڈکر کی بات کرتے ہیں تو اوروں کا کوئی نام نہیں ہوتا، لیکن ایک کا نام لیں گے تو دوسرے کا نام چھوٹ جاتا ہے۔ دوسرے کا نام لیں گے تو تیسرے کا نام رہ جاتا ہے۔ ہر ایک کو لگے گا کہ ہمارا بھی تو تعاون تھا۔ اور کچھ لوگوں نے تو زندگی میں اتنی بلندیاں حاصل کی ہیں کہ کوئی ان کا نام لیں یا نہ لیں، انکے نام کی کبھی کمی نہیں ہو سکتی ہے، کوئی انکے نام کو کوئی مٹا نہیں سکتا ہے۔ ہمیں اتنا یقین ہونا چاہئے۔ اور اس لئے اس یقین کو بحال کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ملک کئی عظیم ہستیوں کی وجہ سے بنا ہے اور اسکی اپنی اہمیت ہے۔ ہمیں اس بات کو تسلیم کرنا ہوگا۔ میں آج آئین کے پروگرام کا ایک تصور لے کر آیا ہوں، یہ پہلی بار نہیں ہے۔

میں ایک ریاست کا وزیر اعلی تھا اور سال 2009 میں، جب آئین کے 60 برس ہوئے تو ہم نے ریاست کی حکومت کی طرف سے ایک ہاتھی کے اوپر بیٹھنے کا پورا انتظام کرکے اس میں آئین کو سجا کر کے رکھا تھا۔ اسکی ایک یاترا نکالی تھی، اور آئین کی اہمیت کے بارے میں لوگوں کو معلومات فراہم کرنے کے لئے وزیر اعلی خود ہاتھی کے آگے پیدل چلتا تھا۔ آئین کے 60 سال کو ہم نے گجرات کی دھرتی پر منایا تھا، کیونکہ میں اس وقت وہاں کا وزیر اعلی تھا۔ اس لئے آئین کے اصول کو ہم قبول کرتے ہیں۔ ہم آج سوچیں، اس ایوان میں، ہم اتنے سارے لوگ عوامی نمائندہ بن کر آئے ہیں۔ اگر ہمیں ایک کام دیا جائے کہ جو آئین کی اصل کاپی ہے، اس کی دفعات ہی نہیں، بلکہ اس میں جو ڈرائنگس ہیں، جو پینٹنگس ہیں، صرف اس کو سلیکٹ کرنے کا کام دیا جائے تو آج کی ہماری انتخابی دل بھکتی اتنی تیز ہو چکی ہے کہ میں نہیں مانتا ہوں، آئین چھوڑیئے، اس کے اندر جو تصویریں ہیں، اسکو بھی شاید اتفاق رائے سے قبول کر پائیں گے۔ ہر تصویر کے خلاف اعتراض ہوگا، اس کے رنگ کے خلاف اعتراض ہوگا۔ اس ذہنی کیفیت میں ہم پہنچے ہیں۔ تب مجھے لگتا ہے کہ ان عظیم شخصیتوں نے کتنا بڑا کام کیا ہوگا کہ آئین سازی کا کام تین سال کے اندر مکمل کر دیا۔ بہت سے ممالک میں آئین سازی کا کام شاید اتنا مشکل نہیں ہوگا۔ بھارت جیسے ملک کے لئے آئین بنانا بہت بڑا کام ہے۔ جس ملک میں دنیا کے بارہ زندہ مذاہب ہیں۔ وہ یہاں بڑی عقیدت سے مانے جاتے ہیں، جس ملک میں الگ الگ جڑوں سے نکلی ہوئی 122 زبانیں ہوں،

جس ملک میں 1600 سے زائد بولیاں ہوں، ہر ایک کی الگ الگ ترجیحات ہوں۔ جہاں پر ایشور میں یقین رکھنے والے ہوں اور اس کے منکر بھی۔ جہاں قدرت کی پرستش کرنے والے بھی ہوں اور پتھر میں پرماتما کو دیکھنے والے لوگ بھی ہوں، ایسے تنوع سے بھرا ہوا یہ ملک۔ یہاں کے لوگوں کی امنگیں کیا ہوں گی؟ انکی آرزوئیں کیا ہوں گی؟ انہیں بیٹھ کر، سوچ کر بنانا۔ آج بھی ہم ایک آدھ قانون بناتے ہیں تو دوسرے سیشن میں ہی اسے ٹھیک کرنا پڑتا ہے کہ اس میں ایک لفظ رہ گیا تھا، اسے واپس لانا پڑتا ہے۔ یہ ایوان کا، ہمارا تجربہ ہے۔ ہم بھی ایک پرفیکٹ قانون نہیں بنا پا رہے ہیں، یہ حقیقت ہے۔ اس میں ہماری کمیاں رہتی ہیں اور دوسرے سیشن میں آنا پڑتا ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ ایک لفظ غلط رہ گیا تھا، اسے ٹھیک کرنا پڑے گا۔

یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ آئین سازوں نے کتنی عرق ریزی کی ہو گی۔ وہ کون سی انکی ذہنی کیفیت ہو گی کہ جو چیزیں نکل کر آئیں، وہ آج بھی ہمارے لئے راہنما ہیں۔ لہذا آئین کے اس وقار کو ہماری آنے والی نسلوں تک پہنچانا، ان کو اس سے روشناس کروانا، ان چیزوں کو جاننے کے لئے ان کو راغب کرنا، یہ ہمارے ملک کی جمہوریت کو مضبوط کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ایوان تک ہی آئین محدود ہو کر رہ جائے، یا حکومت کو چلانے کا ایک دستاویز بن جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو جمہوریت کی جڑوں کی آبیاری کی ہماری کوشش ہے، اس میں کمی رہے گی۔ لہذا بھارت کی جمہوریت کو مضبوط بنانے کے لئے، آئین کی روح اور اسکی صلاحیت سے لوگوں کو متعارف کرانا ہماری ذمہ داری بنتی ہے۔ اور میں مانتا ہوں کہ جن جن عظیم شخصیات نے اپنا تعاون پیش کیا ہے ان سب کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں اس بات کو کرنا ہو گا۔

جب ہمارے آئین کی تخلیق ہوئی، تب آئین کے عارضی چیرمین ڈاکٹر سچید انند سنہا نے ایک بات کہی تھی، اسکا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اپنی افتتاحی تقریر میں انہوں نے امریکی آئین کا حوالہ دیتے ہوئے یہ ذکر کیا تھا۔ جو سیف سٹوری نے کہا تھا:

"The constitution has been reared for immortality, if the work of many may justly aspire to such title."

آئین کو لافانی رہنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ انسان کے ذریعے کوئی چیز لافانی نہیں ہو سکتی لیکن آئین لافانی ہو سکتا ہے۔ یہ بات کہی۔ انسان کبھی یہ نہیں کر سکتا، لیکن کیا تھا۔ بابا صاحب امبیڈکر کی خصوصیت کی طرف ہم نظر کرتے ہیں، دوراندیش اور عظیم ہستیاں کیسی ہوتی ہیں۔ اسکی ایک مثال ہے کہ اگر کسی کو حکومت پر حملہ کرنا ہے تو حوالہ بابا صاحب کا کام آتا ہے۔ اگر کسی کو اپنی دفاع کے لئے استعمال کرنا ہے تو بھی حوالہ بابا صاحب کا کام آتا ہے۔ کسی کو اگر اپنی نیوٹرل بات بتانی ہے تو بھی حوالہ بابا صاحب کا

کام آتا ہے۔اسکا مطلب ہے کہ اس عظیم شخص میں کتنی وسعت نظری تھی، کتنی دور اندیشی تھی۔ کتنی وسیع سطح پر انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا کہ آج بھی مخالفت کرنے کے لئے وہ راہنما ہیں۔ حکمرانی کے لئے بھی راہنما ہیں، نیوٹرل اور خاموش بیٹھے ہوئے لوگوں کے لئے، تجزیہ کرنے کے لئے بھی راہنما ہیں۔ یہ اپنے آپ میں بڑا عجوبہ ہے، ورنہ خیالات تو کئی ہوتے ہیں، ہر نظریہ ایک ہی خیمے کے کام آتا ہے، ہر خیمے کے کام نہیں آتا ہے۔ بابا صاحب کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انکے خیالات و نظریات ہر دور کے لئے اور ہر نسل کے لئے، ہر طبقے کے لئے مددگار ثابت ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان نظریات میں ایک طاقت تھی، عرق ریزی تھی جو ملک کے لئے وقف تھی اور سو سال کے بعد کا بھی ملک کیسا ہو سکتا ہے، یہ دیکھنے کی صلاحیت تھی، تب جا کر اس طرح کی بات نکل پاتی ہے۔اس لئے ادب سے اس عظیم ہستی کو سلام کرنے کا جی چاہنا بڑا فطری ہے۔

جب میں اس آئین کے بارے میں سوچتا ہوں، کبھی کبھی ہم لوگوں کو لگتا ہے کہ یہ ایک ایسا دستاویز ہے جس میں دفعات ہیں، جن دفعات سے ہمیں کیا کرنا ہے، کیا نہیں کرنا ہے، اس کا راستہ ملتا ہے۔ حکومت کیسے چلانی ہے، کیسے قانون رہیں، پارلیمنٹ کیسے چلانا ہے، کیا کرنا ہے۔ گرانول آسٹن نے بھارت کے آئین کے بارے میں جو کہا ہے، میں سمجھتا ہوں وہ بڑا دلچسپ ہے۔ انہوں نے کہا: یہ ایک سماجی دستاویز ہے، ورنہ آئین ایک قانونی دستاویز ہوتا ہے۔ اگر آئین سازی کے عمل میں بابا صاحب امبیڈکر نہیں ہوتے، مجھے معاف کریں، میں کسی کی تنقید نہیں کر رہا، تو شاید ہمارا آئین ملک چلانے کے لئے، حکومت چلانے کے لئے عمدہ ہو سکتا تھا، لیکن یہ آئین سماجی دستاویز بننے سے رہ جاتا۔ یہ سماجی دستاویز اس لئے بنا ہے، کیونکہ بابا صاحب امبیڈکر کا درد، انکی تکلیف، انہوں نے جو جھیلا تھا، ان اذیتوں کا عرق الفاظ کی شکل میں اس میں نکل رہا تھا تب جا کر آئین کی تخلیق ہوئی تھی اور تب جا کر ایک غیر ملکی شخص نے کہا تھا کہ یہ ایک سماجی دستاویز ہے۔اس لئے اسے قانونی دستاویز نہ مانتے ہوئے اسے سماجی دستاویز کہا ہے۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے، ہم بھی جانتے ہیں، ہم سب انسان ہیں۔ کمیاں ہم سب میں ہیں اور ایک آدھ غلط چیز ہو جائے تو لمبے عرصے تک دماغ سے جاتی نہیں ہے۔ کسی نے ایک لفظ بول دیا ہو تو چبھتا رہتا ہے، جب وہ سامنے ملتا ہے، وہ نہیں دِکھتا ہے، اس کا وہ لفظ یاد آتا ہے۔ یہ ہم لوگوں کی فطرت ہے۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ ایک دلت ماں کا بیٹا، پیدائش سے لے کر پوری زندگی صرف اذیتوں کو برداشت کرتا رہا، ذلیل ہوتا رہا، نظر انداز ہوتا رہا، قدم قدم ان کو سہنا پڑا۔ اسی شخص کے ہاتھ میں جب ملک کے مستقبل کا دستاویز بنانے کا موقع آیا، اگر وہ ہم جیسا انسان ہوتا تو پورے امکانات ہوتے کہ وہ تلخی، وہ زہر کہیں نہ کہیں ظاہر ہوتا، انتقام کی کہیں آگ لگ نکل آتی، کہیں جذبات سامنے آ جاتے، لیکن یہ بابا صاحب امبیڈکر کی بلندی تھی کہ وہ زندگی بھر جھیلتے رہے لیکن آئین میں کہیں بھی انتقام کا جذبہ نظر نہیں آتا ۔ یہ انکی عظمت ہے، اس شخص کی بلندی ہے، جس کی وجہ سے یہ ممکن ہو پایا، ورنہ ہم سب جانتے ہیں اور ہمیں

معلوم ہے کہ ایک لفظ بھی ایسا چبھ جاتا ہے کہ وہ نکلتا نہیں ہے۔زندگی میں کتنی بلندی ہوگی، اندر کی سوچ کتنی مضبوط ہوگی۔ یہ انکی شخصیت کی عظمت ہے کہ اس عظیم شخص نے سارے زہر کو پی لیا اور ہمارے لئے امرت چھوڑ گیا۔اس عظیم ہستی کے لئے مجھے سنسکرت کا ایک شعر یاد آتا ہے:

سوبھاوم نہ جہاتییوہ سادھورا آپد گتوپی سن،   کرپورہ پاوک اسپرشہ سورنبھ لبھتے ترام

یہ بات باباصاحب کے لئے ایکدم سٹیک بیٹھتی ہے۔اس کا مطلب ہے:- سادھو کی سچی آزمائش مشکل حالات میں ہی ہوتی ہے، جیسے کافور کو آگ کے قریب لانے پر اس کے جلنے کا ڈر نہیں رہتا، وہ خود جل کر اپنی خوشبو سے سب کو معطر کرتا ہے۔ یہ باباصاحب امبیڈکر تھے۔ان کے ساتھ اتنی مشکلیں رہیں، اتنی اذیتیں برداشت کیا، اس کے باوجود بھی ہمارے پورے آئین میں کہیں بھی انتقام کا جذبہ نہیں ہے۔سب کو جوڑنے کی کوشش ہے۔سب کو راضی کرنے کی کوشش ہے۔اس لئے باباصاحب کو خصوصی طور سے خراج عقیدت پیش کرنے کا جی چاہنا بالکل فطری ہے۔

نومبر ۱۹۴۹ کو باباصاحب امبیڈکر نے آزادی اور جموری نظام کو قائم کرنے میں اور آزاد ہندوستان میں شہریوں کو کیسا سلوک کرنا چاہئیے، اس پر ایک تقریر انہوں نے کی۔انہوں نے کہا:

“If we wish to maintain democracy not merely in form but also in fact, what must we do? The first thing in my judgment we must do is hold fast to constitutional methods of achieving our social and economic objective. Where constitutional methods are open, there can be no justification for these unconstitutional methods. These methods are nothing but the grammar of anarchy and the sooner they are abandoned, the better for us".

"اگر ہم جمہوریت کو محض ایک روپ میں نہیں بلکہ حقیقت میں بنائے رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ میرے خیال میں پہلی چیز جو ہمیں کرنی چاہئے، وہ یہ ہے کہ اپنے سماجی اور اقتصادی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے آئینی طریقوں کا ہمیں سختی سے پالن کرنا چاہئے۔ جہاں آئینی طریقے کھلے ہیں وہاں ان غیر آئینی طریقے کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔ یہ طریقے کچھ نہیں بلکہ لاقانونیت ہیں اور انہیں فوری ترک کر دینا ہمارے لئے بہتر ہوگا"۔

میں سمجھتا ہوں ہم سب جمہوری ماحول میں پرورش یافتہ لوگ ہیں۔ ہمارے لئے do's اور don'ts کے نقطۂ نظر سے یہ سب اتنا ہی اہم ہیں۔ جس دن پنڈت نہرو نے آئین ساز اسمبلی میں ایک مسودہ رکھا جو آئین کے اغراض و مقاصد سے متعلق ایک قرارداد تھی، اور اسکی تائید ہمارے سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھا کرشنن جی نے کی تھی اور اس میں انہوں نے بہت ہی اچھی بات پنڈت نہرو کی حمایت میں اور اس قرارداد کی حمایت میں کہی تھی۔ انہوں نے کہا تھا: "دھرم شتر سیہ شترم"، یعنی دھرم سچے راجاؤں میں بھی اولیت کا حامل ہے۔ یہ لوگوں اور حکام دونوں کا حاکم ہے۔ یہ قانون کی بالادستی ہے جس کا ہم نے دعوی کیا ہے۔ یہاں دھرم سے ریچولس کی بات نہیں ہے بلکہ آئین کی بات ہے اور اس میں انہوں نے بڑے مناسب طریقے سے ہماری رہنمائی کی ہے۔

اسی طرح سے مسودہ کمیٹی کے چیرمین کی حیثیت سے ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر نے دفعہ 368 کے بارے میں جو بات کہی ہے، جو تشریح انہوں نے کی ہے، کیونکہ آج ان موضوعات پر کچھ ہلکے پھلکے تبصرے ہم سنتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس بات کو سمجھنا زیادہ ضروری ہے۔ انہوں نے کہا ہے :

"The constitution is a fundamental document. It is a document which defines the position and powers of the three organs of the state- the Executive, the Judiciary and the Legislature. It also defines the powers of the Executive and powers of the Legislature as against the citizens as we have done in our chapter dealing with the Fundamental Rights. In fact the purpose of a constitution is not merely to create the organs of the State but to limit their authority because if no limitation was imposed upon the authority of the organs, there will be complete tyranny and complete oppression. The Legislature may be free to frame any law, the Executive may be free to take any decision and the Supreme Court may be free to give any interpretation of the law. It would result in utter chaos".

"آئین ایک بنیادی دستاویز ہے، یہ وہ دستاویز ہے جو اسٹیٹ کے تینوں اعضا عاملہ، عدلیہ اور مقننہ کی حیثیت اور اختیارات کی تعریف بیان کرتا ہے۔ یہ شہریوں کے تئیں عاملہ اور مقننہ کے اختیارات کی بھی تعریف کرتا ہے جیسا کہ ہم نے بنیادی حقوق سے

متعلق باب میں کیا ہے۔ در اصل، آئین کا مقصد اسٹیٹ کے اعضا کی تخلیق تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کے دائرہ کی حد بندی کرنا ہے کیونکہ اگر اس کے دائرہ کی حد مقرر نہیں کی گئ تو وہ مطلق العنان ہو جائے گی۔ مقننہ کسی بھی قانون کو بنانے کے لئے آزاد ہو، عاملہ کوئ بھی فیصلہ لینے کے لئے آزاد ہو اور عدلیہ قانون کی کیسی بھی تشریح کرنے کے لئے آزاد ہو تو اس کا نتیجہ انتشار ہو گا۔"

باباصاحب امبیڈکر نے پوری طاقت کے ساتھ اس بات کو کہا تھا۔ اسی بات کو آگے بھارت کے سابق چیف جسٹس، جسٹس راجندر گڑکر، انہوں نے قانون کمیشن کے چیرمین کے ناطے جو 46ویں رپورٹ پیش کی، اس میں ایک اہم بات کہی ہے:

"The Commission believes that in a democratic country like India which is governed by a written Constitution, supremacy can be legitimately claimed only by the Constitution. It is the Constitution which is paramount, which is the law of laws which confers on Parliament and the State Legislatures and the Executive and the Judiciary their respective powers, assigns to them their respective functions and prescribes limitations within which the said powers and functions can be legitimately discharged."

راجندر گڑکر کہتے ہیں کہ " کمیشن کا ماننا ہے کہ بھارت جیسے جمہوری ملک میں جو کہ تحریری آئین کے ذریعے منضبط ہے، وہاں بالادستی کا دعویٰ صرف آئین کے ذریعے ہی قانونی طور سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ آئین ہی ہے جو سب سے بالاتر ہے، جو قانونوں کا قانون ہے۔ جو آئین اسٹیٹ، مقننہ، نافذہ اور عدلیہ کو انکے اختیارات عطا کرتا ہے، انکے متعلق کام کو تفویض کرتا ہے اور انکے دائرہ کو طے کرتا ہے، جس میں مندرجہ بالا اختیارات کو قانونی طور سے اپنے کاموں کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ یعنی ہمارا آئین اتنا واضح ہے، اتنا سٹیک ہے اور اس لئے یہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم ان ساری باتوں کو بار بار اجاگر کریں اور اجاگر کر کے اسکو کیسے آگے بڑھائیں۔ اس سمت میں ہماری کوشش رہنی چاہیئے۔ ہمارے لئے آج آئین اور زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا جا رہا ہے کیونکہ بھارت تنوع سے بھرا ہوا ملک ہے۔ الگ الگ جگہوں پر، الگ الگ طرح کی توقعات بھی ہیں۔ ہماری ذمہ داری ہے اور آج جب ہم اس جمہوریت کے مندر میں جمع ہوئے ہیں، وہ کون سا عہد ہے جو ہمیں متحد رکھتا ہے اور کون سا عہد ہے جو ہمیں آگے بڑھاتا ہے۔

باباصاحب بھیم صاحب امبیڈکر نے کہا اور اس بات کا ذکر یہاں پہلے ہو چکا ہے:

"I feel, however good a Constitution may be, it is sure to turn out bad because those who are called to work it, happen to be a bad lot. However bad a Constitution may be, it may turn out to be good if those who are called to work it, happen to be a good lot. The working of the Constitution does not depend wholly upon the nature of the Constitution."

"میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک آئین چاہے کتنا بھی اچھا کیوں نہ ہو، یہ برا ہو سکتا ہے، کیونکہ جن کے کندھوں پر اس کے نفاذ کی ذمہ داری ہوتی ہے وہ نااہل بھی ہو سکتے ہیں۔ جبکہ، ایک آئین چاہے کتنا بھی خراب کیوں نہ ہو وہ اچھا ثابت ہو سکتا ہے، اگر اسے نافذ کرنے والے لوگ اچھے لوگ ہوں۔ آئین کا کام پوری طرح آئین کی فطرت پر ہی منحصر نہیں ہوتا"۔

کل میڈم سونیا جی نے بھی اس بات کا ذکر کیا تھا۔ آج بھی راجیہ سبھا میں اس بات کا ذکر ہوا ہے۔ اور اس لئے آئین کے تقدس کو یقینی بنانا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ اور یہ ٹھیک ہے کہ آخری چیز اقلیتی رائے یا اکثریتی رائے سے بنتی ہے۔ لیکن ہم اس بات کو نہ بھولیں کہ جمہوریت کو زیادہ طاقت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ہم اتفاق رائے کے راستے پر چلتے ہیں، اتفاق اور سمجھوتے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جب ساری کوشش ناکام ہو جاتی ہیں تب آخری راستہ ہوتا ہے اقلیت اور اکثریت کی رائے کا۔ اس ایوان میں ایک طرف زیادہ لوگ ہیں اسلئے ان کو یہ اختیار حاصل نہیں ہو جاتا ہے کہ وہ چیزیں تھوپیں۔ اسلئے ہمارا راستہ اتفاق رائے اور مفاہمت کا ہونا چاہئے۔ ہر کسی کا ساتھ اور تعاون ملنا چاہئے۔ جب کچھ نہیں بنتا ہے، ساری باتیں ناکام ہو جاتی ہیں تب آخری معاملہ بنتا ہے کہ اب اقلیت اور اکثریت کے ترازو سے تولا جائے۔ اس جذبے کو ہمیں آگے بڑھانا ہوگا اور اس لئے آئین کے اس جذبہ کو فروغ دینا ہے۔

مجھے آج بھی یاد ہے، جب اٹل بہاری واجپئی جی کی حکومت تھی تب اس ایوان میں اکثریت کی جانچ ہو رہی تھی، تب بہت قریب کا معاملہ تھا۔ اڈیسہ کے وزیر اعلیٰ جناب گردھر جی لوک سبھا کے رکن تھے۔ وہ اسمبلی میں جیت گئے تھے، وزیر اعلیٰ بن چکے تھے، لیکن ابھی لوک سبھا سے استعفیٰ نہیں دیا تھا، پندرہ دن کا وقت ہوتا ہے اور اسی وقت واجپئی جی کہ اپنی اکثریت ثابت کرنے کی نوبت آئی۔ اس وقت ملک میں اختلاف تھا کہ وہ کیا کریں گے، ایوان میں آئیں گے تو کیا کریں گے اور اسپیکر صاحب نے بھی انکو کہا کہ ٹھیک ہے آپ آئے ہیں، لیکن اپنے ضمیر سے پوچھ کر جو کرنا ہے وہ کیجئے۔ انہوں نے ایسا کہا تھا۔ بعد میں انہوں نے اٹل جی کی

سرکار کے خلاف ووٹ کیا اور ایک ووٹ سے اٹل جی کی سرکار ہار گئی تھی۔ایک ووٹ سے سرکار ہار گئی تھی۔آئین اعلیٰ ہاتھوں میں ہو تو کس طرح کا سلوک ہوتا ہے اور کبھی غلطی ہوتی ہے تو کیسا ہوتا ہے،اس سے بڑی مثال کوئی نہیں ہو سکتی ہے۔میں مانتا ہوں کہ اٹل جی کی اس دن کی تقریر اور جس وقار کے ساتھ انہوں نے اقتدار کو چھوڑا تھا،اسکو ہم کبھی بھی بھول نہیں سکتے ہیں کہ کیا جمہوریت کی بلندی کو انہوں نے حاصل کیا تھا۔

ہمارا ملک اتنے ہزاروں سال کا ملک ہے،کمیاں ہمارے اندر آتی ہیں، کبھی کبھی برائیاں بھی داخل ہو جاتی ہیں، لیکن ہماری کچھ ہستی نہیں مٹتی۔یہ جو ہم بات بتاتے ہیں،اسکی بنیادی طاقت کیا ہے،بنیادی طاقت یہ ہے کہ ہزاروں سال پرانا یہ سماج ہے،اس میں ایک آٹو پائلٹ پیور یفیکیشن ارنجمنٹ ہے۔ہم نے دیکھا ہو گا برائیاں ہمارے سماج میں نہیں آئیں،ایسا نہیں ہے، برائیاں آئی ہیں، کبھی کبھی برائیوں نے اپنی جڑیں جمادی ہیں، لیکن اسی سماج میں سے لوگ پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے برائیوں کو ختم کرنے میں اپنی زندگی کھپا دی ہے۔سماج کی مخالفت کے باوجود بھی وہ لڑے ہیں اور سماج کی ایکتا اور سالمیت کے لئے انہوں نے کوشش کی ہے۔سماج میں وقت کے حساب سے وہ تبدیلی لائے ہیں۔ہمارے ملک میں مذہبی روایات کے چلتے سماج ایسا جکڑ گیا تھا،پروہتوں کا ایسا زبردست دبدبہ چل رہا تھا۔سماج ایک عجیب حالت میں تھا۔تبھی تو اس ملک میں بھکتی یُگ آیا۔ چیتنیہ مہاپربھو کہو،میرابائی کہو،نرسی مہتا کہو، کتنے لوگ آئے جنہوں نے اس چنگُل سے ملک کو باہر نکالا۔یہی تو سماج تھا جو کبھی ستی پرتھا پر فخر کرتا تھا، لیکن راجارام موہن رائے پیدا ہوتے ہیں، سماج کی مخالفت میں آدمی کھڑے ہو جاتے ہیں کہ یہ ستی پرتھا گناہ ہے،یہ ودھوا دہن ہے،یہ کبھی ملک میں چل نہیں سکتا۔سماج میں تبدیلی کو قبول کر لیا جاتا ہے۔کوئی ایشور چندر ودیا ساگر پیدا ہوتے ہیں۔جب ایک عورت بیوہ ہو جاتی تو اُس دور میں اس کو زندگی بھر اذیتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔آج بھی کبھی کبھی کچھ سماجوں میں یہ بحران دیکھا جاتا ہے۔وہ دن کیسے ہونگے جب ودیا ساگر جی نے بیڑا اٹھایا ہو گا اور انہوں نے کہا ہو گا کہ بیوہ کی دوبارہ شادی ہونی چاہئے، بچیوں کو پڑھانا چاہئے۔جب معاشرہ میں دلت، مظلوم، محروم،غریب،انکی بے بسی کی صورتحال تھی،تب دلت، مظلوم اور محرومین کے کوئی جیوتیبا پھولے،کوئی باباصاحب امبیڈکر میدان میں آتے ہیں۔چھوا چھوت کا زمانہ تھا،کوئی نرسی مہتا،کوئی مہاتما گاندھی اس زمانے میں نکل پڑتے ہیں،سیاست کو ایک طرف چھوڑ کر چھوا چھوت کے خاتمہ کے لئے زندگی صرف کر دیتے ہیں۔یہی تو سماج ہے،جب بدعنوانی اپنے عروج پر ہوتی ہے تو کوئی جے پرکاش نارائن نکل پڑتے ہیں اور اپنے آپ کو کھپا دیتے ہیں۔اس ملک میں معاشرے کے اندر برائیاں جب بھی آئی ہیں،ایسا تو نہیں ہے کہ برائیاں نہیں آئی ہیں، لیکن ہر برائی کے وقت ہمارے اندر ہی ایک نظام ہے،ایک آٹو پائلٹ ارنجمنٹ ہے جہاں سے ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی عظیم شخص آتا ہے جو سماج کو راستہ دکھاتا ہے اور معاشرے کو بچالیتا ہے۔

یہی تو ہماری طاقت ہے۔ آج آئین ہمارے لئے مشعل راہ ہے، لیکن کسی زمانے میں تو وہ بھی نہیں تھا، تب بھی سماج میں لوگ ملتے تھے اور جب آج ہمیں آئین کا سہارا ہے، ہم کتنا کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم اس برادری کے لوگ ہیں جس کی ساکھ کو بہت چوٹ لگی ہے۔

آزادی کی تحریک میں ملک کے لئے نکلنے والے لوگوں کو سماج بڑے فخر سے دیکھتا تھا، انکے خانوادہ کے تئیں بھی بڑا احترام کا جذبہ رکھتا تھا، لیکن خواہ چاہیں یا نہ چاہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ کچھ نہ کچھ ایسی وجوہات ہیں کہ سیاسی برادری کی ساکھ کم ہوئی ہے۔ سماج کا انکی طرف دیکھنے کا رویہ بدلا ہے۔ نیتا ہیں تو دور سے سلام۔ یہ ہم لوگوں کے لئے چیلنج ہے کہ ہم اپنے کردار سے، اخلاق سے پھر سے ایک بار، کیونکہ یہ ایک ایسا انسٹی ٹیوشن ہے جو جمہوریت کا ایک ضروری عنصر ہے، اسکے وقار میں کیسے اضافہ ہو، اسکی طاقت کیسے بڑھے۔ اتنی بدنامی ہونے کے بعد سماج ہم کو لگاتار کوستا رہتا ہے کہ ہم لیڈر ہیں تو برے ہیں، سیاسی کارکن سب برے ہیں، ہر طرح کا عیب ہمارے اندر ہے۔ یہ سب ہم دن رات سنتے ہیں، لیکن میں دیش کو کہنا چاہتا ہوں کہ انہیں لیڈروں نے اسی ایوان میں بیٹھ کر اپنے اوپر بندھن لگانے کے فیصلے کئے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ ہم جب انتخابات لڑتے ہیں تو الیکشن کمیشن کا فارم بھرتے ہیں۔ اس میں ہم خود لکھتے ہیں کہ میرے اوپر اتنے گناہ ہیں۔ ہم خود لکھتے ہیں کہ میرے پاس منقولہ اور غیر منقولہ اتنی جائیداد ہے۔ یہ ہم پر کوئی تھوپا ہوا موضوع نہیں تھا۔ حکومت کس کی تھی، یہ میرا موضوع نہیں ہے۔ اس ایوان میں بیٹھے ہوئے ممبران پارلیمنٹ اور انہیں سیاسی جماعتوں کے لیڈروں نے یہ خود پر پابندی کو قبول کیا، انہوں نے بدلاؤ کیا۔ اتنا ہی نہیں، یہ فکر ہوئی کہ انتخابات میں خرچہ زیادہ ہوتا ہے، کالے دھن کا استعمال ہوتا ہے، کم ہونا چاہئے، یہی وہ لیڈر ہیں جنہوں نے الیکشن کمیشن کے ساتھ اتفاق رائے سے اس نتیجے پر پہنچے کہ ہم اکاؤنٹنگ سسٹم نافذ کریں گے، اتنا ہی نہیں، الیکشن کمیشن کو روزانہ حساب دو۔ جتنی بندشیں آتی جاتی ہیں، سیاسی جماعتیں قبول کرتی جاتی ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ ان کو بھی لگتا ہے، لیڈر حساس ہیں۔ کسی بھی جماعت کا ہو، کسی بھی روایت سے آیا ہوا ہو، لیکن انہوں نے حساسیت کے ساتھ ملک کی فلاح کی خاطر ذمہ داریاں نبھائی ہیں۔ ہمارے یہاں ایک وقت ایسا آیا جب وزیروں کی تعداد بڑھنے لگی، سیاسی دباؤ بڑھنے لگے، توازن بنانے کی مصیبت آنے لگی تو یہی لیڈران اور پارلیمنٹ میں بیٹھی ہوئی سیاسی جماعتوں نے طے کیا کہ ہم کوٹا سسٹم لاگو کریں گے، اتنے فیصد سے زیادہ وزیر نہیں ہو سکتے۔ ہم نے اس پر عمل کیا۔ ہم نے اپنے اوپر پابندیاں عائد کیں۔ میں مانتا ہوں کہ جمہوری نظام کی ضرورت ہے، جس طرح سے سیاسی حلقہ کے لوگ اپنے اوپر پابندی لگا رہے ہیں، وقتاً فوقتاً جب بھی ضرورت پڑی، کبھی دیر ہوتی ہوگی۔ آپ دیکھئے، سپریم کورٹ نے فیصلہ کر لیا کہ اتنی مدت کے بعد آپ انتخابات نہیں لڑ سکتے ہیں۔ پارلیمنٹ قانون بنا سکتی ہے، قانون بنا کر اس سے نجات پا سکتی ہے، لیکن یہی پارلیمنٹ ہے، یہی لیڈر ہیں جنہوں نے اپنے اوپر اس قانون کو قبول کر لیا کہ سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ اگر سزا ہوئی ہے تو میں نہیں آؤں گا۔ یہ وہ پہلو ہیں جن کے لئے ہم فخر کر

سکتے ہیں۔ اسلئے سیاسی زندگی میں ہونے کے باوجود بھی ہم نے ان اصولوں کو قبول کیا ہے اور ہم ان کی ستائش کرتے ہیں۔ اس ایوان میں ایک سے بڑھ کر ایک عظیم ہستیاں آکر بیٹھی ہیں اور اس ایوان کی خصوصیت رہی ہے۔ مجھے یاد ہے، جب میں پارٹی میں تنظیمی کام کرتا تھا، تب ٹی۔وی مباحثوں میں جانا ہوتا تھا۔ اور پرائم ٹائم کے وقت بہت مانگ رہتی تھی۔ ایک بار میں اور غلام نبی آزاد، ہم لوگ ٹی۔وی ڈیبیٹ میں گئے تھے۔ کافی تو تو، میں میں چلتی تھی، ظاہر سی بات تھی۔ لیکن بعد میں اسکے پورا ہونے پر ہم اسٹوڈیو میں بڑے مزے سے چائے وغیرہ پی رہے تھے۔ جو صحافی تھے، اس میں ایک سینئر صحافی بھی تھے۔ مجھے آج یاد نہیں ہے۔ غلام نبی جی نے بہت اہم بات کہی۔ انہوں نے کہا کہ دیکھو بھائی، آپ بھلے ہی مانتے ہوں کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن جیسے لگتے ہیں، لیکن کبھی پارلیمنٹ آکر دیکھئے کہ ہم کیسے ایک فیملی کی طرح سلوک کرتے ہیں، کتنا اپنا پن ہمارے بیچ ہوتا ہے۔ یہ کوئی مودی نہیں لایا ہے۔ پچھلے پچاس سال کی سب کی محنت سے آیا ہے۔ اس لئے ان عظیم باتوں کی ستائش، ان چیزوں کا احترام اور اس کو اور پروان چڑھانا ہے۔ ایک وقت تھا، اس ایوان میں مخالفت ہونے کے باوجود ہم آہنگی بنی رہتی تھی۔ یہ ایک بڑی تاریخی بات ہے کہ ایک بار رام منوہر لوہیا جی نے ایوان میں اعداد و شمار کے ذریعے پنڈت نہرو کو بتایا کہ آپ کی پالیسیاں ملک کے کام میں نہیں آنے والی، غلط ہیں۔ رام منوہر لوہیا جی حزب مخالف میں تھے، جم کر بولے۔ لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ پنڈت نہرو کھڑے ہو کر کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کے اعداد و شمار سے انکار نہیں کر سکتا ہوں۔ اس ملک میں یہ اونچائی تھی۔ پنڈت نہرو نے وہ اونچائی دکھائی تھی۔ ہماری صداقت ہمیں اپنے ساتھیوں پر فخر کی ترغیب دیتی ہے اور آئین کے اس احساس کو ہم تبھی قبول کر پائیں گے۔ اس لئے یہ ہماری یہ جو ذہنی صداقت ہے۔ ہمارے سبھی ممبران کو ایشور نے کچھ نہ کچھ عطا کیا ہے۔ اس کی قدر کا جذبہ ہو، یہ ہماری فطرت کا حصہ ہونا چاہئے۔ یہ بات جو ہمارے لئے تشویش کا باعث ہے۔ ایسا ہے کہ آزادی کی تحریک سے جو عظیم لوگ وابستہ تھے، وہ سماج کی وقتاً فوقتاً رہنمائی فرماتے تھے۔ ان لیڈروں میں یہ جذبہ تھا، وہ کہہ سکتے تھے، یہ غلط ہے، یہ مت کرو، یہ نہیں کر سکتے ہو، ان میں یہ طاقت تھی۔ مہاتما گاندھی تو کبھی کمپرومائز کرتے ہی نہیں تھے۔ لیکن وقت کے ساتھ ہم ایک ایسی صورتحال میں پہنچ گئے ہیں کہ جس عوام کے ہم نمائندے ہیں، انکو کچھ کہنے کا ہمارا حوصلہ نہیں رہا ہے۔ زیادہ تر ہمارے آئین میں ایک ہی پہلو اجاگر ہوا ہے، اور وہ ہے حقوق۔ ہر جانب میرا حق کیا ہے، میرا اختیار کیا ہے، اسی کے اردگرد ہمارا ملک چل پڑا ہے۔ اس مقدس موقع پر میں اس ایوان سے گزارش کرتا ہوں، میں اہل وطن سے گزارش کرتا ہوں، وقت کی ضرورت ہے کہ ہم حقوق پر جتنا زور دیتے ہیں اتنا ہی ہم اپنے فرائض پر بھی زور دیں، ڈیوٹی پر زور دیں۔ ملک فرائض و حقوق کے امتزاج کے جذبے سے چل سکتا ہے، ورنہ ملک نہیں چل سکتا ہے۔ ہمارے سرکاری افسروں سے بھی کسی کام کے لئے پوچھیں گے تو کیا ہوتا ہے، سب سے پہلا سوال آتا ہے، اچھا، اچھا یہ ہے! اس میں میرا کیا ہے؟ وہیں سے شروع ہوتا ہے میرا کیا؟ اور اگر میرا کیا کا جواب منفی آیا تو مجھے کیا۔ یہ جو صورتحال ہے میرا کیا اور اگر میرا کچھ نہیں

تو مجھے کیا، جاؤ، مرو! یہ صورتحال ملک کے لئے اچھی نہیں ہے۔ ہمیں اپنے فرائض کو سمجھنا ہوگا اور تب جاکر صحیح طریقے سے ملک آگے بڑھے گا۔

مہاتما گاندھی نے ایک بڑی اچھی بات کہی تھی۔ مجھے اگر کاغذ مل جائے تو کہنا چاہوں گا۔ مہاتما گاندھی نے بہت اچھی بات کہی تھی اور میں مانتا ہوں کہ ہم لوگوں کے لئے اور ملک کے لئے بھی یاد کرنے کی چیز ہے۔

"آج سرمایہ دار اور زمیندار اپنے حقوق کی بات کرتے ہیں۔ دوسری طرف مزدور اپنے مفاد کی، راجواڑے اپنے اقتدار کی اور کسان اپنے حقوق کی پامالی کی۔ اگر سبھی اپنے حقوق کی باتیں کریں اور اپنے فرائض سے روگردانی کرلیں تو نتیجہ بدانتظامی اور لاقانونیت ہوگا۔ اگر سبھی اپنے حقوق کی جگہ اپنے فرائض کی بات کریں گے تو جلد ہی سماج میں قانون کی حکمرانی خود بخود ہی قائم ہو جائے گی۔ راجاؤں کو حکومت چلانے کا کوئی آسمانی حق نہیں ہوتا اور نہ ہی کسانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے آقاؤں کا ہر حکم مانیں۔"

یہ گاندھی جی کے الفاظ تھے۔ اور اس لئے ہم جب آئین کا ذکر کرتے ہیں تب ہمارے سامنے یہ خاص بات رہتی ہے کہ ہم فرائض پر زور کیسے دیں۔ ہم فرائض کی برتری کی طرف معاشرے کو لے جانے میں اپنا رول ادا کر سکتے ہیں کیا تو ہمیں وہ نہیں کرنا چاہئے۔ جب آئین کے مکمل ہونے کا وقت چل رہا تھا تو راجندر بابو نے ایک بات کہی تھی، انہوں نے کہا تھا: "سبھی کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ ہماری کوشش ہوگی کہ ہم غریبی اور بدحالی کو اور اس کے ساتھ ہی، یعنی بھوک اور بیماری کا خاتمہ کریں۔ امتیاز اور استحصال کو ختم کریں اور زندگی کے اعلی معیار کو یقینی بنائیں۔ ہم ایک عظیم راہ پر اپنا سفر شروع کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اس سفر میں ہمیں آپنے سبھی لوگوں کی بھرپور خدمت اور انکا تعاون حاصل رہے گا اور سبھی فرقوں کی ہمدردی اور حمایت حاصل رہے گی۔

آج کے وقت میں آئین ہمارے پاس ہے۔ اگر اس کے بارے میں کوئی غلط باتیں پھیلاتا ہے تو یہ سراسر غلط ہے۔ کبھی بھی کوئی آئین بدلنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔ میں مانوں گا کہ کوئی اگر ایسا سوچ رہا ہے تو وہ خودکشی کر رہا ہے۔ کیونکہ ان عظیم شخصیتوں نے جو سوچا ہے، آج کی صورتحال میں وہ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ ہماری تو بھلائی اس میں ہے کہ اسے اچھے ڈھنگ سے کیسے ہم غریب، دلت، اور دبے کچلوں کے کام میں لے آئیں۔ ہماری توجہ اس پر ہونی چاہئے۔ یا اس مذہب کے ہوں، اس زبان والے ہوں یا اس زبان والے ہوں، اگر وہ اس خطے میں رہتے ہیں تو ہمارے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ہم سبھی کو بااختیار بنانے کے لئے کام کریں۔ اس کام کو ہمیں پورا کرنا ہے۔ ہمارے سامنے بہترین موقع بھی ہے اور چیلنج بھی ہے۔ اگر بابا صاحب امبیڈکر نے اس ریزرویشن کے سسٹم پر زور نہ دیا ہوتا تو کوئی ہمیں بتائے کہ میرے دلت، دبے کچلے سماج کی کیا حالت ہوتی؟ پرماتما نے اسے وہ سب

دیا ہے جو مجھے اور آپ کو دیا ہے، لیکن اسے موقع نہیں ملا اور اس کی وجہ سے اسکی بد حالی ہے۔ اسے موقع دینا ہماری ذمہ داری بنتی ہے۔ سماج کا اتنا بڑا طبقہ جب ترقی کے سفر میں ہمارے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلنے والا، طاقت والا طبقہ بن کر کھڑا ہو جائے تو دیش کہاں سے کہاں پہنچ جائے گا۔ کوئی علاقہ پیچھے نہیں رہنا چاہئے۔ کوئی سماج پیچھے نہیں رہنا چاہئے، جسم کا ایک عضو اگر لقوہ زدہ ہو جائے تو اس جسم کو کبھی صحتمند نہیں مانا جاتا ہے۔ اگر جسم کا ایک عضو بھی کمزور ہے تو وہ جسم کبھی تندرست نہیں مانا جاتا۔ اس سماج روپی انسان کا کوئی ایک عضو بھی کمزور ہے تو پھر یہ سماج مضبوط نہیں مانا جا سکتا، یہ ملک مضبوط نہیں مانا جا سکتا۔ اس لئے ملک کی طاقت اس میں ہے کہ سماج کے سبھی اعضا مضبوط ہوں۔ مرد ہوں، خواتین ہوں، اس ذات سے تعلق رکھتے ہوں یا اُس ذات سے تعلق رکھتے ہوں، اس مذہب کے ہوں یا اُس مذہب سے۔ 800 ملین نوجوان جس ملک میں ہوں، اس سے بڑی خوش قسمتی کسی ملک کی اور کیا ہو سکتی ہے؟ ان کو روزگار فراہم کرنا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں ہنر دینا ہے۔ بھارت کی قسمت بدلنے کے لئے ہمارے پاس جو بھی ذہنی وسائل، علم، نظام، آئین جو بھی ہے، ہم اس کا استعمال کر کے ہم اپنی طاقت کو کیسے اجاگر کریں؟ ہمارے ملک میں آج بھی، اتنے برسوں کے بعد بھی ہم فکرمند رہتے ہیں کہ کیسے سب کو انصاف ملے؟ انصاف آسانی سے ملے اور بلا تاخیر ملے۔ جمہوریت کے جتنے بھی اہم پہلو ہیں، ان میں سے ایک اہم پہلو ہے، گریوانس ریڈریسل سسٹم۔ وہ جمہوریت کو مضبوطی دیتا ہے۔ اسی طرح سے انصاف ہے۔ سماجی انصاف ایک موضوع ہے، اسکی تو فکر کرنی ہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عام انسان کے لئے ہم لوگوں کو سوچنا ہو گا کہ ان کو کیسے انصاف ملے۔ جیسے لوک عدالتیں چلیں، لوک عدالتوں نے کافی انصاف دینے کا کام کیا۔ لیکن ہمیں اس سمت میں مزید آگے بڑھنا ہو گا اور اگر ہم آگے بڑھ کر کوشش کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ کافی کام ہو گا۔ ایسا مجھے لگتا ہے۔ بابا صاحب امبیڈکر نے جو ایک عظیم کام انجام دیا جو آج مزدوروں کے کانوں تک نہیں پہنچتا ہے۔ کھڑگے صاحب صحیح کہہ رہے تھے کہ پہلے کوئی قانون نہیں تھا۔ مزدور کتنے گھنٹے کام کرے گا، یہ پتہ تک نہیں تھا۔ جب تک ممکن ہو وہ بیچارہ اپنے جسم کو کھینچ کر کام کرتا تھا۔ بابا صاحب امبیڈکر نے ہمت دکھائی اور مزدوروں کے لئے آٹھ گھنٹے کی مدت طے کیا۔ کوئی عظیم انسان ایک کام کر کے جاتا ہے، وہ کئی نسلوں تک کتنا بڑا تعاون پیش کرتا ہے اس کا یہ نمونہ ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ہمارے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ہم چیزوں کو انجام دیں۔ میں نے جب یہ کام لیا تو ہمارے یہاں ای۔پی۔ایف اکاونٹ والا مزدور بیچارہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جاتا تھا اور اسے پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ اس کے پیسے کہاں گئے۔ اسکی رقم اتنی ہوتی تھی کہ وہ لینے جاتا نہیں تھا اور سرکار کے پاس 27000 کروڑ روپئے پڑے تھے۔ وہ مزدوروں کا پیسہ تھا۔ اسکے پسینے کا پیسہ تھا، لیکن بیچارے کی آواز نہیں تھی اور سسٹم بھی نہیں تھا۔ ہم نے آکر اسکی پورٹیبلیٹی کو یقینی بنایا اس کا یو۔آئی۔این نمبر طے کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مزدور کہیں پر بھی جائے گا، نوکری چھوڑ کر جائے گا، صوبے کو چھوڑ کر جائے گا، گاؤں کو چھوڑ کر جائے گا، اس نمبر کے ساتھ وہ اپنا اکاؤنٹ بھی منتقل کرے گا۔ اسکے پیسے اس

کے ساتھ ہی چلتے جائیں گے اور اس کے پیسے کا حق کوئی اس سے چھین نہیں پائے گا۔ یہ کام کرنے کی ہم نے کوشش کی ہے۔ ہم نے ایل-آئی۔ این نمبر کی کوشش کی ہے۔ مزدوروں کے لئے آن-لائن نمبر کا انتظام کیا ہے۔ لین نمبر رکھتے ہی جتنی اسکی چیزیں ہیں، اپنے آپ مل جاتی ہیں۔ ہمارے ملک میں ای۔پی۔ایف۔او ہے، پینشن ملتی ہے۔ جب میں آیا تو میرے دھیان میں آیا کہ کسی کو سات روپئے پینشن، کسی کو دس روپئے، کسی کو بیس روپئے، کسی کو پچیس روپئے اور کسی کو ڈھائی سو روپئے ملتے ہیں۔ بیچارے کو آٹو رکشہ بھی پوسٹ آفس تک پینشن لینے جانے کے لئے مہنگا پڑتا تھا، لیکن یہ چل رہا تھا۔ ہم نے آکر فیصلہ کیا اور کم سے کم پینشن ایک ہزار روپئے کر دیا۔ اسکو بھی سے فائدے کی راست منتقلی کے لئے آدھار کارڈ سے جوڑ دیا۔ اس ایوان میں ایک قانون آنے والا ہے۔ اس ایوان میں ایک اہم بونس ایکٹ آنے والا ہے۔ بونس ایکٹ میں اسکی حد 3500 سے بڑھا کر 7000 روپئے کرنے کا التزام ہے۔ جو بھی اس کے لئے اہل ہے اس کی حد کو دس ہزار سے بڑھا کر اکیس ہزار کرنے کے لئے کابینہ نے منظور کر دیا ہے۔ اور اس بار اس ایوان میں یہ بڑا ہی اہم قانون مزدورں کے لئے آنے والا ہے۔ ایک کے بعد ایک ایسے فیصلے جو ہمارے ملک کے غریبوں کی بھلائی کے لئے کام آئیں، اس سمت میں ہم کام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ کئی بار ہم ایسے موضوعات پر بھی چرچہ کرتے ہیں۔ میں نے پہلے بھی ایک بار اس ایوان میں کہا تھا اور آج دوبارہ کہنا چاہتا ہوں کہ سرکار کا ایک ہی دھرم ہوتا ہے۔ سرکار کا ایک ہی دھرم ہوتا ہے، انڈیا فرسٹ۔ سرکار کا ایک ہی دھرم گرنتھ ہوتا ہے، بھارت کا آئین۔ ملک آئین سے ہی چلے گا، آئین سے ہی چلنا چاہئے اور آئین کی طاقت سے ہی ملک کو طاقت مل سکتی ہے۔ اس میں کسی طرح کے شک شبہات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بھارت بنیادی طور سے جن اصولوں اور نظریات میں پروان چڑھا ہے وہ ہماری ایک طاقت ہے۔ وہ ہماری ایک روحانی طاقت ہے۔ اس لئے ہمارے ملک کی جو اندرونی قوت ہے اس کو کمتر شمار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہزاروں برسوں کی سعی پیہم سے یہ اندرونی قوت تیار ہوئی ہے۔ وہی ملک کو بھی رفتار دیتی ہے، سماج کو بھی رفتار دیتی ہے اور بحران سے باہر نکلنے کی بھی طاقت دیتی ہے۔

جب میں اس کی بات کرتا ہوں تو میں آئیڈیا آف انڈیا کے بارے میں کہنا چاہوں گا:

مائی آئیڈیا آف انڈیا: ستیہ میو جیتے

مائی آئیڈیا آف انڈیا: اہنسا پرمو دھرمہ

مائی آئیڈیا آف انڈیا: ایکم سدو بپرا اہ بہودھا ودنتی

مائی آئیڈیا آف انڈیا: پودھے میں بھی پرماتما ہوتا ہے

مائی آئیڈیا آف انڈیا: وسودھیو کٹنبکم

مائی آئیڈیا آف انڈیا: سروپنتھ سمبھاؤ

مائی آئیڈیا آف انڈیا: اپودیپ بھوہ

مائی آئیڈیا آف انڈیا: تین تیکتین بُھنجِتھا

مائی آئیڈیا آف انڈیا: سروے بھونتو سُکھِنہ، سروے سنتُو نِرامیہ، سروے بھدرانی، پشیئنتُو ماکشچِت دکھ بھاگ بھویت

مائی آئیڈیا آف انڈیا: نہ تنوہ کامیے راجیم نہ مو کچھم نہ پُنر بھوم کامیے دکھ۔تپتاناں پرانینام آرتینا شنن

مائی آئیڈیا آف انڈیا: ویشنو جن تے تینے کہیئے، جے پیر پرائی جانے رے

مائی آئیڈیا آف انڈیا: جن سیوا ہی پر بھو سیوا

مائی آئیڈیا آف انڈیا: سہنا بھو تو سہنو بھنکتو سہ وررئیم کرواوہے

مائی آئیڈیا آف انڈیا: نہ کرنی کرے تو نارائن ہو جائے

مائی آئیڈیا آف انڈیا: ناری تو نارائنی

مائی آئیڈیا آف انڈیا: یتر ناریستے پجینتے رمنتے تتر دیوتا

مائی آئیڈیا آف انڈیا: آنو بھدرہ کرتو وینتُو وشوتہ

مائی آئیڈیا آف انڈیا: جننی جنم بھُمِشچہ سورگادپی گرییسی

انہیں جذبات کے ساتھ میں ایوان کے سبھی معزز ممبران کا ایک بار پھر سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں آپ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ نے جو پہل کی ہے اس کے لئے ملک ہمیشہ آپ کا احسانمند رہے گا۔ بہت بہت شکریہ!

2016

شری نریندر مودی خواتین مستفیدین کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرتے ہوئے۔

ہماری ماتر شکتی ہمارا فخر ہے۔ خواتین کو بااختیار بنانا ہماری ترقی کے لئے اشد ضروری ہے۔

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر 'شکریہ کی تحریک' پر وزیر اعظم شری نریندر مودی کا جواب

۳ مارچ، ۲۰۱۶

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

3 مارچ 2016

قابل احترام اسپیکر صاحبہ، میں سب سے پہلے عزت مآب صدر جمہوریہ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے صدارتی خطاب کے ذریعے نہ صرف ایوان کو بلکہ دیش اور دنیا کو، ہندوستان کے وقار، ہندوستان کے بہترین ترقیاتی سفر اور ہندوستان سے دنیا کو جو توقعات ہیں اور ہندوستان کے عام آدمی کی جو توقعات ہیں، ان پر پورا اترنے کی ہماری کوشش کا تفصیلی خاکہ عزت مآب صدر جمہوریہ نے پیش کیا ہے۔ میں انکی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ ایوان کے اس مباحثے میں بہت سارے معزز اراکین نے اپنے تجربات اور آراء سے ملک کو فائدہ پہونچایا ہے۔ قابل احترام ملکار جن جی، محترم ونکئیا نائیڈو جی، محترمہ میناکشی لیکھی جی، محترمہ ہرسمرت کور جی، محترم پی ناگارجن جی، پروفیسر سوگت رائے جی، جناب بھرتو ہری مہتاب جی، جناب اے۔پی۔ جیتندر ریڈی جی، محترم محمد سلیم صاحب، محترمہ سپریہ سولے جی، محترم ملائم سنگھ یادو جی، شری راہل گاندھی جی، محترمہ انوپریا پٹیل جی، شری رجو جی اور جناب اویسی صاحب کے ساتھ ساتھ دیگر کئی معزز ممبران نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ میں ان سب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ انہوں نے اس مباحثے کو تقویت دینے میں اپنا تعاون دیا ہے۔ آج میں اس ایوان میں موجود سبھی ممبران پارلیمنٹ کی جانب سے معزز اسپیکر صاحبہ کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ صدر جمہوریہ کے خطاب میں پارلیمنٹ کیسے چلنی چاہیے، اسکی کارروائی کیسی ہونی چاہیے، اسکی توقعات کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ اچھی بات ہے کہ ہمیں اپنے بڑوں کی صلاح ماننی چاہئے۔ ان سے صلاح لینا چاہیے۔ صدر محترم ہمارے آئینی نظام میں سب سے بڑے منصب پر فائز ہیں اور انکی صلاح ہمیں ضرور ماننی چاہیے۔ میں خاص طور سے اسپیکر صاحبہ کا شکریہ اس لئے ادا کرنا چاہتا ہوں کیونکہ گذشتہ کچھ عرصے میں انہوں نے کئی نئے اقدامات کیے ہیں۔ انہوں نے ایس۔آر۔آئی اسکیم یعنی اسپیکر ریسرچ انیشیٹو شروع کیا ہے۔ اس میں ہم سبھی ممبران پارلیمنٹ کو مختلف مضامین پر تحقیقی مواد حاصل ہوا ہے۔ ہم لوگ روشن خیال ہوں اسکے لئے آپ کی طرف سے ایک اچھا پروجیکٹ چل رہا ہے۔ اور یہ پارلیمنٹ میں بحث کے معیار کو بہتر بنانے میں مفید ثابت ہوگا۔ میں اسکے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں اسپیکر میڈم کا اس لئے بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے اگلے 5 اور 6 مارچ کو لوک سبھا اور تمام اسمبلیوں کی منتخب خواتین کی ایک کل جماعتی کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا ہے۔ اس سے ہماری سابق صدر جمہوریہ سمیت تمام خواتین اراکین

کو راہنمائی ملنے والی ہے۔ خواتین کو بااختیار بنانے کی سمت میں، فیصلہ سازی کے عمل میں خواتین کی شرکت کو یقینی بنانے کی سمت میں یہ آپ کا ایک اہم قدم ہے۔ اور میں یہ مانتا ہوں کہ ہندوستان کی پارلیمانی سرگرمی میں آپنے ایک اچھا قدم اٹھایا ہے اور تمام پارٹیوں نے اس میں اپنا تعاون دیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سبھی پارٹیوں کی خواتین اراکین مل کر اس کو عملی جامہ پہنانے کا پروگرام بنارہی ہیں۔ ایک بہت ہی اچھا ماحول تیار ہوا ہے۔ اس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں۔ اسی طرح بی۔پی۔ایس۔ٹی بھی ایک اچھا تربیتی پروگرام ہے۔ ہمارے جو نئے ممبران پارلیمنٹ منتخب ہو کر آتے ہیں انکی مسلسل تربیت میں بھی آپکے ذریعہ اچھا کام ہوا ہے۔ کئی اور ینٹیشن پروگرام چل رہے ہیں، اسکے لئے بھی میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محترم صدر جمہوریہ نے کہا ہے کہ ایوان بحث کے لئے ہوتا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ پچھلے دن ایوان میں جو ہوا اس سے ملک کو تکلیف بھی ہے اور تشویش بھی۔ جب ایوان کی کارروائی نہیں چلتی ہے تو حکمراں جماعتوں کا تو نقصان کم ہوتا ہے، ملک کا نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ نقصان ممبران پارلیمنٹ کا ہوتا ہے اور ان میں بھی حزب اختلاف کے ممبران کا زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ ان کو عوام کی آواز اٹھانے سے روکا جاتا ہے۔ اس لئے پارلیمنٹ میں کتنے بھی مخالف نظریات کیوں نہ ہوں، کتنی ہی ناراضگی کیوں نہ ہو، ان کا اظہار ضروری ہے۔ ایوان ایک ایسا فورم ہے جہاں دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ جہاں تلخ جوابات دیے جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا فورم ہے جہاں حکومت پر سوال اٹھائے جاتے ہیں۔ یہ ایک۔ ایسا فورم ہے جہاں حکومت کو اپنا دفاع کرنا پڑتا ہے۔ اپنے حق میں صفائی پیش کرنی پڑتی ہے۔ بحث کے دوران کسی کو بھی بخشا نہیں جاتا ہے اور اس کی امید بھی نہیں کی جانی چاہئے۔ لیکن بحث کے دوران اگر ایوان کے وقار اور اسکی روایت کو برقرار رکھا جاتا ہے تو ہم اپنی بات کو اور مضبوطی سے رکھ پائیں گے اور ساتھ ہی اس کی روایت کو مستحکم بھی کرپائیں گے۔ یہ بات نریندر مودی کی نہیں ہے، یہ ہندوستان کے سابق وزیراعظم آنجہانی راجیو گاندھی کی ہے۔ صدر محترم کی بات اس لئے اہم ہے کیوں کہ انہوں نے بذات خود ایک لمبے عرصے تک اس ایوان میں اپنی زندگی کے اہم سال گزارے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ گزارے ہیں جن سے زیادہ امید رکھنا ایک فطری بات ہے۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ، میں ایک اور بات یہاں کہنا چاہتا ہوں۔ میں اس ایوان میں موجود تمام فریقوں کو دعوت دیتا ہوں کہ اہم بل کو پاس کرانے میں آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ جب میں ایوان کہتا ہوں تو اس سے میری مراد دونوں ایوانوں سے ہے۔ یہ بل لوگوں کے لئے ہے۔ یہ بل اس لئے ضروری ہے تاکہ سسٹم سے دلالوں کو ختم کیا جاسکے۔ یہ بل اس لئے ہے تاکہ زمینی سطح پر ذمہ داریاں تقسیم کی جاسکیں، یہ بل اس لئے ہے تاکہ انتظامیہ کو جوابدہ بنایا جاسکے، یہ بل اس لئے ہے تاکہ اسکیموں میں عوام کے کردار کو مرکزی بنایا جاسکے، سماجی انصاف میں اور ترقی میں انکی حصہ داری بڑھائی جاسکے۔ یہ بل اس جمہوریت کی بنیاد کو

مستحکم کرنے کے لئے ہے۔ یہ بات نریندر مودی نہیں کہہ رہا ہے، یہ ہمارے سابق وزیر اعظم آنجہانی راجیو گاندھی جی نے کہی ہے اور ہمیں بڑوں کی بات ماننی چاہیئے۔ معزز اسپیکر صاحبہ، ایوان کو روکنے کے سلسلے میں بعض باتوں کا ذکر ضروری ہے۔ ہمارے سابق اسپیکر اور یہاں کچھ معزز ممبران جو کافی لمبے عرصے تک ان کے فلسفے سے متاثر رہے ہیں، محترم سومناتھ چٹرجی نے کہا ہے کہ ایسے معاملات پر جنکو اہم سمجھا جاتا ہے، ایوان کا اجلاس روکنا غیر تعمیری عمل ہے۔ بد قسمتی سے سیاسی جماعتوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ پارلیمنٹ کی کارروائی میں خلل ڈالنے اور بالآخر وقت سے پہلے پارلیمنٹ کے اجلاس کو ملتوی کرا دینے سے اس موضوع کی اہمیت ثابت ہو جائے گی، جس کی مختلف پارٹیاں مخالفت کر رہی ہیں۔ پارلیمنٹ کے کام کاج میں خلل ڈالنے کو اگر ملک کے خلاف ایک جنگ جیسا نہ بھی سمجھیں تو کم سے کم اس کو پارلیمانی نظام میں عدم اعتماد تسلیم کرنا ہی ہوگا۔ بد قسمتی سے تقریباً سبھی سیاسی پارٹیاں، یہاں تک کہ جو چھوٹی چھوٹی پارٹیاں ہیں، ان کا بھی ایسا ہی یقین اور نظریہ دکھائی دے رہا ہے۔ اس تشویش کا اظہار بھی جناب سومناتھ جی نے سبھی اراکین کے سامنے کیا ہے۔

میں آج ایوان کے اجلاس کے متعلق ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں۔ یہاں ہم پارلیمنٹ میں جو ہندوستان کی سب سے بڑی جمہوری اتھارٹی ہے، اس میں ہم ہندوستان کی حکمرانی کی ذمہ داری لے کر آئے ہیں۔ یقیناً اس خود مختار اتھارٹی کا رکن ہونے سے بڑی ذمہ داری اور خوش قسمتی کچھ بھی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ ایوان ملک کی عظیم آبادی کی فلاح کے لئے ذمہ دار ہے۔ ہم میں سے سبھی کو اگر ہمیشہ نہیں تو زندگی میں کبھی نہ کبھی ذمہ داری کا یہ بڑا احساس ضرور ہوا ہوگا، اور جس منزل کے لئے ہمیں بلایا گیا ہے، اسے ہم نے ضرور محسوس کیا ہوگا۔ ہم اس لائق ہیں یا نہیں، وہ الگ معاملہ ہے۔ لہذا ان پانچ برسوں کے دوران ہم اپنے کاموں میں نہ صرف تاریخ کے کنارے کھڑے ہیں بلکہ کبھی کبھی ہم تاریخ رقم کرنے کے عمل میں بھی شامل ہوئے۔ اراکین پارلیمنٹ سے متعلق یہ بات، اس بلند خیالی کا اظہار ہمارے پہلے وزیر اعظم قابل احترام پنڈت جواہر لال نہرو جی 1957 میں کر چکے ہیں۔ تب تو ہم میں سے کوئی نہیں تھا، ہم میں سے اور ہماری پارٹی کا کوئی نہیں تھا۔ اس وقت یہ بات انہوں نے کہی تھی۔ میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ یہ دیش کو جاننا ضروری ہے۔ اسی لوک سبھا میں ہنگامہ آرائی کے دوران آپ کی استقامت اور بلند حوصلوں کی وجہ سے کچھ بل منظور ہوئے لیکن وہ آگے نہیں پہنچ پائے۔ نیشنل واٹر ویز بل۔ ہمارے یہاں آبی وسائل مستحکم ہے۔ اسکا کیسا کیسا استعمال ہے۔ پانی بہہ رہا ہے۔ اسکے لئے حکومت ایک منصوبہ کے تحت کام کرنا چاہتی ہے۔ اس کو روک کر آپ ملک کا کیا بھلا کر رہے ہیں؟ میں چاہوں گا کہ جب صدر جمہوریہ نے اپنے خطاب میں یہ بات کہی ہے تو اس پر کام ہو۔ اسی طرح وسل بلوور پروٹیکشن امینڈمنٹ بل، یہ وہ موضوعات ہیں جنہیں ہم شہریوں سے مربوط کہہ سکتے ہیں۔ کیسے ہم شہریوں کے حقوق کی بات کہہ سکیں۔ اس لئے اس کو روکنے کے

پیچھے مجھے کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ اسی طرح جی۔ایس۔ٹی کے لئے ہم کل سے سن رہے ہیں۔ یہ تو ہمارا ہے، یہ تو ہمارا ہے۔ یہ بھی تو آپ ہی کا ہے۔ جی۔ ایس۔ ٹی بل آپ ہی کا ہے۔ اس کو روکا جا رہا ہے۔ صارفین کے تحفظ کا بل۔ یہ صارفین کون ہیں؟ اسے روکا گیا۔ انسولوینسی اینڈ بینکرپسی کوڈ، ہم سوچیں۔ صدر جمہوریہ ہمارے آئین کی سب سے بڑی شخصیت ہیں، ان کی صلاح ہم ضرور مانیں گے۔ اور جب میں پارلیمنٹ کی بات کر رہا ہوں تو میں تمام معزز اراکین کے سامنے اپنے خیالات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ پہلی بار ایوان میں آئے ہوئے ایک رکن پارلیمنٹ کے خیالات ہیں۔ اسے ایک وزیر اعظم کے خیالات نہ سمجھا جائے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ شاید یہ چیزیں کام آ جائیں۔

میری ایک صلاح ہے۔ آپ نے 5 اور 6 مارچ کا ایک پروگرام تیار کیا ہے۔ اس بار 8 مارچ کو ہماری ایوان چل رہا ہو گا۔ اس دن بین الاقوامی یوم خواتین ہے۔ اس دن کا یعنی 8 مارچ کا جو ایجنڈا ہے، وہی رہے، لیکن کیا ہم یہ طے کر سکتے ہیں کہ 8 مارچ کو صرف ہماری خواتین ممبران ہی بولیں گی۔

یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے وقت میں ایسا تھا، آپ کے وقت میں ایسا ہے۔ آپ ایسے ہیں اور ہم ویسے تھے۔ آج ملک کو ہمارے بارے میں سب کچھ پتہ ہے۔ ہم سب کون ہیں، کہاں کھڑے ہیں اور کیا سوچتے ہیں، یہ سارا دیش جانتا ہے۔ میں تمام سینئر معزز ممبران سے رہنمائی چاہوں گا کہ کیا ہم سال میں دو اجلاس طے کریں۔ اور اس اجلاس کے دوران ایک ہفتہ ایسا ہو جس میں صرف پہلی مرتبہ منتخب ہونے والے اراکین کو ہی بولنے کے لئے مدعو کیا جائے۔ یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ اس ایوان میں تازہ خیالات کے اظہار کی مجھے کوئی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ میں اس لئے بھی کہہ رہا ہوں کیونکہ اراکین پارلیمنٹ نئے پروگرام میں جس طرح دلچسپی لے رہے ہیں، اس سے مجھے لگتا ہے کہ انہیں موقع دینا چاہئے۔ نئے ممبر ملک کے لئے بہت سی نئی چیزیں ہمارے سامنے پیش کر سکتے ہیں اور ان خیالات کے پیش نظر ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

میری ایک اور تجویز ہے کہ ہمارے یہاں اقوام متحدہ کے جو پائیدار ترقیاتی اہداف ہیں جنہیں سارے ملکوں نے مل کر طے کیا ہے۔ ہماری رفیق کار سشما جی نے ہندی میں اس کے لئے ایک بہت اچھی اصطلاح 'ٹکاؤ وکاس لکچھیہ' وضع کی ہے۔ یہ طے ہوتا ہے۔ حکومتیں جاتی ہیں اور اپنا نقطہ نظر پیش کرتی ہیں۔ کیا کبھی ایوان کے تمام لوگ سنیچر کو ایک دن زیادہ بیٹھنے کا کام کر سکتے ہیں؟ ایک سیشن کے دوران ایک یا دو دن ہم سب مل کر غور کریں کہ بین الاقوامی سطح پر پائیدار ترقی کے لئے جو ہدف طے ہوا ہے اس کو عملی جامہ پہنانے میں بھارت کا کیا کردار ہو سکتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ ہمارے اپنے ایجنڈا کے بہت سے کام ہیں۔ لیکن کچھ

لمحے ایسے بھی ہونے چاہیئے، جن میں کسی طرح کی کوئی سیاست نہ ہو، صرف قومی مفاد اور انسانیت دوستی کے جذبے کے تحت کچھ کیا جانا چاہیئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں ضرور سوچا جائے گا۔

اسی طرح سے مزید تین اور باتوں کو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ حکومت یہ ہو یا وہ ہو، لیکن یہ بات ہمیں ماننی پڑے گی کہ تعلیم بھلے ہی ریاستوں کا موضوع ہو لیکن ہماری ابتدائی تعلیم کا معیار بہت تشویشناک ہے، بہت ہی تکلیف دہ ہے۔ اگر ہم دیش کے بچوں کی پڑھائی پر دھیان نہیں دیں گے تو ہمارا مستقبل کیسا ہوگا؟ اسی طرح ہم ماحولیات، عالمی حدت، کاپ-21 پر کام کریں۔ پانی کا موضوع ہمارے لئے بہت ہی سماجی ذمہ داری کا کام ہے۔ اسی طرح سے ایک اور موضوع ہے جس سے ہم سب بہت ڈرتے ہیں اور اس سے ڈرنے کی معقول وجہ بھی ہے۔ میں اسکی گہرائی میں نہیں جانا چاہتا ہوں۔ اور ہم سب کہتے ہیں کہ انصاف میں تاخیر انصاف نہ کرنے کے مترادف ہے۔ آج بھی ہماری ذیلی عدالتوں میں بہت سے معاملات زیر التوا ہیں۔ کیا ہم کبھی ایوان میں بیٹھ کر اس مسئلہ کو حل کرنے کے امکانات پر غور کر سکتے ہیں۔ ہم اس طرح کے ایک دو موضوعات پر تبادلہ خیال کے لئے کوئی تاریخ طے کریں اور چھ ماہ پہلے طے کریں، ہم ماہرین کی رائے لیں اور ہم دیکھیں کہ کیا ہم نتیجہ خیز بحث کر کے اس میں سے کوئی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں جو قابل عمل ہو۔ یہ حصولیابی ایوان کی ہوگی، کسی حکومت کی نہیں ہوگی۔ حکومت تعریف کے پُل باندھنے کے لئے نہیں ہونی چاہیئے۔ یہاں بھی اس ایوان میں بہت سے تجربہ کار لوگ تشریف رکھتے ہیں۔ اس لئے ایک ایسی اجتماعی فکر ہونی چاہیئے۔ مجھے معلوم ہے کہ محترم ستپتھی جی نے پچھلی بار ایک اچھا موضوع رکھا تھا کہ کیوں نہ ایک دن اراکین کے لئے مختص ہو۔ میں اسی بات کو ذرا دوسرے طریقے سے پیش کر رہا ہوں۔ میرے دل میں یہ خیال بہت آ رہا تھا۔ جب میں نے ستپتھی جی کی تقریر سنی تھی۔ اس لئے میں چاہوں گا کہ اگر ہم ان چیزوں کو کر سکیں تو یہ بہت اچھا ہوگا۔ کبھی کبھی ایوان میں اجلاس کو روکنے کے سلسلے میں یا کام میں خلل ڈالنے سے متعلق عوامی بحث ہوتی ہے کہ اس میں یہ ہوتا ہے۔ ہم لوگ بھی کہتے ہیں کہ دیکھو سرکار کو کام نہیں کرنے دیتے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ سرکار ہماری بات نہیں سنتی ہے۔ کسی کو لگتا ہے کہ دیکھو ہم نے اپنی طاقت دکھا دی ہے۔ بھلے ہم کم ہیں، لیکن ہم ہیں۔ یہ سب چل رہا ہے۔ لیکن ایک اور بات ہے جس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ایوان کی کارروائی کیوں نہیں چلنے دی جاتی؟ اس لئے نہیں کہ حکومت کے خلاف غصہ ہے، بلکہ احساس کمتری کی وجہ سے نہیں چلنے دیا جاتا ہے۔ اپوزیشن میں بھی ایسے ہونہار اراکین پارلیمنٹ ہیں، ایسے ذہین ممبران ہیں اور یہ بات میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہمیں ان کو سننا چاہیئے۔ انکے خیالات بیش بہا اثاثہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن اگر ایوان کی کارروائی چلے گی تبھی ان کو بولنے کا موقع ملے گا۔ اگر وہ بولیں گے تو اس کا استقبال ہوگا، تب ہمارا کیا ہوگا، انہیں اس بات کی فکر ہے۔ یہ ایک احساس کمتری ہے۔ اپوزیشن کے قابل اراکین نہ بول پائیں، اپوزیشن کے ہونہار

ارا کین سے ملک متعارف نہ ہوں۔ اس لئے حکومت کو روکنے والی جو بات ہے وہ اپنی جگہ ہے، لیکن اپوزیشن میں کوئی طاقتور نہیں بننا چاہئے، کوئی ہونہار نظر نہیں آنا چاہئے، یہ اسی احساس کمتری کا نتیجہ ہے۔ اس بار پارلیامنٹ کی کارروائی چلی تو میں نے دیکھا کہ کتنے ذہین لوگ ہمارے پاس ہیں، وہ کتنے شاندار خیالات رکھتے ہیں۔ گزشتہ دو اجلاس میں ہمیں انکا کوئی فائدہ نہیں ملا۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت ضروری ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ بہت مطالعہ کر کے آتے ہیں۔ اپوزیشن کی چھوٹی چھوٹی پارٹیوں کے ارا کین ہیں جن کے چار ممبران ہوں گے، تین ممبران ہوں گے۔ ہاں، کچھ لوگ تفریح بھی کراتے ہیں۔

جب میں کچھ پڑھتا ہوں تو میرے دل کو کچھ باتیں اچھی لگتی ہیں۔ ہم لوگوں کو کسی کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے۔ لیکن ہم 'میک ان انڈیا' کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ 'میک ان انڈیا' دیش کے لئے ہے۔ ہاں، اگر یہ کامیاب نہیں ہوا تو اسے کامیاب بنانے کے لئے کیا ہونا چاہئے، اسکے کامیاب ہونے میں کیا خامیاں ہیں، اس پر بحث ہونی چاہئے۔ لیکن میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور مجھے لگتا ہے کہ جانے ایسا کیوں ہے کہ لوگ اپنے ملک کی ایسی شبیہ بناتے ہیں جیسے ہم بھیک کا کٹورا لے کر نکلے ہوں اور جب ہم خود ایسا کہتے ہیں تو دوسرے لوگ اسی بات کو اور زیادہ چیخ کر کہتے ہیں اور زیادہ مظبوطی سے کہتے ہیں۔

1974 میں اندر پرستھ کالج میں اندرا جی نے ایسی ہی ایک تقریر کی تھی۔ اس لئے یہ بھی بات ہے کہ ہم کوئی بھی نئی اسکیم لائیں، نئے طریقے سے لائیں تو کچھ لوگوں کو، جنکی عمر تو بڑھتی ہے لیکن سمجھ نہیں بڑھتی، سمجھنے میں بڑی دیر لگ جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے، اس لئے چیزیں سمجھنے میں بڑا وقت ضائع ہوتا ہے اور کچھ لوگ تو وقت گزرنے کے بعد بھی چیزوں کو سمجھ نہیں پاتے ہیں۔ اسی لئے مخالفت کرنے کا وہ اپنا طریقہ ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ اس لئے میں ایک درد بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے ملک میں بہت سی دقتیں ہیں، زیادہ تر ایسی ہیں جو بہت پرانی ہیں۔ غریبی، پسماندگی، توہم پرستی۔ کچھ غلط روایتیں اور کچھ مسائل ترقی اور نمو کے ساتھ بھی آئے ہیں۔ لیکن اس ملک کے لئے سب سے بڑا چیلنج تیزی سے رونما ہونے والی تبدیلیوں کی مخالفت ہے۔ یہ مخالفت پڑھا لکھا طبقہ بھی بڑے نازیبا انداز میں کرتا ہے۔ جیسے ہی کوئی خاص کام آگے بڑھتا ہے، سو وجوہات بتائی جاتی ہیں کہ یہ کام کیوں نہیں کرنا چاہئے۔ مجھے لگتا ہے کہ ایک مضبوط اور اونچی دیوار نے ہم سب کو چہار جانب سے گھیر رکھا ہے۔ کتنی معقول بات ہے۔ یہ بات 1968 میں اندرا گاندھی جی نے کہی تھی۔ یہاں پر کوئی بھی بات آتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تو ہمارے وقت کا ہے، ہماری دین ہے۔ کچھ باتیں ایسی ہیں جو آپ ہی کی دین ہیں۔ اب ہم نے ایک مہم چلائی اسکولوں میں بیت الخلا بنانے کی۔ اب آپ کی بات صحیح ہے کہ مودی جی، اگر ہم اپنے دور حکومت میں سبھی اسکولوں میں بیت الخلا بنا دیئے ہوتے تو تم کیا کرتے؟ یہ تو ہم نے نہیں بنائے۔ اس لئے تم نے چار لاکھ بیت الخلا بنوائے۔ یہ آپ ہی کی تو دین ہے۔

بنگلہ دیش کا سرحدی تنازعہ اتنی دہائیوں کے بعد سلجھایا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو، اگر ہم نے اپنے دور حکومت میں ایسا کر دیا ہوتا تو مودی یہ تمہاری کامیابی کیسے ہوتی؟ یہ تمہارے لئے ہم چھوڑ گئے تھے۔ یہ آپ ہی کی تو دین ہے! 18 ہزار گاؤں آزادی کے اتنے سال بعد بھی اندھیرے میں ڈوبے ہوئے ہوں اور اگر ہم ان گاؤوں میں بجلی پہنچائیں تو آپ فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ مودی جی، یہ 18 ہزار گاؤں ہماری ہی دین ہیں، تبھی تو آپ کر رہے ہیں۔ اس لئے یہ آپ ہی کی دین ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور 60 سال کے بعد آپ ہی کے کاروبار کا یہ نتیجہ رہا ہے، اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے کبھی کبھی بڑے فخر کے ساتھ منریگا کا ذکر ہوتا ہے۔ منریگا کا ذکر ہوتا ہے تو میں ذرا کہنا چاہتا ہوں کہ اس کی تاریخ پچاس سال پرانی ہے۔ لیکن اس سے بھی پہلے راجے راجواڑوں کے زمانے میں بھی کچھ نہ کچھ ایسی چیزیں ہوتی تھیں۔ آپ دیکھئے کہ مہاراشٹر کی روزگار گارنٹی اسکیم 1972 میں آئی۔ 1980 میں نیشنل رورول ایمپلائمنٹ پروگرام (NREP) متعارف ہوا۔ 1983 میں رورول لینڈ لیس ایمپلائمنٹ گارنٹی پروگرام (RLEGP) آیا۔ ایسے پروگرام الگ الگ شکلوں میں آتے گئے۔ اسکیموں کا کایا پلٹ ہوتا رہا۔

اس کے بعد 1989 میں جواہر روزگار یوجنا (JRY) آئی۔ یہ منریگا کے پچھلے جنم کا نام ہے۔ میں حیران ہوں کہ بعد میں جواہر لعل جی کا نام نکال دیا گیا۔ کسی اور نے نہیں نکالا۔ اسی پارٹی نے نکالا جو ہمیں برا بھلا کہتی رہتی ہے۔ اس کے بعد 1993 میں ایمپلائمنٹ ایشورینس اسکیم (EAS) آئی۔ اس کے بعد واجپئی جی کی حکومت آئی۔ اس وقت ان سبھی اسکیموں میں سے جو بھی اچھی تھی، اسے لے کر سمپورن گرامین روزگار یوجنا (SGRY) شروع ہوئی۔ 2004 میں پھر اس میں تجدید کی گئی اور نیشنل فوڈ فار ورک پروگرام وجود میں آیا۔ اس کے بعد اس نے 2006 میں منریگا کی ایک نئی شکل اختیار کر لی۔ پہلے نریگا، پھر منریگا۔ اس طرح غریبوں کی بھلائی کے لئے کچھ نہ کچھ اسکیمیں لگاتار چلتی رہی ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ آپ بڑے سینہ تان کر کہہ سکتے ہیں کہ مودی جی انتخابات میں تقریریں کرنا الگ چیز ہے۔ تم کہتے ہو غریبی ہٹاؤ گے۔ لیکن تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ہم کون ہیں۔ ہم نے غریبی کی جڑیں اتنی جمادی ہیں کہ مودی تم اکھڑ جاؤ گے لیکن اسے اکھاڑ نہیں پاؤ گے۔

یہ بات صحیح ہے کہ مجھے اس بات کا علم یہاں آکر ہوا ہے کہ اتنی گہری جڑیں جمائی ہیں آپ نے۔ اس لئے میں نے پچھلی بار بھی کہا تھا، اس بات سے کوئی انکار نہیں کرے گا کہ اس ملک کے ساٹھ سال کے دور حکومت میں اگر ہم واقعی گریبوں کا بھلا کر پائے ہوتے تو آج میرے دیش کے غریبوں کو مٹی اٹھانے کے لئے، گڈھا کھودنے کے لئے مجبور نہیں ہونا پڑتا۔ یہ ہماری کامیابی کی علامت نہیں ہے، یہ ہم سب کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اس لئے یہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ اس اسکیم کی یہ جو بتدریج ترقی ہوئی ہے، اسے مزید بہتر بنائیں۔ اور اس ذمہ داری کو نبھانے کی ہم کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ ہم نے ملک کو اس حالت تک

پہنچادیاہے کہ اب ہنر مند مز دور کو بھی بے ہنر ہونے پر اچھا لگنے لگا ہے۔ اس لئے جب میں کہتاہوں کہ یہ ہماری ناکامیوں کی علامت ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر غریبی نہ ہوتی تو نریگا یا منریگا کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن یہ سچائی ہے اور میں نے یہاں آکر کے اس کا مشاہدہ بھی کیاہے کہ غریبی کی جڑوں کو اتنا جمادیا گیاہے کہ اس کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے مجھے بہت محنت کرنی پڑ رہی ہے۔ اور اس کے لئے فی الحال جو اسکیم چل رہی ہے، اس میں جو کمیاں ہیں، ان کمیوں کو کیسے دور کیا جائے، اس سمت میں ہم محنت کر رہے ہیں۔

محترم کھڑگے جی نے کہا تھا کہ منریگا میں بدعنوانی بہت ہے۔ میں اس سے ایک ہزار فیصد متفق ہوں۔ مجھے اس سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ 2012 کی سی اے جی کی رپورٹ دیکھ لیجئے۔ اس میں کیا مشاہدات کیے گئے ہیں؟ کیسے بدعنوانی نے اپنی جڑیں جمالی ہیں۔ کیسے غریبوں کے نام پر روپے لوٹے جارہے ہیں؟ ان سب کا 2012 کی سی اے جی رپورٹ میں تذکرہ ہے۔ اس لئے ہم نے اس کچھ سیکھنے کی کوشش کی ہے اور ہم بہت کچھ سیکھنا چاہتے ہیں۔ اس سیکھنے کی کوشش کے تحت ہی اس میں جو چیزیں تھیں، ن کو باہر نکال کر کے، اس کو غلطیوں کیسے پاک کیا جائے، اس کا فائدہ ضرور تمندوں کو کیسے پہنچے، ہم اس پر کام کریں گے۔

سی اے جی نے ایک بہت بڑا مشاہدہ کیا ہے جو واقعی حیران کن ہے۔ ہمارے ملک میں جن ریاستوں کو ہم غریب ریاستوں کے زمرے میں شمار کرتے ہیں اور جہاں غریبوں کی تعداد زیادہ ہے، سی اے جی نے لکھا ہے کہ جن ریاستوں میں غریبوں کی تعداد کم ہے اور کل ملا کر جہاں انتظام و انصرام کی صورتحال بہتر ہے، ویسی ریاستوں میں منریگا فنڈ کا زیادہ سے زیادہ استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جن ریاستوں میں واقعی غریبی ہے اور جہاں اسکی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہاں اس کا کم سے کم استعمال ہوا ہے۔ اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ ہم غریبوں کو ہدف بنا کر فنڈ پہنچانے میں اتنے کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض بنتا ہے ہم اس کو مزید بہتر کیسے بنائیں تاکہ جن ریاستوں میں غریبوں کی تعداد زیادہ ہے، جن ریاستوں میں غریبی زیادہ ہے، اس کو اُس طرف کیسے جائے؟ خوشحال ریاستیں تو پھر بھی اس لائق ہیں کہ ان ساری چیزوں کو انتظامیہ کا حصہ بنالیں۔ ہم نے اس سمت میں کوشش کی ہے کہ ایسی ریاستوں تک کیسے پہنچے۔ ہم نے جیم یوجنا، جن دھن یوجنا، آدھار اور اور موبائل کے ذریعے سے کیسے پیسہ براہ راست مستحق لوگوں تک پہنچے، اس سمت میں ایک بڑی مہم چلائی ہے۔ اس کی وجہ سے بچولیوں کے رول کو ختم کرنے میں ہمیں کامیابی ملی ہے۔

منریگا کی ہم اتنی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن سی اے جی نے کہا ہے کہ 7 سال کے بعد بھی 5 ریاستیں ایسی ہیں جنہوں نے ضوابط نہیں بنائے ہیں۔ اور تکلیف تو اس بات کی ہے کہ ان 5 ریاستوں میں سے 4 ایسی ہیں جو اس منریگا کی گیت گاتی ہیں۔ ان

ریاستوں میں سات سال کے بعد بھی ضوابط نہیں بنائے گئے۔ یہاں تک کہ مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں بھی اس مسئلہ پر توجہ دی گئی۔ اتنا ہی نہیں، 8 ریاستوں میں تو 100 دنوں کا اپنا ہدف بھی ہم کبھی حاصل نہیں کر پائے۔ اوسط طور پر ہماری گاڑی 30 یا 40 دن پر جا کر اٹک جاتی ہے۔ ہم نے جس طرح سے اس کا ایک نیا ڈھانچہ تیار کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس پر توجہ مرکوز ہو، لوگوں کو زیادہ سے زیادہ روزگار ملے، انہیں زیادہ دنوں تک کام ملے، بچولیوں کو ہٹایا جائے، ایک ایک پیسے کا صحیح استعمال ہو اور اسکے آڈٹ کا انتظام ہو، اس سمت میں ہم نے بھرپور کوشش کی ہے۔ اور اس لئے مجھے یقین ہے کہ آج مزدوروں کے بینک اور ڈاک گھر کے کھاتوں میں راست منتقلی کے الیکٹرانک طریقے سے یہ پیسے جاتے ہیں۔ 94 فیصد مزدوروں کو اسی طریقے سے مزدوری دینے کی سمت میں ہم نے پیشرفت کی ہے۔

دوسری طرف، یہ ایوان صرف رقابت کے لئے نہیں ہے۔ میری قمیص تمہاری قمیص زیادہ سفید کیوں ہے۔ اس حسد کے لئے یہ ایوان نہیں ہے۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہماری جو تنقید ہو رہی ہے، قابل احترام اسپیکر صاحبہ، یہ تنقید اس بات کے لئے نہیں ہو رہی ہے کی ہم نے کچھ غلط کیا ہے، تشویش اس بات کی ہے کہ تم ہم سے اچھا کیوں کر رہے ہو۔ یہی تشوش ستا رہی ہے اور اسی لئے پریشانی ہو رہی ہے۔ جو ہم 60 سال میں نہیں کر پائے، وہ آپ کیسے کر لیتے ہیں؟ اصل یہ فکر کی بات ہے۔ اور اسکیمیں کیسی ہوتی ہیں، لمبے عرصے تک کیسے فائدہ پہنچاتی ہیں۔

اس ملک کے دانشور طبقہ کو بھی میں مدعو کرتا ہوں کہ ان دونوں اسکیموں کا تقابلی مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک اٹل جی کے وقت شروع ہونے والی پردھان منتری گرامین سڑک یوجنا اور دوسری یہ ہماری منریگا۔ آپ تجزیہ کریں گے تو پائیں گے کہ پردھان منتری گرامین سڑک یوجنا کا فائدہ ان ریاستوں کو زیادہ پہنچا ہے جو مجموعی طور پر غریبی کے زمرے میں آتی ہیں۔

سڑک بنتی ہے تو روزگار بھی ملتا ہے، سڑک بنتی ہے تو سہولت بھی ملتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے تعلیم، صحت اور تجارت کے شعبے میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ پردھان منتری گرامین سڑک یوجنا میں بھی بھارت سرکار کے پیسے گئے اور منریگا میں بھی۔ لیکن ایک اثاثہ تیار ہوا اور اس سے سیکھ کر ہم منریگا میں بھی اثاثہ سازی پر زور دے رہے ہیں۔ اس میں بھی ہمارا زیادہ زور پانی پر ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہمیں اسکا نتیجہ حاصل ہوگا۔ ہم ایسا محسوس کرتے ہیں اور اس کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں۔

ہمارے ملکارجن جی نے فوڈ سیکیوریٹی بل کی بات کی اور میں نے اکثر دیکھا ہے کی جب بھی گجرات کی بات آتی ہے تو کچھ لوگوں کو بڑا ہی مزہ آتا ہے، بڑا لطف ملتا ہے۔ کچھ کہنے کو نہیں ہے، یہ محض آپ کا دیوالیہ پن ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کے پاس

اور کچھ کہنے کو ہے نہیں۔ لیکن میں بتانا چاہتاہوں کہ جس فوڈ سیکیور یٹی بل کے اتنے گیت آپ گاتے ہیں اور ہمیں بار بار سناتے ہیں کہ ہم لائے، ہم لائے، مئی 2014 میں آیا۔ اسپیکر صاحبہ، مئی 2014 تک صرف گیارہ ریاستوں نے توقعات کو پورا کئے بغیر ہی اور بغیر کسی تیاری کے، عجلت میں کاغذ پر یہ لکھ دیا تھا کہ وہ اسے تسلیم کرتے ہیں۔ جس ایشو کو لے کر ہم اتنی باتیں کرتے ہیں، اسکی ایسی بری حالت تھی۔ اتنا ہی نہیں، آج میں جو ابھی کھڑا ہو ہوں، تب کی بات میں بتانا چاہتاہوں کہ آج بھی مجموعی طور پر آٹھ ریاستیں ہیں، جن میں سے چالیس ایسی ہیں، جہاں آج بھی فوڈ سیکیوریٹی ایکٹ کا نام ونشان نہیں ہے۔ اور ان میں سے آپ کے زیر اقتدار ریاستیں ہیں کیرالا، مزورم، منی پور اور اروناچل پردیش۔

گجرات نے اب پورا کر لیا ہے۔ انہوں نے جس باریکی کے ساتھ اس کام کو پورا کیا ہے، آپ کو ذرا اس کا مطالعہ کرنے کے لئے وہاں جانا چاہئے۔ آپ وہاں ایک پوری ٹیم بھیجئے۔ آپ کیرالا میں انتخابات میں جارہے ہیں۔ آپ بڑے تام جھام سے باتیں کر رہے ہیں۔ کیرالا کے لوگ آپ سے جواب طلب کریں گے کہ آپ نے جس قانون کے حوالے سے اتنی باتیں کیں، تو کیرالا کو اس سے محروم کیوں رکھا ہے؟ اروناچل پردیش کو کیوں رکھا ہے؟ میزورم کو کیوں رکھا تھا؟ منی پور کو کیوں رکھا تھا؟ آٹھ ریاستیں باقی ہیں۔ ان میں سے چار آپ کے زیر اقتدار ہیں۔

جب پردھان منتری فصل بیمہ یوجنا کی بات آئی تھی، اس وقت وینکیئا جی بول رہے تھے تو ہمارے سوگت رائے جی کھڑے ہو گئے تھے۔ ویسے وہ پھٹا پھٹ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب وہ کھڑے ہو جاتے ہیں تو انکی پارٹی کے لوگ بھی دیکھتے ہیں کہ پتہ نہیں وہ کیا کریں گے۔ سوگت جی نے کہا کہ یہ وزیر اعظم فصل بیمہ یوجنا صرف 45 ضلعوں کے لئے ہے۔ ایک جانکاری کے لئے کہنا چاہتاہوں کہ یہ یکم اپریل سے ملک کے تمام گاووں اور کسانوں کے لئے لاگو ہوگی۔ لیکن اس اسکیم کا ایک اور حسن بھی ہے جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتاہوں۔ میں نے اس اسکیم کے لئے پائلٹ پروجیکٹ کے طور پر 45 ضلعوں کا انتخاب کیا ہے۔ پائلٹ پروجیکٹ اس لئے ہے کہ خواہ اس میں کامیابی ملے یا نہ ملے، لوگوں کو پسند آئے یا نہ آئے، دیگر پچاس موضوعات ہیں۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ پردھان فصل بیمہ یوجنا کے ساتھ آپ بیمہ میں کوئی دو چیزیں اور جوڑ سکتے ہیں۔ اس کے لئے تجزیہ کے طور پر ہم نے کسانوں کو ان 45 اضلاع میں سات متبادل دینے کا طے کیا ہے۔ ایک پردھان منتری جیون جیوتی بیمہ یوجنا، دوسری پردھان منتری سرکچھا بیمہ یوجنا، تیسری چھاتر سرکچھا یوجنا، چوتھی گھر اگنی درگھٹنا یوجنا، پانچویں کرشی سینٹر پمپ سیٹ بیمہ یوجنا، چھٹی ٹریکٹر بیمہ یوجنا، ساتویں موٹر بائیک بیمہ یوجنا۔ یہ سبھی کسان سے مربوط سات چیزیں ہیں۔ اگر اسے فصل بیمہ یوجنا کے ساتھ کوئی دو چیزیں لینا پسند ہو تو اسے کم پریمیم پر ایک اضافی فائدہ مل جائے گا۔ کیونکہ اس کے پمپ خراب ہو جاتے ہیں، اس لئے تجرباتی طور پر یہ کرنا ہے۔

بیمہ کمپنیوں کو تھوڑی دقت ہو رہی ہے لیکن میں نے ان سے پر زور درخواست کی ہے۔ یہ ایک تجربہ ہے۔ میں اراکین پارلیمنٹ سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس پر ذرا توجہ دیں۔ اگر ٹھیک لگے تو اسے آگے بڑھائیں گے، نہیں تو چھوڑ دیں گے۔ 45 اضلاع میں یہ ایک ٹرائل کے طور پر تھا، وہ پردھان منتری فصل بیمہ یوجنا سے نہیں تھا۔ کبھی کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ تو ہمارا پروگرام تھا۔ اب میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ ٹرینیں ہم نے شروع کیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں۔ آپ تو کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہم میں اتنی ہمت نہیں ہے۔ اس لئے یو پی اے کے دس سال ریلوے، سریش جی یہیں ہیں، اوسط سالانہ خرچ ریلوے کی ترقی کے لئے 9291 ہزار کروڑ روپیے، ہمارے دو سال میں 32,587 کروڑ روپیے۔ سالانہ اوسط لائنوں کی کمیشننگ، ہم نے لائنیں کتنی بچھائی ہیں۔ یو پی اے-1 کا اوسط ہے 1477 کلو میٹر، یو۔ پی۔ اے-2 میں تھوڑا سا اس سے بہتر 1520 کلو میٹر، این۔ ڈی۔ اے 2292 تقریباً 2300۔ کیسے ہم نے کام کو سرعت دی اور کیسے ایک کام کرنے والی سرکار کو کام کرنا چاہئے۔ وسائل وہی تھے، عملہ وہی تھا، قانون اور ڈھانچہ بھی وہی تھا؛ یہ ایک زندہ مثال ہے اور اس کو میں ہر شعبے میں دکھا سکتا ہوں لیکن زیادہ کچھ نہ کہتے ہوئے میں نے ان تمام چیزوں کو صدر جمہوریہ کے خطاب کے تناظر میں کہی ہیں۔

معزز اسپیکر صاحب، ایک بات ہمیشہ فنانس کے حوالے سے بحث میں رہتی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم نے ریاستوں کے پیسے کم کر دیے، ہم نے یہ کیا، ہم نے وہ کیا۔ میں اس مقدس ایوان کے توسط سے ان چیزوں کو ملک کے سامنے رکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ 14 ویں مالیاتی کمیشن کی سفارش کے بعد، 16- 2015 میں 15- 2014 کے مقابلے میں مرکز سے ریاستوں کو زیادہ مالی وسائل دیے جا رہے ہیں۔ ریاستوں کو 3 اہم مد کے تحت مالی وسائل دیے جاتے ہیں، مرکزی ٹیکسوں میں ریاستی حکومتوں کا حصہ، نان پلان گرانٹس اور ریاستی منصوبوں کے لیے مرکزی امداد۔ سال 15- 2014 میں مرکز سے ریاستی حکومتوں کو کل 6,78,819 کروڑ روپے کی رقم تقسیم کی گئی۔ نظر ثانی شدہ تخمینہ 16- 2015 کے مطابق ریاستوں کو 1,20,133 کروڑ روپے دیے گئے تھے۔ 16- 2015 کی رقم 15- 2014 کی رقم سے 1,41,314 کروڑ روپے زیادہ ہے۔ ان تینوں مد کے تحت موصول ہونے والی رقم گزشتہ سال کے مقابلے میں 20.8 فیصد زیادہ ہے۔ اور اسی لیے بغیر کسی وجہ کے، حقائق بتائے بغیر جھوٹی باتیں چلانے کی یہ کوششیں کی جا رہی ہیں، میرے خیال میں اسے تھوڑا سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح ہمارا ملک جمہوریت میں یقین رکھنے والا ملک ہے، جمہوریت کا پابند ملک ہے، لیکن ہم جانتے ہیں کہ اپنی عوامی زندگی میں ہم سب جوابدہ ہیں۔ کوئی بھی شخص ہم سے سوال کر سکتا ہے؛ اسے پوچھنے کا حق ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہے جو جوابدہ نہیں ہیں؛ نہ تو کوئی ان سے پوچھنے کی ہمت رکھتا ہے اور نہ ہی کسی کو ان سے کچھ کہنے کی طاقت ہے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ ایسی ہمت کرتے ہیں تو پھر ان کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ لیکن میں صرف ایک واقعے کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، آپ لوگ خود اسکا مطلب لگا لیں۔ سٹالن کی موت کے وقت روس کے سربراہ مملکت مسٹر خروشیف ان کے ساتھی تھے، اس لیے وہ سٹالن کی موت کے بعد جہاں بھی جاتے تھے، خروشیف سٹالن پر بہت تنقید کرتے تھے، بہت سخت الفاظ میں مذمت کرتے تھے، کچھ بھی کہتے تھے اور ہر جگہ ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ایک آڈیٹوریم میں خروشیف بول رہے تھے اور اپنے سابق رہنما سٹالن کو ان کی موت کے بعد شدید تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے۔ تبھی پیچھے سے ایک نوجوان کھڑا ہوا اور کہا۔ مسٹر خروشیف، میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ آپ سٹالن کو اتنا برا بھلا کہہ رہے ہیں، ان کو اتنا بدنام کر رہے ہیں، جب وہ زندہ تھے تب آپ ان کے ساتھ کام کرتے تھے۔ تب آپ نے کیا کیا؟ جب یہ صورتحال پیدا ہوئی تو آپ نے کیا کیا؟ پورے آڈیٹوریم میں خاموشی چھا گئی اور چند لمحوں کے بعد خروشیف نے کہا، جس نے سوال کیا ہے وہ ذرا کھڑا ہو جائے، وہ شخص کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے کہا تمہیں جواب مل گیا؟ تم آج جو کر پا رہے ہو، میں اس وقت کرنا چاہتا تھا، لیکن سٹالن کے زمانے میں نہیں کر پاتا تھا۔ اس کو سمجھنے میں دیر لگے گی، لیکن اس میں کوئی بادام کام نہیں آئے گا۔ آپ شاید تھوڑا سمجھ جائیں گے، لیکن میں دوسروں کے بارے نہیں کہہ سکتا۔

ہمارے یہاں کبھی کبھی صحیفوں میں، کہاوتوں میں بہت سی باتیں بہت اچھی طرح سے کہی جاتی ہیں اور اس میں کہا گیا ہے 'پر اُپدیش کُشال بہو تیرے، جے آچرِ ہن تے نا گھنیرے'۔ دوسروں کو نصیحت دینے میں ماہر لوگ تو بہت ہیں، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جو اس پر خود عمل پیرا ہوں۔ میں آپ سب کی نصیحتوں کو لگاتار سنتا رہا ہوں، مشوروں کو سنتا رہا ہوں، تنقید کا سامنا کرتا رہا ہوں، تنقید سے زیادہ الزامات برداشت کرتا رہا ہوں، یہ سب کچھ چلتا رہا ہے، اور اس سے یہ ہوا ہے کہ 14 سال کے کام سے میں نے اس طرح جینا سیکھ لیا ہے۔ لیکن یہ ملک اس چیز کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ 27 ستمبر 2013، جب ہمارے ملک کے عزت مآب وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ امریکہ میں تھے۔ ان کی امریکہ کے صدر سے دو طرفہ بات چیت ہونی تھی۔ ملک کے باوقار رہنما تھے۔ بھارت کی کابینہ، جس میں فاروق عبد اللہ صاحب بیٹھتے تھے، انٹونی صاحب بیٹھتے تھے، شرد پوار صاحب بیٹھتے تھے، اس ملک کے نامور تجربہ کار لیڈر بیٹھا کرتے تھے۔ جو فیصلہ اس کابینہ نے کیا تھا، 27 ستمبر 2013 کو جرنلسٹس کونسل میں اس فیصلے کو پھاڑ دیا گیا تھا، آرڈیننس کو پھاڑ دیا گیا تھا۔ یہ اپنے بزرگوں کا احترام تھا؟

محترمہ اسپیکر میڈم، ملائم سنگھ جی اور ہم دوسروں پر کھڑے لیڈر ہیں۔ وہ میری ایک بات قبول نہیں کر سکتے، میں ان کی ایک بات کو قبول نہیں کر سکتا، صرف لوہیا جی کے نظریات کو چھوڑ کر۔ کیونکہ میں ایسی جگہ پر پیدا ہوا ہوں، مجھے لوہیا جی کو پسند کرنا میرے لیے بہت فطری تھا، لیکن ملائم سنگھ جی نے ایک پرچہ نکال کر عوام سے وعدہ کیا تھا کہ ہم اتر پردیش کے لیے یہ کریں گے، وہ کریں گے۔ ملائم سنگھ جی ہمیں پسند ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ ایک بہت ہی سینئر لیڈر ہیں۔ ملائم سنگھ جی کے وعدوں کے اس پرچے کو ایک جلسہ عام میں پھاڑ دیا گیا اور پھر مجھے یاد آتا ہے 'پر اپدیش کشال بہو تیرے، جے اچار ہن تے نا گھنیرے'۔

اسپیکر محترمہ، جمہوریت میں آگے بڑھنے کے لئے کے لیے جتنی مجھے ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ میں اب جس کے بارے میں بات کرنے جا رہا ہوں، شاید ہم سب کو یہ پسند آئے گا۔ میں جب چھوٹا تھا، میں جس گاؤں میں پلا بڑھا۔ ہمارے یہاں ایک ایم ایل اے تھے، وہ کبھی نہیں ہارے، ہمیشہ جیتتے تھے۔ وہ ٹرین میں جاتے تھے تو ہم بھی کوشش کرتے تھے کہ ان کو چائے پلائیں۔ جب کبھی ریل میں کوئی مصیبت آ جاتی تو ہم ان کو سنبھالتے تھے۔ میں نے ایک بار ان سے ایک لفظ 'ایلکٹیڈ' سنا تھا۔ مجھے معلام نہیں تھا کہ 'ایلکٹیڈ' کیا ہوتا ہے۔ لیکن جب کچھ دن گزرے تو معلوم ہوا کہ 'ایلکٹیڈ' کیا ہوتا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ جب کوئی 'ایلکٹیڈ' آتا ہے تو پوری حکومتی مشینری کانپ جاتی تھی، نیچے سے اوپر تک افسران پریشان رہتے تھے کہ اگر اسمبلی یا پارلیمنٹ میں سوال اٹھ گیا تو کیا ہوگا؟ خوف وہراس کا ماحول ہو تا تھا۔ ایوان میں کبھی کسی موضوع پر بحث ہو جاتی تو افسر پریشان ہو جاتے، پتہ نہیں کیا ہو گا؟ ہماری جمہوریت میں اپنی پارلیمانی کارروائی کو ہم کہاں لے گئے کہ آج نہ ہمارے اراکین پارلیمنٹ کے سوالوں سے انتظامیہ کے کسی بھی افسر کو پسینہ آتا ہے نہ ہی اب وہ اس کی فکر کرتے ہیں۔ ہم اپنی اس کارروائی کی سطح کو کہاں لے گئے کہ ہمارے افسروں کو کوئی ڈر نہیں رہا؟ یہ سوال اس سرکار یا اس سرکار کا نہیں ہے۔ ایک طویل عرصے میں یہ خراب حالت پیدا ہوئی ہے۔

ایوان کے اندر بھلے ہی ایک ہی تنہا ممبر کیوں نہ ہو، اس کی پارٹی کا کوئی بھی رکن نہ ہو، لیکن سرکاری ملازموں کے لئے، گورنمنٹ مشینری کے لئے وہ وزیر اعظم سے کم نہیں ہو سکتا ہے۔ آج میں چاہتا ہوں کہ ہم لوگ طے کریں، تو تو، میں میں ہم کریں گے، آپ مجھے لعنت ملامت کروگے، میں آپ کو لعنت ملامت کروں گا اور افسر تالی بجاتے ہیں۔ یہ لمبے عرصے کی بیماری آئی ہے۔ اس ایوان میں اپوزیشن کا لفظ ہی ان کے لئے اہمیت رکھے۔ یہ عوامی نمائندے ہیں، یہ ملک کے لوگ ہیں۔ ایسی صورتحال پیدا کرنی ہے۔ یہ جو ہم تو تو، میں میں کر کے اسکورنگ کرتے ہیں، میڈیا میں چھا جاتے ہیں، ہمیں لگتا ہے کہ ہم نے بہت کچھ کر لیا، لیکن افسر شاہی کی جوابدہی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ جمہوریت میں تو ہم ہر پانچ سال میں عوام کو حساب دیں گے، آئیں گے، نہیں آئیں گے، یہ سب چلتا رہے گا، لیکن ان کا حساب لینے کے لئے یہی ایک جگہ ہے۔ س لئے ہمارے پارلیمانی نظام میں ہم سبھی کو، سبھی اراکین کو،

بھلے وہ ایک ہی کیوں نہ ہو، وہ کسی وزیر اعظم سے کم نہیں ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ عاملہ کی جوابدہی کو ہم کیسے بڑھائیں؟ یہ جب تک ہم مل کر نہیں کریں گے، یہ جوابدہی ممکن نہیں ہوگی۔ جب ایک سرکار کی فضیحت ہوگی، دوسری سرکار آئے گی، ان کا مزہ لینا بند نہیں ہوگا۔ ہمارے سامنے یہ ایک چیلنج ہے، میں اس کو مانتا ہوں۔ اس چیلنج کو پورا کرنے کی سمت میں ہمیں ایک اجتماعی کوشش کرنی پڑے گی۔ اس میں آپ کو بھی یہ بھگتنا پڑا ہے، میں تو لمبے وقت تک یہ کام کرکے آیا ہوں تو مجھے معلوم ہے۔ میں کسی پر الزام نہیں دھرتا۔ لیکن اخبار میں کیا شائع ہوگا، اس کی فکر میں تو تو، میں میں میں لگے رہتے ہیں، اس کی وجہ سے لاکھوں ملازم ہیں، عربوں کھربوں کی تنخواہ جارہی ہے۔ اسکیموں کی کمی نہیں ہے۔ نہ آپ کے پاس کمی تھی، نہ میرے پاس کمی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جوابدہی کو کیسے لائیں؟

ایک اور بات ہے کہ بھارت جیسی جمہوریت میں ہم دیش کے شہریوں کو افسر شاہی کے بھروسے نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے سوا سو کروڑ اہل وطن پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ ان پر ہمیں اعتماد کرنا ہوگا۔ اگر ہم ایک بار سوا سو کروڑ اہل وطن پر اعتماد کرکے چلیں گے تو مجھے یقین ہے کہ دیش کے شہری ہم سے بہت کچھ نہیں مانگ رہے ہیں، وہ ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم نے اس سمت میں کچھ کوششیں کی ہیں۔ وہ بہت بڑے ہیں، ایسا میرا دعویٰ نہیں ہے۔ لیکن اس سمت جانا ہے۔ ہم نے چھوٹے ملازموں کے لئے انٹرویو کیوں بند کیا، اس لئے کہ ہمیں ان شہریوں پر بھروسہ کرنا سیکھنا ہوگا۔ ژیراکس کے زمانے میں بھی گزٹیڈ افسر کے پاس دستخط کے لئے جانا اور کبھی ایم۔پی اور ایم۔ایل۔اے کے گھر کے پاس قطار لگا کر انہیں کھڑا رہنا پڑتا تھا۔ ایم۔پی اور ایم۔ایل۔اے ان کا چہرہ بھی نہیں دیکھتے تھے، ایک چھوٹا سا لڑکا سبھی کے کاغذات پر مہر لگا کر دے دیتا تھا۔ ہمیں دسویں اور بارہویں کے بچوں کے اوپر تو بھروسہ تھا، لیکن ان شہریوں پر ہمیں بھروسہ نہیں تھا، ہم نے اس کو ختم کر دیا، کیونکہ شہریوں پر بھروسہ ہونا چاہئے۔ جب وہ فائنل جاب لیں گے تو اپنے سرٹیفکیٹ دکھائیں گے۔

ہم نے بجٹ میں بہت اچھی بات رکھی ہے کہ دو کروڑ روپے تک ہم آپ سے کچھ نہیں پوچھیں گے۔ آپ جو چاہیں ہمیں دے دیں، ہم اسے لے لیں گے۔ اعتماد بڑھانے کا ماحول بنانا ہے۔ ایسے نئے مشورے اگر ہیں تو آپ مجھے ضرور دیجئے، میں چاہوں گا کہ سرکار عادت ڈالے۔ سرکار میں بہتری آنا چاہئے، اس سرکار میں بھی بہتری آنا چاہئے اور یہ آپ کی مدد کے بغیر نہیں آئی گی۔ مجھے آپ کی مدد چاہئے، آپ لوگوں کا ساتھ چاہئے۔ آپ کے تجربوں کا مجھے فائدہ چاہئے۔ میں نیا ہوں، آپ تجربہ کار لوگ ہیں، آیئے، کندھے سے کندھا ملا کر ہم چلیں اور ملک کے لئے کچھ اچھا کرکے، ملک کو کچھ دے کر جائیں۔ سرکاریں ائیں گی اور جائیں گی، لوگ آئیں گے اور جائیں گے، بگڑتی۔بنتی باتیں چلیں گی، لیکن یہ ملک اجر۔امر ہے، ملک سدا رہنے والا ہے۔ اس ملک کی خدمت کے

جذبے کے تحت ہم کام کریں۔ اسی توقع کے ساتھ ایک بار پھر میں محترم صدر جمہوریہ کا استقبال کرتا ہوں، ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بہت بہت شکریہ!

”

لوک سبھا میں جی ایس ٹی بل پر

وزیر اعظم شری نریندر مودی کا خطاب

۸ اگست، ۲۰۱۶

“

لوک سبھا میں جی ایس ٹی بل پر وزیر اعظم کا خطاب

8 اگست 2016

محترمہ اسپیکر صاحبہ، آج 8 اگست ہے۔ اگست کرانتی کا بگل 8 اگست کو بجا تھا جب مہاتما گاندھی جی نے بھارت چھوڑو کے منتر کے ساتھ دیش کی آزادی کی پوری تحریک کو بڑی سرعت کے ساتھ برانگیختہ کیا تھا اور 9 اگست کو آزادی کے دیوانوں پر بہت سارے مظالم ڈھائے گئے تھے۔ آج اس 8 اگست کو آزادی کے دیوانوں کو یاد کرتے ہوئے 75 سال ہو گئے ہیں۔ آج 8 اگست کو ٹیکس ٹیررزم سے آزادی کی سمت میں ہمارا ایوان ، دونوں ایوانوں کے سبھی ممبران مل کر ایک بہت بڑا اور اہم قدم اٹھانے جا رہے ہیں۔

ہمارے ملک میں ٹیکس کو لے کر کیا صورتحال رہی ہے۔ شاید کچھ لوگوں کو تو معلوم ہوگا کہ ٹیکس کو لے کر سپریم کورٹ میں ایک معاملہ آیا تھا۔ اس میں یہ موضوع آیا تھا کہ ناریل کو پھل مانا جائے یا سبزی مانا جائے؟ ناریل پر پھل کی بنیاد پر ٹیکس لگے یا سبزی کی بنیاد پر ٹیکس سے چھوٹ ملے؟ یہ مسئلہ سپریم کورٹ تک چلا تھا۔ ٹیکس کی جو پوری ہماری روایت رہی ہے، اس میں کیسے کیسے اتار چڑھاؤ آئے ہیں، اس کو سمجھنے کے لئے یہ واقعہ اپنے آپ میں کافی ہے۔

میں اس وقت ایک طرح سے سبھی سیاسی جماعتوں، سبھی سیاسی پارٹیوں کے ذریعے جو حکومتیں چل رہی ہیں، ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوا ہوں۔ ہم ایک ایسا فیصلہ کر رہے ہیں جس میں راجیہ سبھا، لوک سبھا، 29 ریاستیں اور 90 ایسی سیاسی جماعتیں ہیں جن کا کوئی نہ کوئی نمائندہ جیت کر آیا ہے، ان سب نے ایک وسیع غور وخوض کے بعد ہمیں یہاں تک پہنچایا ہے۔ اور جس پر ہم کچھ وقت کے بعد آخری فیصلے کی مہر ثبت کریں گے۔ اس لیے یہ بات صحیح ہے کہ جنم کوئی دیتا ہے اور پرورش پرداخت کوئی اور کرتا ہے ۔ بھگوان کرشنا کو جنم کسی نے دیا اور بڑا کسی اور نے کیا۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ یہ کسی جماعت اور کسی حکومت کی جیت نہیں ہے۔ یہ بھارت کی جمہوریت کی اعلی روایات کی جیت ہے۔ یہ سبھی جماعتوں کی جیت ہے۔ یہ گزشتہ اور موجودہ حکومتوں کے تعاون سے ہوا ہے۔ اور اس لئے کون جیتا اور کون ہارا، اسکے لئے میں نہیں مانتا کہ کسی تنازعہ کی ضرورت ہے۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ، آپ نے مجھے بولنے کے لئے وقت دیا، ورنہ مجھے لگ رہا تھا کہ کھڑگے جی میرے لیے وقت رکھیں گے یا نہیں رکھیں گے۔

اسپیکر صاحبہ، GSTکا مطلب ہے Great Step by Team India ۔GST کا مطلب ہے Great Step towards Transformation اور GSTکا مطلب ہے Great Steps towards Transparency۔ اسی لئے ہم ایک نئے نظام سے جڑ رہے ہیں۔

"ایک بھارت شریشٹھ بھارت" یہ ہم سب کا خواب ہے۔ جب ہم ریلوے کی طرف دیکھتے ہیں تو یہ احساس ہوتا ہے۔ جب ہم اپنے ڈاکخانہ کی طرف دیکھتے ہیں تو ایک بھارت کا احساس ہوتا ہے۔ جب ہم آل انڈیا سول سروسز کو دیکھتے ہیں تو ایک بھارت کی خوشبو آتی ہے۔ ہم آئی۔ پی۔ سی، سی۔ آر۔ پی۔ سی کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہمیں ایک بھارت کی پہچان دکھائی دیتی ہے۔ جب ہم آج بھارت نیٹ کی بات کرتے ہیں، ساگر مالا کی بات کرتے ہیں یہ سارے کے سارے ایک بھارت کے احساس کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ اسی سلسلے میں آج ہم جی ایس ٹی کی شکل میں ایک نیا موتی اس مالا میں پرو رہے ہیں جو ایک بھارت کے احساس کو مزید طاقت دیتا ہے۔ یہ صرف ایک ٹیکس نظام نہیں ہے۔ سبھی ریاستیں اور مرکز مل کر ایک ایسا نظام فروغ دیں کہ جس میں خواہ چھوٹی سے چھوٹی ریاست ہو یا بڑی سے بڑی ریاست ہو، سب کو یہ نظام اپنا لگے۔ یہ بھارت کو ایک طاقت دینے والی بات ہے۔ اور اس معنی میں، میں اس کی بڑی اہمیت سمجھتا ہوں۔

کبھی کبھی جی ایس ٹی کو لے کر کئی طرح کے شکوک و شبہات بھی ظاہر کیے گئے ہیں۔ جب میں وزیر اعلی تھا، اس وقت میرے دل میں بھی بہت شبہات تھے۔ پرنب مکھرجی صاحب سے میں نے بات کی اور اس پر ان سے مشورہ بھی کیا۔ جی ایس ٹی کو ایک وزیر اعلی کی نظر سے دیکھنے کے سبب وزیر اعظم بننے کے بعد ان امور کو ایڈریس کرنا میرے لئے آسان رہا ہے، وہ تجربہ مجھے کام آیا۔ اُس وقت ریاستوں کی جن باتوں کو ہم ایڈریس نہیں کر پاتے تھے، کچھ باتیں واضح نہیں ہو پا رہی تھیں، یہ ساری باتیں اتنے لمبے وقت کے منتھن کے سبب، اس میں صرف میرا ہی تعاون رہا ہو، ایسا نہیں ہے۔ اس میں سب کا تعاون رہا، ہے، بہت سی کمیوں کو دور کرنے میں ہم کامیاب ہوئے ہیں۔ یہ اجتماعی غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ پھر بھی یہ کہنا کہ ہم پرفیکٹ ہو سکتے ہیں، کچھ کمی نہیں رہ سکتی ہے اور آگے چل کر کوئی کمی نہیں آئے گی، ایسا غرور کم سے کم انسان تو نہیں کر سکتا ہے۔ اتنے سارے ذہنوں نے غور و خوض کیا ہے، بہتر کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش کا نتیجہ بھی ملے گا۔ آج ملک محسوس کر رہا ہے کہ ایک منچ، ایک مت، ایک مارگ، ایک منزل اور یہ منتر آج جی۔ ایس۔ ٹی کے اس سارے عمل میں ہم سب نے محسوس کیا ہے۔ اس لئے یہ بات صحیح ہے کہ راجیہ سبھا میں گنتی کی وجہ سے یہ بل مصیبت میں آ سکتا ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ریاستوں کا مرکز کے تئیں عدم اطمینان کا جو ماحول تھا، یہ اپنے الگ الگ تجربے کی وجہ سے تھا، اور اس لئے سب سے بڑی ضرورت تھی کہ ریاستوں اور مرکز کے درمیان ایک

یقین کا ماحول پیدا ہو۔ سب سے بڑی ضرورت تھی کہ اس بات کا اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ نہ ہو۔ ہم قطعی یہ نہیں چاہتے تھے۔ میں نے پہلے بھی اس ایوان میں کہا ہے کہ جمہوریت اکثریت کی تعداد کا کھیل نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ مل جل کر چلنے کا سفر ہے۔ اس لئے ہم مسلسل صلاح و مشورہ کرتے رہے ہیں۔

آج ہمارے مو ئلی جی کو ایک بات بہت بری لگی کہ اس ایوان کو ایوان زیریں کہا جاتا ہے۔ جو لوگ اس طرح کا لفظ استعمال کرتے ہیں، ان لوگوں کو آپ کا پیغام ضرور پہنچے گا۔ وہ بدلیں گے کہ نہیں بدلیں گے، یہ کہنا مشکل ہے۔ لیکن جب میں نے صلاح و مشورہ کے لئے محترمہ سونیا جی کو بلایا، جناب من موہن سنگھ جی کو بلایا تھا، ایک لوک سبھا سے تھے اور ایک راجیہ سبھا سے تھے۔ میں نے دونوں کو برابری کی اہمیت دیتے ہوئے جی-ایس۔ٹی کے اوپر صلاح و مشورہ کیا تھا۔ اس لئے ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ سبھی کے مشوروں کو شامل کیا جائے۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک عدیم المثال اتفاق رائے کی فضا بنی ہے جس سے ہمیں تقویت حاصل ہوتی ہے اور یہ طاقت ملک کے لئے ایک بڑا سرمایہ ہے۔ ہم سب الگ الگ سیاسی نظریات سے مربوط ہیں، سیاست ہم لوگوں کے دل و دماغ میں ہے اور ہماری باتوں میں ان نظریات کی جھلک رکھنا ایک فطری عمل ہے۔ لیکن اس پوری جی۔ ایس۔ ٹی کی بحث میں ہم نے دیکھا کہ کیسے ہم نے اس ایوان کے تقدس کو قائم رکھا ہے۔ ہم میں سے کسی نے بھی اس کو سیاست کا منچ نہیں بننے دیا بلکہ یہ ایک قومی منچ بنا۔ قومی مفاد کو سب سے بالاتر رکھا گیا۔

یہ بھارت کی جمہوریت کا ایک تابناک پہلو ہے۔ ہمارے لئے سیاست سے اوپر قومی پالیسی ہوتی ہے اور اس بات کو ہم سب نے ملکر ثابت کیا ہے۔ اسکا یہ قطعی مطلب نہیں کہ جو تجویز آئی ہے اس میں کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ یہ ضروری نہیں کہ اسی طرف شکایت ہوگی، بلکہ یہاں بھی کچھ لوگ موجود ہونگے جنکو لگتا ہوگا کہ اس کے بجائے ایسا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ فل اسٹاپ کی جگہا گر کوما ہوتا تو بہتر ہوتا۔ یہ ہونا ہی چاہیے، یہی تو جمہوریت کی طاقت ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ہم سب لوگوں نے کوشش کی ہے کہ اس کو ہم آگے لے جائیں۔ جی۔ ایس۔ ٹی کے نظام کے سبب بہت ساری آسانیوں کے امکانات ہم دیکھ رہے ہیں۔ آج ہم جانتے ہیں کہ ہر ریاست میں الگ الگ قسم کے فارم بھرنے کا اتنا لمبا مرحلہ ہوتا ہے، سرکاری افسروں کو بھی ان کاغذات کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اب ٹیکس نظام کے اندر، اسکی پروسیسنگ کے اندر، ٹیکس کے ریٹ کے اندر ایک یکسانیت آجائے گی۔ اس کا سیدھا نتیجہ آنے والا ہے۔ ایک واضح پیغام جانے والا ہے کہ صارف ہی بادشاہ ہے۔ جی-ایس۔ٹی کی سب سے بڑی خاصیت یہی ہے۔ اس سے ایک واضح پیغام جانے والا ہے کہ بالآخر صارف ہی بادشاہ ہے۔ ایک ایسا قانون اور ایک ایسا نظام جو صارف کو بادشاہ بنائے، یہ اپنے آپ میں ایک بڑی بات ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ اس جی۔ ایس۔ ٹی کے بعد ملک میں 7 سے لے کر 11 تک الگ الگ جو ٹیکس کا نظام ہے، جس سے ہر چھوٹے موٹے انٹر پرینیور کو اور کاروباری کو نبرد آزما ہونا پڑتا ہے، اس کے سبب 7 سے لے کر 12-13 تک کے ٹیکس کے پیچیدہ نظام کی روایت ختم ہو جائیگی۔ ایک آسانی پیدا ہو جائے گی۔ اس سے جہاں چھوٹے کاروباری کو فائدہ ہوگا وہیں صارف کو سب سے زیادہ فائدہ ہونے والا ہے۔ جو چھوٹے کاروباری ہیں ان کو جی۔ ایس۔ ٹی تحفظ کی گارنٹی دیتی ہے۔ جو چھوٹے چھوٹے کاروباری ہیں ان کے لئے یہ ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ ہم ان کو جتنا تحفظ دیں گے اس سے ان کو بہت فائدہ ہوگا۔ ہم جانتے ہیں کہ معیشت کو آگے بڑھانے کے لئے جو مختلف محرکات ہیں۔ اس ضمن میں میری ایک چھوٹی سی رائے ہے کہ معیشت کو ڈھنگ سے چلانے کے لئے اور معیشت کو تیزی سے چلانے کے لئے اگر ہم پانچ باتوں کی طرف دھیان مرکوز کرتے ہیں۔ وہ ہیں مین، مشین، میٹیریل، منی اور منٹ۔ اگر ان کا بہتر استعمال کرنے میں ہمارا نظام آگے بڑھتا ہے تو پھر معیشت کی ترقی کے لئے کسی اور راستے کی تلاش کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ہماری چُنگی کی روایت کے سبب ریاستوں کی سرحد کے پاس چُنگی پر ہم گاڑیوں کی میلوں لمبی قطاریں دیکھتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جو نقل و حمل کے ذرائع ہیں وہ اپنی صلاحیت کا محض 40 فیصد ہی استعمال کرتے ہیں اور 60 فیصد ان کو کہیں نہ کہیں رکنا پڑتا ہے۔ اقتصادی نقطۂ نظر سے تحقیق کرنے والی ایک آزاد ایجنسی نے اپنے ایک سروے میں بتایا ہے کہ بھارت میں گاڑیوں کے مختلف وجوہات سے رُکے رہنے کی وجہ سے ہی ایک لاکھ چالیس ہزار کروڑ روپئے کی بربادی ہوتی ہے۔ اس کے لئے صرف چُنگی ہی ذمہ دار نہیں ہے لیکن اس کا ایک بڑا سبب چنگی بھی ہے۔ جی۔ ایس۔ ٹی کی وجہ سے یہ ساری رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور دوسری طرح کی رکاوٹیں بھی وقت کے ساتھ چلی جائیں گی۔ اور اس کی وجہ سے ماحولیات کو بھی فائدہ ہوگا۔ گاڑیاں کھڑی ہوتی ہیں، پٹرول جلتا رہتا ہے، ڈیزل جلتا رہتا ہے۔ ہمارے بہت سارے سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں جو تاخیر ہوتی ہے، ان ساری چیزوں میں بہت بڑی آسانی پیدا ہونے والی ہے۔ اسکی وجہ سے راحت ملنے والی ہے۔ اسکے سبب ہم جو بیرون ملک سے پٹرول درآمد کرتے ہیں، اس میں بھی کمی آئے گی۔ ہمارے یہاں سبھی طرح کی اہلیتوں کی حامل ریاستیں نہیں ہیں۔ ہر ریاست اپنی ضرورتوں کے لئے دوسری ریاستوں پر انحصار کرتی ہیں۔ ان میں آپس میں اشیاء کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے اور اسی طرح ان کا کاروبار چلتا ہے۔ اس میں آج کے موجودہ نظام میں کئی طرح کی رکاوٹیں ہیں۔ جی۔ ایس۔ ٹی کے اس ایک نظام کے تحت ان سبھی مشکلات کو دور کرنے میں سہولت ہوگی اور اس طرح ریاستوں کی آمدنی میں بھی اضافہ ہوگا۔ آج ہمارے ملک کی جو ریاستیں پچھڑی مانی جاتی ہیں، اس نظام سے انکی آمدنی میں اضافہ ہونا یقینی بن جائے گا۔ اگر ان ریاستوں کو تعلیم کے شعبے میں رقم لگانا ہے، صحت کے شعبے میں رقم لگانا ہے،

انفراسٹرکچر کے شعبے میں رقم لگانا ہے تو ان سب کے لئے اس نظام کے تحت آمدنی میں اضافہ ہونے والا ہے اور اس آمدنی سے ان ریاستوں کو بہت بڑا فائدہ حاصل ہو گا۔

یہ بات طے ہے کہ بھارت کی ترقی کے لئے، مغرب میں جس طرح کی ترقی ہم دیکھ رہے ہیں، سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ بھارت کے مشرقی خطے کی ملک کے دوسرے خطوں کے تناسب میں، مساوی ترقی ہونی چاہئے ورنہ یہ غیر متناسب ترقی تیزی سے ملک کو اونچائیوں تک لے جانے میں مانع ہو گی۔ جی۔ ایس۔ ٹی کے سبب ان ریاستوں کو ایک نیا موقع ملا ہے۔ میں ایسی تمام ریاستوں سے درخواست کروں گا کہ جی۔ ایس۔ ٹی نافذ ہونے کے بعد وہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ اس سے جو رقم ان کے پاس آتی ہے، اگر اس کا استعمال ریاست کی بنیادی چیزوں کی ترقی پر لگائیں تو دیکھتے ہی دیکھتے ملک جن چیزوں کا خواب دیکھ رہا ہے، ان خوابوں کو ہم پورا کر پائیں گے۔ یہ بات صحیح ہے کے مینوفیکچرنگ ریاستوں کے سامنے کچھ مشکلات ہیں اور ان کے مقابلے میں صارف ریاستوں کو زیادہ فائدہ ہونے والا ہے، لیکن حکومت ہند نے جی۔ ایس۔ ٹی کے ذریعے ان ریاستوں کی بھرپائی کے لئے جی۔ ایس۔ ٹی میں انتظام کیا ہے۔ اور جن ریاستوں کو دقت ہونے والی ہے، اس کا حل بھی اس سے ہونے والا ہے۔

عام طور پر دو سگے بھائیوں کے درمیان بھی اگر کوئی جھگڑا ہو تا جاتا ہے تو یہ جھگڑا یا تو جائداد کو لیکر ہوتا ہے یا وسائل کو لیکر۔ مرکز اور ریاستوں کے درمیان تناؤ کا سبب بھی یا تو قدرتی وسائل ہوتا ہے یا محصول کو لے کر یا یہ کہ اتنا ٹیکس جمع ہوا اور ہمیں کیا ملتا ہے، ہمیں یہ ملنا چاہئے، ہمیں وہ ملنا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔ اس نظام کے ساتھ ایک شفافیت آئے گی کہ مرکز اور ریاست سے کتنی رقم جمع ہو رہی ہے۔ کس خزانے میں کتنا جمع ہو رہا ہے۔ ریاست کو بھی پتہ ہو گا اور مرکز کو بھی پتہ ہو گا۔ تحریری قوانین کی بنیاد پر اسکی تقسیم ہو گی۔ وفاقی نظام میں سب سے بڑی ضرورت یقین اور اعتماد کی ہوتی ہے۔ اعتماد سازی کے عمل میں یہ قانون بہت اہم ثابت ہو گا جو بھارت کے وفاقی نظام کو مزید مضبوطی عطا کرے گا۔ جو بھی ٹیکس کی وصولی ہو گی اس کی جانکاری دونوں کو ہو گی۔ جسکی وجہ سے بہت سہولت رہے گی۔ اچھا ہوتا کھڑگے جی نے اس بل کی کچھ باتوں کو باریکی سے دیکھا ہوتا۔ شاید جس وقت یہ بنا ہو گا اس وقت ان کو اسکو دیکھنے کا موقع نہ ملا ہو۔ جی۔ ایس۔ ٹی بلا ایسا ہے جس میں غریبوں کے استعمال میں آنے والی جتنی چیزیں ہیں وہ سبھی ٹیکس کے دائرے سے باہر ہیں۔ صارف کے افراط زر کی تعین میں آنے والے آئٹم جن میں لگ بھگ خوردنی اشیاء اور ضروری ادویات جی۔ ایس۔ ٹی سے باہر ہیں۔ بولنے کے لئے کچھ چیزیں اچھی لگتی ہیں اور آپ کو بھی تو کل میڈیا میں کچھ جگہ ملنی چاہیے۔ آپ کو میری مبارکباد ہے۔ لیکن سچائی کچھ اور ہے۔

کسی بھی نظام میں کبھی کبھار کچھ چیزیں فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں محصول اور مالیاتی خسارہ ہمیشہ رہتا ہے۔ پہلے قرض لو، پھر ریاستیں قرض میں ڈوب جاتی تھیں۔ یہ چلتا رہتا تھا۔ سبھی مل کر ایف۔ آر۔ بی۔ ایم قانون کی جانب آئے۔ مالیاتی ڈسپلن کے لیے ریاستوں نے بھی اس بات کو قبول کیا، مرکز نے بھی دباؤ ڈالا اور ایک طرح سے بھارت میں ایف۔ آر۔ بی۔ ایم قانون کے سبب محصول اور خسارہ میں برابری کی کوشش ہوئی ہے۔ اس کے سبب ریاستوں کی اقتصادی صحت میں بہتری آئی ہے۔ ایک مثبت تبدیلی آئی ہے۔ اس حکومت نے قانوناً ایک اہم فیصلہ کیا ہے اور جب میں قانوناً کہہ رہا ہوں تو اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ہمارے ملک میں ایک بڑی بحث چل رہی ہے کہ ریزرو بینک اور حکومت کی الگ الگ سوچ ہوتی ہے۔ ہمیشہ ترقی اور افراط زر کی باتیں ایک دوسرے سے جوڑ کر دیکھی جاتی ہیں۔ ہمیشہ ہوتا ہے کہ اگر افراط زر ہے تو اس وجہ سے شرح سود کی یہ حالت رہے گی۔ شرح سود کی یہ کیفیت رہے گی تو سرمایہ نہیں آئے گا، اور سرمایہ کاری نہیں ہوگی تو پھر ترقی نہیں ہوگی۔ یہ تنازعہ ہم سنتے آئے ہیں۔ پہلی بار اس حکومت نے ریزرو بینک کے ساتھ متفق ہو کر کہا ہے کہ اب افراط زر چار فیصد ہونا چاہیے۔ دو فیصد کم یا زیادہ۔ یہ قانون میں ہے۔ یہ انتظام 2021 تک جاری رہے گا۔ اس کے سبب جتنے بھی مالیاتی ادارے ہیں ان کی افراط زر سے متعلق ایک ذمہ داری بننے والی ہے، یہ پہلی بار قانون میں کیا گیا ہے۔ اس کا فائدہ، میں سمجھتا ہوں کہ آنے والے دنوں میں، ہماری محصول کی وصولی کا جو نظام ہے، جس کے پاس بڑی رقم ہے اس کی ترقی کی سمت میں زیادہ ذمہ داری بڑھے گی اور ماحول بدلے گا، اس بات کا مجھے یقین ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ ملک کی آزادی کے بعد سے آج تک ہم غریبی سے لڑ رہے ہیں۔ جب کوئی کہتا ہے کہ 65 فیصد لوگ خطِ غریبی سے نیچے ہیں یہ ہمیں وراثت میں ملی ہے۔ ہمیں معلوم ہے۔ لیکن کچھ اچھا ملتا ہے اور کچھ کم اچھا ملتا ہے۔ ہمیں دونوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ ہماری قسمت میں ملک کی غریبی آئی ہے۔ لیکن غریبی کے خلاف لڑنے کی خواہش ہم سبھی کی ہے۔ یہاں بیٹھے ہوئے اِس طرف کے لوگ ہوں یا اُس طرف کے ہوں۔ یہ خواہش سبھی کی ہے۔ ہاں، طریقے الگ الگ ہو سکتے ہیں۔ اقتصادی اور تعلیمی طور سے غریبوں کو بااختیار بنانے کی ہماری کوشش ہے۔ یہ دو ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ ہم غریبوں کی ایک ایسی فوج تیار کر سکتے ہیں جو خود اپنی غریبی کی جنگ میں فاتح ہو کر سربلندی کے ساتھ زندگی گزار سکے۔ اس لیے جی ایس ٹی اس ماحول کو تیار کرنے میں ایک بڑا پلیٹ فارم بن سکتا ہے اور غریبی کے خلاف لڑنے میں بھی یہ ہمارے کام آسکتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ چھوٹے صنعتکار جب بینکوں میں قرض لینے کے لئے جاتے ہیں تو ان کو کتنی دقتیں پیش آتی ہیں۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ پرانی عادتوں میں تبدیلی آئے۔ لیکن اتنے برسوں کی عادت کیسے بدلے گی۔ ہم محنت تو کر رہے ہیں لیکن یہ سچائی ہے کہ کافی بری عادتیں پڑی ہوئی ہیں۔ چھوٹے کاروباریوں کو اگر بینک سے قرض لینا ہے تو پچاسوں کاغذات مانگے جاتے ہیں

اور ہر کاغذ پر سوال کیے جاتے ہیں، اور اس کے بعد اس کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ اوہ اپنی پسند کے لوگوں کو قرض دے دیتے ہیں۔ جی۔ایس۔ٹی میں ہر شخص کے کاروبار کا ڈیٹا منظوری کی شکل میں ہر منٹ دستیاب ہو گا جب بینک میں اس کا اپنا ڈیٹا رکھے گا تو کسی بھی بینک کے پاس اسکے ساتھ سوتیلا سلوک کرنے کی طاقت نہیں ہو گی کہ کس کو قرض دینا ہے یا نہیں۔ غریب سے غریب عام آدمی کے ہاتھ میں ایک ثبوت آنے والا ہے جس ثبوت کے ذریعے عام کاروبار کرنے والا شخص بھی، چاہے دودھ بیچنے والا ہو، چائے بیچنے والا ہو، اخبار بیچنے والا ہو، چھوٹا آدمی بھی اپنی چیزوں کو لے کر اس کام کو کر سکتا ہے۔ اور اس لئے یہاں جی۔ایس۔ٹی کی سب سے بڑی طاقت ٹیکنالوجی ہے، اس کے سبب اب ریئل ٹائم ڈیٹا دستیاب ہو گا جب ریئل ٹائم ڈیٹا دستیاب ہو گا تو لوگوں کو اپنی طاقت، اپنی صلاحیت ثبوت کی شکل میں پیش کرنے میں کبھی کوئی دقت پیش نہیں آتی ہے، اور اس کے سبب اس کا فائدہ مل سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے آسانی سے جب دھن کی دستیابی ہوتی ہے تو ایک مسابقت بھی آتی ہے۔ مینوفیکچرنگ میں مسابقت کی امید بڑھتی ہے اور جب مینوفیکچرنگ میں مسابقت بڑھتی ہے تو معیشت میں بھی تیزی آتی ہے، نئے لوگوں کے لیے روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور اس نظام میں رقم کی دستیابی کے سبب روزگار کے مواقع بڑھنے کے امکانات بڑھنے والے ہیں۔

ہمارے ملک میں سرمایہ کاری میں اضافہ کے نقطہ نظر سے ٹیکس اور جی۔ایس۔ڈی۔پی کا تناسب ہمیشہ ایک سوالیہ نشان کے ساتھ چلتا رہا ہے۔ اس نئے نظام کے سبب یہ سوالیہ نشان ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔ اور اس کے تحت ریاستیں بھی اپنا فیصلہ کر کے ترقی کی، انفراسٹرکچر کی اور سماجی شعبہ کی مدد کرنے کی ساری باتوں کو تیزی سے آگے بڑھا سکتی ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ اسے بڑھا پائیں گی۔

کبھی کبھی ہم لوگ بدعنوانی کے خلاف بہت کچھ کہتے ہیں لیکن بدعنوانی کو ختم کرنے کے لیے سسٹم کو بھی اتنا ہی مضبوط بنانا پڑتا ہے۔ آدمی اچھا ہی کرے گا اس بھروسے اتنی بڑی باتیں نہیں چل سکتی ہیں۔ اگر انتظامیہ ٹھیک ہو گی تو غلط انسان کو بھی قاعدے میں رہنے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اس جی.ایس۔ٹی کے سبب ٹیکس چوری کرنے کی جو باتیں ہوتی ہیں۔ ہم جانتے ہیں۔ ہمارے یہاں کچّا بل اور پکّا بل، یہ لفظ کاروباریوں میں بڑا مقبول ہے۔

میں کب سے انتظار کر رہا تھا کہ آپ کھڑے کیوں نہیں ہوئے؟ آپ کو کچّے بل کی فکر زیادہ ہے۔ ہمارے ملک میں یہ ایک کاروبار چل پڑا ہے کچّا بل، پکّا بل۔ جی۔ایس۔ٹی کے سبب کاروباری خود پکّا بل کے لیے راغب ہو گا۔ جیسے اگر مانیے ہمارا صحت کا انشورنس ہے تو ہم کیا کرتے ہیں، ہم اپنے میڈیکل کے سارے بل ہمیشہ سنبھال کر رکھتے ہیں۔ کوئی اِدھر اُدھر نہ ہو جائے۔ کیونکہ

ہمیں معلوم ہے کہ یہ سارے رہیں گے تب جا کر میں دعویٰ کر پاؤں گا تب جا کر مجھے پیسے ملیں گے۔ جی ایس ٹی میں وہ انتظام ہے کہ جو شخص ہے اگر وہ اپنے بل پیش کرے گا تو اس کے حق میں جتنی چیزیں ہیں ان کا اسے پیسہ واپس مل جائے گا۔ اس لئے یہ جو کچّے بل، پکّے بل کی پرانی دنیا ہے، ایک طرح سے وہ کالے دھن کو بھی آگے بڑھاتی ہے، اس پر پوری طرح سے روک لگا دے گی۔ یہ پوری طرح بند ہو جائے گی۔ یہ نظام ایک طرح سے بد عنوانی اور کالے دھن دونوں کو ختم کرنے میں کام آنے والا ہے۔ اور اسی سمت میں ہم لوگ کوشش کر رہے ہیں، اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا فائدہ ضرور ملے گا۔

ہم جانتے ہیں کہ ملک میں ٹیکس وصولی کے پیچھے، اوپر سے نیچے تک، بہت بڑا عملہ لگا رہتا ہے۔ ٹیکس وصولی اور جمع کرنے کا خرچ بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ اس نظام کے تحت سب کچھ آن لائن ہونے کے سبب، ٹیکنالوجی پر مبنی ہونے کے سبب ہمیں جمع کرنے پر خرچ میں بہت کمی آئے گی۔ اور یہ بچت ملک کے غریب شخص کی ترقی کے لئے، اس کی بھلائی کے لئے کام آئے گی۔ اسی طرح، جہاں پر بھی سرکاری انتظامیہ کو مداخلت کا موقع ملتا ہے تو کہیں نہ کہیں سے رشوت کی بو آنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا نظام فروغ پا رہا ہے جس کے سبب رشوت خوری اس پورے جمع کرنے کے عمل میں صفر کی طرف جائے گا اور اس کے سبب بھی ملک کو بد عنوانی سے نجات دلانے کی سمت میں ہمیں موقع ملے گا۔ یہاں ڈیٹا امیگریشن ہونے والا ہے۔ یعنی کہ کچّا مال سے لے کر آخری پیداوار تک، ہر جگہ وہ رجسٹرڈ ہونے جا رہا ہے اور یہ ظاہر سی بات ہے کہ اس سے اس کی کراس چیکنگ ہو جائے گی، اور اس عمل سے کہیں پر بھی کسی طرح کی چوری فوری طور پر پکڑ میں آ جائے گی۔ کہیں پر بھی کچھ غلط ہوا ہے، جو بھی غلطی ہوتی ہے وہ پکڑی جاتی ہے۔ اور اس کے سبب ایک طرح سے پوری طرح سے ہموار نظام ہمیں فائدہ پہنچانے جا رہا ہے۔ ایک ایسا نظام فروغ پا رہا ہے جس میں ٹیکس دینے والے اور ٹیکس لینے والے کے بیچ انسانی رول قریب قریب صفر ہو جائے گا۔ جب اتنا دو گے تو تمہارا کام پورا ہو جائے گا، اتنا کرو گے تو پورا ہو جائے گا، اس طرح کی تمام چیزوں سے بھارت کا عام شہری آزاد ہو جائے گا۔ اور اس کی سمت میں، میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں بہت بڑا فائدہ حاصل ہونے والا ہے۔

جی۔ ایس۔ ٹی کے سبب ایک طرح سے ٹیکس دینے والوں کا ایک ایسا سسٹم بن رہا ہے کہ جس میں اس کو ایمانداری سے منافع ہو گا۔ جتنا وہ دے گا، اس کو پتہ چلے گا کہ مجھے اتنا ملنے والا ہے۔ اس کے سبب ان چیزوں سے ہم کالے دھن کو روکنے میں بھی کامیاب ہوں گے۔ ریاست اور مرکز کے ٹیکس کے اعداد و شمار ایک ہی جگہ پر دستیاب ہوں گے اور چاہے رجسٹریشن ہو، ریٹرن ہو یا ٹیکس کی ادائگی کا ڈیجیٹل انتظام ہو، یہ ساری چیزیں آن لائن ہونے کی وجہ سے شفافیت کے لیے ایک بہت بڑا پلیٹ فارم ہم اس میں پا سکتے ہیں اور پائیں گے۔

مستقبل کے نقطۂ نظر سے ارون جی ہمارے سامنے اپنی باتیں رکھیں گے۔ آج تو یہاں ہم ووٹنگ کر کے اس مقدس کام کو پورا کریں گے۔ لیکن 16 سے زیادہ ریاستیں جتنی جلدی اس کو پاس کریں گی، یہ ضروری ہو گا۔ اس کے بعد بھی کئی آئینیتقاضے ہمیں پورے کرنے ہوں گے۔ اور بھی کئی قانون ہیں، سینٹرل جی ایس ٹی ہے، انٹیگریٹڈ جی ایس ٹی ہے، اسٹیٹ جی ایس ٹی ہے۔ یہ سارے قانون ہمیں پاس کرنے ہوں گے۔ لیکن ان ساری کارگزاریوں کے لئے آج ایک دروازہ کھل رہا ہے اور ہم ایک اچھی شروعات کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ، میں سمجھتا ہوں کہ آگے آنے والے دنوں میں ہمیں ملنے والا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ہم لوگوں کو، چونکہ یہ ایک نیا موضوع ہے، تو لوگوں کو تعلیم کی بھی ضرورت ہے۔ آئی۔ ٹی تیاری کی ضرورت ہے، قانونی تیاری کی ضرورت ہے، ٹیکس اتھارٹی کے افسروں کی تیاری کی ضرورت ہے۔ صارفین کی تیاری کے لئے بھی ہمیں کام کرنا پڑے گا اور تب جا کر ہم اس کام کو کر پائیں گے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جمہوریت کے جو علمبردار ملک مانے جاتے ہیں، جو دنیا کو جمہوریت کی نصیحت دیتے رہتے ہیں، ایسے ملکوں میں بھی فائننس بل جیسی اہم باتیں بھی کبھی کبھی کر پانا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ہندوستان ہے، یہ بھارت کی جمہوریت ہے، یہ بھارت کی سیاسی جماعتوں کی بالغ نظری ہے، یہ بھارت کے سیاسی لیڈروں کی وسیع نظری ہے کہ آج ہم نظریاتی اختلاف کے باوجود، سیاسی پس منظر الگ ہونے کے باوجود بھی اس عظیم کام کو ایک آواز سے کر رہے ہیں، ساتھ مل کر رہے ہیں، یہ بھارت کی جمہوریت کی بڑی طاقت ہے۔ جو بھی تاثر باہر بنتا ہو، لیکن آج میں اس ایوان کے سامنے بڑے فخر کے ساتھ اور بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ اور سبھی سیاسی جماعتوں کی تعظیم کرتے ہوئے، اس ایوان میں جہاں بھی بیٹھے ہوں، یہاں بیٹھے ہوں، سامنے بیٹھے ہوں، بغل میں بیٹھے ہوں، لیکن ہم اس بات کے لئے فخر کر سکتے ہیں کہ اس حکومت کو قریب 100 ہفتہ سے زیادہ کا وقت ہوا ہے، لیکن اس 100 ہفتہ سے زیادہ وقت میں، اسی ایوان میں 100 سے زیادہ قانون پاس کیے گئے ہیں۔ سنچری پار کر دی ہے۔ یہی تو اس ایوان کی طاقت ہے اور یہی دیش کے لوگوں میں ایک نیا بھروسہ جگاتی ہے۔ اس کام میں سب کا مثبت رول رہا ہے۔ سبھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ جب آل پارٹی میٹنگ ہوئی تھی، میں نے تب بھی کہا تھا کہ اس کا کریڈٹ سب کو جاتا ہے، سبھی ممبران کو جاتا ہے، سبھی سیاسی جماعتوں کو جاتا ہے، جن جن لوگوں نے مسلسل کوشش کی ہے، ان سب کو جاتا ہے۔ مجھے اپنے خیالات کو ایوان کے سامنے رکھنے کا موقع ملا، میں ایوان کا دل سے مشکور ہوں اور ہم سب قدم سے قدم ملا کر اس کی طرف آگے بڑھیں، یہی تمنا کرتا ہوں۔

بہت بہت شکریہ!

2017

شری نریندر مودی پردھان منتری آواس یوجنا- گرامین کے مستفید کے ساتھ۔

"پردھان منتری آواس یوجنا غریبوں کو انکے خواب کو پورا کرنے میں مدد کا ایک ذریعہ ہے۔"

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر 'شکریہ کی تحریک' پر وزیر اعظم شری نریندر مودی کا جواب

۷ فروری، ۲۰۱۷

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

7فروری2017

محترمہ اسپیکر صاحبہ، صدر جمہوریہ نے 2017 کے آغاز میں پارلیمنٹ کے دونوں اجلاس سے خطاب کیا۔ ہندوستان کتنی تیزی سے بدل رہا ہے، ملک کی افرادی قوت کی صورتحال کیا ہے، گاؤں اور غریب کسان کی زندگی کس طرح بدل رہی ہے، عزت مآب صدر جمہوریہ نے ان تمام چیزوں کا ایک تفصیلی خاکہ ایوان میں پیش کیا ہے۔ میں صدر جمہوریہ کے خطاب کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ایوان میں حاضر ہوں اور میں ان کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس مباحثے میں معزز جناب ملیکار جن جی، طارق انور جی، شری جے پرکاش نارائن جی، شری پر تگا تا جی، تتھاگت ستپتھی جی، کلیان بنرجی جی، جیوتر آدیتہ سندھیا جی اور بہت سارے سینئر ممبران نے اس بحث میں حصہ لیا۔ کئی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور میں تمام معزز ممبران کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس بحث میں شرکت کی۔

کل زلزلہ آیا تھا۔ میں ان علاقوں کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہوں جن کو اس زلزلے کی وجہ سے تکلیف ہوئی ہے اور مرکزی حکومت ریاستی حکومت سے مکمل رابطے میں ہے۔ ضرورت کے مدنظر ٹیمیں وہاں پہنچ بھی گئیں ہیں۔ لیکن آخر زلزلہ آیا ہی گیا! میں حیران تھا کہ زلزلہ آیا کیسے ؟ کیونکہ دھمکی تو بہت پہلے سنی تھی۔ کوئی تو وجہ ہو گی کہ دھرتی ماں اتنی ناراض ہو گئی ہو نگی۔ قابل احترام اسپیکر صاحبہ، میں یہ سوچ رہا تھا کہ زلزلہ آیا کیوں؟ جب کوئی شخص گھوٹالے میں بھی خدمت کا جذبہ دیکھتا ہے، گھوٹالہ میں بھی عاجزی کا احساس نظر آتا ہو، تب صرف ماں ہی نہیں، دھرتی ماں بھی افسردہ ہو جاتی ہے اور پھر زلزلہ آتا ہے۔

اور اسی طرح صدر نے اپنے خطاب میں افرادی قوت کی تفصیلات دی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ چاہے کوئی نظام ہو، جمہوری ہو یا غیر جمہوری، افرادی قوت کا مزاج کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ کل ہمارے ملیکارجن جی کہہ رہے تھے کہ کانگریس کی مہربانی ہے کہ جمہوریت ابھی باقی ہے اور آپ وزیر اعظم بن پائے ہیں۔ واہ! کیا شعر سنایا ہے؟ آپ کا اس ملک پر بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے اس ملک میں جمہوریت کو بچالیا ہے! آپ کتنے عظیم لوگ ہیں! لیکن ملک اس پارٹی کی جمہوریت کو بخوبی جانتا ہے۔ پوری جمہوریت کو ایک خاندان کے حوالے کر دیا ہے! سال 1975 کا وہ دور جب ملک کے اوپر ایمرجنسی کو تھوپ دیا گیا تھا،ہندوستان کو

جیل خانہ بنا دیا گیا تھا، ملک کے ممتاز سینئر رہنما جے پرکاش بابو سمیت لاکھوں افراد کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا گیا تھا۔ اخبارات پر تالے لگا دئے گئے تھے۔ انہیں تو اندازہ نہیں تھا کہ افرادی قوت کیا ہوتی ہے۔ جمہوریت کو کچلنے کی تمام کوششوں کے باوجود، اس ملک کی افرادی قوت کی یہ صلاحیت ہے کہ جمہوریت بحال ہوئی۔ اس افرادی قوت کی طاقت یہ ہے کہ اس ملک کی غریب ماں کا بیٹا بھی وزیر اعظم بن سکتا ہے۔

محترم صدر جمہوریہ نے افرادی قوت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ چمپارن ستیہ گرہ کی صد سالہ سالگرہ ہے۔ اگر تاریخ صرف کتابوں کی الماری میں پڑی رہے تو معاشرہ اور زندگی کو تحریک نہیں دیتی ہے۔ ہر دور میں تاریخ کو جاننے کی، تاریخ کو زندہ رکھنے کی کوشش ضروری ہے۔ اس وقت ہم تھے یا نہیں تھے، لیکن ملک میں الگ الگ طبقے کے لوگ ضرور تھے، اس وقت جب کانگریس پارٹی ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھی۔ 1857 کی آزادی کی لڑائی کو اہل وطن نے جان کی بازی لگا کر لڑا تھا۔ کسی بھی فرقے کا کوئی امتیاز نہیں تھا۔ سب نے مل کر جدوجہد کی تھی۔ اور تب بھی کمل تھا، آج بھی کمل ہے۔ یہاں بہت سارے لوگ ہیں جو میری طرح آزادی کے بعد پیدا ہوئے ہیں، اور اسی طرح ہم میں سے بہت سارے ایسے ہیں جنھیں آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ لیکن انہیں ملک کے لئے جینے کا شرف حاصل ہے۔ ملک نے بے انتہا افرادی قوت کا مشاہدہ کیا ہے۔

لال بہادر شاستری جی کا اپنا ایک وقار تھا۔ جنگ کے دن تھے، ہر ہندوستانی دل بھارت کی فتح کے جذبات سے لبریز تھا۔ اور اس وقت جب لال بہادر شاستری جی کے کہنے پر ملک نے خوراک کی قربانی کے لئے پہل کی تھی۔ حکومت سازی کے بعد ہم آج کے سیاسی ماحول کو جانتے ہیں۔ بیشتر سیاسی نظام، سیاستدان، ریاستی حکومتیں اور مرکزی حکومتوں نے عوامی طاقت تقریباً پہچاننا چھوڑ دیا ہے جو جمہوریت کے لئے نہایت تشویش کا باعث ہے۔ مجھ جیسے معمولی آدمی نے باتوں باتوں میں کہہ دیا تھا کہ جو لوگ افورڈ کر سکتے ہیں وہ گیس کی سبسڈی چھوڑ دیں۔ جب ہم عوام سے منقطع ہو جاتے ہیں، عوامی ذہن سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ 2014 میں ہم الیکشن لڑ رہے تھے، تب ایک پارٹی اس مدعے پر انتخابات لڑ رہی تھی کہ 9 سلنڈر دیں گے یا 12 سلنڈر دیں گے۔ ہم 9 اور 12 سلنڈر کی بحث کو کہاں سے کہاں لے گئے، ہم نے کہا کہ جو لوگ افورڈ کر سکتے ہیں، کیا وہ سبسڈی چھوڑ سکتے ہیں؟ ہم نے صرف کہا تھا اور اس ملک کے 1 کروڑ 20 لاکھ سے زیادہ افراد گیس سبسڈی چھوڑنے کے لئے آگے آئے۔ اس حکومت میں اور یہاں بیٹھے لوگوں کے لئے یہ فخر کی بات کے ساتھ ہی یہ 125 کروڑ ہم وطنوں کی طاقت کا مظہر ہے۔ میں صدر جمہوریہ کے خطاب پر شکریہ کی اس تحریک کے ذریعے اس ایوان سے استدعا کرتا ہوں اور ملک کی سیاسی زندگی میں فیصلہ سازی کے عمل میں

شریک سبھی حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ اس ملک کی افرادی قوت کو پہچانیں۔ ہم ہندوستان کو نئی بلندیوں پر لے جانے کے لئے عوامی تحریک کے تصور کے ساتھ ایک مثبت فضا پیدا کر کے ملک کو آگے لے جانے کی سمت کام کر رہے ہیں۔ آپ دیکھئے، جو نتائج آپ کو پہلے نہیں حاصل ہوئے، اس سے زیادہ نتائج اب حاصل ہوں گے۔ اسی کی وجہ سے ملک کی طاقت میں کئی گنا اضافہ ہو گا۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہو گا جو کل کو برا دیکھنا چاہتا ہے یا ہندوستان کی برائی چاہتا ہے، ہر کوئی غریبوں کی فلاح چاہتا ہے۔ ہر ایک کی خواہش ہے کہ گاؤں، غریب اور کسان کچھ حاصل کریں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کہوں کہ پہلے کسی نے کوشش نہیں کی ہے۔

میں نے اس ایوان میں بار بار کہا ہے۔ میں لال قلعہ سے بھی بول چکا ہوں کہ اب تک جتنی بھی حکومتیں آئی ہیں، جتنے بھی وزیر اعظم آئے ، ہر کسی کا اس میں اپنا اپنا تعاون ہے۔ اُس طرف کے بیٹھے ہوئے لوگوں سے یہ کبھی نہیں سنا گیا ہے کہ اس ملک میں کوئی چاپیکر بھائی بھی گزرے ہیں، جو آزادی میں شہید ہوئے۔ ان کے منہ سے کبھی نہیں سنا کہ کوئی ساورکر جی بھی تھے ، جن کے کالا پانی کی سزا کاٹنے کے بعد یہ ملک آزاد ہوا ہے۔ ان کے منہ سے کبھی بھی یہ سننے کو نہیں ملا ہے کہ کوئی بھگت سنگھ اور چندر شیکھر آزاد بھی تھے ، جنہوں نے ملک کے لئے قربانی دی۔ انہیں لگتا ہے کہ صرف ایک ہی خاندان نے آزادی دلائی ہے۔ ساری پریشانی کی جڑ وہیں ہے۔ ہم ملک کو اس کی اجتماعیت میں قبول کریں اور اس کی افرادی قوت کو یکجا کریں۔ ہمارے صحیفوں میں کہا گیا ہے:

امنترم اکشرم ناستی ناستی مولم انوشدھام
ایوگیہ پروشوناستی وجکہ تتر درلبھ

یعنی، ایسا کوئی حرف نہیں ہے جس میں کسی منتر میں جگہ پانے کی صلاحیت موجود نہ ہو۔ کوئی ایسی جڑ نہیں ہے، جس کی دوائی میں جگہ حاصل کرنے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ ایسا کوئی انسان نہیں جو کچھ کر کے معاشرے اور ملک کو کچھ دے نہ سکے۔ ضرورت ہوتی ہے رہبر کی۔ اس حکومت نے ہر صلاحیت کو سنوار کر جوڑنے اور افرادی قوت کی مدد سے اسکو آگے بڑھانے کا کام کیا ہے۔ صفائی مہم، مجھے حیرت ہے۔ کیا ہمیں یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ آزادی کے اتنے سال ہو چکے ہیں۔ ہم مہاتما گاندھی کا نام لیتے ہیں۔ گاندھی جی کو دو چیزیں کافی پسند تھیں۔ گاندھی کہتے تھے کہ آزادی سے پہلے اگر میں کچھ حاصل کرنا چاہتا ہوں تو وہ صفائی ہے۔ گاندھی جی کی صفائی کی بات کو لے کر ہم ملک کے سامنے آئے ہیں۔ اتنی حکومتیں آئیں، اتنے پارلیمنٹ اجلاس

ہوئے۔ کیا کبھی پارلیمنٹ میں صفائی ستھرائی کے موضوع پر تبادلہ خیال کیا گیا ہے؟ اس حکومت کے آنے کے بعد پہلی بار ایسا ہوا ہے۔کیا صفائی کو بھی ہم سیاسی ایجنڈے کا حصہ بنائیں گے۔ آپ میں سے کون ہو گا جو گندگی میں جینا چاہتا ہے؟ آپ کے علاقے میں کون ہو گا جو گندگی چاہتا ہے؟ اسے آپ بھی نہیں چاہتے ہیں، یہاں والے بھی نہیں چاہتے ہیں، وہاں والے بھی نہیں چاہتے ہیں۔ کوئی نہیں چاہتا ہے۔ لیکن کیا ہم ایک آواز میں اس مقدس کام سے جُڑ کر گاندھی جی کے خواب کو پورا کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھ سکتے ہیں؟ ہمیں کون روکتا ہے؟

محترمہ اسپیکر صاحبہ، اس بے پناہ افرادی قوت کے اوپر اس بار ایک بحث ہونی چاہئے۔ یہ سچ ہے کہ جب صدر جمہوریہ کے خطاب پر بات کی جاتی ہے، اس وقت بجٹ بھی آتا ہے۔ تو پھر بجٹ کی باتیں بھی آجاتی ہیں اور صدر کے خطاب کی باتیں بھی آجاتی ہیں۔ جب بجٹ پر بحث ہو گی تو وزیر خزانہ اس پر تفصیل سے کہیں گے، لیکن ایک سوال اٹھایا گیا کہ بجٹ کو اتنی جلد کیوں لایا گیا؟ بھارت ایک زرعی ملک ہے۔ ہمارا تمام معاشی کاروبار زراعت پر مبنی ہے۔ زیادہ تر زرعی صورتحال کا پتہ دیوالی تک چل جاتا ہے۔ ہمارے ملک کی ایک مشکل یہ ہے کہ انگریزوں نے جو میراث چھوڑا ہے ہم اسی وراثت کو لے کر چل رہے ہیں۔ مئی میں بجٹ کے عمل سے باہر نکلتے ہیں۔ اور یکم جون کے بعد ہندوستان میں بارش شروع ہو جاتی ہے۔ تین ماہ تک بجٹ کا استعمال کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایک طرح سے ہمارے پاس کام کرنے کے لئے بہت وقت بچ جاتا ہے۔ جب وقت ہوتا ہے تب آخری دنوں میں پورا کرنے کے لئے، جسے ہر حکومت جانتی ہے، کہ کس طرح دسمبر سے مارچ تک بل کٹتے ہیں اور روپئے کیسے خرچ ہوئے، یہ دکھایا جاتا ہے۔ اب ہمیں یہ سوچنا چاہئے۔ میں کسی پر تنقید کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ ابھی بھی کسی کو سمجھ میں آتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ آزادی کے کئی سالوں تک بجٹ شام پانچ بجے آتا تھا۔ کسی نے سوچا ہی نہیں۔ بس پانچ بجے چل رہا ہے تو چل رہا ہے۔ یہ کیوں چل رہا ہے؟ پانچ بجے بجٹ اس لئے چلتا تھا کیونکہ برطانیہ کی پارلیمنٹ کے وقت کے مطابق ہندوستان میں انگریزوں کے دور سے شام کے پانچ بجے بجٹ آیا۔ ہم نے اسے ہی جاری رکھا۔ یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گا۔ اگر ہم اس طرح گھڑی پکڑتے ہیں تو پھر ہندوستانی وقت ہوتا ہے، لیکن اگر ہم گھڑی کو دوسری طرف سے پکڑتے ہیں تو یہ لندن کا وقت ہے۔ اگر آپ کے پاس گھڑی ہے تو خود دیکھ لیجئے۔ جی ہاں، اس لئے کچھ لوگوں کو بہت چیزیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ انہیں پتہ نہیں چلتا ہے۔

جب اٹل جی کی حکومت آئی، پھر بجٹ کا وقت بدلا گیا۔ ہم نے بھی کوشش کی ہے۔ جب آپ کی حکومت تھی، آپ نے بھی بجٹ کے وقت کے حوالے سے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی۔ اس کی مفصل رپورٹ ہے۔ آپ بھی چاہتے تھے کہ اس وقت کو بدلنا چاہئے۔ انہوں نے جو تجویز دی ہے ہم نے اسی پر عمل کیا ہے۔ لیکن آپ لوگ ایسا نہیں کر سکے۔ کیونکہ آپ کی ترجیح مختلف

ہے۔ آپ نہیں چاہتے تھے، ایسا نہیں ہے۔ لیکن آپ لوگ یہ نہیں کر پائے، کیونکہ آپ کی ترجیح الگ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ آپ نہیں چاہتے تھے، لیکن اس کا آپکی ترجیحات میں نمبر کب آئے گا۔ لہذا، جو چیزیں آپ کے وقت میں ہوئی ہیں، آپکو ان چیزوں کو بڑے فخر کے ساتھ کہنا چاہیے۔ آپ اس کا فائدہ اٹھایئے۔ کہیئے کہ یہ ہمارے وقت میں ہوا تھا۔ اب آپ یہ بھی بھول جاتے ہیں ، چلیے، میں نے آپ کو یاد دلا دیا، آپ اس کا بھی فائدہ اٹھایئے۔

ریلوے کے بارے میں تفصیل سے بات بجٹ پر بحث کے دوران ہو گی۔ لیکن ہم ایک بات سمجھیں کہ 90 سال پہلے جب ریل کا بجٹ آتا تھا تب نقل و حمل کا ایک بڑا وسیلہ محض ریلوے تھا۔ آج نقل و حمل ایک بہت ضروری امر بن گیا ہے۔ اور صرف ریلوے ہی نہیں ہے، نقل و حمل کے بہت سے وسائل ہیں۔ جب تک ہم اس موضوع کو شامل کر کے جامع ٹرانسپورٹ کا نظام نہیں چلائیں گے، تب تک ہم مسائل سے نبرد آزما رہیں گے۔ اور اس طرح مرکزی دھارے میں ریل کا نظام بھی رہے گا۔ اس میں نجکاری کا کوئی مسئلہ نہیں ہے، اس کی آزادی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن سوچنے کے لئے، حکومت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بیک وقت ہر طرح کے ٹرانسپورٹ کے سلسلے میں ایک جامع نکتہ نظر رکھے اور یہ ضروری ہے۔ ہم جب سے آئے ہیں، ہم نے ریل بجٹ میں تبدیلی کیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ پہلے بجٹ میں ہمارے گوڑا جی نے بتایا تھا کہ تقریبا 1500 اعلانات ہوئے تھے اور کون مضبوط ہے، کون ایوان میں زیادہ پریشان ہوتا ہے، ان کو دھیان میں رکھ کر، ان کو خوش رکھنے کے لئے ایک آدھ چیز بول دی جاتی تھی۔ وہ بھی تالی بجا دیتا تھا، اپنے علاقے جا کر بتا دیتا تھا کہ کام ہو گیا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ 1500 ایسی چیزیں ہوئی تھیں جن کا کاغذ پر ہی دم گُھٹ چکا تھا، ایسا ہم کیوں کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے اس سے ہمیں سیاسی طور پر نقصان ہوتا ہے۔ لیکن کسی کو تو ذمہ داری لینا ہو گی کہ ملک میں جو غلط چیزیں فروغ پا چکی ہیں ان کو ہمیں روکنا ہو گا۔ نوکر شاہی کو یہ باتیں اچھی لگتی ہیں۔ ایسی چیزیں ان کو اچھی لگتی ہیں ان کی منشا کے عین مطابق ہیں کہ سیاستدان تالیاں بجا دے اور ان کی گاڑی چلتی رہے۔ مجھے نہیں چلانی ہے۔ ملک کے عام آدمی کی امیدوں اور امنگوں کے لئے فیصلے کرنے ہیں۔ اچھے فیصلے لینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اچھی کوشش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہم اس سمت میں گامزن ہیں، ہم یہ کام کر رہے ہیں۔

ایک نوٹ بندی کا معاملہ سامنے آیا۔ پہلے دن سے ہی یہ حکومت یہ کہہ رہی ہے کہ ہم نوٹ بندی کے بارے میں بات کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن آپ لوگوں کو لگتا تھا کہ اگر آپ ٹی وی پر قطار دیکھتے ہیں تو کل کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا، پھر دیکھیں گے۔ آپ نے سوچا تھا کہ اس بار بحث کرنے سے مودی کو شاید فائدہ ہو گا۔ اور اس طرح بحث کرنے کے بجائے، آپ کو ٹی وی بائٹ دینے میں زیادہ دلچسپی تھی۔ لہذا، کوئی بحث نہیں ہوئی۔ یہ اچھا ہے کہ اس بار آپ نے اس موضوع کا تھوڑا بہت احاطہ کیا ہے کتنی

بڑی تبدیلی آئی ہے۔ اب مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ جو چیزوں کا باریکی سے مطالعہ کرتے ہیں، اگر ان کا دھیان ابھی تک ادھر نہیں گیا ہے تو میں چاہوں گا کہ ادھر جائے، میں چاہتا ہوں کہ ان پر بھی توجہ دی جائے۔ مئی 2014 کے پہلے کا دور آپ دیکھ لیجئے۔ وہاں سے آواز اٹھتی تھی کہ کوئلے میں کتنا کھایا؟ 2.جی میں کتنا گیا، پانی گھوٹالہ میں کتنا گیا، ہوا گھوٹالہ میں کتنا گیا۔ آسمان گھوٹالہ میں کتنا گیا۔ کتنے لاکھ گئے، یہی وہاں سے آواز آتی تھی۔ یہ میرے لئے کتنی خوش کن خبر ہے کہ جب وہاں سے آواز آتی تھی کہ مودی جی کتنا لائے، تب اِدھر سے آواز اٹھتی تھی کہ کتنا گیا، اب آواز اٹھ رہی ہے کہ کتنا لائے۔ زندگی میں اس سے زیادہ اطمنان کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہی تو صحیح قدم ہے۔ دوسرا، جو ہمارے کھرگے جی نے کہا کہ کالا دھن ہیرے جواہرات میں ہے، سونا چاندی میں ہے، جائداد میں ہے۔ میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں، لیکن یہ ایوان جاننا چاہتا ہے کہ یہ علم آپ کے پاس کب آیا؟ کیونکہ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بدعنوانی کا آغاز نقد سے ہوتا ہے۔ اس کی شروعات نقد سے ہوتی ہے۔ اور اسکے نتیجے میں جائداد ہوتی ہے، زیورات ہوتے ہیں، سونا ہوتا ہے، چاندی ہوتی ہے۔ لیکن شروعات نقد سے ہی ہوتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ان تمام برائیوں کے مرکز میں جو چیزیں ہیں، وہ بینامی جائیداد ہے، جواہرات ہیں، سونا چاندی ہے۔ ذرا آپ لوگ بتایئے کہ 1988 میں، جب جناب راجیو گاندھی ملک کے وزیر اعظم تھے، پنڈت نہرو سے زیادہ اس ایوان میں اکثریت آپ کے پاس تھی۔ دونوں ایوان میں آپ اکثریت میں تھے۔ پنچایت سے پارلیمنٹ تک سب کچھ آپ کے قبضے میں تھا۔ آپ ہی آپ تھے، دوسرا کوئی نہیں تھا۔ 1988 میں آپ نے بینامی املاک کا قانون بنایا۔ آپ کو جو علم آج ہوا ہے، کیا وجہ تھی کہ 26 سال تک اس قانون کو نوٹیفائی نہیں کیا گیا؟ کیا وجہ تھی کہ اسے دبا دیا گیا؟ اگر آپنے اسکو اسوقت نافذ کیا ہوتا تو پھر جو علم آج آپکو ہوا ہے، 26 سال پہلے کی صورتحال کچھ اور ہی ہوتی۔ ملک کو صاف ستھرا کرنے کی سمت میں ایک اچھا کام ہو جاتا۔ وہ کون لوگ تھے جنکو قانون بننے کے بعد یہ علم ہوا کہ اب قانون کو دبانے میں فائدہ ہے؟ وہ کون سی فیملی؟ آپ اس سے بچ نہیں سکتے، آپ کسی کا نام دے کر بچ نہیں سکتے۔ آپ کو ملک کو جواب دینا ہوگا۔ جو علم آج آپ کو ہوا ہے۔ اور یہ وہ حکومت ہے جس نے نوٹ بندی سے پہلے ہی ان کے خلاف پہلا قدم اٹھایا ہے۔ قانون بنایا ہے۔ آج میں اس ایوان کے ذریعہ اہل وطن سے کہنا چاہتا ہوں، چاہے آپ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں، آپ کو غریبوں کے حقوق واپس کرنا ہوں گے۔ اور میں اس راستے سے پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں۔ میں غریبوں کے لئے لڑائی لڑ رہا ہوں اور غریبوں کے لئے لڑتا رہوں گا۔

اس ملک میں قدرتی وسائل کی کمی نہیں تھی، ملک میں انسانی وسائل کی کمی نہیں تھی، لیکن ملک میں ایک طبقہ وجود میں آیا جو لوگوں کے حقوق کو لوٹتا رہا اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ملک اس اونچائی تک نہیں پہنچ سکا جہاں تک اسے پہنچنا چاہیئے تھا۔ آپ

کہتے ہیں کہ کچھ لوگ... جنگی ایجنسی ہوگی.... وہ بولیں گے۔ ایک بات میں کہنا چاہوں گا۔ ہم جانتے ہیں کہ معیشت کو.... کوئی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ ایک متوازی معیشت تیار ہوئی تھی۔ ایسا نہیں ہے۔ یہ کام پہلے بھی آپ کے علم میں آیا تھا۔ اس موضوع پر آپ کی حکومت کی کمیٹیوں نے بھی آپ کو تجویز دی تھی۔ جب اندرا جی حکومت کرتی تھیں، یسونت راؤ جی چوہان اس معاملے کو لے کر ان کے پاس گئے تھے۔ تب انہوں نے کہا تھا، کیوں بھائی، کیا کانگریس کو الیکشن نہیں لڑنا ہے۔ آپ کا فیصلہ غلط نہیں تھا، بلکہ آپ الیکشن سے خوفزدہ تھے۔ ہمیں انتخابات کی فکر نہیں ہے، ملک کی فکر ہے، لہذا ہم نے یہ فیصلہ لیا ہے۔ یہ بات یقینی ہے، کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا ہے کہ کسی بھی نظام میں نقد کتنا ہے، چیک کتنا ہے، یہ کاروبار چل پڑا ہے اور ایک طرح سے یہ زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔ جب تک آپ اسکو کاری ضرب نہیں لگائیں گے، تب تک آپ اس صورتحال سے باہر نہیں آئیں گے۔ لہذا ہم نے جو فیصلے کیے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں۔

آپ نے ملک کو کیسے چلایا ہے، ایسا لگتا ہے کہ چارواک کا منتر کچھ پارٹیوں کے دل و دماغ پر پوری طرح مسلط ہے۔ وہ اسی منتر پر عمل پیرا رہے ہیں۔ اسی لئے تو کچھ بڑے بڑے لوگ انگریزی شاعر کا حوالہ دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ مرنے کے بعد کیا ہے، کس نے دیکھا ہے؟ اب یہ تو چارواک کا منتر ہے۔ میں جب اُس ایوان میں جاؤں گا تو پھر میں اس کا تفصیل سے ذکر کروں گا، لیکن چارواک کہتے تھے:

یو جیویت سکھم جیویت رڑھم ررتوا، گھرتم پبیت بھسمی بھتسیہ دیہسیہ، پنار گم نم کُتہ

یعنی جب تک جیو، موج کرو۔ فکر کس بات کی ہے، قرض لو اور گھی پیو۔ بھائی بھگونت مان، یہ اس زمانے کی قدریں ہیں اس لئے گھی کہا، نہیں تو کچھ اور پینے کو کہتے۔ اس وقت صوفیوں کی تہذیب تھی اس لئے گھی پینے کو کہتے تھے۔ اگر آج کا زمانہ ہوتا تو ہمیں کچھ اور پینے کی بات کرنی پڑتی۔ لیکن اس طرح کے فلسفے سے کچھ لوگوں کو لگتا ہے کہ جب معیشت ٹھیک چل رہی تھی تو آپ نے ایسے وقت میں ایسا فیصلہ کیوں کیا؟ یہ بات صحیح ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اگر آپ کو کوئی بیماری ہے اور ڈاکٹر کہتا ہے کہ آپریشن کرنا ہے۔ آپریشن بہت ضروری ہے، پھر بھی وہ کہتا ہے پہلے آپ کو جسم کو ٹھیک کرنا ہے۔ ذیابیطس پر قابو پانا ہو گا، سات آٹھ دن اور مشورہ چلے گا، پھر آپریشن بعد میں ہوگا۔ ڈاکٹر اس وقت تک آپریشن کرنا پسند نہیں کرتا ہے جب تک کہ وہ صحت مند نہ ہو جائے، چاہے صورتحال کتنی ہی سنگین ہو۔ نوٹ بندی کے لئے یہ وقت کافی مناسب تھا کیونکہ ملک کی معیشت صحتمند تھی۔ اگر وہ کمزور ہوتی تو ہم کامیابی کے ساتھ یہ کام نہ کرپاتے۔ تب اس میں کامیابی ملی ہے، جب معیشت مضبوط

تھی۔ دوسرا، ایسا مت سوچیے کہ یہ کام عجلت میں ہوا ہے۔ اس کے لئے آپ کو مودی کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ آپ دیکھئے کہ ہمارے ملک میں سال بھر میں جتنا کاروبار ہوتا ہے، اتنا ہی کاروبار دیوالی کے دوران ہوتا ہے۔ یعنی دیوالی کے دن 50٪ اور سال بھر میں 50٪ ہوتا ہے۔ ایک طرح سے پورا کاروبار، پوری تجارت، کاشتکاری وغیرہ، سب کچھ دیوالی کے آس پاس اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ اسکے بعد بازار ساکت ہو جاتا ہے۔ دیوالی کے علاوہ دکاندار بھی 15, 15 دن تک باہر نکل جاتے ہیں، لوگ گھومنے چلے جاتے ہیں۔ یہ ایک مناسب وقت تھا جب عام کاروبار عروج پر پہنچ گیا تھا اس کے بعد اگر 15-20 دن تک کوئی دقت ہوتی ہے اور پھر 50 دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اور اب میں دیکھ رہا ہوں کہ جو میں نے حساب کتاب لگایا تھا، اسی کے مطابق گاڑی چل رہی ہے۔ آپ جانتے ہیں، ایک زمانہ تھا جب انکم ٹیکس ڈیپارٹمنٹ کی مرضی سے... ایک وقت تھا جب ملک میں انکم ٹیکس کے حکام اپنی مرضی سے جہاں چاہتے تھے جا دھمکتے تھے اور پھر کیا ہوتا تھا۔ پرانی تاریخ کو مجھے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نوٹ بندی کے بعد، ہر چیز ریکارڈ میں ہے۔ کہاں سے آیا ہے، کون لایا ہے، کہاں رکھا۔ اب ٹیکنولوجی کی مدد سے سارا ڈیٹا موجود ہے اور ڈیٹا مائننگ کے ذریعہ ٹاپ ناموں کو نکال لیا گیا ہے۔ اب انکم ٹیکس آفیسر کو کہیں نہیں جانا ہے، بس ایس ایم ایس کے ذریعہ پوچھنا ہے کہ ذرا بتایئے کہ تفصیل کیا ہے؟ آپ دیکھئے کہ کسی بھی طرح کی افسر شاہی کے بغیر، جس کو قومی دھارے میں آنا ہے، اس کے لئے ایک موقع مل گیا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس سے صاف ستھرا ہندوستان اور "سوچھ بھارت" کی جو میری مہم چل رہی ہے، اسی طرح معاشی زندگی میں بھی "سوچھ بھارت مہم" بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ بینامی املاک کا قانون منظور ہو چکا ہے، نوٹیفائی بھی کیا جا چکا ہے۔

جیسا کہ کھڑگے جی نے کہا، وہیں پر سب کچھ ہے۔ آپ نے ایک اچھی تجویز دی ہے۔ ہم بھی کچھ کر کے دکھائیں گے۔ اور سننے والوں کو بھی سمجھنا چاہئے اور اس کی دفعات کو پڑھ لیں۔ کہ کتنا سخت قانون ہے۔ جن کے پاس بھی بنیامی جائیداد ہے، میں ان سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ اپنے چارٹڈ اکاؤنٹنٹ سے پوچھ لیں کہ آخر یہ دفعات کیا ہیں؟ اس کا کیا بندوبست ہے؟ اور اس لئے سب سے میری گزارش ہے کہ آپ خصوصی دھارا میں آیئے۔ ملک کے غریبوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپ بھی کچھ تعاون پیش کیجئے۔ کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ یہ فیصلہ اچانک ہوا ہے کیا۔ میں ذرا جانکاری دینا چاہتا ہوں، جس دن ہماری حکومت بنی، کابینہ میں سب سے پہلا کام ہم نے ایس آئی ٹی بنانے کا کام کیا۔ سپریم کورٹ نے کہا تھا کہ بیرون ملک میں پڑے کالے دھن کے متعلق ایس-آئی-ٹی بناؤ۔ پھر بھی ایک لمبے عرصے تک یہ لٹکا رہا۔ بیرون ملک کالے دھن کے لئے ایس آئی ٹی کو بناؤ۔ لہذا ہم نے ایسا کیا۔ کورٹ نے کہا تھا۔ 1947 سے 65 سالوں تک کسی نے بھی بیرونی ملک کی بینکوں سے رقم ملک میں لانے کے بارے میں نہیں

سوچا تھا۔ حکومت 65 سال سے اپنی ذمہ داری میں ناکام رہی ہے۔ یہ عدالت محسوس کرتی ہے کہ آپ اپنی ڈیوٹی میں ناکام ہو گئے ہیں اور اس لئے اس نے عدالت کے سابق ججوں کی سربراہی میں ایک کمیٹی کے قائم کرنے کا حکم دیا۔ تین سال گزر گئے، لیکن آپ نے آرڈر کو نافذ کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ آپ نے ایک رپورٹ درج کرنے کے علاوہ کیا کیا ہے؟ آپ نے کچھ نہیں کیا ہے۔

یہ سپریم کورٹ نے 24 مارچ 2014 کو اس حکومت کو کہا۔ وہی تو میں کہہ رہا تھا۔ وہ زمانہ تھا جب آواز اٹھتی تھی کہ کتنا گیا۔ اب آواز اٹھ رہی ہے کہ کتنا آیا، اور آکر رہے گا، آتا رہے گا۔ آپ دیکھیے کہ ایک کے بعد ایک بیرون ملک میں جمع کالے دھن کے خلاف نیا سخت قانون بنایا۔ جائیداد ضبط کرنے کی بات کہی۔ اس بار بھی بجٹ میں ایک نئے قانون کی بات کہی گئی ہے۔ سزا بھی 7 سال سے بڑھا کر 10 سال کر دی ہے۔ ٹیکس ہیونس جو تھے ماریشیس، سنگاپور وغیرہ۔ جو پرانے قانون آپ بنا کر گئے تھے۔ ہم نے بات چیت کی، ان کو سمجھایا۔ انکو ہم نے اپنی صورتحال بتایا۔ اس کو ہم لے آئے۔ ہم نے سوئٹزرلینڈ کے ساتھ سمجھوتہ کیا کہ اگر کوئی بھی ہندوستانی شہری انکے ملک میں پیسہ رکھتا ہے تو وہ ہمیں اسی وقت جانکاری دیں گے جس سے پتہ چل جائے گا۔ ہم نے امریکہ سمیت متعدد ممالک کے ساتھ اس طرح کے معاہدے کیے ہیں، جہاں بھی ہمارے ہندوستانی شہریوں میں سے کوئی بھی ہندوستانی نژاد شخص پیسہ رکھے گا، تب ہندوستان کی حکومت کو اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائے گی۔ اسی طرح ہم نے جائداد کی فروخت کے لئے ایک قاعدہ بنایا کہ 20 ہزار سے زیادہ نقد رقم نہیں۔ اسکے لئے ہم نے فیصلہ کیا۔ ہم نے رئیل اسٹیٹ بل کو پاس کیا۔ زیورات کی مارکیٹ میں بھی 1٪ ایکسائز ٹیکس لگایا کیونکہ چیزوں کو اسٹریم لائن کرنا تھا۔ کسی کو پریشان نہیں کرنا تھا۔ اور آپ ہی لوگ ہیں جو اس ایوان میں، چاہے ادھر کے ہوں یا اُدھر کے، مجھے آپ کے خط موصول ہوئے ہیں، جب ہم نے کہا کہ اگر کوئی دو لاکھ سے زیادہ کے زیورات خریدتا ہے تو اس کو پین نمبر دینا ہو گا۔ مجھے حیرت ہے کہ جو لوگ کالے دھن اور بدعنوانی کے خلاف تقریر کرتے تھے وہ مجھ سے پین نمبر مانگنے کے اصول کو منسوخ کرنے کے لئے خط لکھتے تھے، تاکہ لوگ نقدی رقم سے سونا لیتے رہیں، زیورات لیتے رہیں اور کالے بازار چلتے رہیں۔ لیکن ہم ڈٹے رہے، ہم نے اسے کر کے دکھایا، ایک ایک قدم اٹھایا۔ میں جانتا ہوں کہ سیاسی فائدہ کے لئے کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا، نہیں تو آپ یہ پہلے کر چکے ہوتے۔ اس میں مشکلات ہیں، لیکن ملک کی بھلائی کے لئے، غریبوں کی بھلائی کے لئے یہ فیصلہ لینا تھا، چنانچہ ہم نے یہ فیصلہ کیا۔ دو لاکھ سے زیادہ کسی سامان پر اور دس لاکھ سے زیادہ مہنگی کار پر 1 فیصد اضافی ٹیکس عائد کر دیا۔ ہم نے "انکم ٹیکس ڈکلیئریشن اسکیم" بھی متعارف کرائی۔ اور اب تک لوگوں نے اس اسکیم میں سب سے زیادہ رقم کا اعلان کیا ہے۔ 1100 سے زیادہ پرانے

قانون کو ہم نے ختم کیا۔ یہاں نوٹ بندی سے متعلق کہا گیا۔ کوئی کہتا ہے 150 بار تو کوئی 130 مرتبہ کہتا ہے، سب الگ الگ تعداد بتاتے ہیں کہ آپ نے اتنے قانون بدلے۔ بہت اچھا یاد رکھتے ہیں۔ اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ تو ایک ایسا کام تھا جس میں عوام کی کوئی تکلیف سننے کے بعد اس کا حل تلاش کرنے کی فوری کوشش کرتے تھے۔

جن لوگوں کو برسوں سے لُوٹنے کی عادت لگی تھی، وہ کوئی راستہ تلاش کرتے تھے، اور ہمیں ان راستوں کو بند کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا تھا۔ لڑائی کا دور تھا۔ ایک طرف ملک کو لوٹنے والے تھے تو دوسری طرف ملک کو ایمانداری کی طرف لے جانے والا محاذ تھا۔ لڑائی لمحہ بہ لمحہ جاری تھی۔ تو ڈال ڈال تو میں پات پات، اس طرح سے لڑائی چل رہی تھی۔ جو آپ لوگوں کا بڑا محبوب پروگرام ہے اور جسکو لے کر اپنی پیٹھ تھپتھپاتے رہے ہیں۔ ویسے آپ کو اس کا حق نہیں ہے، کیوں کہ جب اس ملک پر بادشاہوں اور راجواڑوں کی حکومت تھی تب بھی راحت کے نام پر غریبوں کے لئے اسکیمیں چلتی تھیں۔ اسکے بعد "کام کے بدلے خوراک" کے نام سے کئ اسکیمیں تھیں۔ ملک کی آزادی کے بعد نو طرح کے مختلف ناموں سے چلی ہوئی اس اسکیم کو ایک اور نام دیا گیا، جسے منگریگا کہتے ہیں۔ یہ کئ مسافتوں کو طے کر کے یہاں پہنچی اسکیم ہے۔ اور ہر اس ریاست میں جہاں کمیونسٹوں کی حکومت تھی ، انہوں نے یہ کام مغربی بنگال میں بھی کیا تھا۔ جب شرد پوار کی حکومت تھی تو انہوں نے مہاراشٹر میں بھی کیا تھا۔ گجرات میں بھی کانگریس کی حکومت نے کیا تھا۔ آزادی کے بعد ہر ریاست میں کسی نہ کسی نے یہ کام کیا تھا۔ سب نے یہ کیا، یہ کوئی نئ چیز نہیں تھی لیکن نام نیا تھا۔ لیکن ملک کو اور آپ کو خود بھی یہ جان کر حیرت ہوگی اتنے سالوں سے خاموشی کے ساتھ چلتی رہی اس اسکیم منریگا میں بھی 1035 بار تبدیلیاں کی گئیں۔ 1035 بار اسکے ضابطے بدلے گئے۔ اگر آپ کبھی تو اپنے آئینے میں جھانکئے۔ اس وقت تو کوئی لڑائی نہیں تھی۔ اتنے بڑے دباؤ میں کام نہیں کرنا پڑتا تھا۔ پھر کیا وجہ تھی کہ منریگا جیسی اسکیم جو ایک عرصے سے چل رہی تھی۔ اسے بھی لانے کے بعد 1035 بار تبدیلی کرنا پڑا۔ ضابطوں کو بدلنا پڑا۔ قانون تو ایک بار بن گیا۔ لیکن 1035 بار بدلنا پڑا۔ اور اسی لئے آپ سے میں یہ کہتا ہوں۔ آپ کو چالیس منٹ کے بجائے پونے دو گھنٹے مل چکے ہیں۔ میں آپ کو کاکا ہاتھرسی کی نظم کے الفاظ سناتا ہوں اور اگر آج مجھے کاکا ہاتھرسی یاد آتے ہیں تو ، اترپردیش کے انتخاب سے جوڑ کر نہ دیکھیں۔ کیونکہ ان کے ہر الیکشن میں کاکا ہاتھرسی کی بات تو چلتی رہتی تھی۔ کاکا ہاتھرسی نے کہا تھا:

انترپٹ میں کھوجئے، چھپا ہوا ہے کھوٹ   مل جائے گی آپ کو، بالکل ستیہ رپورٹ

قابل احترام اسپیکر صاحبہ، میں ایک بات کی طرف کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ حکومت اصولوں سے چلتی ہے، آئینی ذمہ داریوں کے ساتھ چلتی ہے۔ جو اصول آپ کے لئے تھے، وہی اصول ہمارے لئے بھی ہیں"۔ لیکن فرق کام کے کلچر کا ہوتا ہے۔ پالیسیوں کی طاقت بھی نیت سے جُڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر نیت میں کھوٹ ہے تو پھر پالیسیوں کی طاقت زیرو چھوڑو بلکہ مائنس میں چلی جاتی ہے، صفر چھوڑ دیتی ہے، مائنس میں چلی جاتی ہے۔ لہذا ہمارے ملک میں ورک کلچر کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ میں جب بھی یہاں سے کچھ بولتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں یہ تو ہمارے وقت میں تھا، ہمارے وقت میں تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ آج میں بھی اسی پر تھوڑا کھیلوں۔ آج میں آپ کے میدان میں کھیلنا پسند کروں گا۔

اس لئے آج میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایسا کیوں ہوا۔ ایسا تو نہیں ہے کہ آپ کو علم نہیں تھا۔ ایسا تھوڑے ہی تھا کہ آپ کو کل ہی معلوم ہوا ہے۔ آپ واقف تھے، مہابھارت میں اس طرح سے کہا گیا ہے:

جانامی دھرمم، نچمے پرورتیہ جانامی ادھرمم، نچمے نورتیہ

دھرم کیا ہے؟ یہ تو آپ جانتے ہیں، لیکن یہ آپ کا رجحان نہیں تھا۔ ادھرم کیا ہے وہ بھی آپ جانتے تھے، لیکن آپ کو یہ چھوڑنے کی قدرت نہیں تھی۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ نیشنل آپٹیکل فائبر نیٹ ورک، اگر میں اس کے بارے میں کچھ بھی کہوں تو وہاں سے ایک آواز آئے گی کہ یہ تو ہم نے شروع کیا۔ میں یہیں سے شروع کرنا چاہتا ہوں۔ آپ دیکھئے سال 2011 سے 2014 یعنی ان تین سالوں میں آپٹیکل فائبر نیٹ ورک صرف 59 گاؤں میں لگا اور اس میں بھی لاسٹ مائل کنکٹیویٹی کا بندوبست نہیں تھا۔ خریداری بھی مکمل طور پر مرکزی تھی۔ اس کی کیا وجہ تھی، سب جانتے ہیں۔ اب آپ دیکھیں کہ ہم نے کیسے کام کے پورے کلچر کو بدلا ہے، نظریہ کو کیسے بدلا ہے۔ اس کے لئے سبھی ریاستوں کو پہلے ساتھ لیا۔ لاسٹ مائل کنکٹیویٹی یعنی آپٹیکل فائبر نیٹ ورک کا اسکول میں دستیاب ہونا چاہئے، اسپتال میں دستیاب ہونا چاہئے، پنچایت گھر میں دستیاب ہونا چاہئے۔ ہم نے یہ ترجیحات طے کئے۔ ہم نے خریداری کی مرکزیت کو بھی ختم کر دیا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ اتنے کم وقت میں 76000 گاؤں میں آپٹیکل فائبر نیٹ ورک لاسٹ مائل کنکٹیویٹی کے ساتھ مکمل ہو گیا۔ دوسرا، ابھی یہاں پر کل بتایا جا رہا تھا کہ آپ لیس کیش سوسائٹی یا کیش لیس سوسائٹی کی بات کر رہے ہیں۔ لوگوں کے پاس کیا ہے؟ لوگوں کے پاس کیا ہے؟ موبائل نہیں ہے۔ میں حیرت زدہ ہوں، میں نے 2007 سے جتنی انتخابی جلسے سنے ہیں۔ آپ کے رہنما گاؤں گاؤں جا کر کہتے ہیں کہ راجیو گاندھی کمپیوٹر انقلاب لائے، راجیو گاندھی موبائل فون لے کر آئے، راجیو گاندھی نے گاؤں گاؤں کنکٹیویٹی دی۔ یہ آپ ہی کی

تقریر ہے۔اور جب میں آج یہ کہہ رہاہوں کہ اس موبائل کے استعمال کو بینک میں بھی کیا جاسکتا ہے،تب آپ کہہ رہے ہیں کہ موبائل فون کہاں ہے؟ یہ سمجھ نہیں آرہاہے بھائی! آپ ہی کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اتنا کر دیا اور جب میں اس میں کچھ اچھا جوڑ رہاہوں تو کہتے ہیں کہ وہ تو ہے ہی نہیں۔ یہ آپ کیا سمجھا رہے تھے؟ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ دوسری بات، یہ آپ بھی مانتے ہیں، میں یہ بھی مانتا ہوں کہ پورے دیش کے پاس نہیں ہے۔ لیکن فرض کریں اگر 40% کے پاس ہے، تو کیا ان 40% لوگوں کو اس جدید نظام سے جوڑنے کے لئے ہم سب کی اجتماعی کوششیں ہونی چاہئے کہ نہیں؟ 60% چلو بعد میں دیکھیں گے۔ کہیں تو شروع کریں۔ اس کا فائدہ ہے۔ڈیجیٹل کرنسی کو ہم کو کم نہیں سمجھنا چاہئے۔ ایک ایک اے۔ٹی۔ایم کو سنبھالنے میں اوسطاً پانچ پولیس اہلکار لگتے ہیں۔ کرنسی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے، سبزیوں اور دودھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں جتنا خرچ ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ اس میں خرچ ہوتا ہے۔ اگر ہم ان باتوں کو سمجھیں تو جو ہم کر سکتے ہیں، سب نہیں کر پائیں گے۔ ہم سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن جو کر سکتے ہیں ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنا یہ قیادت کی ذمہ داری ہوتی ہے، چاہے وہ کسی بھی پارٹی سے ہو، اس سے لوگوں کا بھلا ہونے والا ہے۔

مجھے کوئی بتا رہا تھا کہ ایک سبزی والے نے اسے شروع کیا۔ کل ہی کوئی مجھ کو یہ رپورٹ دے کر گیا۔ اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا فائدہ ہے؟ وہ بولا کہ صاحب، پہلے کیا ہوتا تھا، ایک تو میرے خریدار مستقل تھے۔ میں سب کو جانتا تھا۔ اب فرض کیجئے کہ 52 روپے کی سبزی لی تو میڈم کہا کرتی تھی کہ 50 روپے کا نوٹ ہے، اسے لے لو، تو اس نے بتایا کہ میرے دو روپے چلے جاتے تھے اور میں بھی کچھ بول نہیں پاتا تھا۔ میں حساب لگاتا تھا، سال بھر میں میرے آٹھ سو۔ ہزار روپے، اس روپے دو روپے نہ دینے میں ہی چلے جاتے تھے۔ بھیم ایپ لگانے کے بعد 52 روپے ہیں تو ہمیں 52 روپے ملتے ہیں۔ 53 روپے ہیں تو 53 روپے ملتے ہیں۔ 48 روپے، 45 پیسے ہیں تو پورے ملتے ہیں۔ وہ بولا کہ میرے تو 800۔1100 روپے بچ گئے۔دیکھئے چیزیں کس طرح بدلتی ہیں۔ آپ مودی کی مخالفت کر رہے ہیں، کوئی بات نہیں۔یہ آپ کا کام بھی ہے، کرنا بھی چاہئے۔ لیکن جو اچھی چیز ہے اس کو آگے بڑھائیے۔مان لیجئے کہ یہ گاؤں میں نہیں ہے۔ اگر وہ شہروں میں ہے تو اسے آگے بڑھائیے، اس میں حصہ لیں، ملک کا بھلا ہوگا۔اس میں کسی اور شخص کا بھلا نہیں ہے۔لہذا میں گزارش کروں گا کہ اگر ہم ایسی چیزوں میں مدد کر سکتے ہیں تو ہمیں اسے کرنا چاہئے۔ کام کرنے کا کلچر کیسے بدلتا ہے؟ سڑک بنانا کیا ہمارے آنے کے بعد ہوا۔یہ تو تو ڈرمل کے زمانے سے ہی چل رہا ہے۔شیر شاہ سوری کے زمانے سے ہی چل رہا ہے۔ یہ کہنا کہ یہ تو ہمارے ہمارے زمانے سے تھا، ہمارے زمانے سے تھا۔ کہاں کہاں تک جائیں گے بھائی؟ لیکن فرق کیا ہے؟ پچھلی حکومت میں پردھان منتری گرامین سڑک یوجنا ہر دن 69 کلومیٹر

ہوا کرتی تھی یہ ہمارے آنے کے بعد 111 کلو میٹر ہوتی ہے، یہ فرق ہے۔ ہم نے روڈ کی تعمیر کے لئے اسپیس ٹکنالوجی کا استعمال کیا ہے۔ اسپیس ٹکنالوجی سے فوٹو گرافی ہوتی ہے، نگرانی کی جاتی ہے۔ ہم نے ڈرون کو ریلوے میں استعمال کیا ہے۔ فوٹو گرافی کرتے ہیں، کام کا حساب لیتے ہیں کہ ورک کلچر میں ٹکنالوجی کی مدد سے کیسے تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ دیہی رہائشی سکیم میں سیاسی فائدہ حاصل کرنے کے لئے ناموں کو جوڑ کر اس کا استعمال جو ہوا ، وہ ہوا۔ لیکن پھر بھی آپ کے دور میں ، ایک سال میں 10,83000 مکانات تعمیر ہوتے تھے۔ اس حکومت میں ایک سال میں 22,27000 مکانات تعمیر ہوئے ہیں۔ قومی شہری تجدید مشن کے تحت ایک مہینے میں 8,017 گھر تعمیر ہوئے ہیں۔ ہمارے منصوبے کے تحت 13,530 مکانات تعمیر کیے گئے ہیں۔

پہلے ریلوے ایک سال میں براڈ گیج کا کام 1500 کلو میٹر ہوتا تھا۔ پچھلے سال یہ 1500 کلو میٹر سے بڑھ کر 3000 کلو میٹر یعنی ڈبل ہوا۔ لہذا یہ نتیجہ اچانک نہیں آیا۔ ہر چیز کی باقاعدہ نگرانی کی گئ، لوگ بھی وہی تھے، قانون بھی وہی تھا، ملازم بھی وہی تھے، وہی فائل، وہی ماحول، اس کے بعد بھی تبدیلی لانے میں ہم بہت تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور یہ اچانک نہیں ہوتا ہے۔ اس کے لئے کوکوشش کرنی پڑتی ہے اوراسی لئے ہمارے صحیفوں میں یہ کہا گیا ہے:

اُدیمین ہی سِدھینتی کاریانی نہ منورتھیہ   نہ ہی سُپتسیہ سنہسیہ پرویشانتی مکھے مِرگاہ

محنت سے ہی کام ہوتا ہے نہ کہ اسباب سے، ہرن سوتے ہوئے شیر کے منہ میں داخل نہیں ہوتا، اسے بھی شکار کرنا پڑتا ہے۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ ، کچھ بنیادی تبدیلیاں کیسے آتی ہیں ؟ ہم جانتے ہیں کہ بجلی کے بورڈ، ریاستوں کے سارے ڈسکوم بحران کا شکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وزیر اعظم کے ذریعہ ہندوستان میں لال قلعہ کی فصیل سے اس کے بارے میں فکر کا اظہار ہوتا تھا۔ اس قدر اسکی حالت خراب ہوگئی تھی۔ پچھلے دو سالوں میں بجلی کی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے۔ اس میں روایتی توانائی بھی شامل کی گئی۔ اس میں ٹرانسمیشن لائن بڑھائی گئی، شمسی توانائی لائی گئی۔ 2014 میں وہ 2700 میگاواٹ تھی اور آج ہم نے اسکو 9100 میگاواٹ تک پہنچا دیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ یہ ڈسکوم اسکیم کی وجہ سے ممکن ہوا ، اُدئے یوجنا کے تحت جب ریاستیں اس منصوبہ کو کامیابی سے نافذ کر پائیں گی تو اس سے ان ریاستوں کے خزانے میں تقریبا 1 کروڑ 60 ہزار روپے سے زیادہ کی بچت ہونے والی ہے، جس کا استعمال وہ ترقی کے کاموں میں کر سکتی ہیں اور وہ توانائی کے شعبے کے اس بوجھ سے بچنے والی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جہاں سے کوئلہ نکلتا تھا، اس کے نزدیک نہیں دیا جاتا تھا۔ پوچھا کہ ایسا کیوں؟ تو کہا گیا کہ ریلوے کو تھوڑی سی کمائی ہو جائے۔ ہم

نے کہا، کمال ہو گیا! ریلوے کی کمائی کے لئے اتناسب کریں، ہم نے ریشنلائز کر دیا، جہاں نزدیک ہے، وہیں سے کوئلہ ملے گا۔ کوئلے کا خرچ ہو، اس سمت میں کوشش کیا ،اور اس کی وجہ سے کوئلے میں تقریبا1300 کروڑ روپے نقل وحمل کے اخراجات کم ہوئے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ایل ای ڈی بلب ہم لائے ہیں۔ سائنسی تحقیق ہوئی، آپ نے بھی آغاز کیا۔ لیکن آپ کے وقت میں ایل ای ڈی بلب تقریبا تین سو، ساڑھے تین سو، تین سو اسّی روپے میں ملتے تھے۔ ایل ای ڈی بلب سے توانائی کی بچت ہوتی ہے۔ہم نے اسے ایک مشن کے طور پر شروع کیا۔ پچھلے آٹھ نو ماہ میں اس منصوبے پر زور دیا گیا ہے۔اس طرح سے بہت کم وقت میں ہم نے اس منصوبے پر زور دیا ہے۔ اتنے کم وقت میں ہم نے 21 کروڑ ایل ای ڈی بلب لگانے میں کامیابی حاصل کی ہے اور تیز رفتار سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اب تک جو ایل ای ڈی بلب لگائے گئے ہیں اس کی وجہ سے ،گھروں میں جو بجلی کا بل آتا تھا، اس میں لگ بھگ 11000 کروڑ روپئے کی بچت ہوئی ہے۔ اگر کسی حکومت نے بجٹ میں بجلی صارفین کو 11000 کروڑ روپے دینے کا فیصلہ کیا ہوتا تو اخباروں میں ہیڈ لائن بن جاتی۔ ہم نے صرف ایل ای ڈی بلب لگا کر عام آدمی کے گھروں میں 11000 کروڑ کا بجلی کا بل کم کیا ہے۔ یہ اس بات کا ایک نمونہ ہے کہ اگر کام کا کلچر مختلف ہو تو تبدیلی کیسے واقع ہوتی ہے۔ یہاں ہمارے اپوزیشن لیڈر شیڈیولڈ ذات کے بجٹ پر تقریر کر رہے تھے۔ لیکن بہت چالاکی کے ساتھ انہوں نے 2013-14 کے اعداد وشمار پر بولنا مناسب نہیں سمجھا۔جب سال 2013-14 آتا تھا تو اٹک جاتے تھے۔ فہرست شدہ ذاتوں کے سب پلان میں کل الاٹمنٹ سال 2012-13 میں 37,113 کروڑ روپئے، سال 2013-14 میں 41,561 کروڑ سال 2016-17 میں 38,833 کروڑ روپئے، 2017-18 میں 40920 کروڑ روپئے یعنی اس سال کے بجٹ میں 33.7 فیصد کا اضافہ ہوا۔ اس سال کے بجٹ میں یہ 52393 کروڑ ہے۔ آپ کو سچ سننے کے لئے ہمت چاہئے۔ یہ حکومت بدعنوانی کے خلاف جنگ لڑنے والی حکومت ہے۔ بدعنوانی کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے کیسے کام کئے جاتے ہیں۔ 17 وزارتوں کی 84 اسکیموں کو ہم نے براہ راست بینیفٹ ٹرانسفر سکیم سے جوڑ کر اسے آگے بڑھایا ہے۔ 32 کروڑ لوگوں کو ڈائریکٹ بینیفٹ ٹرانسفر سکیم میں 1 لاکھ 56 ہزار کروڑ دیے گئے۔ اب اس کا کیا فائدہ ہوا ہے۔ اور یہ سمجھنا ہو گا کہ کس طرح سے ہر گلی، ہر محلہ میں چوری اور لوٹ مچی ہوئی تھی۔ اب اتنی باریکی سے ہر جگہ چوری اور لوٹ کو روکوں گا تو میرے اوپر کتنا طوفان آئے گا۔ پھر گوا جانے کے بعد میں نے کہا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ میں اگر ایسے فیصلے لیتا ہوں تو میرے اوپر کیا گزرے گی۔ ایسے بڑے بڑے لوگوں کو تکلیف ہو رہی ہے اور ابھی اور زیادہ ہونے والی ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے اس بات کا قطعی اندازہ ہے کہ میرے اوپر کیا کیا ظلم ہونے والے ہیں اور اس کے لئے ہم تیار ہیں۔ چونکہ میں نے یہ عہد لیا ہے اسلئے میں اقدامات کر رہا ہوں۔

پہل سکیم۔ ہمارے یہاں گیس سلنڈر پر سبسڈی ملتی تھی، جب اسے آدھار سے جوڑا تو اس کا تقریباً 26 ہزار کروڑ سے زیادہ کا لیکیج رُک گیا، جس کے نتیجے میں ڈیڑھ کروڑ غریب کنبوں کو گیس کا کنیکشن دینے میں ہم کامیاب ہوئے ہیں۔ اب آپ مطالعہ کر لیجئے، جب میں ایوان میں بولتا ہوں تو میں پوری ذمہ داری کے ساتھ بولتا ہوں۔ پچھلے ڈھائی سالوں میں جعلی راشن کارڈ کے ذریعے غریب لوگوں کے حق کو مار لیا جاتا تھا۔ غریب کو جو ملنا چاہیے تھا مڈل مین جعلی راشن کارڈ کی مُہر رکھتے تھے اور مال چوری کر لیتے اور کالا بازاری میں فروخت کر دیتے تھے۔ جب سے ہم نے ٹیکنالوجی استعمال کیا، آدھار کا استعمال کیا۔ تقریباً 2 کروڑ 33 لاکھ جعلی راشن کارڈ پکڑے گئے۔ اس سے تقریباً 14 ہزار کروڑ روپئے کی رقم جس کو بچولیے غریب کے حق کو کھا جاتے تھے وہ پھر سے غریبوں کی طرف گئی۔ منگریگا میں آدھار سے ادائگی کی جاتی ہے، پیسے کی براہ راست منتقلی ہوتی ہے۔ تقریبا ٪94 کامیابی ملی ہے۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ 7,633 کروڑ روپیہ کے لیکیج کی بچت ہوئی ہے، یہ صرف ایک سال نہیں بلکہ ہر سال بچنے والا ہے۔ اس سے بھی آگے، قومی سماجی معاونت پروگرام (این ایس اے پی) تقریبا 400 کروڑ ہے، جس کو کوئی لینے والا نہیں مل رہا ہے، لیکن پیسہ جاتا تھا۔ ایسی کچھ چیزیں پائی گئی ہیں کہ جو بیٹی پیدا بھی نہیں ہوئی اور وہ بیوہ ہوگئی اور خزانے سے پیسہ جارہا ہے۔ ان سب کو روکنے کا کلچر لے کر ہم چلے ہیں۔ اسکالرشپ جیسی بہت سی چیزیں ہیں۔ میں موٹا موٹی انداز لگا تا ہوں۔ ابھی تو شروعات ہے۔ ہر سال 49500 کروڑ روپے بچولیوں کے پاس جانے سے رک گئے۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ لگ بھگ 50 ہزار کروڑ روپیہ جو غریبوں کا حق تھا، وہ بچولیے کھا جاتے تھے۔ بدعنوانی کے نام پر، لوٹ کے نام، ان کو روکنے کے لئے بہت ہمت چاہیے اور ہم نے کر دکھایا ہے۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ، میں ورک کلچر کی ایک مثال بھی دینا چاہتا ہوں۔ کسانوں کی بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں۔ ہر سال ریاستوں کے وزیر اعلی ہندوستان کی حکومت کو خط لکھتے تھے کہ ہمیں یوریا ملنا چاہئے۔ جب میں بھی وزیر اعلی تھا تو یہ لکھتا رہتا تھا کیونکہ یوریا پانے میں بہت دقت ہوتی تھی۔ میں آج بڑے اطمینان کے ساتھ کہتا ہوں کہ پچھلے دو سالوں سے کسی وزیر اعلی کو یوریا کے لئے خط نہیں لکھنا پڑا۔ کہیں یوریا کے لئے کوئی قطار نہیں لگی ہے، کہیں یوریا کے لئے کوئی لاٹھی چارج نہیں ہوا ہے۔ یہ بات ہم بھولے نہیں، پرانا اخبار نکال کر دیکھ لیجئے، کسانوں کو یوریا پانے کے لئے کتنی تکلیف ہوتی تھی۔ اب اپ مجھے بتایئے کیا نیم کوٹنگ کا علم ہمیں کو ہے؟ آپ کو نہیں تھا؟ آپ کو تھا۔ 5 اکتوبر 2007 کو وزراء کے گروپ میں آپ نے یوریا نیم کوٹنگ پر بحث کو اصولی طور پر منظور کیا۔ 5 اکتوبر 2007 سے لیکر اب تک کیا ہوا؟ ایک تو آپ نے ٪35 کی کیپ لگا دی کہ اس سے زیادہ نیم کوٹنگ نہیں کرنی ہے۔ جب تک اسے 100 فیصد نہیں کرتے ہیں اسکا کوئی فائدہ ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ یوریا

چوری ہوتا تھا، فیکٹریوں میں چلا جاتا تھا، کسانوں کے نام پر سبسڈی کے بل کاٹے جاتے تھے لیکن کسان کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ مصنوعی دودھ بنانے میں یوریا کا غلط استعمال ہوتا تھا۔ اور اس طرح غریب بچوں کی زندگیوں سے کھیلا جاتا تھا۔ یوریا کو 100 فیصد نیم کے ساتھ کوٹ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چھ سالوں میں 35٪ کی کیپ لگانے کے بعد 35٪ تک بھی نہیں پہنچ پائے اور صرف 20٪ نیم کوٹنگ کی۔ ہم نے آکر اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ آپ کا چھ سال اور میرا چھ مہینہ۔ ہندوستان میں 100 فیصد یوریا نیم کوٹنگ کر دیا۔ درآمد شدہ یوریا کو بھی نیم کوٹنگ کر دیا۔ آپ کے ورک کلچر اور ہماری ورک کلچر میں فرق اتنا ہے۔ جب نیم کوٹنگ کی بات آتی ہے تو آپ کھڑے ہو جاتے ہیں کہ یہ تو ہمارے دور کا ہے۔ میں نے آج آپ کے میدان میں کھیلنا طے کیا ہے۔ میں کھیل کر دکھاتا ہوں کہ آپ کا حال کیا ہے۔ نیم کوٹنگ کا ہم نے مطالعہ کروایا۔ زراعت ترقی اور دیہی تبدیلی مرکز کے انسلاک نے تجزیہ کیا اور ایک رپورٹ دی ہے۔ کسانوں کا کتنا بھلا ہو رہا ہے، آپ دیکھئے۔ دھان کی پیداوار میں 5٪ اضافہ، گنّے کی پیداوار میں 15٪ اضافہ، آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اس کی وجہ سے کسانوں کا کتنا خرچہ ہو رہا ہے۔ معزز اسپیکر صاحبہ، کس طرح عزت مآب صدر جمہوریہ نے ہم سب سے لوک سبھا اور قانون ساز اسمبلیوں کے بیک وقت انتخابات کرانے کی سمت میں غور و فکر کرنے کو کہا ہے۔ اس کو سیاسی ترازو میں تول کر نہیں دیکھنا چاہئے۔ فوری طور پر ہر کسی کو تھوڑا نقصان ہو گا، لیکن اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر سال، پانچ سات ریاستوں میں انتخابات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ایک کروڑ سے زیادہ ملازم کبھی نہ کبھی انتخابات میں لگے ہی رہتے ہیں۔ تعلیمی شعبے سے وابستہ اساتذہ کو بھی انتخابی کام کے لئے جانا پڑتا ہے۔ آنے والی نسلوں کو بار بار ہونے والے انتخابات کی وجہ سے بھاری نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ اس کی وجہ سے خرچ میں بھی بہت زیادہ اضافہ ہو رہا ہے۔ سال 2009 کے الیکشن میں 1100 کروڑ روپۓ کا خرچ ہوا اور 2014 کے لوک سبھا الیکشن میں 4000 کروڑ سے زیادہ خرچ ہوا۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اس غریب ملک پر کتنا بوجھ پڑ رہا ہے۔

معزز اسپیکر صاحبہ، آج قانون و انتظام کے نقطہ نظر سے بہت سارے نئے چیلنجز سامنے آ رہے ہیں۔ قدرتی بحرانوں کی وجہ سے سیکوریٹی افواج کی بھی مدد لی جاتی ہے۔ دنیا بھر میں پھیل رہی دہشت گردی اور دشمن ممالک جس طرح حرکتیں کر رہے ہیں، ہم سیکوریٹی فورسز کو اس میں لگا دیتے ہیں۔ اتنا بڑا کام بڑھتا جا رہا ہے۔ دوسری طرف سیکوریٹی کی زیادہ تر طاقت انتخابی انتظام میں لگائی جاتی ہے، انکو بھیجنا پڑتا ہے۔ ہم ان سب بحرانوں کو سمجھیں اور ایک طویل نظریہ کے طور پر کوئی بھی ایک پارٹی اس کا فیصلہ نہیں کر سکتی ہے۔ حکومت اس کا فیصلہ قطعی نہیں کر سکتی ہے۔ تجربے کی بنیاد پر، ہم ذمہ دار لوگوں کو ہی اس مسئلے کا حل تلاش کرنا ہو گا، ہمیں راستہ تلاش کرنا ہو گا، اور ہمیں اس بحث کو آگے بڑھانا ہو گا جس کا تذکرہ صدر جمہوریہ نے کیا ہے۔ ہمیں

ان کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ محترمہ اسپیکر صاحبہ، ہمارے ملک کی دیہی معیشت کو مضبوط کیے بغیر ملک کی ترقی ممکن نہیں ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ ہمارے اپوزیشن لیڈر کو صدر کے خطاب میں دلت، مظلوم، استحصال شدہ، محروم اور نوجوان مزدوروں کے ذکر سے بھی پریشانی ہوتی ہے۔ کیا اس ملک میں دلت، مظلوم، استحصال شدہ اور محروم لوگوں کی صدر کی تقریر میں کوئی جگہ نہیں ہونی چاہئے؟ اس سے بھی انہیں تکلیف ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ ایسی تکلیف کیوں ہونی چاہئے۔ ہم نے زرعی آبپاشی اسکیم پر زور دیا۔ آپ دیکھئے کہ کس طرح منریگا میں بنیادی تبدیلی آئی ہے، آپ نے تین سالوں میں صرف 600 کروڑ روپے بڑھایا تھا۔ ہم نے دو سالوں میں 11000 کروڑ روپئے بڑھا دیا۔ ہم نے اس میں خلائی ٹیکنولوجی کا استعمال کیا، ہم نے اس میں جیوٹیگنگ کی ہے۔ ہم نے تالاب بنانے پر بھی زور دیا ہے کیونکہ آبپاشی سب سے اہم چیز ہے۔ ماہی پروری کے لئے بھی چھوٹے چھوٹے تالاب کام میں آسکتے ہیں۔ غریب آدمی کما سکتا ہے اور اسی وجہ سے ہم 10 لاکھ سے زائد تالاب بنانے کا عہد لے کر چل رہے ہیں۔ پچھلی بار بھی ہم نے تالاب بنانے پر زور دیا تھا۔ اس سے ہمارے کسانوں کو بہت زیادہ فائدہ ہونے کا امکان ہے۔ جیو ٹیگنگ سے نگرانی کا ایک نظام موجود ہے، اس کا فائدہ ہوگا۔ خلائی ٹیکنولوجی میں سیٹلائٹ کے اندر بہت سی چیزیں ہونے کے باجود بھی ہم اس کا استعمال نہیں کر پائے۔ ہم سیٹلائٹ کو چھوڑ کر اخبار کی سرخیوں میں جگہ بناتے رہے۔ اس حکومت نے مستقل طور پر بہت ساری کوششیں کی ہیں اور اسے آگے لے جانے کے لئے کام کر رہی ہے۔ پردھان منتری فصل بیمہ اسکیم۔ فصلوں کی انشورنس پہلے بھی تھی لیکن کسان پہلے فصلوں کا بیمہ لینے کو تیار نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی فصلوں کی انشورنس موجود تھی لیکن کسانوں کے حقوق کو تحفظ فراہم نہیں کیا گیا تھا۔ ہم سب عوامی زندگی میں کام کرنے والے لوگ ہیں۔ سیاسی پارٹی کے علاوہ بھی معاشرہ کے تئیں ہم لوگوں کی کچھ ذمہ داری ہے۔ اس ایوان کے تمام لوگ وزیر اعظم فصل انشورنس اسکیم کا مطالعہ کریں اور سوچیں کے ہمارے علاقے کے کسان اس سے کیسے مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اسکا فائدہ ان لوگوں تک پہنچائیں۔ اگر پہلی بار قدرتی آفات کی وجہ سے فصلوں کی بوائی نہیں ہوئی ہو تب بھی وہ انشورنس کا حقدار بنا ہے۔ فصل کاٹنے کے بعد بھی اگر 15 دنوں کے اندر کوئی آفت آجائے تو بھی وہ فصلوں کی بیمہ کا حقدار بنا ہے۔ یہ فیصلہ چھوٹا نہیں ہے۔ اور اس لئے یہ ہم سب کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہمیں اپنے کسانوں تک اس ملنے والے فوائد کو پہنچائیں۔ مٹی ہیلتھ کارڈ کے مدعے پر سیاسی اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن اپنے علاقے کے کسانوں کو مٹی ہیلتھ کارڈ کے بارے میں سمجھایئے۔ اس سے ان کا فائدہ ہوگا۔ انکی لاگت کم ہو جائے گی۔ صحیح زمین پر صحیح فصل سے ان کو مناسب فائدہ ملے گا۔ یہ سیدھی سائنس ہے۔ اس میں سیاست کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں اسے آگے بڑھانا چاہئے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس میں چھوٹے چھوٹے کاروباری افراد آگے آئیں اور وہ خود اپنی نجی لیب بنائیں اور اس طرح گاؤں میں بھی آہستہ آہستہ روزگار کے نئے شعبے کا آغاز کرکے ہمیں اس سمت میں کام کرنا

محترمہ اسپیکر صاحبہ، یہاں پر نوجوانوں کے لئے روزگار کے مواقع پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ مُدرا اسکیم میں دو کروڑ سے زائد افراد کو بغیر کسی ضمانت کے رقم دی گئی ہے۔ اس سے وہ خود اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ اگر وہ پہلے سے ہی اپنے پیروں پر کھڑا تھا تو اس میں ایک سے زیادہ افراد کو روزگار دینے کی طاقت آئی ہے۔ ہم لوگوں کا یہی ماننا ہے کہ جب تک کہ ہم ملک میں روزگار کے مواقع میں اضافہ نہیں کریں گے، تب تک کچھ نہیں ہوگا۔ ہماری پالیسیاں ایسی ہونی چاہئیں کہ اس سے روزگار کے امکانات ہر جگہ بڑھ جائیں اور ہم نے اسی پالیسی کو اپنایا ہے۔ ہم نے ہنر کی ترقی پر زور دیا۔ ہمارے یہاں زرعی شعبے میں اب وزیراعظم زرعی آبپاشی اسکیم ہے۔ اب ہم جب اس کو نافذ کر رہے ہیں تو کیا لوگوں کو اس سے روزگار نہیں ملے گا؟ ہم نے وزیراعظم توانائی گنگا اسکیم کے تحت مشرقی ہندوستان کو گیس پائپ لائن سے جوڑنے کے لئے ایک بڑی مہم شروع کی ہے۔ سیکڑوں کلو میٹر گیس پائپ لائن نصب ہونے جا رہی ہے۔ کیا اس میں نوجوانوں کے لئے روزگار کا امکان نہیں ہے؟ اس لئے ترقی کی وہ سمت ہونی چاہئے جس میں نوجوانوں کو روزگار ملے۔ ہم نے ابھی کپڑے اور جوتے کے شعبے میں بہت سے اقدامات کئے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سارے لوگوں کو نئے علاقوں میں روزگار کے کئی سارے مواقع حاصل ہوئے ہیں۔ ملک کی چھوٹی صنعتوں کو فروغ دینا بہت ضروری ہے۔ اس بجٹ میں بھی بہت سارے اہم فیصلے لئے گئے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی صنعتوں کو جتنی مضبوطی ملے گی اس سے ہمارے ملک میں روزگار کے امکانات بڑھیں گے۔ اگر ہم زیرو ایفیکٹ کو اپنی پیداوار کا معیار رکھیں تو ہم دنیا کی منڈی پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے چھوٹے صنعت کاروں کو ایکسپورٹ کرنے کی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ بڑی صنعت کو چھوٹے چھوٹے کل پرزے لگتے ہیں جو چھوٹے کارخانوں سے ملتے ہیں۔ ہم اس سے انجینئرنگ کی دنیا میں معجزہ کر سکتے ہیں۔ حکومت ابھی نئے بجٹ میں جو منصوبہ لے کر آئی ہے، اس سے 96٪ صنعت کار اس سے مستفید ہوں گے، 4% بڑے لوگ باہر رہ گئے ہیں، لیکن 50 کروڑ روپئے سے کم والے تقریباً 96% لوگ ہیں، وہ سب فائدہ اٹھا رہے ہیں اور زبردست فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ اسکی وجہ سے روزگار کے بے پناہ امکانات بڑھنے والے ہیں۔ یہاں پر سرجیکل اسٹرائک کی بات آئی۔ مجھے حیرت ہوتی ہے۔ آپ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر پوچھئے۔ سرجیکل اسٹرائک کے 24 گھنٹے میں ہی ہمارے رہنماؤں نے کیسے کیسے بیان دئے، کیسے کیسے الفاظ کا استعمال کیا۔ لیکن جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ملک کا مزاج الگ ہے تو انکو اپنی زبان بدلنی پڑی۔ میں آپ سے گزارش کرتا ہوں۔ یہ بہت بڑا فیصلہ تھا اور اس فیصلے کے بارے میں مجھ سے کوئی پوچھتا نہیں ہے۔ نوٹ بندی کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ مودی جی، اسے راز میں کیوں رکھا؟ کہتے ہیں کہ کابینہ کو بھی نہیں بتایا! سرجیکل اسٹرائک کے بارے میں کوئی نہیں پوچھ رہا ہے۔ بھائیوں اور بہنوں، ملک کی فوج کی جتنی تعریف کریں، ہم اپنی ملک کی افواج کی جتنی بھی تعریف کریں، کم ہے۔ اتنی کامیاب سرجیکل اسٹرائک کیا ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ سرجیکل اسٹرائک آپ کو پریشان کر رہی ہے۔ سرجیکل اسٹرائک کے بارے میں آپ کی

مصیبت یہ ہے کہ عوام میں جا کر بول نہیں پاتے ہیں اور اندر اندر درد محسوس کر رہے ہیں۔ یہ ہے آپکی مصیبت۔ لیکن یہ آپ مان کر چلئے کہ اس ملک کی افواج ہمارے ملک کی حفاظت کی پوری اہل ہیں، پوری طاقت کے ساتھ۔

معزز اسپیکر صاحبہ، میں چاہتا ہوں کہ اس ایوان میں بحث ہو، نئی نئی تحقیق ہو، نئے نئے خیالات کو سامنے رکھا جائے، کیونکہ ہم لوگ علم کے قدردان ہیں، خیالات کا خیر مقدم کرنے والے لوگ ہیں۔ جتنے نئے خیالات ملیں گے، کسی بھی جانب سے خیالات آئیں، ضروری نہیں ہے کہ یہ خیالات صرف اسی جانب سے آئیں، چاہے وہ کسی بھی جانب سے آئیں، عمدہ خیالات کا خیر مقدم ہے۔ کیونکہ ہم سب کا نصب العین ملک کو آگے بڑھانا ہے۔ آخر کار ہم سب کا مقصد ملک کو برائیوں سے پاک کرنا ہے، آخر کار ہم سب کا مقصد ملک کو نئی اونچائیوں تک لے جانا ہے۔ آج دنیا کے اندر ایک موقع آیا ہوا ہے اور ایسے مواقع بہت کم آتے ہیں۔ آج جو عالمی نظام ہے اس نے بھارت کے لئے ایک موقع فراہم کیا ہے۔ اور اگر ہم اس موقع کا فائدہ اٹھائیں اور ایک آواز اور ایک طاقت کے ساتھ متحد ہو کر دنیا کے سامنے پیش ہوں تو مجھے یقین ہے کہ ہمارے اسلاف جو خواب لے کر چلے تھے، اس کو ہم شرمندۂ تعبیر کر سکتے ہیں۔

معزز اسپیکر صاحبہ، آپ نے مجھے وقت دیا، ایوان نے مجھے سنا، اسکے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں اور ایک بار پھر عزت مآب صدر جمہوریہ جی کا دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔ بہت بہت شکریہ !

راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریہ کی تحریک 'پر

وزیر اعظم شری نریندر مودی کا جواب

۸ فروری، ۲۰۱۷

راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

8فروری2017

محترم صدر ایوان، دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس سے صدر جمہوریہ ہند کے خطاب کے بعد شکریہ ادا کرنے کے لئے میں آپ کے روبرو حاضر ہوں۔ تقریباً40 معزز اراکین نے اس بحث میں حصہ لیا ہے۔ جناب غلام نبی آزاد، جناب نیرج شیکھر، جناب اے نونیت کرشنن، جناب ڈریک اوبرائن ، جناب ڈی راجہ، جناب شرد یادو، جناب سیتارام، جناب احمد بھائی اور ابھی ابھی آنند شرما صاحب۔ میں سب کا بہت مشکور و ممنون ہوں۔ جن دیگر معزز اراکین نے اس میں حصہ لیا ہے میں ان سب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جو بحث ہوئی، بیشتر بحث کا موضوع نوٹ بندی سے متعلق رہا۔ اس بات سے ہم انکار نہیں کرسکتے کہ ہمارے ملک میں یہ ایک برائی آئی ہے اور اس بات سے بھی ہم انکار نہیں کرسکتے کہ اس نے ہماری معیشت میں، سماجی نظام میں اپنی جڑیں جمالی ہیں۔ اس کو ہم انکار نہیں کرسکتے اور اس لئے بدعنوانی اور کالے دھن کے خلاف یہ لڑائی، کوئی سیاسی لڑائی نہیں ہے۔ کسی سیاسی پارٹی کو پریشان کرنے کے لئے لڑائی نہیں ہے، اور ایسا سوچنے کی وجہ بھی نہیں ہے۔ اور اس لئے، کسی کو اس تنازعہ کو اپنے ساتھ وابستہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ اس ایوان میں ہم سب کی ذمہ داری بنتی ہے کہ جو بھی ہم لوگوں کی آئینی حدود میں رہتے ہوئے ذمہ داری ہے اور جسکی ہماری عقل اجازت دیتی ہے، وہ ہمیں کرنا چاہئے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس متوازی معیشت کی وجہ سے سب سے زیادہ نقصان اگر کسی کا ہوا ہے تو غریب کا ہوا ہے۔ غریب کا حق چھین لیا جاتا ہے اور متوسط طبقے کا استحصال ہوتا ہے۔ اور ایسا نہیں کہ پہلے کوئی کوشش نہیں ہوئی ہوگی، پہلے بھی کوشش ضرور ہوئی ہوگی۔ ہمیں مزید کوششیں کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ آخر کب تک ان وسائل کو قالین کے نیچے ڈال کر کے ہم اپنا گزارہ کرتے رہیں گے۔ اور اس لئے جب یہ موضوع زیر بحث آتا ہے تو اسکے حوالے سے جو اعداو شمار پیش کئے جاتے ہیں وہ اعداد و شمار ان جعلی نوٹوں کے ہیں جو بینک تک پہنچے ہیں۔ یہ اس کا حساب و کتاب ہے۔ زیادہ تر جعلی نوٹ بینک کے دروازے تک نہ پہنچیں اس طریقے کا انتظام چل رہا ہے۔ اور دہشت گردی، نکسل واد کو بڑھاوا دینے میں اس کا استعمال بھی ہوتا ہے۔ کچھ لوگ بڑے اچھل اچھل کر کہہ رہے ہیں کہ دہشت گردوں کے پاس سے 2000 کے کچھ نوٹ ملے تھے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے ملک میں یہ نوٹ بندی کے بعد کا جو عرصہ تھا، بینک لوٹنے کی جو کوششیں ہوئیں اور اس میں نئے نوٹ لے جانے کی جو کوشش ہوئی وہ جموں وکشمیر میں ہوئی۔ کیونکہ جعلی نوٹوں پر شکنجہ کسنے کے

بعد روز مرہ کے کاروبار کے لئے ان کے سامنے دقتیں آگئی تھیں۔ بینک لوٹنے کے کچھ ہی دنوں کے بعد جو دہشت گرد مارے گئے، اس میں وہ نوٹ ہاتھ لگے تھے۔ اس کا سیدھا سیدھا یہ معاملہ ہے، جسے ہمیں سمجھنا چاہئے۔ اور ہمیں ایسے لوگوں کے حق میں اپنے خیالات رکھنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کے خلاف ہمیں ایک ساتھ ملکر لڑنا ہوگا۔ ایماندار شخص کو اس وقت تک طاقت نہیں ملے گی جب تک بے ایمانوں کے تیئں سختی نہیں برتی جائے۔ ہم مانتے ہیں کہ ان اقدامات سے ایماندار لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ محترم چیئرمین صاحب، بہت سال پہلے ایک وانچو کمیٹی بنائی گئی تھی۔ نوٹ بندی کی اقتصادی ضرورتوں کے سلسلے میں انھوں نے اس وقت کی وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی کو اپنی رپورٹ دی تھی۔ اس وقت یشونت چوہان جی اس سے متفق بھی تھے اور وہ اس رپورٹ کو آگے بڑھانا چاہتے تھے، لیکن محترمہ اندرا گاندھی نے کہا کہ ہم تو سیاست میں ہیں اور انتخابات وغیرہ لڑنے ہوتے ہیں۔ یہ گوڈبولے جی کی کتاب میں ہے۔ اچھا ہوتا کہ گوڈبولے جی کی اس کتاب پر اپنی معلومات کا مظاہرہ کیا ہوتا۔ آنند جی، مجھے پورا سننے کے بعد آپ کھڑے ہوییئے۔ جب گوڈبولے جی کی کتاب شائع ہوئی۔ اچھا ہوتا اس وقت آپ نے اتنی بیداری دکھائی ہوتی اور اس کتاب کے خلاف آواز اٹھائی ہوتی، آپ سو رہے تھے کیا؟ اس وقت کیا کر رہے تھے آپ؟ اندرا جی کے اوپر اتنا بڑا الزام لگ جائے، اور ایک افسر الزام لگا دے اور ابھی تک آپ سو ہی رہے ہیں؟ آپ کی جگہ میں ہوتا تو گوڈبولے جی کے خلاف کیس کر دیتا۔ لیکن آپ نے نہیں کیا۔ آج جب گوڈبولے جی کی کتاب کا ذکر ہو رہا ہے، تو آپ ذرا۔۔۔۔، جب وانچو کمیٹی نے رپورٹ دی تھی، تب کالا دھن نقد، وہیں تک مسائل محدود تھے۔ آج کالا دھن، دہشت گرد تنظیم، جعلی نوٹ کا کاروبار، منشیات کا کاروبار، حوالہ کا کاروبار، یہ سب زندگی کے بہت سے شعبوں تک پھیل چکے ہیں۔ اسلئے اسکی کوریج بڑھی ہے۔

جس وقت 8 نومبر کو فیصلہ لیا گیا، تو جعلی نوٹ کا واپس آنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ کوئی چھوٹا بینک ہوگا، جہاں وسائل کی کمی ہوگی۔ اور اگر ایسے نوٹ گھس گئے ہوں گے تو وہ ریزرو بینک تلاش کرے گا۔ لیکن جعلی نوٹ تو اسی وقت نیوٹرالائز ہو گیا۔ اور اس کا حساب اگر کسی کے پاس ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ اس کا حساب ان کے پاس کیسے ہے؟ جعلی نوٹ تو اسی وقت نیوٹرالائز ہو گئے۔ اور سب کچھ اسی وجہ سے ہوا ہے۔ اور آپ نے ایک ٹی وی خبر بھی دیکھی ہوگی، دشمن ملک میں جعلی نوٹ کا بہت بڑا کاروبار کرنے والے کو خودکشی کرنی پڑی تھی، وہ خبر ٹی وی پر بہت دن تک چلی تھی۔ آپ دیکھئے کہ ہمارے ملک میں تیس چالیس دن میں 700 سے زیادہ نکسلیوں نے سرینڈر کیا تھا۔ یہ پہلی بار ہوا ہے۔ نومبر دسمبر کے درمیان تیس سے چالیس دن میں تقریبا 700 لوگوں نے سرینڈر کیا ہے اور اس کے بعد بھی یہ عمل جاری ہے۔ اگر نکسلی ہتھیار ڈالیں اور اس سے ایوان میں کسی کو اطمینان نہ ہو، ایسا

ہو نہیں سکتا ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے ؟ اور اگر نہیں ہو رہا ہے تو پھر کچھ اور مطلب ہے۔ اب اس میں تو آپ زیادہ ہماری راہنمائی فرما سکتے ہیں۔ اسی طرح سے یہ بھی بات صحیح ہے کہ ملک کے فارمل نظام میں سرمایہ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ہزار کے نوٹ شائع ہونے کے بعد عام چلن میں جاتے ہی نہیں تھے، پانچ سو کے نوٹ بہت کم جاتے تھے، ہزار کے نوٹ بہت کم جاتے تھے اور بنڈل کے بنڈل کا کاروبار چلتا رہتا تھا۔ یہ حقیقت ہے اور اس حقیقت سے ہم انکار نہیں کر سکتے ہیں۔ اب جب اتنی بڑی کرنسی بینکوں کے پاس آئی ہے تو یہ بہت فطری بات ہے کہ بینکوں کی عام شخص کو پیسہ دینے کی طاقت بڑھے گی۔ ایک ساتھ تمام بینکوں نے سود کی شرح کو کم کی ہو ، ایسا پہلی بار ہمارے ملک میں ہوا تھا۔ بینکوں کا منافع عام لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ یہاں پر غیر منظم مزدوروں کی بات ہو رہی ہے۔ واقعی میں، آپ لوگوں سے اور خاص طور سے سیتارام جی اور ان کی پارٹی سے تو یہ توقع رہے گی کہ غیر منظم مزدوروں کو ان کی تنخواہ کے معاملے میں تحفظ ملنا چاہئے۔ یہ حقیقت ہے کہ جتنا کہا جاتا ہے اتنا دیا نہیں جاتا ہے۔ دیا جاتا ہے تو اس میں بھی ایک آدھ آدمی باہر کھڑا رہتا ہے۔ وہ کاٹ لیتا ہے۔ ان بیماریوں کو ہم سب جانتے ہیں۔ ایسی بہت سی بیماریوں سے ہم واقف ہیں۔ اور اس لئے اگر ہم یہ انتظام قائم کرتے ہیں تو ان مزدوروں کو اس کا فائدہ ملے گا۔ وقت رہتے ہوئے وہ ای۔پی۔ایف کے ساتھ جُڑینگے۔ ای۔ایس۔آئی اسکیم کے ساتھ بھی جڑیں گے۔ مزدوروں کو ایک بہت بڑا تحفظ اس کی وجہ سے حاصل ہونے والا ہے اور اس سمت میں ہماری کوشش جاری ہے۔ میں آسام کے چائے باغات کی ایک مثال دینا چاہتا ہوں، وہاں کی حکومت نے تھوڑی پہل کی، چائے کے باغات میں کام کرنے والے مزدوروں کے لئے انہوں نے بینک میں ساٹھ لاکھ اکاؤنٹ کھلوائے۔ موبائل ایپ پر ان کو کاروبار کرنا سکھایا۔ شروع میں یونین والوں نے منع کیا کہ نقد پیسہ دینا پڑے گا۔ کیونکہ ان میں باقی چیزیں جُڑی ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے ان چائے باغات کے مزدوروں کو پوری تنخواہ ملنے لگی اور اس علاقے میں ان کا کاروبار محفوظ ہوا۔ یہ ایک بہت بڑا تجربہ ہے۔

اسی طرح نوٹ بندی کے وقت کوئی کسی غیر ملکی اخبار کا حوالہ دیتا ہے تو کوئی غیر ملکی ماہرین اقتصادیات کا حوالہ دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے کہ اگر آپ دس حوالے دیں گے تو میں بیس دے سکتا ہوں، اگر آپ دس ہستیوں کا حوالہ دے سکتے ہیں تو میں بیس ہستیوں کا حوالہ دے سکتا ہوں۔ یہ اس لئے ہو رہا ہے کہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر ہی نہیں ہے۔ دنیا میں کہیں اتنا بڑا اور اتنا وسیع پیمانے پر فیصلہ کبھی ہوا ہی نہیں ہے۔ اس لئے دنیا کے ماہرین اقتصادیات کے پاس اس کے حساب کتاب کا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ یہ دنیا کے ماہرین اقتصادیات کے لئے، دنیا کی یونورسٹیز کے لئے ایک بہت بڑا مطالعہ کا موضوع بن سکتا ہے۔ اور بھارت نے کتنا بڑا فیصلہ کیا ہے اس کا بھی۔ اسی طرح ملک کی افرادی قوت کیا ہوتی ہے۔ اس ایوان میں بیٹھے ہوئے تمام ممبران سے کہنا چاہتا

ہوں کہ اس نوٹ بندی کے بعد سماجی علوم کے ماہرین ضرور مطالعہ کریں گے۔ پہلی بار ملک میں ہاریجینٹل تقسیم ابھر کر سامنے آئی ہے اور جب میں ہاریجینٹل تقسیم کہتا ہوں تو، عوام کا مزاج ایک طرف اور لیڈروں کا مزاج دوسری طرف۔ یہ عوام سے اتنے کٹے ہوئے ہیں کہ پہلی بار ہمیں یہ اطمینان ہونا چاہئے، عام طور پر حکومت جب کوئی فیصلہ کرتی ہے تو عوام اور حکومت آمنے سامنے ہوتے ہیں، چاہے کوئی بھی سرکار ہو۔ یہ پہلا ایسا واقعہ ہے کہ کچھ لوگ تو اُدھر تھے لیکن حکومت اور عوام کے ساتھ ساتھ تھے ۔اسی طرح سے اس بات کا ہم لوگوں کو فخر ہونا چاہئے، ہو سکتا ہے آپ کی کچھ دقتیں ہوں گی، لیکن اس بات کو ہمیں سمجھنا ہو گا اور دنیا کے سامنے ہم فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس ملک کے سوا سو کروڑ لوگ ایسے ہیں، وہ ان پڑھ ہو سکتے ہیں تعلیم شاید نہ بھی ملی ہو جیسا کہ آپ بیان کر رہے تھے اور جو رپورٹ کارڈ آپ دے رہے تھے کہ ایسا ہے، وہ سب ہوتے ہوئے بھی، یہ ملک ہے جو اپنی اندرونی برائیوں سے باہر نکلنے کے لئے محنت کر رہا ہے، تڑپ رہا ہے۔ یہ کوئی بھی سیاستداں ہو، کوئی بھی پارٹی ہو، یہ ہم لوگوں کے لئے فخر کا باعث ہے کہ اس ملک میں ایسے لوگ ہیں، ایسے شہری ہیں جو اپنی برائیوں کے خلاف لڑنے کے لئے تکلیف جھیلنے کے لئے تیار ہوتے ہیں، مشکل جھیلنے کے لئے تیار ہوتے ہیں اور برائیوں سے نکلنے کے راستے تلاش کر رہے ہیں اور اس وجہ سے ہمیں بھی اس بات کو سمجھنا ہو گا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ محترم چیر مین صاحب، آپکی صدارت میں یہ سب چل رہا ہے۔ گزشتہ سیشن میں ڈاکٹر منموہن جی نے اپنے خیالات رکھے تھے، یہ بات صحیح ہے کہ ابھی شاید آپ کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کی تقریظ ڈاکٹر صاحب نے لکھی ہے. میں جب رپورٹ دیکھ رہا تھا، مجھے لگا کہ شاید اتنے بڑے ماہر معاشیات ہیں، تو کتاب میں ان کا تعاون ہو گا. لیکن پتہ چلا کہ کتاب کسی اور نے لکھی ہے اور انہوں نے صرف پیش لفظ لکھا ہے۔ تو ان کی تقریر میں بھی مجھے ایسا لگا، کہ شاید یہ بات ذرا سمجھنے کی ہے کہ گزشتہ قریب قریب 30-35 سال سے...... جو الفاظ میں نے کہے بھی نہیں اس کا مطلب یہ سمجھ گئے.... یہ بڑی غضب کی بات ہے۔ ڈاکٹر منموہن سنگھ جی سابق وزیر اعظم ہیں، باوقار شخص ہیں، اور ہندوستان میں گزشتہ 30-35 سالوں سے بھارت کے اقتصادی فیصلوں میں ان کا براہ راست تعلق رہا ہے اور آپ فیصلہ کن کردار میں رہے ۔اس ملک میں معاشیات کی دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو گا جسکا ہندوستان کے ستّر سال کی آزادی میں نصف مدت تک اتنا دبدبہ رہا ہو۔ اور کتنے گھوٹالوں کی باتیں آئیں، لیکن خاص طور پر ہم سیاستدانوں کو ڈاکٹر صاحب سے بہت کچھ سیکھنا چاہئے۔ اتنا سارا ہوا اور ان پر ایک داغ نہیں لگا! باتھ روم میں رین کوٹ پہن کر کے نہانا، یہ فن تو ڈاکٹر صاحب ہی جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔

محترم چیئرمین صاحب، اتنے بڑے عہدے پر فائز شخص نے ایوان میں جب "لوٹ" اور "پلنڈر" جیسے الفاظ استعمال کئے گئے تھے، تو پچاس بار ادھر بھی سوچنے کی ضرورت تھی کہ جب ہم اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہیں تو سننے کو بھی تیار رہنا چاہئے۔

اور ہم معقول جواب دینے کی اہلیت رکھتے ہیں اور یہ ہم آئین کی حدود میں رہ کر کے کرتے ہیں، ہم جمہوریت کا احترام کرنے والے لوگ ہیں، لیکن کسی بھی طور پر شکست قبول ہی نہیں کرنا، یہ کب تک چلے گا؟ محترم چیئر مین صاحب، یہ بات صحیح ہے کہ عوام کو مشتعل کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش ہوئی تھی۔ اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں ایک چھوٹا حادثہ بھی ہو جائے تو دو چار گاڑیاں جلا دی جاتی ہے، کہیں بس بھی دیر سے آجائے تو ایک آدھ دو بس جلا دی جاتی ہیں۔ اسکے کیا اثرات ہوں گے وہ تو تجزیہ کا موضوع ہے۔ لیکن یہ روزمرہ کے واقعات ہیں۔ ہماری باطنی برائیوں سے لڑنے کے لئے ہمارا ملک اتنا پر عزم ہے کہ اتنی ساری مشکلات کے باوجود بھی اس نے ایسا کوئی واقعہ نہیں ہونے دیا۔ ہمیں پوری دنیا کے سامنے بھارت کے لوگوں کی اس قوت کو فخر کے ساتھ پیش کرنا چاہئے، ہمیں اس کی بات کرنی چاہئے اور تبھی جاکر میں سمجھتا ہوں کہ اس بات کو دنیا سمجھ پائے گی کہ ہم کس قسم کی سوچ کے حامل ہیں۔ میں آج ایک اور بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ ایک مسئلہ ایسا تھا کہ ہمارے اور سیتارام یچوری جی کے نظریات مختلف ہیں اور اس لئے خیالات کے اظہار کا مختلف ہونا فطری ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا موضوع تھا جب میں سوچ رہا تھا تو میرا یہ تصور تھا کہ سیتارام جی اور ان کی پارٹی اس کام میں ہمارے ساتھ رہے گی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ہی کی پارٹی کے سینئر لیڈر جناب جیوتی بسوُنے وانچو کمیٹی کی رپورٹ ایوان میں رکھنے کا پرزور مطالبہ کیا تھا اور اس کے لئے انھوں نے بہت بڑی لڑائی لڑی تھی۔ حکومت مانتی نہیں تھی، اس کو پیش نہیں کر رہی تھی، آخر کار، وہ خود ایک کاپی لے آئے اور ایوان کی میز پر رکھ دیا۔ جیو تی بسو جی نے اس رپورٹ کو پرائویٹ ممبر کی حیثیت سے ٹیبل پر رکھا۔ اس دن جو انکی تقریر ہوئی تھی وہ آج بھی موزوں ہے۔ انہوں نے 26 اگست 1972 کو کہا تھا: "جناب والا، 12 نومبر 1970 کی اس بااختیار اور ممتاز کمیٹی کی بنیادی سفارشات میں سے ایک تھی نوٹ بندی۔ جناب والا، محترمہ اندرا گاندھی کالے دھن کے دم پر ہی ٹکی ہوئی ہیں۔ ان کی سیاست کالے دھن پر ہی زندہ ہے، اس لیے نہ صرف اس رپورٹ کو لاگو نہیں کیا گیا، بلکہ ڈیڑھ سال تک دبائے بھی رکھا گیا"۔ یہ جیوتی بسو جی نے 1972 میں کہا تھا۔ دوبارہ 4 ستمبر 1972 کو لوک سبھا میں تقریر کرتے ہوئے جیوتی بسو جی نے کہا، ''میں نے نوٹ بندی اور دیگر اقدامات کی سفارش کی ہے، اب انہیں دہرانا نہیں چاہتا، حکومت کو ایمانداری کے ساتھ لوگوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ لیکن وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی اور ان کی حکومت کا یہی کردار ہے۔ یہ ایک ایسی حکومت ہے جو کالے دھن کی ہے، کالے دھن سے ہے، اور کالے دھن کے لئے ہے۔'' یہ میں 1972 کی بات میں کر رہا ہوں۔ اور یہ کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر نے 4 ستمبر 1972 کو کہا ہے۔ اتنا ہی نہیں، سی پی ایم کے سینئر لیڈر ہر کشن سنگھ جی سرجیت، انہوں نے 27 اگست 1981 کو اسی ایوان میں تقریر کی اور انہوں نے پوچھا، ''کالے دھن پر لگام لگانے کے لئے کیا حکومت واقعی کوئی سنجیدہ اقدامات کرنا چاہتی ہے؟ کیا سو روپے کے نوٹ کو بند کرنے جیسے فیصلے لئے جاسکتے ہیں؟'' یہ سوال سرجیت جی نے بھی اسی ایوان میں 1981 میں اٹھایا تھا اور اس وجہ سے خاص طور پر

دائیں بازو کی جماعت سے میری گزارش ہے کہ آپ اس جنگ میں ہمارا ساتھ دیجئے اور آپ دیں گے، مجھے پوری امید ہے۔ آپ اپنے خیال وسیع پیمانے پر ضرور رکھتے رہے ہیں لیکن یہ کام ایسا ہے کہ جس سے آپ کو اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ کا کردار ایسا نہیں ہے۔ آپ اپنی بات بعد میں کر لینا۔ آپ کے پاس پوری زندگی پڑی ہے۔ کہیں نہ کہیں سے آ جاؤ گے۔ یہ تو وقت بتائے گا۔ یہ بات صحیح ہے کہ جمہوری نظام میں اتنا سخت فیصلہ لینا، عام طور پر لوگ مانتے ہیں کہ عوام میں مقبولیت کے لئے قدم اٹھانا جمہوریت کا مزاج بن جاتا ہے۔ قلیل مدتی مقاصد کے تحت فیصلے لینے کا مزاج بن جاتا ہے۔ اس لئے اتنے بڑے فیصلے کو سمجھنے کے لئے بھی تھوڑا وقت لگتا ہے۔ اس کے لئے بھی میں کسی کو الزام نہیں دیتا ہوں، آہستہ آہستہ لوگ خود ہی سمجھ جائیں گے۔ جو آج اس کی مخالفت کر رہے ہیں ان کو بھی سمجھ آئے گا کہ اتنا بڑا فیصلہ ملک کا کتنا بڑا بھلا کرنے کے امکانات لے کر آیا ہے اور ہم اس کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ جناب، یہاں پر ڈیجیٹل نظام کے سلسلے میں بحث ہو رہی ہے، میں حیران ہوں، سامنے سے جتنی تقریریں ہوئیں، انہوں نے کہا کہ اس ملک میں یہ نہیں ہے، وہ نہیں ہے۔ یہ نہیں ہوا، وہ نہیں ہوا، بیت الخلا ہے تو پانی نہیں ہے، پتہ نہیں کیا کیا بولا گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ جو بول رہے ہیں، یہ کیا بول رہے ہیں؟ مجھے لگتا ہے کہ وہ ہندوستان کی ستّر سال کی حکومتوں کا ریکارڈ دے رہے تھے۔ جو بھی بول رہے تھے، ایسا نہیں ہے۔ تو یہ ستّر سال کا رپورٹ کارڈ ہے اور ستر سال میں میرا حصہ ڈھائی سال کا ہی ہے۔ آپ نے بیت الخلا بنایا تو کیا ہم نے تالا لگا دیا؟ آپ نے روڈ بنائی تو کیا میں نے اکھاڑ کر پھینک دیا؟ آپ نے پانی کا پائپ ڈالا تھا تو کیا میں نے آکر اسے کاٹ دیا؟ یہ حقیقت ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا ہے کہ ہندوستان کے ہر گوشے میں ڈیجیٹل نظام ہے، کون کہتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ انداز فکر تبدیل کرنے کے لئے جہاں امکان ہے وہاں ہم اس کو کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے ہیں۔ فرض کریں دہلی شہر میں امکان ہے، چلو دہلی سے شروع کرو، ہم لوگ مثبت کچھ تعاون کریں، یہ برتاؤ میں بدلاؤ لانے کا مسئلہ ہے۔ اگر کولکاتہ کے لوگوں کے پاس موبائل فون ہے کولکاتہ میں لوگوں کے پاس اگر ڈیجیٹل کنکٹیویٹی ہے تو وہیں سے شروع کرو، ہو سکتا ہے دور دراز بنگلہ دیش کی سرحد کے گاؤں میں نہ ہو۔ اور پھر ہم اس بات کے تو گیت گاتے رہتے ہیں کہ ہم نے یہ کر دیا، ہم نے وہ کر دیا، ہم نے فلاں کر دیا، اب جب اسے نافذ کرنے کی بات آئی تو تکلیف ہو رہی ہے۔ ہم الفاظ کے کھیل کھیلتے ہیں، ہر کوئی مانتا ہے، کسی بھی بچے کو پوچھو، اسکول روزانہ جاتے ہو، کسی سے بھی پوچھو، اپنی بھی اولاد سے پوچھو گے تو کہیں گے، ہاں روزانہ جاتا ہوں۔ یہ مجھے بھی معلوم ہے، اسے بھی معلوم ہے کہ اتوار کو نہیں جاتا ہے۔ سب کو معلوم ہے۔ یہ فطری بات ہے۔ اسی طرح سے ملک میں "کیش لیس" کا مطلب ہے آہستہ آہستہ معاشرے کو اس قسم کی ادائیگی کی سمت میں لے جانا۔ دنیا میں آج بھی بڑے بڑے خوشحال ممالک بھی انتخاب کرتے ہیں تو بیلیٹ پیپر چھاپ کرکے، ٹھپے مار کر انتخابات کرتے ہیں۔ جس ملک کو انپڑھ تصور کیا جاتا ہے وہ ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بٹن دبا کے ووٹنگ کرتا ہے۔ جس دن بٹن دبانے کا نظام آیا ہوگا،

کسی نے سوچا ہو گا کہ ایسی ٹیکنولوجی ہمارے ملک کا غریب سے غریب آدمی بھی اختیار کر سکتا ہے۔ یعنی کہ ہم اپنے ملک کی طاقت کو کم نہ سمجھیں۔ ہاں، اگر ہم کو لگتا ہے کہ یہ راستہ ہی غلط ہے، تب تو ٹھیک ہے، لیکن سہولت کی بنا پر، یا اس میں دقت ہے، چھوڑ دینا، وہ مناسب نہیں ہے. پریشانی ہو گی، انتظامات کم ہونگے، لیکن آگے تو بہر حال، بڑھنا ہو گا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کیا دنیا میں کوئی ملک ہے؟ دنیا کے کئی ممالک ہیں۔ میں حیران ہوں، آنند شرما جی کہہ رہے تھے. آپ کو تعجب ہو گا کہ کوریا نے ڈیجیٹل پر جانے کے لئے جو ترغیباتی اسکیم بنائی ہے وہ اتنے بڑے پیانے پر آئی۔ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کروڑوں روپیہ ڈیجیٹل کو فروغ دینے کے لئے خرچ کر رہے ہیں۔ اب جو بھیم ایپ بنایا گیا ہے، اس بھیم ایپ میں ایک نئے پیسے کا خرچ نہیں ہے۔ بغیر خرچ کے لین دین ہو رہا ہے، ایک روپے کا بھی کسی بینک کو، کسی کو بھی کمیشن نہیں جاتا ہے، اور اس وجہ سے دنیا بغیر کاغذ اور لو کیش فری بینکنگ کی طرف جا رہی ہے۔ اس میں ہندوستان کو پیچھے رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے ہمارے انتظامات کم ہوں گے تو سال دو سال اور زیادہ لگیں گے، یا پانچ سال اور لگیں گے، لیکن یہ کہ اس کو شروع کرنا یا یہ روش غلط ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ خیال مناسب نہیں ہے۔ ہم لوگوں کو کوشش کرنی چاہئے اور اسکو فروغ دینے کے لئے اپنے اپنے علاقے میں بھی لوگوں کو ہمیں سمجھانا چاہئے اور اس سمت میں ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔

اب دیکھئے کہ ہمارے ملک میں ریلوے ہے، اس میں عام انسان جاتا ہے۔ آج ریلوے میں 60 سے 70 فیصد آن لائن بکنگ ہونے لگی ہے، آن لائن ادائیگی ہوتی ہے۔ اگر وہ ٹکٹ رد کرتے ہیں تو آن لائن پیسہ واپس جا رہا ہے، آج بہت سے خاندان ہیں جو شہروں میں رہتے ہیں، ان کو اگر بجلی کا بل بھرنا ہو، پہلے بجلی کا بل بھرنے کے لئے آدھے دن کی چھٹی لینی پڑتی تھی۔ آج وہ گھر آکر رات کو 12 بجے اپنے موبائل فون سے بجلی کے بل کی ادائیگی کر رہا ہے۔ سہولت بڑھتی چلی جا رہی ہے، اگر یہ سہولت سائنسی طریقے سے ٹیکنالوجی کے طریقے سے ملتی ہے تو اچھی بات ہے۔ ہاں، ہمیں اس کی کمیوں کی فکر ضرور کرنی چاہئے۔ ٹیکنالوجی کے لحاظ سے بھی کوئی کمی آتی ہے تو اسے ٹھیک کرنا چاہئے۔ لیکن یہ کہ یہ تصور ہی غلط ہے، اگر ہم یہ منفی نظریہ لے کر چلیں گے تو ہم ملک کا کوئی بھلا نہیں کر سکتے ہیں۔ روپے کارڈ کے بارے میں ابھی ارون جی بتا رہے تھے۔ اس ملک میں جن دھن اکاؤنٹ کے ساتھ 21 کروڑ لوگوں کو روپے کارڈ بھی دیئے گئے ہیں۔ اور آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہے کہ اس کی کیا طاقت ہوتی ہے، عام طور پر جیب میں اس کارڈ کا ہونا ایک طبقے کے لئے فخر کی بات ہوتی ہے۔ اگر پیسے کی ادائیگی کرنا ہے تو کارڈ سے کرنا ہے۔ یہ بھی ہوا بن گئی ہے کہ یہ تو غریب کا موضوع ہی نہیں ہے۔ ابھی مجھے اننت کمار جی بتا رہے تھے کہ وہ بنگلورو سے آ رہے تھے تو ان کے ساتھ کوئی آئی ٹی پیشہ ور بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنے ڈرائیور کا ایک واقعہ سنایا۔ انہوں نے کہا کہ نوٹ بندی سے ان کا

ڈرائیور بہت خوش ہے۔ اس نے بتایا کہ جس طرح بڑے لوگ کارڈ رکھتے ہیں آج کوئی بڑا آدمی کارڈ رکھتا ہے، وہ بھی کارڈ رکھتا ہے۔وہ ان کو کارڈ دکھانے لگا۔ اس کو بڑا فخر تھا۔ اب دیکھئے یہ اس سے معاشرے کے عام انسان کی زندگی میں بھی ایک تبدیلی آئی ہے۔اس سے ایک نیا اعتماد پیدا ہوتا ہے، جس کے گھر میں ایک سائیکل ہو، اگر اس کے پاس جب موٹر سائیکل آجاتی ہے تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتا۔ جس کے پاس اسکوٹر ہو اگر چھوٹی سی کار لاتا ہے، پرانی بھی لاتا ہے تو وہ فخر کرتا ہے۔معاشرے کے چھوٹے چھوٹے لوگوں کی جو خواہشات ہیں ان خواہشات کو پورا کرنے کی سمت میں ہماری کوشش ہونی چاہئے۔

اب براہ راست فائدے کی منتقلی سے کتنا بڑا فائدہ ہوا ہے، میں نے اس ایوان میں اس کے بارے میں تفصیل سے بتایا ہے۔ براہ راست فائدے کی منتقلی سے قریب قریب 50 ہزار کروڑ روپیہ جو کبھی ضائع ہو جاتے تھے اور ہر سال ہوتے تھے، اب تک بچا پائے ہیں اور آگے نہ جانے کتنے اور بچائیں گے۔ اسکالر شپ جیسی سہولت میں ایک ہی شخص 6 جگہ سے پیسہ لیتا تھا۔ بیوہ پنشن، جو بیٹی پیدا بھی نہیں ہوئی، وہ بیوہ بھی ہو گئی اور چیک بھی کٹ رہا تھا۔ براہ راست فائدے کی منتقلی اسکیم کی وجہ سے یہ جو لیکیج تھا وہ بچو لیے لے جاتے تھے۔اس سے ملک کا بہت بڑا خزانہ لُوٹا جا رہا تھا، اس پر روک لگی ہے۔اس کی وجہ سے براہ راست فائدے کی منتقلی اسکیم کا بھی فائدہ ہوا ہے۔ ہمیں ڈیجیٹل ادائیگی کو بڑھانے کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔اور اس کے لئے ہم جتنی کوشش کرسکتے ہیں، ہمیں کرتے رہنا چاہئے۔ حکومت نے اس کے لئے ایک نظام بنایا ہے، POS مشین کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے بہت سے POS مشینیں بڑھائی جا رہی ہیں۔ آن-لائن ادائگی کو فروغ دینے کے لئے ای-والیٹ کو بڑھاوا دیا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی انٹرنیٹ بینکنگ کے فروغ کے لئے کام چل رہا ہے۔ بہت تیزی سے ٹیکنولوجی آگے بڑھ رہی ہے۔ اب صرف آدھار کی بنا پر سارے کام ہونگے۔ اسکے لئے موبائل کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی اور ہر شخص اپنی ادائیگی کر پائے گا۔ اب وہ دن دور نہیں ہیں، اس نظام کو یا تو تھوڑا سا ہم سمجھنے کی کوشش کریں اور ان کو عمل میں لانے کی کوشش کریں۔ بھیم ایپ بہت اچھا ایپ ہے جو حکومت ہند کی سرپرستی میں بنا ہے۔ کسی تاجر کے لئے بھیم ایپ بہت بہتر انتظام ہے۔اس میں کسی باہر کی ایجنسی کو کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ یہ ایک سیدھا سیدھا اور معتبر پلیٹ فارم ہے جس کا فائدہ لوگ حاصل کرسکتے ہیں، ہمیں اس کو آگے بڑھانا چاہئے۔

اب دیکھئے جو ڈرائیور ہائی وے پر جاتے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ ٹول پر موٹر گاڑی رکنے کی وجہ سے کتنا خرچہ ہمارے پٹرول ڈیزل کا ہوتا ہے۔ 8 نومبر کے بعد اس پر بھی زور دیا گیا ہے تاکہ ڈرائیور ٹول ٹیکس پر ٹیکس دینے کے لئے ٹیکنالوجی کا استعمال کریں اور آر۔ ایف۔ آئی۔ ڈی یعنی ریڈیو فریکوینسی کی شناخت کے ذریعے اپنا ٹیکس ادا کریں۔ پہلے اکّا دکّا لوگوں کے پاس وہ نظام تھا۔ اتنے کم وقت میں اب قریب قریب 20 فیصد ٹریفک میں آر ایف آئی ڈی کے ذریعے ٹیکس کی ادائیگی ہوتی ہے۔ کار آتی ہے،

براہ راست اس کا رجسٹریشن ہو جاتا ہے، ٹیکس جمع ہو جاتا ہے، اور کار چلی جاتی ہے۔ اب اسکو دیر تک رکنا نہیں پڑتا ہے۔ اگر یہ کام اور آگے بڑھے گا تو ملک کا کتنا پٹرول بچے گا۔ اسی طرح سے آج پٹرول پمپ پر قریب قریب 29-30 فیصد لوگوں نے ڈیجیٹل کرنسی سے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہم نے چندر بابو نائیڈو جی کی قیادت میں ایک کمیٹی بنائی تھی، جس کی عبوری رپورٹ آئی ہے۔ اب اس کا مطالعہ ہو رہا ہے اور جلد ہی اس کی فائنل رپورٹ آنے والی ہے۔ ہم تبدیلی کے لئے تیاری کریں۔ ایک موضوع ہے بینکنگ نظام، اس پر اگر آپ کچھ بھی کہتے ہیں تو اس کے جواب میں کہوں گا کہ یہ پچھلی سرکار کے دور اقتدار کا رپورٹ کارڈ ہے۔ اس حکومت نے آکر سب سے پہلے تو 6 قرض وصولی عدالتوں کی تشکیل کی، اور بینکوں میں جو بھی قرض کا بقایہ ہے، اسکے بارے میں حکومت نے پہل قدمی کی ہے۔ بینکوں میں جو تقرری ہوتی تھی، اس کا کوئی قاعدہ نہیں تھا، یہ کام ایک گھسے پٹے نظام کے تحت یوں ہی چل رہا تھا۔ اس حکومت نے ایک بینک بورڈ بیورو قائم کیا جو ایک آزاد ایجنسی ہے اور اب وہی بینکوں میں بھرتی کا کام انجام دیتی ہے۔ اس کے چیئر مین اور منیجنگ ڈائرکٹروں نے بینکنگ نظام میں پیشہ وارانہ مہارت لانے کی کوشش کی ہے۔

اقتصادی دنیا، بینکنگ سیکٹر اور معاشی دنیا ان سب کی دو دن کی ایک گول میز کانفرنس کی گئی۔ انہوں نے تفصیل سے اس موضوع غور و فکر کیا۔ ہمارے ملک کے بینکاری کو عالمی معیارات کے مطابق کس طرح لایا جائے، تفصیل سے انہوں نے جائزہ لیا، فکر کی، اس کی کوتاہیوں کو بھی انہوں نے سمجھا اور ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔

ریزرو بینک کے وقار کے سلسلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں۔ مجھ پر حملہ ہو، ہماری پارٹی پر حملہ ہو، ہماری حکومت پر حملہ ہو، بہت فطری بات ہے، یہ تو چلتا رہے گا۔ لیکن ریزرو بینک یا ریزرو بینک کے گورنر کو اس میں گھسیٹنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ایسے اداروں کی قدر و قیمت کا لحاظ رکھنے میں ہمارا اہم کردار ہونا چاہیے۔ اس کے پہلے گورنر تھے تب بھی کچھ لوگوں نے آواز اٹھائی تھی، پھر میں نے اس کی بھی مخالفت کی تھی کہ یہ زیب نہیں دیتا، ایسی چیزوں کو تنازعات سے باہر رکھنا چاہئے۔ باقی حکومت کے انتظامات ہیں وہ چلتے رہیں گے، اس کو ہمیں کرنا چاہئے۔ معیشت چلانے میں ریزرو بینک کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے. اس کی معتبریت کی سمت میں ہم لوگوں کو مثبت انداز میں شریک ہونا چاہئے، لیکن جو لوگ ریزرو بینک کے وقار اور اس حکومت پر جب الزام لگاتے ہیں تو میں ذرا ان کو آج کہنا چاہتا ہوں، اور بڑے دکھ کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں، ریزرو بینک کے سابق گورنر ڈاکٹر سبا راؤ نے ایک کتاب لکھی ہے، 'ہو موو ڈ مائی انٹریسٹ ریٹ؟' اور اس کتاب میں انہوں نے لکھا ہے کہ "2008 میں اس وقت کے خزانہ کے سیکرٹری کے تحت ایک لیکویڈیٹی کے انتظام سے متعلق کمیٹی کو مقرر کرنے کے حکومت کے فیصلے سے میں ناراض اور پریشان تھا" انہوں نے لکھا کہ چدمبرم نے واضح طور پر بھارتی ریزرو بینک کے دائرۂ اختیار میں تجاوز کیا تھا، لیکویڈیٹی کا انتظام

مکمل طور پر ریزرو بینک کا کام ہے۔ انہوں نے مجھ سے اس موضوع پر مشاورت بھی نہیں کی اور نوٹیفکیشن جاری کرنے کے بارے میں مجھے بتایا تک نہیں تھا۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ فیصلہ میرے دور اقتدار کے آخری سال میں ہم دونوں کے درمیان اختلاف کا سبب بنے گا"۔ یہ ریزرو بینک کے سابق گورنر نے پرانی حکومت پر سنگین الزام لگایا ہے، اور ابھی تک کسی نے اس کا جواب نہیں دیا ہے۔ اب میں بول رہا ہوں تو کچھ کہیں گے تو وہ الگ بات ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ آج ہمیں وہ نصیحت دیتے ہیں۔ ذرا یہ بھی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں۔ میں اس بات کو مانوں گا کہ ہم سیاست سے اس کو باہر رکھیں اور اس ادارے کا وقار قائم رکھنے کی سمت میں کوشش کریں۔

محترم چیرمین صاحب، میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم نے آر بی آئی کی طاقت کو بڑھانے کے لئے کیا کیا ہے؟ اس کے لئے ہماری حکومت نے متعدد فیصلے لیے ہیں۔ ہم نے آر۔بی۔ آئی ایکٹ ترمیم کرکے مانیٹری پالیسی کمیٹی تشکیل دی ہے۔ کئی سال سے اس پر بحث چل رہی تھی، کوئی نہیں کر رہا تھا، ہم نے کیا۔ اس کمیٹی کو مانیٹری پالیسی آپریشن کی پوری خود مختاری دی گئی ہے، اس کمیٹی کے سربراہ آر بی آئی کے گورنر ہیں۔ آر بی آئی کے دو افسران کے علاوہ 3 ماہرین اس کے رکن ہیں۔ اس کمیٹی میں مرکزی حکومت کا ایک بھی رکن نہیں رکھا گیا ہے۔ اور اس سے بڑی خود مختاری اور کیا ہوگی۔ مانیٹری پالیسی بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ اتنی بڑی خود مختاری کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا ہے جو اس حکومت نے آر بی آئی کو دی ہے اور اس کی وجہ آر بی آئی کی طاقت کو فروغ ملا ہے۔ یہ بات صحیح ہے، بہت سے موضوعات پر یہاں بحثیں ہوئی ہیں، کوئی حکومت سونے کے لئے تو آتی نہیں ہے، پہلے بھی جو حکومتیں آئی ہیں انہوں نے بھی تو کچھ نہ کچھ کرنے کی تو کوشش کی ہوگی، ہم یہ تو نہیں کہتے کہ کسی نے کچھ کیا نہیں کیا، میں نے لال قلعہ سے کہا ہے۔ ہندوستان کے اور کسی وزیر اعظم نے یہ بولا نہیں ہے جو میں نے بولا ہے۔ میں نے کہا ہے کہ ملک آزاد ہوا، اس کے بعد سے جتنی حکومتیں آئیں، جتنے وزیر اعظم آئیں، جتنے لوگوں نے کام کئے، ان سب کا حصہ ہے، تب ملک آج یہاں آکر پہنچا ہے۔ ہم ایسے لوگ ہیں۔ باقی لوگ تو نام لینے سے کتراتے ہیں۔ ان کو پسند نہیں آتا ہے کہ کسی نے کچھ کام کیا ہو۔ اور وہ اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اور تاریخ گواہ ہے۔ لیکن یہ بات صحیح ہے کہ اس حکومت نے حکمرانی کے معاملے پر بہت کام کیا ہے۔ باوجود اس کے کہ چھوٹے چھوٹے فیصلے لیے گے ہیں، لیکن ان فیصلوں نے عام انسان کی طاقت کو بہت فروغ دیا ہے۔

پہلے حلف نامے کو تصدیق کرنے کا رواج تھا۔ ایم پی کے گھر، ایم ایل اے کے گھر، کارپوریٹر کے گھر لوگ آکر کے صبح کھڑے ہو جاتے تھے ٹھپّہ مروانے کے لئے۔ قطار لگ جاتی تھی، اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتا جاتا تھا، بس ایک چپراسی بیٹھتا تھا یا کوئی ساتھی کارکن بیٹھتا تھا وہ ٹھپّہ مار دیتا تھا۔ ہم نے اس رواج ختم کرکے خود ہی تصدیق کرنے کا بندوبست کر دیا۔ اور اس کی

وجہ ان پریشانیوں سے بھی عام انسان بچ گیا۔ کیونکہ جب اس کا تقرر ہو گا تو وہ اصل سند لے کر جائے گا۔ فوٹو کاپی کا زمانہ ہے ۔ لہٰذا یہ سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

ہم نے انٹرویو ختم کر دیئے۔ ٹیکنلوجی کے ذریعے طے ہو گا کہ آپ اس میرٹ میں ہوں گے۔ اب میرٹ کی بنیاد پر نوکری ملے گی۔ اس کی وجہ سے کرپشن ختم ہو گیا۔ 1100 سے زیادہ قانون انہی دونوں ایوانوں نے ختم کیا ہے۔ سینئر پوسٹ پر تقرری کے بارے میں کئی اخبارات نے مضامین لکھے ہیں۔ پہلی بار میرٹ کی بنیاد پر تقرری ہو رہی ہے، پرانا طریقہ، میرا - تیرا سب چلا گیا ہے اور اس پر، بہت سے غیر جانب دار اخبارات نے بہت اچھے مضامین بھی لکھے ہیں۔

براہ راست فائدے کی منتقلی میں ہونے والی چوری کو روکا گیا ہے. پہلے کمپنی رجسٹر کرنی ہوتی تھی تو سات سات دن، پندرہ پندرہ دن، دو دو ماہ لگتے تھے، آج 24 گھنٹے میں کمپنی رجسٹر ہو سکتی ہے۔ یہ نظام ہے. پہلے پاسپورٹ حاصل کرنے میں مہینوں لگ جاتے تھے، آج پاسپورٹ ایک ہفتے کے اندر اندر دینے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور اب ڈاک میں جو ہیڈ آفس ہے اس کو بھی پاسپورٹ دفتر میں بدلنے کی سمت میں ہم لوگ کام کر رہے ہیں اور اس کا بھی فائدہ عام انسان کو ملنے والا ہے اور اس سمت میں ہماری کوشش جاری ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ کوئلے کی نیلامی کتنا بڑا مسئلہ تھا، آسانی سے حکومت نے اس کو نافذ کر دیا، شفافیت لائے، ایک بڑا اہم فیصلہ کیا ہے جس پر ابھی کافی بحث ہوئی نہیں ہے لیکن میں اس ایوان کو بتانا چاہتا ہوں، حکومت کی جو خریداری کی روایت ہوتی ہے اس میں ہم لوگوں نے جیم کو لانچ کیا ہے۔ جس سے گورنمنٹ ای۔**مارکیٹ** کی طرف بڑھ رہی ہے۔ جیم کے اس نظام کو عالمی بینک کے جنوبی ایشیائی انوویٹو ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔ اب اس میں دنیا میں جس کو بھی حکومت کو دینا ہو گا، وہ آن لائن آتے ہیں، آپ کی فہرست رکھتے ہیں اور حکومت اس میں سے طے کر سکتی ہے۔ اقتصادی فائدہ بھی ہوا ہے اور 5000 روپے سے زیادہ کیا دائیگی کرنا ہو تو اس جیم کے ذریعے کر سکتے ہیں۔ اس سمت میں ہم نے اہتمام کیا ہے۔

بدعنوانی کے خلاف اچھی حکمرانی کے ذریعے، ٹیکنالوجی کے استعمال کے توسط سے ایک شفافیت لانے کی سمت میں ہم نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ اس حکومت نے خواتین کو بااختیار بنانے کے لئے متعدد نئی اسکیمیں بنائی ہیں۔ اجول اسکیم، ہم جانتے ہیں گیس کے سلنڈر کا کیا زمانہ تھا، ایم پی کو 25-25 کوپن ملا کرتے تھے اور ان 25 کوپن لینے کے لئے لوگ قطار لگاتے تھے، وہ بھی دن تھے، 2014 کے انتخابات میں 9 سلنڈر دیں یا 12 سلنڈر دیں، اس پر انتخابات لڑا گیا تھا، یہ حکومت کے کاموں میں کتنا فرق ہے ۔ غریب خواتین کو گیس کا چولہا، وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے۔ اب تک قریب قریب 1 کروڑ 65 لاکھ سے زیادہ غریب

خاندانوں کو گیس کے کنکشن دے دیے گئے ہیں. پانچ کروڑ خاندانوں تک پہنچانے کا مکمل ارادہ ہے۔ ملک میں 25 کروڑ خاندان میں سے پانچ کروڑ خاندانوں تک پہنچانے کی کوشش ہے۔ وزیراعظم رہائشی یوجنا شروع کی گئی۔ خواتین کے نام گھروں کے رجسٹریشن کا قانونی نظام ہے۔ منریگا میں 55 فیصد خواتین آج کام کر رہی ہیں جو پہلے 40-45 فیصد ہوا کرتی تھی۔ کرنسی کی منصوبہ بندی میں بینک سے پیسے دیے جاتے ہیں بغیر کسی ضمانت کے دیئے جاتے ہیں۔ پیسے لینے میں 70 فیصد خواتین ہیں یعنی صنعت کار کے طور پر ہمارے ملک کی خواتین اس کے ساتھ جڑ رہی ہیں۔ پنڈت دین دیال بی۔پی۔ایل یوجنا- اپنی مدد آپ کرنے والے گروپوں کا کام جنوبی بھارت میں محدود تعداد میں چلتا تھا، لیکن پورے بھارت میں اور مشرقی ہندوستان میں اس کو فروغ دینے کی سمت میں بھی ہم لوگوں نے کام کرنے کی کوشش کی ہے۔

غریب حاملہ خواتین کے لئے 6000 روپے زچگی میں آئی۔ایم۔ آر، ایم۔ایم۔ آر کے لئے۔ بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاو مہم، بہت بڑے پیمانے پر اس کو منظوری ملی ہے۔ اسکو ہم نے ایک سماجی تحریک بنایا ہے۔ سوکنیا خوشحالی یوجنا کے تحت ایک کروڑ اکاؤنٹ بچیوں کے نام پر کھلے ہیں اور 11 ہزار کروڑ روپے ان کو مستقبل کے لئے ایک سیکورٹی کی ضمانت دیتے ہیں۔ خواتین کی طاقت مراکز 500 کروڑ کی لاگت سے 14 لاکھ آنگن واڑی مراکز قائم کئے گئے ہیں۔ مشن اندردھنش- پہلے تمام بچوں کی ٹیکاکاری نہیں ہوتی تھی۔ حکومتیں چلتی تھیں، ویکسی نیشن پروگرام بھی ہوتے تھے۔ 55 لاکھ بچے ایسے سامنے آئے جن کا ویکسی نیشن نہیں ہوا تھا۔ مشن اندردھنش کے تحت ان بچوں کو تلاش کیا گیا اور ان کی زندگی بچانے کی سمت میں کام کیا گیا۔ دیہی علاقوں میں، یہاں پر میں حیران تھا کہ حفظان صحت کا مذاق اڑایا جارہا تھا۔ اسکی کیا وجہ ہے وہ میں سمجھ نہیں پارہا ہوں۔ ہم میں سے کوئی نہیں ہے جو گندگی میں رہنا چاہتا ہے، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حفظان صحت برتاؤ کا موضوع زیادہ ہے۔ بنیادی ڈھانچہ اس کے ساتھ آتا ہے، اور میں کہوں گا ہم سیاستدان کبھی کبھی پیچھے رہ جارہے ہیں، میں اس ملک کے میڈیا کو سلام کرنا چاہتا ہوں کہ حفظان صحت کی تحریک کو اس نے اٹھایا ہے۔ آج سب میڈیا کی طرف سے حفظان صحت کے لئے اشتہارات دیے جارہے ہیں، حفظان صحت کے اوپر پروگرام چلائے جا رہے ہیں۔ ورنہ حکومت کے کسی بھی پروگرام میں میڈیا کا کردار منفی ہی رہتا ہے۔ جو فطری بات ہے۔ یہ ایک ایسا پروگرام ہے جس میں حکومت سے بھی، سیاستدانوں سے بھی دو قدم آگے میڈیا کے لوگ گئے ہیں اور حفظان صحت کو تحریک بنانے کی سمت میں کوشش کی ہے اور اس کے لئے اس ایوان کے ذریعے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور یہاں کوئی کھڑا ہو کر کے بتاتا ہے کہ بیت الخلا تو ہے، مگر پانی نہیں ہے۔ مہاتما گاندھی بھی حفظان صحت کے بڑے حمایتی تھے۔ اگر آج مہاتما گاندھی ہوتے اور حفظان صحت کی بات کرتے تو کیا ہم لوگ یہی زبان بولتے؟ کیا ہم لوگوں کی ذمہ داری نہیں ہے؟ کیا معاشرے میں تبدیلی لانے

کے لئے کوئی مثبت عمل کر ہی نہیں سکتے ؟ ہر چیز میں ہم مخالفت کریں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ دیہی علاقے میں صفائی ستھرائی کا دائرہ جو پہلے 42 فیصد تھا اس تحریک کے بعد وہ 60 فیصد پہنچا ہے۔ جب ہم بیت الخلاء کی بات کرتے ہیں۔ آپ تصور کر سکتے ہیں گاؤں کی خواتین ہی کیا، شہری کی جھگی جھونپڑی میں جو خواتین رہتی ہیں، کتنی تکلیف ہوتی تھی، جب تک اندھیرا نہیں ہوتا تب تک وہ بیت الخلا کے لئے نہیں جا سکتی تھیں۔ یہ تُو، تُو میں، میں کا موضوع نہیں ہے۔ لیکن جب آپ مذاق اڑاتے ہیں تو واقعی بہت تکلیف ہوتی ہے، یہ مذاق کا موضوع نہیں ہو سکتا ہے۔

خواتین کے تحفظ کے لئے، خواتین کی مدد کے لئے ایک ہیلپ لائن نمبر 181، چوبیس گھنٹے ایمرجنسی سروس کو شروع کیا گیا ہے۔ 18 ریاستوں اور مرکزی انتظام کے علاقوں نے اس خواتین ہیلپ لائن بندوبست کو آگے بڑھایا ہے۔ خواتین کی پولیس میں بھرتی 33 فیصد ہو اور کچھ ریاستوں نے بھی یہ تسلیم کیا ہے۔ مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے اندر یہ لازمی کر دی گئی ہے۔ ہریانہ نے ایک نیا قدم اٹھایا ہے۔ جس کو ہندوستان میں اور لوگ کریں۔ میں نے دکھایا ہے سب کے سامنے۔ انہوں نے خاتون پولیس رضاکاروں کا ایک سلسلہ کھڑا کیا ہے جو اس طرح سے لوگوں کی مدد کرنے کا کام کر رہا ہے۔ ایک نئی اسکیم انہوں نے شروع کی ہے۔ کہنے کا مطلب میرا یہ ہے۔ ایک خطرے کا بٹن کی ٹیکنالوجی کا استعمال ہم آنے والے کچھ دنوں میں آپ کے سامنے لے کر آنے والے ہیں۔ کسانوں کے معاملے میں اس حکومت نے کئی اقدامات کیے ہیں، سب سے بڑی بات وزیر اعظم فصل انشورنس کی اسکیم ہے، ہمیں پسند آئے یا نہ آئے، لیکن کسان کو تحفظ دینی ہے تو ہمیں اس کو اس کی آمدنی کے تحفظ کے ساتھ شامل کرنا ہوگا۔ ہمارے یہاں آبپاشی کی سہولت بہت کم ہے۔ قدرتی وسائل پر ہی وہ منحصر ہے۔ ایسی صورت میں کہ اگر کسان فصل کی بوائی نہیں کر سکتا ہے تو بھی، اور کٹائی کے بعد بھی اگر فصل برباد ہو جاتی ہے تو بھی اسے بیمہ ملے گا۔ اور مجھے علم ہے کہ کچھ ترقی پسند ریاستوں نے 40، 40، 50، 50 فیصد تک کسانوں کے بیمہ کا کام کیا ہے۔ حکومت نے بھی کسانوں کے لئے بہت بڑے پیمانے پر فصل انشورنس کی منصوبہ بندی کو فروغ دینے کا کام کیا ہے۔ اس میں پہلے کے مقابلے میں کافی اضافہ ہوا ہے، لیکن کچھ ریاستوں میں یہ بہت پیچھے ہے جو تشویش کا باعث ہے۔ اس کو آگے بڑھانا ہے۔ نئی کیمیائی کھادوں کی پالیسی - یوریا کی پیداوار میں نیم کوٹنگ کی وجہ سے دو اہم فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ ایک تو زمین کو تو فائدہ ہو ہی رہا ہے، پیداوار بھی بڑھ رہی ہے۔ لیکن پہلے کسان کے نام سے سبسڈی کٹتی تھی بل کسان کے نام سے کاٹا جاتا تھا، لیکن وہ کیمیائی صنعت میں خام مال کے طور پر چلا جاتا تھا، جو نقلی کیمیائی دودھ بناتے تھے وہ بھی یوریا کا استعمال کرتے تھے۔ 100 فیصد نیم کوٹنگ کرنے کی وجہ سے زمین کے سوا اس کا کہیں استعمال ممکن ہی نہیں رہا ہے۔ چوری بھی ختم ہو گئی ہے۔ یوریا کی آج بلیک مارکیٹنگ بند ہے۔ یوریا نہیں مل رہا ہے ایسی کوئی شکایت کسی وزیر اعلیٰ کے خط

میں نہیں آتی۔ یوریا کے لئے قطار نظر نہیں آتی ہے، یوریا کے لئے کسی کو پریشانی نہیں ہو رہی ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی کتنی بڑی تبدیلی لا سکتی ہیں وہ آپ دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں دال کی پیداوار، اس حکومت نے اس کو پروموٹ کرنے کی سمت میں کوشش کی ہے۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج قریب قریب 50 سے 60 فیصد اضافہ کا امکان اس بار پیدا ہوا ہے۔ ہمارے ملک کے کسانوں نے حکومت کے اس گزارش کو قبول کیا اور سارے ریکارڈ توڑ کے اس کام کو انہوں نے کیا ہے۔ ای۔نام الیکٹرانک مارکیٹ 500 منڈیوں میں، اب کسان جہاں بھی چاہے زیادہ دام سے مال فروخت سکتا ہے اور اب وہ ٹیکنولوجی کے ذریعے کر سکتا ہے۔ 500 منڈی میں موبائل فون کے ذریعے آج میرا کسان تجارت کر سکنے کی پوزیشن میں ہے۔ قریب 250 منڈیوں نے اس کام کو پورا کر دیا ہے۔ ریاستوں نے کچھ قانون بدلے ہیں۔ ہم جانتے ہیں خوراک ڈبہ بندی میں ہمارے کسان کو فائدہ تب ہو گا جب ہم خوراک ڈبہ بندی پر زور دیں گے۔ حکومت نے 100 فیصد براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کی اجازت دی ہے تاکہ خوراک ڈبہ بندی کو بڑھاوا ملے اور قدر و قیمت میں اضافہ ہو، تاکہ ہمارے کسان کی زیادہ آمدنی ہو اور اس سمت میں کام کرنے کی ہم کوشش کر رہے ہیں۔

قبائلی شعبے کا قریب اٹھائیس محکمہ کہیں نہ کہیں قبائل سے وابستہ ہیں۔ ہم نے پہلی بار ایک قبائلی ذیلی منصوبے کے تحت رقم بڑھادی، ون بندھو بہبود منصوبہ بندی کے تحت ایک جامع منصوبہ بن کر کے نتائج سامنے آئیں ہیں، اس سمت ہم نے میں ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ جنگلات سے متعلق حقوق کو مضبوطی سے لاگو کرنے کی سمت میں کام کیا ہے۔ ہمارے ملک میں جتنے بھی معدنیات ہیں، کانکنی ہے وہ زیادہ تر قبائلی علاقوں میں ہے، چاہے کوئلہ ہو، چاہے لوہا ہو، چاہے اور کچھ، لیکن وہاں انکو اس کا فائدہ نہیں ملتا تھا۔ پہلی بار حکومت نے ضلعی معدنیاتی فاؤنڈیشن بنایا اور جو وہاں کی کان سے نکلتا ہے، اس پر ٹیکس لگایا۔ مجھے چھتیس گڑھ کے وزیر اعلی بتا رہے تھے کہ میرے 7 اضلاع ایسے ہیں کہ جہاں سے جو معدنیات نکلتا ہے، یہ جو آپ نے منصوبہ بندی کی ہے، فاؤنڈیشن بنایا ہے اس کی وجہ ان اضلاع کی ترقی کے لئے مجھے اب اضافی بجٹ کی کبھی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اتنی بڑی رقم ان غریب قبائلیوں کے کام آنے والی ہے۔ اس پر ہم نے کام کیا ہے۔ ہم نے ایک رربن مشن چلایا ہے، اس کا سب سے بڑا فائدہ قبائلی علاقے میں ہونے کا امکان ہے۔ قبائلی مارکٹ کو ایک بڑی مارکیٹ کی شکل لینی چاہئے۔ مارکیٹ میں ترقی ہوتی ہے تو وہاں تعلیمی نظام آتا ہے، وہاں پر طبی سہولت آتی ہے وہاں پر تفریح کی سہولت بھی آتی ہے۔ آہستہ آہستہ گرد و نواح کے 50–100 گاؤں کا وہ مرکز بن جاتا ہے۔ اس رربن مشن کے تحت قبائلی علاقوں میں 300 ایسے نئے شہر بنانے کی سمت میں ہم کام کر رہے ہیں۔ یہ قبائلی علاقے کی ترقی کے لئے ایک بہت بڑا کام ہو گا۔

اسی طرح سے صفائی ستھرائی کے ضمن میں، میں نے شروع میں ہی کہا تھا کہ صفائی ستھرائی ایک عوامی تحریک بننا چاہئے۔ عوامی تحریک بنانے کی سمت میں ہم سب کا کچھ نہ کچھ حصہ ہونا چاہئے۔ جب سے ہم نے صفائی ستھرائی کے لئے کی درجہ بندی کرنا شروع کیا ہے، خود مختار ایجنسیوں کے ذریعے سے کیا ہے، تب سے شہروں کے درمیان مقابلے شروع ہو گئے ہیں۔ ایک شہر اگر آگے گیا تو دوسرا شہر اس شہر کو ٹوکتا ہے کہ دیکھو وہ شہر تو آگے ہو گیا، ہم کیوں صفائی نہیں کر رہے؟ آہستہ آہستہ یہ بات نیچے تک جانے لگی ہے۔ ہم لوگوں کو اس پر زور دینا چاہئے اور میں تو چاہوں گا کہ ہمارے ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کو کہیں نہ کہیں حکومت چلانے کا ان دنوں موقع ملا ہے۔ کوئی میونسپل میں ہوں گے، کوئی ضلع پنچایت میں ہوں گے، کوئی ریاست میں ہوں گے۔ آپ اپنی پارٹی کی حکومتوں میں جو خدمت کرنے کا موقع ملا ہے آپ ان سے بھی تو مقابلہ کیجئے۔ کمیونسٹ حکومت کے جتنے شہر ہیں ان کے درمیان صفائی ستھرائی کو لے کر مقابلہ کیجئے۔ کمیونسٹ کے زیر حکومت میں جتنے ضلع پنچایت ہیں ان کے درمیان صفائی ستھرائی کا مقابلہ کیجئے، ایک ایسا ماحول بنے گا، بی جے پی کی حکومت والی ریاستیں ہوں گی تو وہاں کی نگر پالیکا مقابلہ کریں۔ ایک بار ہم اس مقابلے کو آگے بڑھائیں گے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ صفائی ستھرائی کی مہم کامیاب ہو جائے گی۔ یہ سرکاری پروگرام نہیں ہے یہ عوامی تحریک ہونا چاہئے۔ یہ زمانے کی ضرورت ہے، برتاؤ میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ ورلڈ بینک کی رپورٹ کہتی ہے کہ قریب قریب سوچھتا کی وجہ سے صحت کے لئے ڈھائی لاکھ کروڑ روپے کا بوجھ پڑے گا۔ اگر ہم اتنی فکر کریں تو ملک کے ڈھائی لاکھ کروڑ روپے، یہ ورلڈ بینک کی رپورٹ ہے ہندوستان کے سلسلے میں، غریب کو تو ایک سال میں قریب قریب 7 ہزار روپے کا خرچہ آتا ہے۔ گندگی سے بیماری آنا بہت قدرتی ہے ہم اس کو بچا سکتے ہیں۔ اب بچوں کو ہاتھ دھو کر کھانا کھانا چاہئے۔ یہ ہر کوئی مانتا ہے۔ لیکن ہم کہیں تو کوئی کہے گا وہاں تو پانی نہیں ہے، نل نہیں ہے، وہاں تو یہ نہیں ہے، وہ نہیں ہے۔ بچہ کنویں پر جائے گا۔ یہ جو سوچ ہے، اسی سوچ نے ملک کو یہیں دبوچ کر رکھا ہوا ہے۔ ذرا کچھ سوچو تو صحیح نتیجہ نکلے گا۔ مشکلات آئیں گی تو راستے بھی نکلیں گے۔ لیکن ہم گھر میں بیٹھ کر کے، وہاں بچوں کو آپ کے ہاتھ دھونے کے لئے کہہ رہے ہیں لیکن وہاں فلاں چیز نہیں ہے، ایسے ملک بدلتا نہیں ہے۔ لہذا اس ذہنیت سے ملک کا ہم بہت نقصان کر رہے ہیں۔ اس ذہنیت سے ہمیں باہر آنا چاہئے۔ دنیا میں، ہم دیکھیں، ہمارے اڑوس پڑوس کے ملک، چاہے ساؤتھ کوریا کو دیکھئے، چاہے ملائیشیا کو دیکھئے، تھائی لینڈ کو دیکھئے، سنگاپور کو دیکھئے، ان چھوٹے چھوٹے ملکوں نے 15-15 سال لگا دیئے حفظان صحت کے لئے اور آج ہم لوگوں کے لئے وہ ایک ماڈل کے طور پر نظر آتے ہیں۔ کیوں ہم یہ سب ہندوستان میں نہیں کر سکتے۔ ہمارا بھی تو خواب ہونا چاہئے کہ چھوٹے چھوٹے ملک اگر وہ کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس سمت میں کوشش کرنا چاہئے۔ لیکن کبھی کبھی کیا لگتا ہے کہ جس طرح ملک کا ماحول بنا ہے، کسی شاعر نے کہا ہے:

شہر تمہارا، قاتل آپ، شاہد آپ، حاکم آپ   مجھے یقین ہے کہ میرا ہی قصور نکلے گا

لیکن میں مانتا ہوں کہ اس میں سے ہم ذرا باہر آئیں۔

ایک اور موضوع کا ذکر کر کے میں اپنی بات کو ختم کرنا چاہوں گا۔ "ایک بھارت شریشٹھ بھارت" اس کام کو ہم نے 31 اکتوبر کو لانچ کیا۔ سردار پٹیل کے یوم پیدائش پر لانچ کیا۔ ہمارے ملک میں دنیا کے کسی ریاست کے ساتھ سسٹر اسٹیٹ بننا، سسٹر سٹی بننا، یہ تو کئی سالوں سے چل رہا ہے۔ لیکن ہمارے اپنے ہی ملک کے مختلف لوگوں سے ملنے کی عادت نہیں بنی ہے۔ ہم نے اس طرح سے کر دیا کہ جس کی وجہ سے کئی ریاستوں کو لگنے لگا کہ ہماری ان دیکھی ہو رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنے ملک کے امکانات کو پہچانیں۔ ہم نے "ایک بھارت شریشٹھ بھارت" پروگرام کے تحت کوشش کی ہے اور میں چاہوں گا کہ ایوان میں جو لوگ ہیں وہ اسے سمجھنے اور آگے بڑھانے میں مدد کریں۔ جیسے دو ریاستوں کے درمیان مفاہمت کر سکتے ہیں۔ اب 12 ریاستوں نے ایک دوسرے کے ساتھ شاید کر لیا ہے۔ جیسے ہریانہ اور تلنگانہ نے کیا ہے۔ تو ہریانہ میں تیلگو زبان کے 100 جملے ہریانہ کے لوگ بولنا سیکھیں۔ اسپتال کہاں ہے، رکشہ کہاں ملے گا، ہوٹل کہاں ہے، اسٹیشن کہاں ہے، پولیس والا کہاں ہے، یہ اگر سیکھنے کو ملے گا اور تلنگانہ کے لوگ ہریانہ کی زبان سیکھیں۔ ہریانہ میں کبھی تلنگانہ کا فلم فیسٹیول ہو، ہریانہ کا فلم فیسٹیول تلنگانہ میں ہو، کوئز کمپٹیشن ہو، تلنگانہ کی کوئز کمپٹیشن میں ہریانہ کے بچے حصہ لیں۔ ایک قسم سے ملک کو جاننے کی مہم، ملک سے جڑنے کا عمل، اور یہ جتنا ہم بڑھائیں گے اتنا اچھا ہو گا۔ کبھی کبھی لگتا ہے، ہندی زبان میں کچھ الفاظ نہیں ملتے لیکن تمل میں کچھ اچھا لفظ مل جاتا ہے، لیکن ہم واقف نہیں ہیں۔ مراٹھی میں بہترین لفظ ہوتا ہے، بنگلہ میں بہت اچھے الفاظ ہیں، مگر ہم واقف نہیں ہیں۔ ہمارے ملک کی اتنی بڑھی طاقت ہے۔ اس طاقت کو یکجا کرنے کی سمت میں 'ایک بھارت شریشٹھ بھارت' کا ایک مہم چلانے کی سمت میں کوشش چل رہی ہے۔ میں پھر ایک بار تمام معزز اراکین نے جو اپنے خیالات رکھے ہیں اس کے لئے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ نے مجھے اپنی بات رکھنے کا موقع دیا، میں اس کے لئے شکریہ ادا کرتا ہوں اور صدر محترم کے خطاب کو میں اپنی حمایت دے کر کے اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔ بہت بہت شکریہ!

بھارت چھوڑو تحریک کی ۷۵ ویں سالگرہ کے موقع پر
خصوصی بحث کے دوران لوک سبھا میں
وزیر اعظم شری نریندر مودی کا خطاب

۹ اگست، ۲۰۱۷

بھارت چھوڑو تحریک کی 75ویں سالگرہ کے موقع پر خصوصی بحث کے دوران وزیر اعظم کا خطاب

9اگست 2017

عزت مآب اسپیکر صاحبہ، میں آپ کا اور ایوان کے سبھی محترم اراکین کا شکر گزار ہوں اور ہم سب آج فخر بھی محسوس کر رہے ہیں کہ اگست انقلاب پر، انہیں یاد کرنے کا اس مقدس ایوان میں ہم لوگوں کو موقع ملا ہے۔ ہم میں سے بہت لوگ ہیں جنہیں شاید اگست کرانتی، 9 / اگست کے واقعات یاد ہوں۔ لیکن اس کے بعد بھی ہم لوگوں کے لئے دوبارہ یاد کرنے کی ترغیب ملتی ہے اور اپنی سماجی زندگی کے ایسے اہم واقعات کو بار بار یاد کرنا، زندگی کے بھی اچھے واقعات کا بار بار یاد کرنا، زندگی کو ایک نئی طاقت دیتا ہے اور قومی زندگی کو بھی نئی طاقت دیتا ہے۔ اسی طرح سے ہماری جو نئی نسل ہے، ان تک بھی یہ بات پہنچانا ہم لوگوں کا فرض بنتا ہے۔ نسل در نسل تاریخ کے سنہرے صفحات، اس وقت کے ماحول کو، اس وقت کی ہماری عظیم شخصیات کی قربانی کو، فرض کو، قوت کو، آنے والی نسلوں تک پہنچانے کی بھی ہر نسل کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

جب اگست انقلاب کے 25 سال ہوئے، 50 سال ہوئے، ملک کے تمام لوگوں نے ان واقعات کو یاد کیا تھا۔ آج 75 سال ہو رہے ہیں، اور میں اسے بہت اہم مانتا ہوں کہ آج ہمیں یہ موقع حاصل ہوا ہے اور اس لئے میں محترمہ اسپیکر صاحبہ کا شکر گزار ہوں کہ آج ہمیں یہ موقع ملا ہے۔ ملک کی آزادی کی تحریک میں 9 اگست ایک ایسا واقعہ ہے، اتنی بڑی اور اتنی زبردست تحریک جسکا انگریزوں نے بھی تصور نہیں کیا تھا۔ مہاتما گاندھی اور کئی سینئر لیڈر، سبھی جیل چلے گئے۔ اور وہی لمحہ تھا کہ کئی نئی قیادتوں نے جنم لیا۔ لال بہادر شاستری، رام منوہر لوہیا، جے پرکاش نارائن، بہت سے دیگر نوجوانوں نے اس خلاء کو پُر کیا تھا اور تحریک کو آگے بڑھایا۔ تاریخ کے یہ واقعات ہم لوگوں کے لئے ایک نئی ترغیب، نئی طاقت، نیا ارادہ، نئے فرض کے احساس کو جگانے کے لئے کس طرح سے موقع بنیں، ہم لوگوں کی یہ مسلسل کوشش رہنی چاہئیے۔ سال 1947 میں ملک آزاد ہوا۔ ایک طرح سے 1857 سے لے کر 1947 تک، آزادی کی تحریک کے مختلف پڑاؤ آئے، مختلف واقعات رونما ہوئے، طرح طرح کی قربانیاں دی گئیں۔ نشیب و فراز بھی آئے۔ الگ الگ موڑ سے یہ تحریک گزری، لیکن 1947 کی آزادی سے پہلے 1942 کا واقعہ ایک طرح سے آخری بڑی تحریک تھی، آخری بڑی عوامی جدوجہد تھی اور اس عوامی جدوجہد میں آزادی کے لئے ملک کے باشندوں کو صرف وقت کا ہی انتظار تھا، وہ صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ اور جب ہم آزادی کی اس تحریک کی طرف دیکھتے ہیں، تو 1942 میں ایک ایسی تحریک کی زمین تیار ہوئی تھی۔ 1857 کی تحریک آزادی میں ایک ساتھ ملک کے ہر کونے میں آزادی کا بگل بجا تھا۔ اس کے بعد

مہاتما گاندھی کا بیرون ملک سے لوٹنا، لوک مانیہ تلک کا مکمل سوراج اور "سوراج میرا پیدائشی حق ہے" اس جذبے کو ظاہر کرنا، 1930 میں مہاتما گاندھی کا ڈانڈی مارچ، نیتاجی سبھاش بوس کی طرف سے آزاد ہند فوج کا قیام، کئی نوجوانوں ویر بھگت سنگھ، سکھدیو، راج گرو، چندر شیکھر آزاد، چاپیکر بندھو، بے شمار جانباز اپنے اپنے وقت پر قربانیاں دیتے رہے۔ ان سب نے آزادی کے لئے ایک زمین تیار کی اور اس کا نتیجہ تھا کہ 1942 نے ملک کو ایک سرے پر لا کر کھڑا کر دیا کہ اب نہیں تو کبھی نہیں۔ آج نہیں ہو گا تو پھر کبھی نہیں ہو گا، یہ مزاج ہم وطنوں کا بن گیا تھا۔ اور اس کی وجہ سے اس تحریک سے اس ملک کا چھوٹا بڑا ہر شخص جُڑ گیا تھا۔ کبھی لگتا تھا کہ آزادی کی تحریک ایلیٹ کلاس کے ذریعے چل رہی ہے، لیکن 1942 کا واقعہ، ملک کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا، ملک کا کوئی طبقہ ایسا نہیں تھا، ملک کا کوئی سماجی نظام ایسا نہیں تھا کہ جس نے اسے اپنا نہ مانا ہو۔ اور گاندھی کے الفاظ کو لے کر کے وہ چل پڑے تھے۔ یہی تو تحریک تھی، جب آخری آواز اٹھی بھارت چھوڑو۔ اور سب سے بڑی بات ہے مہاتما گاندھی کی پوری تحریک میں جو جذبہ کبھی ظاہر نہیں ہو سکتا تھا، پورے گاندھی کے غور وفکر اور عمل کو دیکھیں تو اس سے ہٹ کر کے واقعہ پیش آیا۔ اس عظیم انسان نے کہا، "کریں گے یا مریں گے"۔ گاندھی کے منہ سے "کریں گے یا مریں گے" کے الفاظ ملک کے لئے عجوبہ تھے۔ اور اس وجہ سے گاندھی جی کو بھی اس وقت کہنا پڑا تھا، اور انہوں نے یہ الفاظ کہے تھے "آج سے آپ میں سے ہر ایک کو، خود کو، ایک آزاد عورت یا مرد سمجھنا چاہئے اور اس طرح کام کرنا چاہئے، گویا آپ آزاد ہیں۔ میں مکمل آزادی سے کم کسی بھی چیز پر مطمئن ہونے والا نہیں ہوں۔ 'ہم کریں گے یا مریں گے'۔" یہ باپو کے الفاظ تھے اور باپو نے واضح بھی کیا تھا کہ میں نے اپنے عدم تشدد کے راستے کو چھوڑا نہیں ہے۔ لیکن آج حالت ایسی ہے اور اس وقت عوام کا دباؤ ایسا تھا کہ باپو کے لئے بھی ان کی قیادت سنبھالتے ہوئے، ان عوام کے جذبات کے مطابق ان الفاظ کا استعمال کرنا پڑا تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت معاشرے کے جب سبھی طبقات جڑ گئے، گاؤں ہوں، کسان ہوں، مزدور ہوں، ٹیچر ہوں، طالب علم ہوں، ہر کوئی اس تحریک کے ساتھ جُڑ گیا اور کریں گے یا مریں گے اور باپو تو یہاں تک کہتے تھے کہ انگریزوں کے ظلم کی وجہ سے کوئی بھی شہید ہوتا ہے تو اس کے جسم پر ایک تختی لکھ کر لگانا چاہئے 'کریں گے یا مریں گے' اور وہ اس آزادی کی تحریک کا شہید ہے۔ اس طرح کی بلندی تک اس تحریک کو باپو نے لے جانے کی کوشش کی تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ بھارت غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہوا۔ ملک اس آزادی کے لئے بیتاب رہتا تھا۔ رہنما ہو یا شہری، کسی کے بھی احساس کی شدت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں تھا۔ میں سمجھتا ہوں ملک جب اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اتحاد کی طاقت پیدا ہوتی ہے، مقصد مقرر کیا جاتا ہے اور تعین شدہ مقصد پر چلنے کے لئے لوگ متحد ہو کر چل پڑتے ہیں تو 42 سے 47، پانچ سال کے اندر اندر بیڑیاں چُور چُور ہو جاتی ہیں اور ماں بھارتی آزاد

ہو جاتی ہے۔رام ورِکش بینی پوری نے ایک کتاب لکھی ہے، "زنجیریں اور دیواریں" اور اس صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ ایک حیرت انگیز ماحول پورے ملک میں بن گیا تھا۔ ان حالات کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے:

'ہر شخص لیڈر بن گیا اور ملک کا ہر چوراہا کرو یامرو تحریک کا دفتر بن گیا۔ ملک نے خود کو انقلاب کے ہون کُنڈ میں جھونک دیا۔ انقلاب کے شعلے ملک بھر میں دُھودُھو کر جل رہے تھے۔ بمبئی نے راستہ دکھادیا۔ نقل و حمل کے سارے ذرائع ٹھپ ہو چکے تھے۔ کچہریاں ویران ہو چکی تھیں۔ بھارت کے لوگوں کی بہادری اور برطانوی حکومت کی بے رحمی کی خبریں ہر جگہ پہنچ رہی تھیں۔ عوام نے کرو یامرو کے گاندھی وادی منتر کو اچھی طرح سے دل میں بٹھالیا تھا'۔

اس وقت کا یہ بیان، اس کتاب میں جب پڑھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ کس طرح کا ماحول ہو گا۔ ایک وہ وقت تھا۔اور یہ بات صحیح ہے کہ برطانوی نو آبادی کا آغاز ہندوستان میں ہوا اور اس واقعہ کے بعد، اس کا اختتام بھی ہندوستان سے ہی ہوا تھا۔ بھارت کا آزاد ہونا صرف بھارت کی آزادی نہیں تھی، 1942 کے بعد دنیا کے جس جس خطے میں، افریقہ اور ایشیا میں، اس نو آبادی کے خلاف ایک جو شعلہ بھڑکا اس کی ترغیب کا مرکز بھارت بن گیا تھا۔ اس لئے بھارت صرف بھارت کی آزادی نہیں، بلکہ آزادی کی للک دنیا کے کئی حصوں میں پھیلانے میں بھارت کے عوام کا عزم اور فرض سبب بن گیا تھا اور کوئی بھی ہندوستانی اس بات پر فخر کر سکتا ہے۔اس کو ہم نے دیکھا کہ ایک بار بھارت آزاد ہوا، اس کے بعد یکے بعد دیگرے، نو آبادیات کے سارے پرچم گرتے گئے اور آزادی کی لہر دور دراز تک پہنچنے لگی۔ کچھ ہی سالوں میں دنیا کے ان سارے ممالک کو آزادی حاصل ہو گئی۔ اور یہ کام بتاتا ہے کہ یہ بھارت کی قوت ارادی کا ایک عظیم ترین نتیجہ تھا۔ ہمارے لئے سبق یہی ہے کہ جب متحد ہو کر ایک عزم کے ساتھ اور پوری طاقت کے ساتھ مقررہ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جُڑ جاتے ہیں تو یہی ملک کی طاقت ہے کہ ہم ملک کو مشکلات سے باہر نکال دیتے ہیں، ملک کو غلامی کی زنجیروں سے باہر نکال سکتے ہیں، ملک کو نئے مقاصد کے حصول کے لئے تیار کر سکتے ہیں۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے۔اور اس وجہ سے اس وقت اس پوری تحریک کے لئے باپو کی شخصیت کو مانتے ہوئے قومی شاعر سوہن لال دویدی کی جو نظم ہے اس میں باپو کی طاقت کو ظاہر کیا ہے۔ نظم میں انہوں نے کہا تھا:

چل پڑے جدھر دو ڈگ، مگ میں چل پڑے کوٹی پگ اسی اور گڑ گئی جدھر بھی ایک درشٹی گڑ گئے کوٹی درگ اسی اور

جس طرف گاندھی کے دو قدم چلتے تھے اس طرف اپنے آپ کروڑوں لوگ چل پڑتے تھے، جدھر گاندھی جی کی نظر ٹک جاتی تھی، ادھر کروڑوں کروڑ آنکھیں دیکھنے لگ جاتی تھیں۔ لیکن آج جب ہم 2017 میں ہیں ہم اس بات سے انکار نہیں کر

سکتے کہ آج ہمارے پاس گاندھی نہیں ہیں،اس وقت جو بلند قیادت تھی وہ آج ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن سوا سو کروڑ ہم وطنوں کے اعتماد کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہم سب لوگ مل کر کے ان خوابوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں، تو میں مانتا ہوں کہ گاندھی کے خوابوں کو، ان مجاہدین آزادی کے خوابوں کو پورا کرنا مشکل کام نہیں ہے۔ آج کا یہ موقع کسی بات کے لئے ہمیں اس وقت بھی جو دنیا کے حالات تھے، 1942 میں بھارت کی آزادی کے لئے بہت سازگار ماحول تھا، جو بھی تاریخ سے واقف ہے اسے معلوم ہے، میں سمجھتا ہوں آج پھر ایک بار 2017 میں جبکہ بھارت چھوڑ تحریک کے ہم 75 سال منارہے ہیں، اس وقت دنیا میں وہ مطابقت ہے، جو بھارت کے لئے بہت موافق ہے اور دوستانہ نظام کا فائدہ ہم جتنا جلد اٹھالیں، جیسے اس وقت دنیا کے بہت سے ممالک کے لئے ہم ترغیب کا سبب بنے تھے تو آج ہم موقع لے لیں تو آج پھر سے ایک بار ہم دنیا کے بہت سے ممالک کے لئے ترغیب بن سکتے ہیں، ترغیب کا سبب بن سکتے ہیں، ایسے موڑ پر آج ہم کھڑے ہیں 1942 اور 2017۔ ان دونوں برسوں میں دنیا کے ماحول میں بھارت کی عظمت، بھارت کے لئے مواقع یکساں طور پر کھڑے ہیں۔ اس وقت ہم اس بات کو کس طرح لیں، ہم اس کی ذمہ داری کس طرح اٹھائیں۔ میں مانتا ہوں کہ تاریخ کے ان واقعات سے، اس کی اس صلاحیت سے ترغیب لے کر کہ ہمارے لئے پارٹی سے بڑا ملک ہوتا ہے، سیاست سے اوپر قومی پالیسی ہوتی ہے۔ میرے خود سے اوپر سوا سو کروڑ ہمارے ہم وطن ہوتے ہیں۔ اگر اس جذبے کو لے کر کے ہم اٹھ چلیں، ہم سب ملکر کے آگے بڑھیں تو ہم ان مسائل کے خلاف کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ ہم اس بات سے انکار کیسے کر سکتے ہیں کہ بدعنوانی نے دیمک کی طرح ملک کو کیسے تباہ کر کے رکھا ہوا ہے۔ سیاسی بدعنوانی ہو یا سماجی بدعنوانی ہو یا ذاتی بدعنوانی ہو، کل کیا ہوا؟ کب کس نے کیا کیا؟ اس طرح کے تنازعات کے لئے بہت وقت پڑا ہے۔ لیکن آج مقدس لمحہ میں ہم ایمانداری کا جشن منا سکتے ہیں، کیا ایمانداری کا عہد لے کر کے ملک کی قیادت کر سکتے ہیں؟ کیا ملک کو آگے لے جا سکتے ہیں؟ یہ وقت کی مانگ ہے، ملک کے عام انسان کی مانگ ہے۔ غربت، غذائی قلت، ناخواندگی یہ ہمارے سامنے چیلنجز ہیں۔ ان چیلنجوں کو ہم حکومت کے چیلنجز نہ مانیں۔ یہ ملک کے چیلنجز ہیں، ملک کے غریب کے سامنے مشکل سوالات کھڑے ہیں اور اس لئے ملک کے لئے جینے مرنے والے، ملک کے لئے عہد کرنے والے، ہم سب لوگوں کی ذمہ داری بنتی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے ہم ان سبھی مدعوں پر ایک ہوں۔ سال 1942 میں بھی الگ الگ نظریات کے لوگ تھے۔ تشدد میں یقین کرنے والے بھی لوگ تھے، نیتا جی سبھاش بابو کی سوچ الگ تھی لیکن 1942 میں سب نے ایک آواز سے کہہ دیا تھا کہ آج تو گاندھی جی کی قیادت میں "بھارت چھوڑو" یہی ہمارا نعرہ ہے۔ یہی ہمارا راستہ ہے۔ ہماری تربیت، ہمارے نظریات مختلف رہے ہونگے، لیکن یہ وقت کا مطالبہ ہے کہ ہم کچھ مسائل سے ملک کو آزاد کرانے کے لئے عہد کر کے چلیں۔ چاہے غریبی ہو، فاقہ کشی ہو، ناخواندگی ہو، توہم پرستی ہو، مہاتما گاندھی کا گرام سوراج کا خواب کتنا پیچھے چھوٹ گیا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ گاؤں والے گاؤں چھوڑ چھوڑ کر کے

شہروں میں بس رہے ہیں؟ گاؤں کی یہ فکر گاندھی کے ذہن میں تھی، کیا ہم اپنے اندر اس کو دوبارہ زندہ کر سکتے ہیں؟ کیا گاؤں غریب، کسان، دلت، استحصال کے شکار اور محروم لوگوں کی زندگی کے لئے اگر ہم کچھ کر سکتے ہیں تو ہمیں مل کر کرنا ہے۔ یہ سوال میرے اور تیرے کا نہیں ہے۔ یہ سوال اِس طرف یا اُس طرف کا نہیں ہے، بلکہ یہ سوال ہم سب کا ہے، ملک کے سوا سو کروڑ ہم وطنوں کا ہے اور سوا سو کروڑ ہم وطنوں کے عوامی نمائندوں کا ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب ہم لوگوں کو کچھ کرنے کی ترغیب ہمیں طاقت دیتی ہے اور ہم اس کو لے کر آگے چل سکتے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ملک میں جانے انجانے میں حقوق کے تئیں سوچ قوی ہوتی چلی گئی اور فرض کا جذبہ غائب ہوتا گیا۔ قومی زندگی کے اندر، معاشرتی زندگی کے اندر، حقوق کے جذبہ کی اہمیت اتنی رہتے ہوئے بھی، اگر فرض کے جذبے کو تھوڑا سا بھی کم سمجھنے لگیں گے تو سماجی زندگی میں بڑی مصیبت پیدا ہو سکتی ہے ۔بد قسمتی سے ہم لوگوں کے طرز زندگی میں ، ہمارے کردار میں کچھ ایسی چیزیں سرایت کر گئی ہیں جن میں ہمیں کوئی برائی محسوس نہیں ہوتی ہے کہ ہم لوگ کچھ غلط کر رہے ہیں۔ اگر میں چوراہے لال بتّی پار کر کے نکل جاتا ہوں تو مجھے لگتا ہی نہیں کہ میں قانون توڑ رہا ہوں۔ میں کہیں پر تھوک دیتا ہوں، گندگی کرتا ہوں تو ہمیں لگتا ہی نہیں کہ میں غلط کر رہا ہوں۔ ہم اپنے فرض کے جذبے سے ، ایک طرح سے ہمارے ذہن میں، ہمارے طرز زندگی میں، اس قسم کے اصولوں کو توڑنا ، قانون کو توڑنا، یہ ہمارا مزاج بنتا جا رہا ہے۔ چھوٹے چھوٹے واقعات تشدد کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اسپتال میں کسی ڈاکٹر کے ذریعہ کسی مریض کا اگر کچھ ہوا، ڈاکٹر قصوروار ہے یا نہیں، اسپتال قصوروار ہے یا نہیں ہے، رشتہ دار جاتے ہیں، اسپتال کو آگ لگا دیتے ہیں ، ڈاکٹر کو مارتے پیٹتے ہیں۔ ہر چھوٹے موٹے واقعہ پر، اگر ایکسیڈنٹ ہو گیا تو ہم کار کو جلا دیتے ہیں، ڈرائیور کو مار دیتے ہیں۔ یہ جو روایت چلی ہے، قانون کا پالن کرنے والے شہری ہونے کے ناطے ہمارا فرض ہونا چاہئے، ہم ماننے لگے ہیں کہ ہمارے سے یہ سب چھوٹ گیا ہے۔ ہماری زندگی گزارنے کے طریقے میں کچھ ایسی چیزیں گھس گئی ہیں، جیسے ہمیں لگتا ہی نہیں ہے کہ ہم قانون توڑ رہے ہیں۔ اور اس وجہ سے یہ قیادت کی ذمہ داری ہوتی ہے، معاشرے کے اندر ہم سب کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ہم معاشرے کے اندر ان خامیوں سے نجات دلا کر کے فرض کے تئیں وفادار ہو جائیں۔

بیت الخلا اور صاف صفائی، یہ مذاق کی بات نہیں ہے۔ ہم ان ماں بہنوں کی پریشانی کو سمجھیں تب ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جب بیت الخلا نہیں ہوتا ہے تو کس طرح رات کے اندھیرے کے انتظار میں دن گزارنا پڑتا ہے۔ اور اس وجہ سے بیت الخلا بنانا ایک ضروری کام ہے۔ لیکن سماج کی ذہنیت بدل کر بیت الخلا کا استعمال کرنا عوام کی بیداری کے لئے ضروری ہے۔ ہمیں اس جذبے کو ہمیں جگانا ہوگا۔ اور یہ جذبہ قوانین سے نہیں پیدا ہوتا ہے، قانون بنانے سے بھی نہیں ہوتا ہے۔ ہاں، قانون اس

میں صرف مدد کر سکتا ہے لیکن فرض کا جذبہ جگانے سے یہ زیادہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہم لوگوں کو یہ کام کرنا ہوگا۔ ہمارے ملک کی ماں بہنیں ملک کے اندر یا کم از کم ملک پر جو ان کا بوجھ ہے ملک کو کم سے کم جن کا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے، وہ اگر کوئی طبقہ ہے تو اس ملک کی مائیں، بہنیں اور خواتین ہیں۔ ان کی صلاحیت ہمیں کتنی قوت فراہم کر سکتی ہے، ان کی شراکت داری ہماری ترقی کے اندر ہمیں کتنی طاقت دے سکتی ہے۔ پوری تحریک آزادی میں دیکھئے۔ مہاتما گاندھی کے ساتھ جہاں جہاں بھی آزادی کی جد وجہد ہوئی، ایسی مائیں اور بہنیں تحریک آزادی کی قیادت کرتی نظر آئیں اور ملک کو آزادی دلانے میں ہماری ماؤں اور بہنوں کا اُس زمانے میں بھی اتنا ہی تعاون تھا جتنا آج ملک اور قوم کی زندگی میں ان کا تعاون ہے۔ ان کو آگے بڑھانے کی سمت میں ہم لوگوں کو اپنے فرض میں آگے بڑھنا چاہیے۔ یہ بات درست ہے کہ 1857 سے 1942 تک ہم نے دیکھا کہ آزادی کی تحریک الگ الگ مرحلے سے گزری، نشیب و فراز آئے، الگ الگ موڑ آئے، نئی نئی قیادت آتی گئی۔ کبھی انقلاب کا پہلو اوپر ہو گیا تو کبھی عدم تشدد کا پہلو اوپر ہو گیا اور کبھی دونوں نظریات کے درمیان ٹکراؤ کا بھی ماحول رہا تو کبھی دونوں نظریات ایک دوسرے کے ساتھ باہم مل گئے۔ یہ سارا 1857 سے لے کر 1942 تک کی مدت کا ہم نے مشاہدہ کیا، ایک طرح سے یہ اضافی تھا جو رفتہ رفتہ بڑھ رہا تھا، دھیرے دھیرے پھیل رہا تھا، دھیرے دھیرے لوگ جُڑ رہے تھے۔ لیکن 1942 سے 1947 تک وہ انکریمنٹل تبدیلی نہیں تھی۔ ایک توقف کا ماحول تھا۔ اس نے ساری قیاس آرائیوں کو ختم کر کے آزادی دینے کے لئے انگریزوں کو مجبور کر دیا تھا اور ان کو جانے کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ 1857 سے 1942 تک، دھیرے دھیرے کچھ ہوتا رہتا تھا، چلتا رہتا تھا، لیکن 1942 سے 1947 تک وہ حالات نہیں تھے۔

ہم معاشرے اور زندگی میں دیکھیں۔ گزشتہ سو، دو سال کی تاریخ دیکھیں تو ترقی کا سفر ایک انکریمنٹل رہا تھا۔ دھیرے دھیرے دنیا آگے بڑھ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے دنیا اپنے آپ کو بدل رہی تھی۔ لیکن پچھلے 30 سے 40 سال میں دنیا میں اچانک تبدیلی آئی۔ زندگی میں اچانک تبدیلی آئی اور ٹیکنالوجی نے بہت بڑا کردار ادا کیا۔ کوئی تصور نہیں کر سکتا جو اس 30 سے 40 سال میں دنیا میں جو بدلاؤ آیا ہے، فرد کی زندگی میں، انسان کی زندگی میں، سوچ میں جو بدلاؤ آیا ہے، 30، 40 سال پہلے ہمیں کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ایک مداخلت کے ساتھ ایک مثبت تبدیلی کا تجربہ کرتے ہیں۔ جس طرح سے انکریمنٹل سے باہر نکل کے ایک دم سے ایک ہائی جمپ کی طرف چلے گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ 2017 سے 2022 بھارت چھوڑو تحریک کے 75 سال اور آزادی کے 75 سال کے بیچ کا 5 سال یعنی 1942 سے 1947 کا جو مزاج تھا وہی مزاج اگر ہم ملک میں دوبارہ پیدا کریں اور 2017 سے لے کر 2022 تک آزادی کے 75 سال منائیں گے تب، ہم ملک کے آزادی کے بہادروں کی جو تمنائیں تھیں، ان

خوابوں کو پورا کرنے کے لئے ہم اپنے آپ کو کھپائیں گے۔ ہم اپنے عہد کو لے کر آگے چلیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح نہ صرف ہمارے ملک کا بھلا ہو گا، بلکہ جیسے 1942 سے 1947 کی کامیابی کے سبب دنیا کے بے شمار ملکوں کو فائدہ حاصل ہوا، آزادی کی تمنا پیدا ہوئی، طاقت ملی۔ بھارت کو آج دنیا کے کئی ملک، ایک خطہ ایسا ہے جو بھارت کو اس شکل میں دیکھ رہا ہے۔ اگر ہم 2017 سے 2022، جو کہ ہم لوگوں کی ذمہ داری کا دور ہے، اگر ہم دنیا کے سامنے بھارت کو اس اونچائی پر لے کر جاتے ہیں تو دنیا کا ایک بہت بڑا طبقہ ہے جو کہ قیادت کی تلاش میں ہے، مدد کی تلاش میں ہے، کسی کے تجربات کو سیکھنا چاہتا ہے، اور بھارت اس کو پورا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر اس کو کرنے کے لئے ہم کوشش کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ ملک کی بہت بڑی خدمت ہو گی۔ اس لئے ایک اجتماعی جذبہ پیدا کرنا، ملک کو عہد بند کرنا، ملک کے لوگوں کو ساتھ جوڑ کر چلنا اور ان 5 برسوں کی اہمیت کو ہم اگر آگے بڑھائیں گے تو مجھے یقین ہے کہ ہم کچھ مسئلوں پر اتفاق رائے بنا کر بہت کچھ کام کر سکتے ہیں۔

ہم نے ابھی ابھی دیکھا کہ جی ایس ٹی، اور یہ میں بار بار کہتا ہوں کہ یہ میرا سیاسی بیان نہیں ہے، یہ میرا عزم ہے۔ جی ایس ٹی کی کامیابی کسی حکومت کی کامیابی نہیں ہے، جی ایس ٹی کی کامیابی کسی پارٹی کی کامیابی نہیں ہے، جی ایس ٹی کا میابی اس ایوان میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے عزم مصمم کا نتیجہ ہے۔ چاہے یہاں بیٹھے ہوں چاہے وہاں بیٹھے ہوں، اس کا سہرا سب کو جاتا ہے، ریاستوں کو جاتا ہے۔ ملک کے عام کاروباری کو جاتا ہے اور اسی کے سبب یہ ممکن ہو سکا ہے۔ جو ملک کی سیاسی قیادت اپنے عہد کے سبب اتنا بڑا کام کر لیتی ہے، دنیا کے لئے عجوبہ ہے۔ دنیا کے لئے بہت بڑا عجوبہ ہے۔ اس کے اس ہنر کو دیکھ کر کے، کہ اگر ملک یہ کر سکتا ہے تو سارے فیصلے مل بیٹھ کر کے کر سکتا ہے اور 125 کروڑ ملک کے باشندوں کے نمائندے کی شکل میں، 125 کروڑ ملک کے باشندوں کو ساتھ لے کر کے 2022 کا عہد لے کر ہم اگر چلیں گے تو مجھے یقین ہے کہ جو نتیجہ ہمیں بر آمد کرنا ہے وہ نتیجہ ہم لا کر رہیں گے۔
مہاتما گاندھی نے نعرہ دیا تھا "کرو یا مرو"۔ اس زمانے کا جذبہ تھا کریں گے یا مریں گے۔ آج 2017 میں 2022 کا بھارت کیسا ہو یہ عہد لے کر چلنا ہے تو ہم لوگوں کو بھی، ہم سب کو مل کر کے ملک سے بدعنوانی کو دور کرنا ہو گا اور یہ ہم کر کے رہیں گے۔ ہم سبھی مل کر غریبوں کو ان کا حق دلائیں گے اور دلا کر رہیں گے۔ ہم سبھی مل کر نوجوانوں کو مکمل روزگار کے مواقع دیں گے اور دے کر رہیں گے۔ ہم سبھی مل کر ملک سے ناقص غذائیت کے مسئلے کا خاتمہ کریں گے اور کر کے رہیں گے۔ ہم سبھی مل کر خواتین کو آگے بڑھنے سے روکنے والی بیڑیوں کو ختم کریں گے اور کر کے رہیں گے۔ ہم سبھی مل کر ملک سے جہالت اور ناخواندگی کو ختم کریں گے اور کر کے رہیں گے۔ اس کے علاوہ اور بھی کوئی موضوعات ہو سکتے ہیں۔ اگر اس زمانے کا منتر تھا "کریں گے یا مریں گے" تو آزاد ہندوستان میں 75 سال بعد جب ہم آزادی کی تقریب منانے کی جانب آگے بڑھ رہے ہیں، تب ہم یہ کریں گے اور کر کے رہیں

گے اس عہد کو لے کر کے ہم آگے بڑھیں گے۔ یہ عہد کسی پارٹی کا نہیں، یہ عہد کسی سرکار کا نہیں، یہ عہد 125 کروڑ ملک کے باشندوں کا ہے 125 کروڑ ملک کے باشندوں کے عوامی نمائندگان کا ہے، ان سب کا مل کر جب عہد بنے گا تو مجھے یقین ہے کہ عہد سے حقیقت تک یہ 5 پانچ سال، 2017 سے 2022 تک ، آزادی کے 75 سال ، آزادی کے دیوانوں کا خواب پورا کرنے کے لئے کافی وقت ہے۔ اس کو ہم تحریک کا سبب بنائیں۔ آج اگست کرانتی کے موقع پر ان عظیم شخصیات کو یاد کرتے ہوئے، ان کی قربانیوں کو یاد کرتے ہوئے ان سے آشیرواد مانگتے ہوئے ہم سب مل کر کے کچھ باتوں پر اتفاق رائے قائم کر کے ملک کو قیادت فراہم کریں۔ ملک کو مسائل سے نجات دلائیں، خواب، قوت، طاقت اور مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔ اسی ایک امید کے ساتھ محترمہ اسپیکر صاحبہ، میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آزادی کے دیوانوں کو سلام کرتا ہوں۔

2018

شری نریندر مودی ایوشمان بھارت یوجنا کے مستفدین سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے

ایک صحتمند قوم کی تعمیر ایک صحتمند کنبہ اور ایک صحتمند سماج سے ہی ممکن ہے۔

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریہ کی تحریک 'پر

وزیر اعظم شری نریندر مودی کا جواب

۷ فروری، ۲۰۱۸

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

7 فروری 2018

عزت مآب اسپیکر صاحبہ، ذی وقار محترم صدر جمہوریہ کے خطبے پر اظہار تشکر کرنے کے لئے میں ایوان میں آپ سب کے درمیان تجویز کی حمایت کرتے ہوئے کچھ باتیں ضرور کہنا چاہوں گا۔ کل ایوان میں محترم صدر جمہوریہ کی تقریر کی تحریک شکریہ پر متعدد معزز ممبران نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جناب ملّکارجن صاحب، جناب محمد سلیم صاحب، جناب ونود کمار صاحب، جناب ٹی نرسمہن جی، جناب طارق انور صاحب، جناب پریم سنگھ چندو ماجرا جی، جناب انور رضا صاحب، جناب جے پرکاش نارائن یادو جی، جناب کلیان بنرجی صاحب، جناب پی وینو گوپال جی، جناب بھرتوہری مہتاب جی، جناب آنند راؤاڑسل جی، جناب آر کے بھارتی موہن سمیت تقریباً 34 محترم ممبران نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تفصیل سے گفتگو ہوئی۔ کسی نے حمایت میں اور کسی نے مخالفت میں تقریر کی، لیکن ایک بامعنی بحث اس ایوان میں ہوئی۔ محترم صدر جمہوریہ کی تقریر کسی پارٹی کی نہیں ہوتی۔ یہ ملک کی امیدوں اور عزائم کے اظہار اور اس سمت میں جاری کاموں کا تحریری خاکہ ہوتا ہے۔ اس نظر سے صدر محترم کی تقریر کا احترام کیا جانا چاہئے۔ مخالفت برائے مخالفت کرنا کہاں تک صحیح ہوگا۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ!

ہمارے ملک میں ریاستوں کی تشکیل عزت مآب اٹل بہاری واجپئی جی نے بھی کی تھی۔ تین نئی ریاستیں قائم کی گئی تھیں اور ان تینوں ریاستوں میں سے خواہ اترپردیش میں سے اتراکھنڈ بنا ہو، خواہ مدھیہ پردیش میں سے چھتیس گڑھ بنایا گیا ہو یا بہار میں سے جھارکھنڈ بنایا گیا ہو۔ ان کی سرکار کی دوراندیشی تھی کہ تینوں ریاستوں کی جو تقسیم ہونی تھی، افسران کے جو تبادلے ہونے تھے۔ یہ تمام چیزیں بخیر وخوبی ہو جائیں۔ قیادت اگر دور اندیش ہو اور سیاسی مفاد پرستی کی رو میں فیصلے نہ لئے جاتے ہوں تو وہ فیصلے کتنے صحتمند ہوتے ہیں، اس کی روشن مثال محترم اٹل بہاری واجپئی جی نے ان تینوں ریاستوں کی تشکیل کرکے دی تھی۔ آج اس کا احساس پورے ملک کو ہے۔ یہ بات آپ کی فطرت میں شامل ہے۔ جب آپ نے ہندوستان کو تقسیم کیا، ملک کے ٹکڑے کئے اور جو زہر بویا، آزادی کے 70 سال بعد بھی ایک دن ایسا نہیں گزرا جب اس ملک کے سوا سو کروڑ ہندوستانیوں کو آپ کے گناہ کی سزا نہ بھگتنا پڑی ہو، آپ نے ملک کے ٹکڑے کئے، وہ بھی اس طریقے سے کئے کہ انتخابات کو پیش نظر رکھتے ہوئے افراتفری میں ایوان کے دروازے بند کرکے کئے۔ ایوان میں نظم و نسق نہیں تھا، اس وقت بھی آپ نے آندھرا کے لوگوں

کے جذبات کا احترام کئے بغیر ریاست کو تقسیم کر دیا ۔ تلنگانہ کی تشکیل کے حامی ہم بھی تھے ۔ ہم آج بھی اس حق میں ہیں کہ تلنگانہ ترقی کی شاہراہ پر آگے بڑھے لیکن اس دن آپ نے آندھرا کے ساتھ جو کیا وہ سب انتخابات کی جلد بازی میں کیا۔ یہ سب اسی کا نتیجہ ہے کہ آج چار سال بعد بھی مسائل سلگتے رہتے ہیں۔ اس لئے آپ کو اس طرح کی باتیں زیب نہیں دیتیں ۔

اسپیکر صاحبہ،

کل میں کانگریس کے لیڈر جناب کھڑگے صاحب کی تقریر سن رہا تھا، لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ ٹریزری بینچ سے خطاب کر رہے تھے، کرناٹک کے لوگوں سے مخاطب تھے یا اپنی ہی پارٹی کے پالیسی سازوں کو خوش کرنے کی کوشش کر رہے تھے ۔انہوں نے اپنی تقریر محترم بشیر بدر کی شاعری سے شروع کی ۔ میں امید کرتا ہوں کہ کرناٹک کے وزیر اعلیٰ نے بھی ان کی یہ شاعری سنی ہوگی۔ کل انہوں نے اپنی تقریر میں محترم بشیر بدر کا یہ شعر پڑھا :

دشمنی جم کر کرو، لیکن یہ گنجائش رہے　　　جب کبھی دوست ہو جائیں تو شرمندہ نہ ہوں

مجھے یقین ہے کہ کرناٹک کے محترم وزیر اعلیٰ نے آپ کی یہ فریاد ضرور سنی ہوگی۔ لیکن جناب کھڑگے صاحب، جس بشیر بدر کی شاعری کا آپ نے ذکر کیا، اچھا ہوتا اس شاعری میں آپ نے جو اشعار کہے اسکے پہلے والی دو لائن بھی اگر یاد کر لیتے تو شاید اس ملک کو یہ ضرور معلوم ہو جاتا کہ آپ کہاں کھڑے ہیں۔ اسی نظم میں بشیر بدر صاحب نے آگے کہا ہے:

جی چاہتا ہے سچ بولیں
کیا کریں حوصلہ نہیں ہوتا

مجھے نہیں معلوم کہ کرناٹک کے انتخابات کے بعد کھڑگے صاحب اس جگہ پر ہوں گے یا نہیں۔ اس لئے یہ انکی ایک طرح سے الوداعی تقریر بھی ہو سکتی ہے۔ عام طور پر اس ایوان میں جب کوئی معزز ممبر پہلی بار تقریر کرتا ہے تو ہر ممبر احترام سے اس کی تقریر سنتا ہے ۔ اسی طرح سے جو الوداعی تقریر ہوتی ہے اسکو بھی اسی احترام سے سنا جاتا ہے۔ بہتر ہوتا کہ کل کچھ معزز ممبران نے تحمل سے کام لیا ہوتا اور محترم کھڑگے صاحب کی تقریر کو اسی احترام سے سنا ہوتا۔ جمہوریت کے لئے یہ بات بہت ضروری ہے۔ مخالفت کرنے کا حق تو ہے لیکن ایوان کو قبضے میں لینے کا حق نہیں۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ، میں دیکھ رہا ہوں کہ جب بھی ہمارے اپوزیشن میں کچھ لوگ جب ہماری کسی بات کی تنقید کرتے ہیں تو اس میں حقیقت کم ہوتی ہے۔ یہ کہ ہمارے زمانے میں ایسا تھا، ہمارے زمانے میں ایسا کیا گیا تھا، ہم یہ کرتے تھے، زیادہ تر انہی باتوں کے کیسٹ بجائے جاتے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ ہندوستان کے بعد آزاد ہونے والے ممالک ہم سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے آگے بڑھ چکے ہیں ۔ ہم آگے نہیں بڑھ پائے، یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ آپ نے ماں بھارتی کے ٹکڑے کر دئے، اس کے باوجود یہ ملک آپ کے ساتھ رہا۔ اس زمانے میں آپ ملک پر راج کر رہے تھے۔ آزادی کے بعد کی تین چار دہائیوں میں اپوزیشن برائے نام ہوا کرتی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب میڈیا کے اثرات بھی بہت کم تھے اور میڈیا کا جو حلقہ تھا وہ بھی اس امید میں حکومت کے ساتھ چلتا رہا کہ ملک کا بھلا ہوگا۔ ریڈیو پوری طرح آپ ہی کے گیت گاتا تھا اور کوئی دوسری آواز وہاں سنائی نہیں دیتی تھی اور جب بعد میں ٹی وی آیا تو ٹی وی بھی آپ کے لئے پوری طرح وقف تھا۔ ان دنوں عدلیہ کے اعلی عہدوں پر تقرری بھی کانگریس پارٹی کرتی تھی۔ یہ پارٹی طے کرتی تھی۔ اتنی سہولیات آپکو حاصل تھیں۔ اس وقت کورٹ میں نہ کوئی پی آئی ایل ہوتی تھی۔ رضاکار تنظیموں (این جی او) کی بھرمار بھی نہیں تھی۔ جن نظریات کے آپ پروردہ ہیں ویسا ہی ماحول اس وقت ملک میں آپ کو حاصل تھا۔ مخالفت کا نام ونشان نہیں تھا۔ پنچایت سے پارلیمنٹ تک آپ ہی کا جھنڈا لہراتا تھا۔ لیکن آپ نے یہ پورا وقت ایک ہی کنبے کی قصیدہ خوانی میں صرف کر دیا۔ آپ نے اپنی ساری طاقت اس بات پر لگا دی کہ سارا ملک ایک ہی کنبے کو یاد رکھے۔ ان دنوں پورے ملک کا جذبہ آزادی کے بعد کے دن تھے۔ ملک کو آگے لے جانے کا جذبہ تھا۔ اگر آپ نے کچھ ذمہ داری کے ساتھ کام کیا ہوتا تو آپ اس ملک کے عوام کے اندر اتنی صلاحیت موجود تھی کہ وہ اس ملک کو کہاں سے کہاں تک پہنچا سکتے تھے ، لیکن آپ اپنی ہی دُھن بجاتے رہے۔ ماننا پڑے گا کہ اگر آپ نے صحیح سمت اختیار کی ہوتی، صحیح پالیسیاں بنائی ہوتیں ، اگر آپ کی نیت صاف ہوتی تو یہ ملک آج جہاں ہے، اس کے کئی گُنا اچھا اور آگے بڑھ چکا ہوتا۔ یہ ہماری بد قسمتی رہی ہے کہ کانگریس پارٹی کے لیڈروں کو لگتا ہے کہ بھارت کے نام کے ملک کی پیدائش 15 اگست 1947 کو ہوئی تھی جیسے اس سے پہلے یہ دیش تھا ہی نہیں۔ میں حیران ہوں، اس کو میں غرور کہوں، ناسمجھی کہوں یا بارش کے موسم میں اپنی کرسی بچانے کی کوشش ۔ جب یہ کہا گیا کہ ملک کو نہرو نے جمہوریت دی، دیش کو کانگریس نے جمہوریت دی، ارے کھڑگے صاحب! کچھ تو کام کریں، آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ جب ہمارے ملک میں لِچھّوی کی سلطنت تھی، جب یہاں بودھ روایات تھیں، اس وقت بھی ہمارے ملک میں جمہوریت کی گونج تھی۔ کانگریس اور نہرو جی نے جمہوریت نہیں دیا۔ بودھ وفاق ایک ایسا نظام تھا، جو گفت وشنید ،تبادلہ خیال اور ووٹنگ کی بنیاد پر فیصلے کرنے کا عمل اختیار کرتا تھا۔

جناب کھڑگے صاحب، آپ تو کرناٹک سے آتے ہیں، ایک ہی کنبے کی بھگتی کرکے شاید آپ کی یہاں بیٹھنے کی جگہ بچی رہے لیکن کم سے کم جگت گرو بسویشور جی کی بے حرمتی تو مت کیجئے۔ آپ کرناٹک سے آتے ہیں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ جگت گرو بسویشور ہی تھے، جنھوں نے اس زمانے میں 'انو بھو منڈپم' کا نظام رائج کیا تھا۔ یہ بارہویں صدی کا زمانے تھا اور گاؤں کے سارے فیصلے جمہوری طریقے سے کئے جاتے تھے۔ یہی نہیں خواتین کو بااختیار بنانے کا کام بھی ان دنوں میں ہوا تھا۔ ایوان میں، اجلاس میں خواتین کی موجودگی لازمی ہوتی تھی۔ جگت گرو بسویشور جی کے دور میں جمہوریت کی تجویز پیش کرنے کا کام بارہویں صدی میں اس ملک میں ہوا تھا، جمہوریت ہماری رگوں میں ہے، ہماری روایت میں ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ بہار میں لچھوی سلطنت کے وقت ہمارے یہاں کس طرح کا نظام رائج تھا۔ اگر ہم قدیم تاریخ پر غور کریں تو ہمارے یہاں آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے عوامی جمہوریہ کا نظام قائم تھا۔ یہ بھی جمہوریت کی روایت تھی، یہاں اتفاق اور اختلاف کو مانا جاتا تھا۔ آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں؟ آپ منموہن سنگھ جی کی سرکار میں وزیر رہے ہیں، آپ ہی کی پارٹی کے لیڈر نے ابھی جب پارٹی میں انتخابات چل رہے تھے تو انہوں نے میڈیا سے کیا کہا تھا، انہوں نے کہا تھا "جہانگیر کی جگہ شاہجہاں آئے شاہجہاں کی جگہ اورنگزیب آئے، کیا وہاں الیکشن ہوا تھا۔ تو ہمارے یہاں بھی آ گئے"۔ آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں؟ میں ذرا پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کون سی جمہوریت کی بات کرتے ہیں، جب آپ کے سابق وزیر اعظم آنجہانی راجیو گاندھی حیدرآباد کے ہوائی اڈے پر اترتے ہیں، وہاں آپ ہی کی پارٹی کے منتخب وزیر اعلی جو شیڈیول کاسٹ سے تعلق رکھتے تھے، وہ ائیر پورٹ پر ان کا خیر مقدم کرنے آئے تھے۔

جمہوریت پر بھروسہ کی بات کرنے والے آپ لوگ جس نہرو جی کے نام پر جمہوریت کی ساری روایت وقف کرتے رہے ہیں، جناب راجیو گاندھی جی نے حیدرآباد ہوائی اڈے پر اترتے ہی وہاں کے دلت وزیر اعلیٰ کی سرے عام بے عزتی کی تھی۔ ایک منتخب وزیر اعلیٰ ٹی انجیّا کی بے عزتی کی تھی۔ آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں۔ جب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو یہ سوال اٹھتا ہے۔ یہ تیلگو دیشم پارٹی اور یہ این ٹی راماراؤ بے عزتی کی اسی آگ سے پیدا ہوئے تھے۔ ٹی انجیّا کی بے عزتی کی گئی تھی، جناب راماراؤ کو ان کا وقار بحال کرنے کے لئے اپنی فلمی دنیا چھوڑ کر آندھرا کے عوام کی خدمت کے لئے میدان میں آنا پڑا تھا۔ آپ جمہوریت کی بات سمجھا رہے ہیں۔ اس ملک میں آپ نے 90 بار بلکہ 90 سے بھی زائد بار دفعہ 356 کا غلط استعمال کرکے ریاستی سرکاروں کو، ان ریاستوں میں بڑھتی ہوئی پارٹیوں کو اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ آپ نے پنجاب میں اکالی دل کے ساتھ کیا کیا۔ آپ نے تامل ناڈو میں کیا کیا، آپ نے کیرل میں کیا کیا، آپ نے اس ملک میں جمہوریت کو پنپنے ہی نہیں دیا۔ آپ نے

اپنے کنبے کی جمہوریت کو ہی جمہوریت مانا، اور آپ ملک کو گمراہ کر رہے ہیں ۔ یہی نہیں ، کانگریس پارٹی کی جمہوریت۔ جب ضمیر کی آواز اٹھتی ہے تب انکی جمہوریت کو دبوچ لیا جاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ کانگریس نے صدر جمہوریہ کے عہدہ کے لئے نیلم سنجیوا ریڈی کو پسند کیا تھا۔ راتوں رات ان کی پشت میں چھرا بھونک دیا گیا۔ پارٹی کے منظور شدہ امیدوار کو شکست دے گی گئی اور اتفاق سے وہ بھی آندھرا پردیش سے ہی آتے تھے۔ آپ نے ٹی انجیّا کے ساتھ کیا کیا۔ آپ نے سنجیو ریڈی کے ساتھ کیا کیا، یہی نہیں بلکہ ابھی ڈاکٹر منموہن سنگھ جی کے دور اقتدار میں وزیر اعظم کی کابینہ میں جمہوری طریقے سے لیا گیا اہم ترین فیصلہ آپ ہی کی پارٹی کی سرکار اور آپ کی پارٹی کے ایک عہدے دار نے پریس کانفرنس بلا کر پریس کے سامنے کابینہ کے اس فیصلے کو پارہ پارہ کر دیا ۔ آپ کے منھ سے جمہوریت کی باتیں زیب نہیں دیتیں، اس لئے آپ ہمیں جمہوریت کا سبق نہ پڑھائیں۔

میں ذرا تاریخ کی ایک اور بات بتانا چاہتا ہوں، کیا یہ سچ نہیں کہ کانگریس کی قیادت کے لئے چناؤ ہوا تھا اور 15 کانگریس کمیٹیوں میں سے 12 کمیٹیوں نے سردار ولبھ بھائی پٹیل کو چنا تھا ،اس کے باوجود قیادت سردار ولبھ بھائی پٹیل جی کو نہیں دی گئی ،وہ کون سی جمہوریت تھی ۔ پنڈت نہرو جی کو بٹھا دیا گیا۔ اگر ملک کے پہلے وزیر اعظم سردار ولبھ بھائی پٹیل ہوتے تو کشمیر کا حصہ پاکستان کے زیر قبضہ نہ ہوتا۔

ابھی دسمبر میں کانگریس کے عہدہ صدارت کا چناؤ ہوا تھا یا تاجپوشی! آپ ہی کی پارٹی کے ایک نوجوان نے آواز اٹھائی۔ وہ اپنی امیدواری کا فارم بھرنا چاہتے تھے۔ آپ نے اس کو بھی روک دیا۔ آپ جمہوریت کی باتیں کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں آواز دبانے کے لئے یہ تمام کوششیں ناکام رہیں گی۔ سننے کے لئے ہمت چاہئے ہوتی ہے۔ محترمہ اسپیکر صاحبہ ، یہ ہمارے سرکار کی خصوصیت ہے کہ ہم ایک ایسا ورک کلچر لائے ہیں ، جس کا مقصد محض اعلانات کرکے اخبارات کی سرخیاں بٹورنا نہ ہو ۔منصوبوں کا اعلان کرکے عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونک دینا یہ ہمارا ورک کلچر نہیں ہے۔ ہم ان چیزوں کو ہاتھ لگاتے ہیں، جن کو مکمل کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ اچھی بات کسی بھی سرکار کی یا کسی کی بھی کیوں نہ ہو، اگر کم رُکتا ہے تو ملک کا نقصان ہوتا ہے، ہم اسے ٹھیک کرکے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ جمہوریت میں سرکاریں آتی رہتی ہیں جاتی رہتی ہیں ، ہم اسی اصول کو ماننے والے ہیں ۔

کیا یہ بات سچ نہیں ہے کہ پچھلی سرکار میں یہی ملازمین تھے، یہی فائلیں تھیں لیکن 11 کلومیٹر قومی شاہراہیں ہی روزانہ تعمیر ہو پاتی تھیں۔ آج ایک روز میں 22 کلومیٹر قومی شاہراہ تعمیر کی جاتی ہے۔ سڑکیں آپ بھی بناتے تھے، روڈ ہم بھی بناتے ہیں ،

پچھلی سرکار کے آخری تین برسوں میں 80 ہزار کلومیٹر سڑکیں تعمیر کی گئیں ۔ ہماری سرکار کے تین سال میں ایک لاکھ 20 ہزار کلومیٹر سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ پچھلی سرکار کے آخری تین برسوں میں تقریباً1100 کلومیٹر نئی ریلوے لائنیں تعمیر کی گئیں، ہماری سرکار کے تین برسوں میں 2100 کلومیٹر نئی ریل پٹریاں بچھائی گئیں۔ پچھلی سرکار کے آخری تین برسوں کے دوران 2500 کلومیٹر ریلوے لائنوں کی برق کاری کی گئی ، ہماری سرکار کے تین برسوں میں 4300 کلومیٹر سے زائد ریلوے لائنوں کی برق کاری کی گئی۔

2011 کے بعد پچھلی سرکار میں 2014 تک آپ کے طریقے کیا تھے۔ آپ تو یہی کہیں گے کہ یہ اسکیم ہماری تھی، یہ تصور ہمارا تھا۔ اسکی کریڈٹ ہماری ہے، یہی گیت گائیں گے۔ سچائی کیا ہے؟ آپٹیکل فائبر نیٹ ورک کے لئے آپ کے کام کرنے کے طریقے کیا تھے؟۔ جب تک رشتہ داروں کا میل نہ بیٹھے ، اپنوں کا میل نہ بیٹھے، گاڑی آگے چلتی ہی نہ تھی۔ 2011 کے بعد سے 2014 تک آپ نے محض 59 پنچایتوں میں آپٹیکل فائبر نیٹ ورک پہنچایا۔ ہم نے آنے کے بعد اتنے کم وقت میں ایک لاکھ سے زائد پنچایتوں میں آپٹیکل فائبر نیٹ ورک پہنچادیا۔ کہاں تین برس میں 60 سے کم گاؤں اور کہاں تین برس میں ایک لاکھ سے بھی زائد گاؤں۔ کوئی مقابلہ ہی نہیں۔

اسی لئے پچھلی سرکار نے شہری ہاؤسنگ اسکیم 939 شہروں میں نافذ کی تھی، آج پردھان منتری آواس یوجنا 4320 شہروں میں نافذ کی جاچکی ہے۔ آپ نے تین سال میں ایک ہزار سے کم اور ہم نے تین سال میں چار ہزار سے بھی زائد کیے ہیں ۔ پچھلی سرکار کے آخری تین برسوں میں بارہ ہزار میگاواٹ کی قابل تجدید توانائی کی اہلیت جوڑی گئی۔ اس سرکار نے اپنے تین برسوں میں 22000 میگاواٹ سے بھی زیادہ قابل تجدید توانائی پیدا کیا۔ جہازرانی کی صنعت اور کارگو ہینڈلنگ کے کام میں آپ کی سرکار کے دوران منفی نمو درج ہوتی تھی۔ ہماری سرکار نے 11 فیصد سے زائد نمو کرکے دکھایا۔ اگر آپ زمین سے جُڑے ہوتے تو شاید آپ کی یہ حالت نہ ہوتی۔ مجھے اچھا لگا کہ کھڑگے جی نے دو چیزوں، ریلوے اور کرناٹک کا ذکر کیا، ان کا سینہ ایک دم پھول جاتا ہے، آپ نے بیدر-کلبرگی ریلوے لائن کا تذکرہ کیا، ملک کو اس سچائی کا پتہ ہونا چاہئے۔ یہ بات کانگریس کے منہ سے کبھی کسی نے نہیں سنی ہوگی، کبھی نہیں بولا ہوگا، افتتاحی تقریب میں بھی نہیں بولے ہوں گے ، سنگ بنیاد کی تقریر میں بھی نہیں بولے ہوں گے، سچائی کو ماننا ہوگا، بیدر-کلبرگی ریل لائن کے منصوبے کی منظوری اٹل بہاری واجپئی جی کی سرکار میں دی گئی تھی۔ سال 2013 تک آپ کی سرکار رہی، آپ خود ریلوے کے وزیر رہے، یہ آپ ہی کے پارلیمانی حلقے کا علاقہ ہے، لیکن اسکے باوجود بھی اتنے برسوں میں محض 37 کلومیٹر ریل لائن کا کام ہوا اور وہ کام بھی جب ہوا جب یدییورپّا جی وزیر اعلیٰ تھے، انہوں نے اِنی شیٹو

لیا تب جاکر آپ کی سرکار نے اٹل جی کے سپنے کو آگے بڑھانے کا کام شروع کیا۔ وہ بھی تب جب انتخاب آئے اور آپ نے محسوس کیا کہ یہ ریلوے لائن چل پڑے تو اچھا ہوگا۔ 110 کلومیٹر ہونا تھا ساڑھے تیس کیلومیٹر کی جھنڈی دکھا کر آ گئے۔ اتنے کم وقت میں جو 73 کلومیٹر کا کام ادھورا تھا اس کو ہم نے پورا کیا۔ ہم نے یہ نہیں سوچا کہ یہ اپوزیشن کے لیڈر کا پارلیمانی حلقہ ہے۔ اسکو ابھی گڈھے میں ڈالو، بعد میں دیکھا جائے گا۔ ہم ایسا گناہ نہیں کرتے ۔علاقہ آپ کا تھا لیکن کام ملک کا تھا۔ ہم نے اسے ملک کا کام مان کر پورا کیا۔ اس پوری اسکیم کو مکمل کرکے جب ہم نے ملک و قوم کو وقف کی تو آپ کو درد ہوا۔ اس درد کی دوا عوام نے آپ کو بہت پہلے ہی دے دی تھی۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ،

ایک دوسری بات باڑمیر ریفائنری کی کی جا رہی ہے ۔انتخابات سے قبل پتھر پر نام کندہ کر دیا جائے گا تو گاڑی چل جائے گی۔ آپ نے پتھر پر نام تو کندہ کروا دیا لیکن ہم نے آکر دیکھا تو سارا کام کاغذ پر ہوا تھا ۔ نہ زمین کی منظوری تھی ،نہ زمین تھی، نہ بھارت سرکار کے ساتھ کوئی معاہدہ تھا۔ انتخابات کے مد نظر آپ نے وہاں بھی پتھر نصب کر دیا۔ آپ کی غلطیوں کو ٹھیک کرنے کے لئے اس پوری یوجنا میں حکومت ہند اور راجستھان سرکار کو زبردست مغزماری کرنی پڑی تب جاکر بڑی مشکل سے اسے نکال پائے اور آج وہ کام شروع ہو چکا ہے۔

جب ہم نے ڈھولہ-سدیہ پُل کا افتتاح کیا تو کچھ لوگوں کو تکلیف ہوگئی اور کہہ دیا کہ یہ کام تو ہمارا ہے۔ بہت آسان ہے۔لیکن یہ کبھی نہیں کہا گیا کہ جب اس برج کا کام چل رہا تھا تو ایوان میں اس پر سوال اٹھے۔ کبھی ایوان میں یہ بات کہنے کی ایمانداری نہیں دکھائی گئی کہ اس کام کا فیصلہ بھی اٹل بہاری واجپئی سرکار میں ہوا تھا ۔ وہ بھی ہماری بی جے پی کے ایک ایم۔ ایل۔ نے بہت گہرائی سے مطالعہ کرکے اسکی مانگ کی تھی جناب اٹل بہاری واجپئی جی نے اس مانگ کو منظور کیا تھا۔ اور اس میں سے یہ بنا تھا۔2014 میں ہماری سرکار بننے کے بعد شمال مشرق کے علاقوں کو ترجیح دیا اور اس کو تیز رفتار سے آگے بڑھانے کا کام ہم نے کیا تب جاکر وہ پُل تعمیر ہوا ۔ اتنا ہی نہیں، میں فخر سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ہماری سرکار وہ سرکار ہے، جس نے ملک میں سب سے طویل سرنگ ،سب سے طویل گیس پائپ لائن سمندر کے اندر سب سے طویل پُل اور سب سے تیز رفتار ٹرین کے فیصلے لئے اور طے شدہ وقت کے مطابق آگے بڑھ رہی ہے۔ ہم نے اپنے دور اقتدار میں ہی 104 سیٹلائٹ چھوڑنے کا کام بھی ہو رہا ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتااور محترم صدر جمہوریہ نے بھی اپنی تقریر میں اس کا ذکر کیا ہے۔ میں بتاناچاہتا ہوں کہ جمہوریت کیسی ہوتی ہے۔ اقتدار میں رہتے ہوئے سب کا احترام کیسے کیا جاتا ہے، لال قلعہ سے کی جانے والی تقریریں نکال لیجئے ۔ لال قلعہ سے ہر کانگریسی لیڈر کی تقریر دیکھ لیجئے، کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ملک میں جو ترقی ہو رہی ہے،اس میں سبھی سرکاروں کا تعاون شامل ہے۔ سابقہ سرکاروں کا تعاون شامل ہے۔ ایسا جملہ لال قلعہ سے کانگریس کے لیڈروں نے کہا ہو تو ذرا تاریخ کھول کر لے آیئے۔ یہ نریندر مودی ہے جو لال قلعہ سے کہتا ہے کہ ملک آج جہاں پہنچا ہے،اسے وہاں پہنچانے میں پرانی سبھی سرکاروں کی خدمات شامل ہے۔ ریاستی حکومتوں کا بھی تعاون شامل ہے اور تمام اہل وطن کا تعاون شامل ہے۔ ہماری ہمت کھلے عام تسلیم کرنے کی ہے۔ یہ ہماری فطرت میں ہے۔ میں آج بتاناچاہتا ہوں کہ جب میں گجرات میں وزیر اعلیٰ تھا تو وہ گجرات کا گولڈن جوبلی سال تھا۔ گولڈن جوبلی سال منانے کے لئے ایک پروگرام کیا کہ جتنی بھی معزز گورنروں کی تقریریں تھیں، ہم نے ان کو جمع کیا۔ گورنر کی تقریر کیا ہوتی ہے، جیسے عزت مآب صدر جمہوریہ کی ہوتی ہے، حکومت کی سرگرمیوں کا ذکر ہوتا ہے، گورنر کی تقریریں ریاستی حکومت کے کام کاج کو بیان کرتی ہیں۔ لیکن ہم نے گجرات کے وجود میں آنے کے بعد سے 50 سال تک کے سفر میں جتنے بھی گورنروں کی تقریریں تھیں، جن میں ان کے دور کی سرکاروں کے کام کاج کی تفصیلات شامل تھیں ،سب کو یکجا کرکے ایک ضخیم کتاب تیار کی اور اسے آرکائیو میں رکھنے کا کام کیا۔اسے کہتے ہیں جمہوریت۔ آپ۔مہربانی کرکے... سب کچھ آپ نے ہی کیا ہے، آپکی ایک فیملی نے کیا ہے۔اسی لئے آپکے وہاں جاکر بیٹھنے کی نوبت آئی ہے۔آپ نے ملک کو قبول نہیں کیا ہے۔اسی لئے آج دوگنی رفتار سے سڑکیں بن رہی ہیں۔ ریلوے لائنیں تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ پورٹ ڈیولپمنٹ ہو رہا ہے، گیس پائپ لائن بچھائی جا رہی ہے، بند پڑے فرٹیلائزر پلانٹوں کو دوبارہ چالو کیا جا رہا ہے، کروڑوں بیت الخلاء بن رہے ہیں، روزگار کے نئے مواقع فراہم ہو رہے ہیں۔ میں ذرا اپنے کانگریس کے ساتھیوں سے پوچھنا چاہتا ہوں ۔روزگار اور بے روزگاری کی تنقید کرنے والوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ جب بے روزگاری کے اعداد و شمار بیان کرتے ہیں تو وہ اعداد و شمار پورے ملک کے ہوتے ہیں۔ یہ میں بھی جانتا ہوں، آپ بھی جانتے ہیں اور یہ سارا ملک جانتا ہے۔ اگر بے روزگاری کے اعداد و شمار پورے ملک کے ہوتے ہیں تو روزگار کے اعداد و شمار بھی پورے ملک کے ہونے چاہئے۔ اب آپ کو میری بات پر بھروسہ نہیں ہوگا۔ آپ ریکارڈ دیکھئے۔ مغربی بنگال کی سرکار، کرناٹک کی سرکار، اوڈیشہ کی سرکار اور کیرل کی سرکار میں ہم تو ہیں نہیں نہ کوئی این ڈی اے ہے۔ان چاروں سرکاروں نے خود جو اعلانات کئے ہیں ،اس کے حساب سے ان سرکاروں کا دعویٰ ہے کہ وہاں تقریباً ایک کروڑ لوگوں کو روزگار ملا ہے۔ کیا آپ انکے دعووں کا بھی انکار کرینگے؟ کیا آپ اس روزگار کو روزگار نہیں مانیں گے؟.. بے روزگاری دیش کی اور پورے دیش کی بے روزگاری کے اعداد و شمار.. میں اس میں ملک کے اقتصادی طور پر خوشحال ریاستوں کا ذکر نہیں کر رہا ہوں، میں

ان حکومتوں کا ذکر کر رہا ہوں جہاں حکومت میں آپ کے لوگ بیٹھے ہیں اور روزگار دینے کا وہ دعوی کر رہے ہیں۔ یا تو آپ انکار کر دیجئے کہ اپکی کرناٹک سرکار روزگار کے جو اعداد و شمار دے رہی ہے، جھوٹے اعداد و شمار دے رہی ہے۔ اسلئے ملک کو گمراہ کرنے کی کوشش مت کیجئے ۔ دیش میں روزگار کی فراہمی کے لئے جو کوششیں سرکار نے کی ہیں اور جو اسکیمیں مرتب کی ہیں، آپ جانتے ہیں، ایک سال کی مدت میں 70 لاکھ ای۔پی۔ایف اندراجات کئے گئے اور وہ بھی 18 سے 25 سال کی عمر کے نوجوان بیٹے بیٹیوں کے ہیں۔ کیا یہ روزگار نہیں ہے؟ کوئی ڈاکٹر بنے ،کوئی انجنیئر نے ،کوئی وکیل بنے یا کوئی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ بنے ،انہوں نے اپنے کاروبار شروع کئے، اپنی کمپنیوں میں لوگوں کو کام دیا، کئی لوگوں نے اپنا روزگار بڑھایا۔ آپ اسکو شمار کہنے کے لئے تیار نہیں ہیں ۔آپ بخوبی جانتے ہیں کہ فارمل سیکٹر میں صرف دس فیصد روزگار ہوتا ہے اور انفارمل سیکٹر میں نوّے فیصد ہوتا ہے۔ اسلئے آج انفارمل سیکٹر کو بھی فارمل سیکٹر میں لانے کے لئے ہم نے کئی انیشئیٹو اور منصوبہ بنانے کی سمت میں کامیاب کوشش کی ہے۔ اتنا ہی نہیں، آج ملک کے متوسط طبقہ کا نوجوان نوکری کے لئے بھیک مانگنے والوں میں سے نہیں ہے، وہ عزت کے ساتھ جینا چاہتا ہے وہ اپنے بل بوتے پر جینا چاہتا ہے۔ میں نے ایسے کئی آئی۔اے۔ایس افسر دیکھے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں آپ کی اولاد کیا کرتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید وہ بھی بابو بنیں گے۔ لیکن آجکل وہ کہتے ہیں کہ صاحب اب زمانہ بدل گیا ہے ۔اپنے والد صاحب کے سامنے ہم تھے تو ہم سرکاری نوکری ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہاں پہنچ گئے۔ آج جب ہم اپنے بچوں کو کہتے ہیں کہ بیٹا یہاں آجاؤ تو وہ منع کرتے ہیں کہ میں تو اسٹارٹ اپ میں جاؤں گا۔ یہ سب ملک کے نوجوانوں میں اتنا جوش کیوں ہے؟ خواہ کوئی بھی ملک کی قیادت کرے، ملک کے متوسط طبقہ تعلق رکھنے والے جو تیز و طرار نوجوان ہیں، ان کے عزائم کو مضبوط بنایا جانا چاہئے ۔انکو مایوس نہیں کرنا چاہئے۔ پردھان منتری مُدرا یوجنا، اسکل ڈویلپمنٹ یوجنا، انٹرپینرشپ پلاننگ یوجنا، یہ ساری باتیں ملک کے متوسط طبقہ کے نوجوانوں کے عزائم کو تقویت دینے کی ہماری کوششیں ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ پردھان منتری مُدرا یوجنا کے تحت دس ہزار سے زیادہ قرض کی منظوری ہوئی ہے۔ یہ اعداد وشمار کوئی کم نہیں ہے۔ اور دس کروڑ قرض کی منظوری میں کہیں کوئی کٹوتی نہیں ہوئی ہے اور بیچ میں کسی دلال کے آنے کی شکایت نہیں ہے۔ یہ بھی اس حکومت کے ورک کلچر کا نتیجہ ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قانون وضابطے وضع کیے ہیں۔ اسی وجہ سے اسکو بغیر کسی پریشانی کے بینک سے پیسہ مل جاتا ہے۔ دس کروڑ کے لون کی منظوری ہوئی۔ اس میں سے 4,00,000 کروڑ روپے سے زیادہ پیسہ دیا گیا ہے۔ اتنا ہی نہیں، جو لون یافتہ لوگ ہیں ان میں سے تین کروڑ لوگ نئے انٹرپرینئر ہیں۔ جنکی زندگی میں ایسا موقع کبھی نہیں آیا، ایسے لوگ ہیں۔ کیا یہ بھارت میں روزگار بڑھانے کا کام نہیں ہو رہا ہے؟ لیکن آپ نے آنکھیں بند کر کے رکھی ہوئی ہیں ۔ اور آپ اپنی نغمہ سرائی سے اوپر نہیں اٹھ پا رہے ہیں ۔ میں ذرا پوچھنا چاہتا ہوں ۔ یہ سب ہمارے زمانے کے گیت گاتے رہتے ہیں۔ یہ ذہنیت آپکو وہیں رہنے دے گی۔ اٹل جی نے کہا ہے۔ وہی سچائی ہے کہ چھوٹے

من سے کوئی بڑا نہیں ہوتا اور ٹوٹے من سے کوئی کھڑا نہیں ہوتا، اور اسی لئے آپ وہیں رہ جائیں گے اور وہیں پر آپکو گزارا کرنا پڑے گا۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ سبھی لوگ ہمارے زمانے، ہمارے زمانے کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ 80 کی دہائی میں ہمارے ملک میں یہ گونج سنائی دے رہی تھی۔ اکیسویں صدی آرہی ہے، اکیسویں صدی آرہی ہے، اکیسویں صدی آرہی ہے۔ کانگریس کے لیڈر ہر ایک کو اکیسویں صدی کا پرچہ دکھاتے تھے۔ نوجوان لیڈر تھے۔ نئے نئے آئے تھے۔ اپنے نانا سے بھی زیادہ سیٹیں جیت کر آئے تھے۔ میں نے اس زمانے میں ایک دلچسپ کارٹون دیکھا تھا۔ جس میں پلیٹ فارم پر ایک نوجوان کھڑا تھا۔ سامنے سے ایک ریل آرہی تھی جس پر لکھا تھا اکیسویں صدی۔ وہ نوجوان اس طرف دوڑ رہا تھا۔ کسی بزرگ نے کہا کہ کھڑے رہو وہ یہیں آنے والی ہے۔ 80 کی دہائی میں اکیسویں صدی کے خواب دکھائے جاتے تھے، اکیسویں صدی کی تقریر سنائی جا رہی تھی۔ اور اکسویں صدی کی بات کرنے والی سرکار شہری ہوابازی کی پالیسی تک نہیں وضع کر پائی تھی۔ اگر اکیسویں صدی میں ایوی ایشن کی پالیسی نہ ہو تو وہ اکیسویں صدی کیسی ہوگی، بیل گاڑی والی! آپ یہی کر رہے ہیں۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ، ہم نے شہری ہوابازی کی پالیسی بنائی اور آج چھوٹے چھوٹے شہروں میں جو چھوٹی چھوٹی ہوائی پٹیاں پڑی ہوئی تھیں انکا ہم نے استعمال کیا اور 6 ایسی ہوائی پٹیاں تعمیر ہوگئیں، جہاں طیاروں کی آمدورفت شروع ہو چکی ہے۔ شہری ہوابازی کے 80 سے زیادہ امکانات پر کام جاری ہے۔ ٹیئر-2 اور ٹیئر-3 کے شہروں میں طیاروں کی پروازیں شروع ہونے والی ہیں۔ یہ سن کر اُدھر کے لوگوں کو تکلیف ہوگی کہ آج ملک میں تقریباً 450 ہوائی جہاز پرواز کر رہے ہیں ۔900 سے زائد نئے طیارے خریدنے کا آرڈر جاری کیا جا چکا ہے۔ میں اسے کامیابی مانتا ہوں۔ یہ کامیابی صرف اس لئے نہیں ملی کہ ہم فیصلے لیتے ہیں۔ ہم ٹکنولوجی کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ ہم نگرانی کرتے ہیں۔ سڑک اور ریل کے تعمیری کاموں کی نگرانی بھی ڈرون کے ذریعے کرتے ہیں ۔ ہم سیٹلائٹ ٹکنولوجی سے ٹریکنگ کر رہے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، اگر ٹوائیلیٹ بنے ہیں تو موبائل پر اس کی تصویر بھی ٹیگ کی جاتی ہے۔ اس طرح ہم ہر چیز میں سیٹلائٹ کی ٹکنولوجی کا استعمال کرتے ہوئے ہم نے آگے بڑھنے کا کام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مانیٹرنگ کی وجہ سے کاموں میں تیزی آئی ہے اور شفافیت بھی آئی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ جب ہم انتخابات جیت کر کے آئے، تب آپ ہی کی طرف سے یہ اس خدشے کا اظہار کیا گیا تھا کہ مودی آدھار کو ختم کر دیگا۔ یہ ہمارا منصوبہ روک دیگا، مودی آدھار کو آنے نہیں دیگا۔ آپ مان کر کے چلے تھے اور اس لئے آپ نے مودی

پر حملہ کرنے کے آدھار کا استعمال کیا تھا کہ مودی لائیگا نہیں۔ لیکن جب مودی اس کو سائنٹفک طریقے سے لے کر آیا اور اس کے سائنٹفک استعمال کے راستے تلاش کئے جو آپ کے تصور میں بھی نہیں تھا، اور جب آدھار لاگو ہو گیا، اچھے ڈھنگ سے لاگو ہو گیا، غریب سے غریب انسان کو اچھی طرح اس کا فائدہ ملنے لگا، تو آپ کو آدھار کا عمل میں آنا برا لگنے لگا۔ آپ چاہتے ہیں کہ چت بھی اپنی ،پٹ بھی اپنی۔ آج 115 کروڑ سے زیادہ آدھار بن چکے ہیں۔ مرکزی سرکار کے تقریبا 400 منصوبوں کا براہ راست فائدہ منتقلی اسکیم سے غریبوں کے کھاتے میں پیسے جانے لگے ہیں۔آپ نے ایسی ایسی بیواوں کو پنشن دی ہے، جس بیٹی کی پیدائش ہی نہیں ہوئی، وہ کاغذوں میں بیوہ ہو جاتی ہے۔ سالوں تک پنشن جاتی ہے، پیسے جاتے ہیں، اور ملائی کھانے والے درمیان کے لوگ ملائی کھاتے ہیں۔ بیوہ کے نام پر، بزرگوں کے نام پر، معذوروں کے نام پر، سرکاری خزانے سے نکلے پیسے بچولیوں کی جیب میں گئے اور سیاست چلتی رہی ہے۔آج آدھار کی وجہ سے براہ راست فائدہ منتقلی اسکیم سے آپ پریشان نہیں ہیں، بلکہ آپ کی پریشانی کی وجہ یہ ہے جو بچولیوں کی چال تھی، وہ بچولیوں کی چال ختم ہوئی ہے اور اس لئے جو روزگار ختم ہوا ہے وہ بچولیوں کا ختم ہوا ہے۔ جو روزگار چلا گیا ہے، بے ایمانوں کا گیا ہے، جو روزگار گیا ہے ملک کو لوٹنے والوں کا ختم ہوا ہے۔

اسپیکر صاحبہ، چار کروڑ غریب اور متوسط طبقے کے کنبوں کو مفت بجلی کنکشن کی فراہمی کی سہولت ہم نے دی ہے۔آپ کہیں گے کہ لوگوں کے گھروں میں بجلی دینے کا منصوبہ ہمارے دور میں شروع ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے۔ لیکن کیا اس وقت بجلی تھی؟ کیا ٹرانسمشن لائنیں تھیں؟ 18 ہزار گاوؤں میں کھمبے تک نہیں لگے تھے اور لوگ بغیر بجلی کے جینے کے لئے مجبور تھے، اور آج آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ ہمارا منصوبہ تھا۔ ہم کسی بھی ترقیاتی کام کو قسطوں میں نہیں کرتے۔ ہم ایک مجموعی، مربوط انداز فکر اور دور اندیشی کے ساتھ اور عرصہ دراز میں بارآور ہونے والے منصوبوں کے ساتھ ہم چیزوں کو آگے کرتے ہیں۔ صرف بجلی کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ آپ کو پتہ چلے گا کہ سرکار کے کام کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ ہم کس طریقے سے کام کرتے ہیں۔ بجلی نظام سدھارنے کے لئے چار کروڑ مکانوں میں، ملک میں کل مکان ہیں 125 کروڑ، 4 کروڑ مکانوں میں بجلی کا کنکشن نہ ہونے کا مطلب ہے کہ آج بھی تقریباً 20 فیصد لوگ اندھیرے میں زندگی گذار رہے ہیں۔ یہ فخر کرنے کی بات نہیں ہے۔ اور آپ نے ہمیں یہ وراثت میں دیا ہے، جس کو پورا کرنے کی ہم کوشش کر رہے ہیں، لیکن کیسے کر رہے ہیں۔ ہم نے بجلی کے نظام کو بہتر بنانے کے لئے چار مرحلوں میں الگ الگ چیزوں کو ہم نے ہاتھ لگایا۔ بجلی کی پیداوار، ترسیل، تقسیم اور چوتھا ہے کنکشن۔ اور یہ ساری چیزیں ایک ساتھ ہم آگے بڑھا رہے ہیں۔ سب سے پہلے ہم نے بجلی کی پیداوار بڑھانے پر زور دیا۔ شمسی توانائی ہو، آبی توانائی ہو، تھرمل توانائی ہو، جوہری توانائی ہو، جس ایریا سے بھی بجلی ہو سکتی ہے اور اس پر زور دیکر ہم نے بجلی کی پیداوار کو بڑھایا۔ ترسیلی نظام میں ہم نے

تیزی سے ترقی کی۔ پچھلے تین سالوں میں ہم نے ڈیڑھ لاکھ کروڑ روپے سے زائد پروجیکٹوں پر کام کیا۔ یہ پچھلی سرکار کے مقابلے میں ہماری تین سالوں کی کارگزاری 83 فیصد زیادہ ہے۔ ہم نے آزادی کے بعد ملک میں کل قائم ٹرانس مشن لائن اس میں 2014 کے بعد 31 فیصد یعنی آزادی کے بعد جو تھا، اس میں 31 فیصد اکیلے ہم آکر کے بڑھایا۔ ٹرانسفارمر کیپسٹی پچھلے تین سالوں میں ہم نے 49 فیصد بڑھائی ہے۔ کشمیر سے کنیا کماری تک، کچھ سے کیمرون تک، بغیر رکاوٹ کے بجلی کے ٹرانسمشن کے لئے سارا نیٹ ورک کا کام ہم نے کھڑا کیا ہے۔ بجلی تقسیم نظام مضبوط کرنے کے لئے 2015 میں اجوول ڈسکام انشورنس یوجنا یعنی کہ اُدے یوجنا اور ریاستوں کو ساتھ لے کر کے ایم-او-یو کرکے آگے بڑھائی ہے۔ بجلی ڈسٹربیوشن کمپنیوں میں بہتر آپریشن اور فائننشیل منیجمنٹ ثابت ہو، اس پر ہم نے زور دیا ہے۔ اس کے بعد کنکشن کے لئے گھر میں بجلی پہنچانے کے لئے سوبھاگیہ یوجنا شروع کی ہے۔ ایک طرف بجلی پہنچانا، دوسری طرف بجلی بچانا، ہم نے 28 کروڑ ایل۔ ای۔ ڈی بلب بانٹے۔ متوسط طبقے کے کنبے جو گھر میں بجلی کا استعمال کرتے ہیں۔ 28 کروڑ بجلی کے بلب پہنچانے کی وجہ سے 15 ہزار کروڑ روپے بجلی کا بل بچا ہے، جو متوسط طبقے کے کنبوں کی جیب میں بچا ہے۔ ملک کے متوسط طبقے کو فائدہ پہنچا ہے۔ ہم نے وقت خراب ہونے سے بچایا ہے، ہم نے فضول خرچی کو روکنے کی بھی ایمانداری سے کوشش کی ہے۔

اسپیکر صاحبہ، یہاں پر کسانوں کے نام پر سیاست کرنے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے اور انھیں مددگار لوگ مل بھی جاتے ہیں۔ یہ سچائی ہے کہ آزادی کے 70 سال کے بعد بھی ہمارے کسان جو پیداوار کرتے ہیں، قریب قریب ایک لاکھ کروڑ روپے کی یہ جو پیداوار کی چیزیں ہیں، اس میں پھل ہوں، پھول ہوں، سبزی ہو، اناج ہو یہ کھیت سے لے کر اسٹور تک اور بازار کے ساتھ جو سپلائی چین چاہئے اس کی کمی کی وجہ سے وہ دولت برباد ہو جاتی ہے۔ ہم نے پردھان منتری کسان سمپدا یوجنا شروع کیا اور ہم اس بنیادی ڈھانچے کو قوت دے رہے ہیں کہ کسان جو پیداوار کرتا ہے اس کو رکھ رکھاؤ کا نظام ملے اور اس کی فصل برباد نہ ہو، اس کی گارنٹی تیار ہے۔ سرکار نے سپلائی چین میں نئے بنیادی ڈھانچے کو تیار کرنے میں مدد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اس کے بعد جو ایک لاکھ کروڑ بچیں گے وہ ملک کے کسانوں کو فوڈ پروسیسنگ میں لگے ہوئے متوسط طبقے کے نوجوانوں کو گاوں میں ہی زراعت پر مبنی صنعتوں کے لئے مواقع کے امکان پیدا ہوئے ہیں۔ ہمارے ملک میں جتنی زراعت کی اہمیت ہے اتنی ہی مویشی پروری کی بھی، یہ دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے دیش میں پشوپالن کے شعبے میں ضروری انتظامات کے فقدان میں 40 ہزار کروڑ کا سالانہ نقصان ہوتا ہے۔ ہم نے مویشیوں کی فکر کرنے کا کام کیا۔ کامدھینو یوجنا کے ذریعہ ان مویشیوں کی دیکھ دیکھ کی فکر کرنے کے لئے، ان کے صحت کی فکر کرنے کے لئے ایک بڑا زبردست کام شروع کیا ہے۔ اور اس کی وجہ سے کامدھینو یوجنا کا

فائدہ ملک کے مویشی پالن کو اور جو کسان مویشی پالن کرتا ہے، ان کو ایک بہت بڑی راحت ملنے والی ہے۔ ہم اسکو 2022 میں دوگنا کرنے کی بات کر رہے ہیں۔80 میں 21 ویں صدی کی بات کرنا وہ تو منظور تھا لیکن مودی اگر 2018 میں آزادی کے 75 سال والے 2022 کو یاد کرے تو آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ کہ مودی 22 کی بات کیوں کرتا ہے۔ آپ 80 میں 21 ویں صدی کے گیت گاتے تھے۔ دیش کو دکھاتے رہتے تھے، اور جب میری حکومت طے شدہ کام کے ساتھ 2022 میں آزادی کے 75 ویں سال تک ایک عزم، ایک حوصلہ کے ساتھ اس کو لے کر کے آگے کام کر رہی ہے۔ تو آپ کو اس کی بھی تکلیف ہو رہی ہے۔ اور کسانوں کی آمدنی دوگنی کرنا ہے۔ آپ وہم میں اس لئے جیتے ہیں کہ آپ نے کبھی بڑا سوچا ہی نہیں اور چھوٹے من سے کچھ ہوتا نہیں۔ کسان کی آمدنی دوگنی کرنے کے لئے کیا ہم اس کی لاگت میں کمی نہیں کر سکتے؟ سوائیل ہیلتھ کارڈ کے ذریعہ یہ ممکن ہوا ہے، سولر پمپ کے ذریعہ یہ ممکن ہوا ہے، یوریا نیم کوٹنگ کی وجہ سے یہ ممکن ہوا ہے۔ یہ ساری چیزیں کسان کی لاگت کم کرنے کے لئے کام آنے والی چیزیں ہیں۔ ایسی متعدد چیزوں کو ہم نے آگے بڑھایا ہے۔ اسی طرح سے کسان کو اپنے کسانی کے ساتھ ساتھ ہم نے بانسوں کو بھی لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر وہ اپنے کھیت کے کنارے پر بانس لگائیگا۔ اور آج اس بانس کی معتبر منڈی ہے۔ آج ملک ہزاروں کروڑ روپے کے بانس کی درآمد کرتا ہے آپ کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے۔ آپ نے بانس کو درخت کہہ دیا اور اس کی وجہ سے کوئی بانس کو کاٹ نہیں سکتا تھا۔ میرے شمال مشرق کے لوگ پریشان ہو گئے ۔ ہم نے بانس کو گھاس کے زمرے میں لا کر رکھا۔ وہ کسان کی آمدنی بڑھائے گا۔ اپنے کھیت کے کنارے پر اگر وہ بانس لگاتا ہے، اس کی چھایا سے کسان کو تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ اسکی آمدنی میں اضافہ ہو گا۔ ہم دودھ کی پیداوار کر بڑھانا چاہتے ہیں۔ فی جانور ہمارے یہاں دودھ کی پیداوار ہوتی ہے۔ اس کو بڑھایا جا سکتا ہے۔ ہم مدھومکھی پالن پر زور دینا چاہتے ہیں۔ آپ کو حیرانی ہو گی مدھومکھی پالن میں قریب قریب 40 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ آج دنیا مجموعی حفظان صحت، آسان بسر اوقات پر زور دے رہی ہے اور اس لئے آپ کو کیمیکل ویکس سے بچ کر بی۔ ویکس کے لئے پوری دنیا میں بی۔ ویکس کا بہت بڑا بازار ہے۔ اور ہمارا کسان کھیتی کے ساتھ مدھومکھی پالن کریگا۔ تو اس سے حاصل شدہ موم کا عمدہ طریقے سے استعمال کر کے اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکتا ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مدھومکھی کھیتی میں بھی مددگا ثابت ہوتی ہے۔ متعدد ایسے شعبے ہیں اور یہ سارے دودھ ادپادن، مرغی پالن، ماہی پروری، بانس ہوئے، یہ ساری چیزیں قدر و قیمت میں اضافہ کرتی ہیں۔ یہ کسان کی آمدنی کو دوگنا کرتی ہیں۔ ہم جانتے ہیں جو لوگ سوچتے تھے کہ آدھار کبھی نہیں آئیگا، آ گیا، ان کو یہ بھی پریشانی تھی کہ جی ایس ٹی نہیں آئیگی اور ہم سرکار کو ڈبوتے رہیں گے۔ اب جی ایس ٹی آ گئی تو کیا کریں، نیا کھیل کھیلو، یہ کھیل چل رہا ہے۔ کسی بھی ملک کے رہنما اپنی سیاست سے ملک کو مایوس کرنے کا کام نہیں کرتے۔ لیکن کچھ لوگوں نے اس راستے کو اپنایا ہے۔ آج جی۔ ایس۔ ٹی کی وجہ سے لوجسٹک میں بھی فائدہ ہوا ہے۔ ہمارے ٹرکس پہلے جتنا وقت لیتے تھے جام کی وجہ سے ، ٹول ٹیکس کی وجہ سے، آج

ان کا وہ وقت بچ گیا اور ہماری ٹرانسپورٹیشن کی صلاحیت کو 60 فیصد ڈلیوری کی نئی طاقت حاصل ہوئی ہے۔ جو کام پانچ چھ دن میں ایک ٹرک جا کر کرتا تھا۔ وہ آج ڈھائی تین دن میں پورا کر رہا ہے۔ اس سے ملک کو بہت فائدہ ہو رہا ہے۔ ہمارے ملک کو آگے لے جانے میں متوسط طبقے کا اہم کردار ہے۔ متوسط طبقے میں مایوسی پیدا کرنے کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ہمارے ملک کا متوسط طبقے کا انسان اچھی حکمرانی چاہتا ہے۔ ایک بہترین نظام چاہتا ہے۔ وہ اگر ٹرین کا ٹکٹ لے تو وہ اس کی بہتر سہولت چاہتا ہے۔ اگر وہ کالج میں بچے کو پڑھانے کے لئے بھیجے تو اس کو اچھی تعلیم چاہتا ہے۔ بچوں کو اسکول بھیجے تو اسکول میں اچھی تعلیم چاہتا ہے۔ وہ کھانا خریدنے جائے تو کھانے کی کوالٹی اچھی ملے، یہ متوسط طبقے کا آدمی چاہتا ہے۔ اور سرکار کا یہ کام ہے کہ پڑھائی اور تعلیم کے لئے بلند ادارہ رکھے، مناسب قیمت پر لوگوں کو مکان حاصل ہو، اچھی سڑکیں ملیں، ٹرانسپورٹ کی بہتر سہولتیں دستیاب ہوں، جدید شہری بنیادی ڈھانچہ ہو، متوسط طبقے کی امیدیں اور آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے زندگی کی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے یہ حکومت پچھلے ڈیڑھ سال سے قدم اٹھا رہی ہے۔ اور یہ سن کر کہ آپ حیران ہو جائیں گے کہ انٹری لیول پر انکم ٹیکس دنیا میں 5 فیصد کی در سے سب سے اگر کم کہیں ہے تو بھارت میں ہے۔ جو کسی خوشحال ملک میں بھی نہیں ہے، وہ ہمارے یہاں ہے۔ سال 2000 کے پہلے بجٹ میں ٹیکس سے چھوٹ کی حد پچاس ہزار سے بڑھا کر ڈھائی لاکھ کر دی گئی تھی۔ اس سال بجٹ میں 40 ہزار روپے کا اسٹینڈرڈ ڈیڈیکشن ہم نے منظور کیا ہے۔ سینئر سٹیزن کو بھی ہم نے چھوٹ میں اضافہ دیا ہے۔ متوسط طبقے کو قریب 12 ہزار کروڑ روپے کا سالانہ نیا فائدہ جڑ تا جائے۔ پردھان منتری شہری آواس یوجنا پر 31 ہزار کروڑ سے زیادہ ہم نے خرچ کیا ہے۔ سود میں پہلی بار اس ملک کے متوسط طبقے کے لوگوں کو راحت پہنچانے کا کام اس سرکار نے کیا ہے۔ نئے ایمس، نئی آئی آئی ٹی، نئے آئی آئی ایم، 11 بڑے شہروں میں میٹرو، 32 لاکھ سے زیادہ اسٹریٹ ایل ای ڈی لائٹ کر دی گئی ہے۔ اور اس لئے نئی صنعتوں ایم ایس ایم ای، یہ کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ایم ایس ایم ای شعبہ کے ساتھ جڑے لوگ یہی متوسط طبقہ اور بالائی متوسط طبقہ ہے۔ ڈھائی سو کروڑ کے ٹرن اوور پر ہم نے ٹیکس ریٹ 30 فیصد سے کم کر کے 25 فیصد کر کے متوسط طبقے کے سماج کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ 5 فیصد دیا ہے۔ 2 کروڑ روپے تک کاروبار کرنے والے سبھی کاروباری صرف بینکنگ ذرائع سے لین دین کرتے ہیں۔ سرکار ان کی آمدنی کو ٹرن اوور کا 8 فیصد نہیں 6 فیصد مانتی ہے۔ یعنی انھیں ٹیکس پر 2 فیصد کا فائدہ ہوتا ہے۔ جی ایس ٹی میں ڈیڑھ کروڑ روپے تک کی ٹرن اوور والے کاروبار کی کمپوزیشن اسکیم دی اور ٹرن اوور کا صرف ایک فیصد کی ادائیگی یہ بھی دنیا میں سب سے کم ہندوستان میں کرنے والی یہ سرکار ہے۔

عزت مآب صدر محترم، جن دھن یوجنا 31 کروڑ سے زیادہ غریبوں کے بینک اکاونٹ کھلنا، 18 کروڑ سے زیادہ غریبوں کو حفظان صحت بیمہ یوجنا کا فائدہ ہو، 90 پیسے روزانہ یا ایک روپیہ مہینہ اتنا اچھا پروڈکٹ والا بیمہ ہم نے ملک کو دیا، غریبوں کو دیا۔ اورآپ، آپ کو یہ جان کر کہ اطمینان ہو گا کہ اتنے کم وقت میں ایسے غریب کنبوں کے اوپر آفت آئی تو انشورنس کی یوجنا کی وجہ سے ایسے کنبوں کو دو ہزار کروڑ روپیہ ان کے گھر میں پہنچ گیا۔ یہ غیر معمولی کام ہوا ہے۔

اجوّل یوجنا کے تحت تین کروڑ تیس لاکھ ماؤں ۔ بہنوں کو ، غریب ماؤں ۔ بہنوں کو گیس کا کنکشن کے لئے ایم۔ پی کے کرتے پکڑ کر چلنا پڑ تا تھا۔ ہم سامنے سے جا کر کے یہ گیس کنکشن دے رہے ہیں۔ اوراب تعداد کو ہم نے 8 کروڑ کرنے کا فیصلہ کیا ہے ۔ آیوشمان بھارت یوجنا میں کیا ملک کے غریبوں کو طبی سہولت ملنی چاہئے کہ نہیں ملنی چاہئے ۔ غریب پیسے کی کمی میں علاج کروانے نہیں جاتا ہے ، وہ موت کو پسند کرتا ہے ۔ لیکن بچوں کے لئے وہ قرض چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا ہے ۔ کیا ایسے غریب پسماندہ طبقے کے کنبوں کا تحفظ کرنے کا فیصلہ غلط ہو سکتا ہے ؟ ہاں آپ کو لگتا ہے کہ اس پروڈکٹ میں کوئی بدلاؤ کرنا ہے تو اچھے اور مثبت سدھار لے کر کے آیئے ۔ میں خود وقت دینے کے لئے تیار ہوں ۔ تا کہ ملک کے غریبوں کو پانچ لاکھ روپے تک سالانہ خرچ کریں، اس کے کام آئے سرکار، لیکن آپ اس کے لئے بھی اس طریقے کی بیان بازی کر رہے ہیں ۔ اچھی یوجنا ہے ، ضرور مجھے سمجھایئے ، ہم مل بیٹھ کر کے یہ کام کریں گے ، طے کریں گے ۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ، ہماری حکومت نے جو بھی قدم اٹھائے ہیں اس میں ہم نے سرکار کے سوچنے کے طور طریقے میں بدلاؤ کیا ہے۔ جن دھن یوجنا نے غریب کے اعتماد میں اضافہ کیا ہے ، بینک میں پیسے جمع کر رہا ہے۔ روپے ڈیبٹ کارڈ کا استعمال کر رہا ہے۔ وہ بھی اپنے آپ کو خوشحال کنبوں کی برداری میں دیکھ رہا ہے۔ سووچھ بھارت مشن نے خواتین کے اندر ایک بہت بڑا اعتماد پیدا کرنے کا کام کیا ہے۔ مختلف قسم کی تکلیفوں سے اس کو آزادی دینے کا یہ سبب بنا ہے۔ اجولا یوجنا غریب ماؤں کو دھوئیں سے آزادی دلانے کا کام کر رہا ہے۔ پہلے ہمارا مزدور اچھی نوکری پانے کے لئے پرانی نوکری چھوڑنے کی ہمت نہیں کرتا تھا کیونکہ اسے اندیشہ رہتا تھا کہ پرانے جمع پیسے ڈوب جائیں گے۔ ہم ان کے انکلیمڈ 27 ہزار کروڑ روپے کو یونیورسل اکاؤنٹ نمبر دے کر اس تک پہنچانے کا کام کیا ہے۔ اور آگے غریب مزدور جہاں جائے گا اس کا بینک اکاؤنٹ بھی ساتھ ساتھ چلتا جائے گا۔ یہ کام ہم نے کیا ہے۔ بدعنوانی اور کالا دھن ابھی بھی آپ کو رات میں نیند آتی، میں جانتا ہوں آپ کی بے چینی بدعنوان کے سبب ضمانت پر جینے والے لوگ ، بدعنوانی کے کاموں سے بچنے والے نہیں ہیں۔ کوئی بھی بچنے والا نہیں ہے، پہلی بار ہوا ہے ملک میں چار چار سابق وزرائے اعلی ہندستان کی عدالتوں نے ان کو قصور وار ٹھہرایا ہے۔ اور جیل میں زندگی

گذارنے کے لئے مجبور ہونا پڑا ہے۔ یہ ہمارا کمٹمنٹ ہے۔ ملک کو جنہوں نے لوٹا ہے ان کو ملک کو لوٹانا پڑے گا۔ اور میں اس کام میں کبھی پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں۔ میں جُجھارو انسان ہوں۔ اسی لئے آج ملک میں ایک ایمانداری کا ماحول بنا ہے۔ ایک ایمانداری کا اُتسو ہے۔ زیادہ تر لوگ آگے آ رہے ہیں۔ ان کو بھروسہ ہے کہ حکومت کے خزانہ میں جو پیسے جائے گا، پائی پائی کا حساب ملے گا۔ وہ کام ہو رہا ہے۔

آج میں ایک موضوع پر ذرا تفصیل سے کہنا چاہتا ہوں۔ کچھ لوگوں کو زور زور سے جھوٹ بولنے میں مہارت حاصل ہے، جھوٹ بولو، بار بار بولو، یہ فیشن ہو گیا ہے۔ ہمارے وزیر خزانہ نے بار بار اس بات کو کہا ہے، تو بھی ان کی مدد کرنے، چاہنے والے لوگ، سچ کو دبا دیتے ہیں اور جھوٹ بولنے والے لوگ چوراہے پر کھڑے ہو کر زور زور سے جھوٹ بولتے رہتے ہیں۔ اور وہ مسئلہ ہے این پی اے کا۔ میں اس ایوان کے توسط سے اسپیکر صاحبہ، آپ کے ذریعہ آج ملک کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ این پی اے کا معاملہ ہے کیا؟ ملک کو پتہ چلنا چاہئے کہ این پی اے کے پیچھے پرانی سرکار کی کارکردگی ہے۔ اس کے لئے صد فی صد پرانی سرکار ذمہ دار ہے۔ ایک فی صد بھی کوئی اور نہیں ہے۔ آپ دیکھئے کہ انہوں نے ایسی بینکنگ پالیسیاں بنائیں جس میں بینکوں پر دباؤ ڈالے گئے ۔ ٹیلی فون جاتے تھے اپنے چہیتوں کو قرض ملتا تھا۔ وہ قرض کا پیسہ نہیں دے پا رہے تھے۔ بینک، لیڈر، سرکار اور بچولیئے مل کر اس کی دوبارہ ڈھانچہ بندی کرتے تھے۔ بینک سے گیا پیسہ کبھی بینک میں آتا ہی نہیں تھا۔ بینک کے کاغذ پر آتا جاتا، پھر آتا جاتا، یہی چل رہا تھا اور ملک کو لوٹا جا رہا تھا۔ انہوں نے اربوں اربوں روپیہ دے دیا۔ ہم نے بعد میں آکر کے دیکھا تو بات سمجھ میں آئی۔ اگر مجھے سیاست کرنی ہوتی تو میں پہلے ہی دن ملک کے سامنے وہ سارے سچ رکھ دیتا لیکن ایسے وقت بینکوں کی حالت کی بات ملک کی اقتصادی حالت کو تباہ کر دیتی، ملک میں ایک ایسا بحران کا ماحول آجاتا کہ اس سے نکلنا مشکل ہو جاتا۔ اور اس لئے آپ کے پاپوں کو دیکھتے ہوئے صبح ہوتے ہی میں نے مون رکھ لیا۔ میں ملک کی بھلائی کے لئے آپ کے تمام الزام کو برداشت کرتا رہا۔ لیکن اب بینکوں کو ہم نے ضروری طاقت دی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ملک کے سامنے سچ آنا چاہئے۔ یہ این پی اے آپ کا پاپ تھا۔ اور میں یہ آج اس مقدس ایوان میں کھڑا ہو کر کہہ رہا ہوں، میں جمہوریت کے مندر میں کھڑا ہو کر کہہ رہا ہوں۔ ہماری سرکار آنے کے بعد ایک بھی قرض ہم نے ایسا نہیں دیا ہے جس کی وجہ سے این پی اے کی نوبت آئی ہو۔ اور آپ نے چھپا دیا۔ آپ نے کیا کیا؟ آپ نے اعداد و شمار غلط دیئے۔ جب تک آپ تھے آپ نے بتایا کہ این پی اے 36 فی صد ہے۔ ہم نے جب دیکھا اور 2014 میں ہم نے کہا کہ بھئی جھوٹ نہیں چلے گا، سچ کہو۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اور جب سارے کاغذات کھنگالنا شروع کئے تو آپ نے جو ملک کو بتایا تھا وہ غلط اعداد و شمار تھے۔ 82 فی صد این پی

اے تھا، 82 فی صد مارچ 2008 میں بینکوں کے ذریعہ دیا گیا کل ایڈوانس 18 لاکھ کروڑ روپے تھے۔ چھ سال میں آپ دیکھئے کہ کیا حال ہو گیا۔ مارچ 2014 تک جب آپ اقتدار میں بیٹھے تھے، یہ 18 لاکھ کروڑ روپیہ 52 لاکھ کروڑ روپیہ تک پہنچ گیا، جو ملک کے غریب کا پیسہ آپ نے لُٹا دیا۔ آپ لگاتار ری اسٹرکچر کرتے رہے۔ کاغذات پر قرض آ گیا، قرض دے دیا۔ آپ ایسے ہی ان کو بچاتے رہے، کیونکہ بیچ میں بچولئے تھے، کیونکہ وہ آپ کو چاہتے تھے، کیونکہ آپ کا اس میں کوئی نہ کوئی مفاد چھپا ہوا تھا، اور اس لئے آپ نے یہ کام کیا۔ ہم نے یہ طے کیا کہ جو بھی تکلیف ہو گی، برداشت کریں گے۔ لیکن صاف صفائی اور میری سوو چھتا مہم صرف چوراہے تک نہیں ہے، میری سوو چھتا مہم اس ملک کے شہریوں کے حق کے لئے خیالات میں بھی ہے۔ اور اس لئے ہم نے اس کام کو کیا ہے۔

ہم نے یوجنا بنائی، چار سال لگے رہے۔ ہم نے ری کیپٹلائزیشن پر کام کیا۔ ہم نے دنیا بھر کے تجربے کا مطالعہ کیا اور ملک کے بینکنگ سیکٹر کو ایک نئی طاقت دی ہے۔ اسکو طاقت دینے کے بعد میں چار سال تک آپ کے جھوٹ کو جھیلتا رہتا اور آج میں ملک کے سامنے پہلی بار یہ جانکاری دے رہا ہوں۔ 18 لاکھ کروڑ روپے سے 52 لاکھ کروڑ روپے آپ نے لُٹا دیے، اور آج جو اس میں پیسے بڑھ رہے ہیں وہ اس وقت کے آپ کے پاپ کا سود ہے۔ یہ ہماری سرکار کے دیئے ہوئے پیسے نہیں ہیں۔ یہ جو اعداد و شمار بدلا ہے وہ 52 لاکھ کروڑ پر جو سود لگ رہا ہے، اس کا ہے۔ ملک بھی اس پاپ کے لئے آپ کو معاف نہیں کرے گا۔ اور کبھی نہ کبھی تو ان چیزوں کا حساب آپ کو دینا پڑے میں دیکھ رہا ہوں کہ مارو اور بھاگو والی سیاست چل رہی ہے۔ کیچڑ پھینکو اور بھاگ جاؤ، جتنا زیادہ کیچڑ اچھالو گے، کمل اتنا ہی زیادہ کھلنے والا ہے۔ اور اچھالو جتنا اچھالنا ہے، اچھالو۔ اور اس لئے میں زرا کہنا چاہتا ہوں۔ اب اس میں کوئی الزام نہیں دینا چاہتا۔ لیکن ملک طے کرے گا کہ حقیقت کیا ہے۔ آپ نے قطر سے گیس لینے کا بیس سال کا معاہدہ کیا تھا اور جس نام سے گیس کا کانٹریکٹ کیا تھا ہم نے آکر قطر سے بات کی۔ ہم نے اپنا موقف رکھا۔ بھارت کی سرکار بندھی ہوئی تھی آپ جو سودا کر گئے تھے۔ ہم کو اس کو نبھانا تھا۔ کیونکہ ملک کی سرکار کی اپنی ایک خصوصیت ہوتی ہے۔ لیکن ہم نے ان کے سامنے حقائق کو رکھا۔ ہم نے ان کو مجبور کیا اور میرے پیارے ہم وطنوں کو خوشی ہو گی۔

اسپیکر صاحبہ، اس مقدس ایوان میں مجھے یہ کہتے ہوئے اطمینان ہو رہا ہے کہ ہم نے قطر سے دوبارہ بات چیت کی اور گیس کی جو ہم خریداری کرتے تھے تقریباً تقریباً 8 ہزار کروڑ روپے ملک کا ہم نے بچایا۔ آپ نے 8 ہزار کروڑ روپے زیادہ دیا تھا، کیوں دیا؟ کس لئے دیا؟ کسے دیا گیا؟ اس کے لئے سوالیہ نشان کھڑے ہو سکتے ہیں۔ وہ تو ملک طے کرے گا، مجھے نہیں کہنا ہے۔ اسی طرح

سے میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ آسٹریلیا کے اندر گیس کے لئے بھارت سرکار کا ایک سودا ہوا تھا۔ گیس ان سے لی جانی تھی ہم نے ان سے بھی مذاکرات کئے، اور آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ ہم نے چار ہزار کروڑ روپیہ اس میں بچایا۔ ملک کے حق کا پیسہ ہم نے بچایا ۔ کیوں دیا؟ کس لئے دیا ؟ کب دیا؟ ان سارے سوالات کے جواب آپ کبھی دیں گے نہیں، مجھے معلوم ہے ۔ملک کے عوام جواب مانگنے والے ہیں۔

ایک چھوٹا سا معاملہ ایل ای ڈی بلب کا ہی لے لیجئے، کوئی مجھے بتائے کیا سبب تھا کہ آپ کے وقت میں وہ بلب تین سو، ساڑھے تین سو روپے میں بکتا تھا، سرکار تین سو، ساڑھے تین سو میں خریدتی تھی کیا سبب ہے کہ وہ ہی بلب، ٹکنالوجی میں کوئی فرق نہیں، کوئی کوالٹی میں فرق نہیں ، دینے والی کمپنی بھی وہی، لیکن ساڑھے تین سو کا بلب 40روپے میں کیسے آنے لگا، ذرا بتانا پڑے گا، آپ کو بتانا پڑے گا ، آپ کو جواب دینا پڑے گا ۔ مجھے بتائیں ،سولر انرجی، کیا وجہ ہے کہ آپ کے وقت سولر پاور یونٹ 12 روپے ،13 روپے 14 روپے اور 15 روپے میں ملتا تھا، لوٹ لو جس کو بھی لوٹنا ہے، بس ہمارا خیال رکھو۔ اسی منتر کو لے کر چلے آپ۔ آج وہی شمسی پاور 2 روپے 3 روپے کے بیچ میں آ گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم آپ پر بدعنوانی کے الزام نہیں لگاتے، ملک کو لگانا ہے ،لگائے گا۔ میں اس میں اپنے آپ کو صابر رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ حقیقت خود بول رہی ہے کہ کیا ہو رہا تھا ۔اور آج دنیا میں بھارت کی عزت اور آبرو بڑھی ہے، آج ہندستان کے پاسپورٹ کی طاقت ساری دنیا میں جہاں ہندستان کا پاسپورٹ لے کر کوئی جاتا ہے تو سامنے ملنے والا آنکھ اونچی کر کے فخر کے ساتھ دیکھتا ہے۔ غیر ملکوں میں جا کر کے ملک کو غلط طریقے سے پیش کر رہے تھے۔ جب ملک ڈوکلام کی لڑائی لڑ رہا تھا ، کھڑا تھا، آپ چین کے لوگوں سے بات کر رہے تھے ۔ آپ کو یاد ہونا چاہئے کہ پارلیمانی نظام میں، جمہوریت میں اپوزیشن ایک ذمہ دار فریق ہوتا ہے۔ شملہ قرارداد جب ہوئی اندرا گاندھی جی نے بے نظیر بھٹو جی کے ساتھ اقرار نامہ کیا ۔ ہماری پارٹی کا اقرار تھا لیکن تاریخ گواہ ہے اٹل بہاری واجپئی نے اندرا جی سے وقت مانگا، وہ اندرا جی کو ملنے گئے اور ان کو بتایا کہ ملک کے مفاد میں یہ غلط ہو رہا ہے۔ بس ہم نے باہر آ کر اس وقت ملک کا کوئی نقصان نہیں ہونے دیا تھا۔ ملک کی ہماری ذمہ داری ہوتی تھی ۔ جب ہماری فوج کا جوان سرجیکل اسٹرائیک کرتا ہے ، آپ سوالیہ نشان کھڑا کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب ملک میں کامن ویلتھ گیم ہوا ،اس ملک میں ایک کامن ویلتھ گیم ہوا، ابھی بھی کیسی کیسی چیزیں لوگوں کے دل میں سوالیہ نشان بنی ہوئی ہیں اس سرکار میں آنے کے بعد 54 ملکوں کا انڈیا۔افریقہ کی چوٹی کانفرنس ہوئی، برکس چوٹی کانفرنس ہوئی، فیفا انڈر 17 کا ورلڈ کپ ہوا، بڑے بڑے پروگرام ہوئے۔ اور ابھی 26 جنوری کو دس ملکوں کے سربراہ آ کر بیٹھے تھے اور میرا ترنگا لہرا رہا ہے۔ آپ نے سوچا نہیں تھا کبھی اور جس

دن نئی سرکار کی حلف برداری ہوئی اور سارک ملکوں کے سربراہ آکر بیٹھ گئے تب آپ کے دل میں سوال اٹھا کہ 70 سال میں ہمیں کیوں سمجھ میں نہیں آیا۔ چھوٹا من بڑی بات نہیں کر سکتا ہے۔

اسپیکر صاحبہ، ایک نیو انڈیا کا خواب لے کر ملک آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ مہاتما گاندھی نے ینگ انڈیا کی بات کہی تھی۔ سوامی وویکانند جی نے نئے ہندستان کی بات کہی تھی، ہمارے سابق صدر پرنب جی جب وہ صدارت کے عہدہ پر تھے، تب بھی انہوں نے ایک نئے ہندستان کا خواب سب کے سامنے رکھا تھا۔ آؤ ہم سب مل کر نئے ہندستان کو بنانے کے عہد کو پورا کرنے کے لئے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں۔ جمہوریت میں نکتہ چینی کرنا جمہوریت کی طاقت ہے۔ یہ ہونا چاہئے تبھی تو امرت نکلتا ہے۔ لیکن جمہوریت جھوٹے الزامات لگانے کا اختیار نہیں دیتی ہے۔ اپنی سیاسی روٹیاں سینکنے کے لئے ملک کو مایوس کرنے کا حق نہیں دیتی ہے اور اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ صدر جمہوریہ ہند کے مشترکہ اجلاس کے خطاب پر بولنے والوں نے بول دیا۔ اب ذرا آرام سے اس کو پڑھئے، اگر پہلی بار پڑھنے پر سمجھ میں نہیں آئے تو دوبارہ پڑھئے۔ زبان سمجھ نہیں آئی ہے تو کسی کی مدد لیجئے۔ لیکن جو تحریری شکل میں سچ لکھا گیا ہے اس سے انکار کرنے کا کام نہ کریں۔ اسی ایک جذبہ کے ساتھ صدر جمہوریہ کے مشترکہ خطاب پر جن جن معزز ممبران نے اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں، میں ان کا خیر مقدم کرتا ہوں اور میں سب کو کہتا ہوں کہ اتفاق رائے سے صدر جمہوریہ کے مشترکہ خطاب کو ہم قبول کریں اسی امید کے ساتھ آپ نے جو وقت دیا میں آپ کا بہت بہت شکر گذار ہوں۔

راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر 'شکریہ کی تحریک' پر

وزیر اعظم شری نریندر مودی کا جواب

۷ فروری، ۲۰۱۸

راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

7 فروری 2018

محترم چیرمین صاحب،

اس ایوان میں محترم صدر کے خطاب کے لئے شکریہ کی تحریک پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ قریب 38 معزز ممبران نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جناب امت بھائی شاہ نے اپنی پہلی تقریر کے ساتھ اس تجویز کو ایوان میں پیش کیا اور جناب ونئے سہسر بُدھے جی نے اس کی تائید کی۔ اسکے بعد جناب غلام نبی آزاد جی، جناب ڈی پی ترپاٹھی جی، جناب پرمود تیواری جی، سردار بلوندر سنگھ جی، جناب نریش اگروال جی، جناب نونیت کرشنن جی، جناب دلیپ کمار ترکی جی، جناب سنجے راوت جی، جناب آنند شرما جی، جناب ڈیریک اوبرائن جی، جناب ڈی راجہ جی، جناب سنجے سنگھ، جناب سکھیندو شیکھر رائے جی، جناب ٹی کے رنگ راجن جی، جناب ٹی جی ونکٹیش جی، اور متعدد محترم ممبران نے اپنے خیالات ایوان میں پیش کیے ہیں۔ ہر ایک نے، روزگار، بدعنوانی، کسانوں کی آمدنی، خارجہ پالیسی، سکیورٹی سسٹم اور ایوشمان بھارت جیسے کئی موضوعات پر اپنے خیالات پیش کیے۔ غلام نبی جی کو تو میں نے یہیں بیٹھ کر سنا تھا۔ باقی دوسرے معزز ممبران کو میں نے اپنے کمرے میں بیٹھ کر سنا۔ اسی بہانے مجھے انکی باڈی لینگویج دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ جب وہ کنبہ پروری کی سیاست کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور ایک خاص خاندان کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس وقت انکی معصومیت اچھی لگ رہی تھی۔ ابھی میں آنند شرما جی کو بھی سن رہا تھا۔ غلام نبی جی سے لے کر آنند شرما جی تک زیادہ تر معزز ممبران اپنی پچھلی حکومت کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ باہر تو کوئی سنتا نہیں ہے اس لئے یہاں تو کہنا ہی پڑے گا۔ بہر حال، مجھے کانگریس یا کسی دوسری سیاسی پارٹی کو کیا کرنا چاہئے یا نہیں کرنا چاہئے، اس پر تبصرہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور نا ہی مجھے اس پر کچھ کہنا ہے۔ لیکن آپ نے آیوشمان بھارت کے بارے میں تبادلہ خیال کیا اور امریکہ اور برطانیہ کا حوالہ دیا۔ آپ نے یہاں آیوشمان بھارت کا ذکر کرتے ہوئے امریکہ اور برطانیہ کے ماڈل کی مثال پیش کی۔ امریکہ کے اور برطانیہ کے ماڈل اور بھارت کی معاشرتی صورتحال میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جو چیز وہاں کامیاب ہو، ضروری نہیں وہ یہاں بھی کامیاب ہو۔ جبکہ کچھ دوسری چیزیں جو وہاں کامیاب نہیں ہو سکتی ہیں وہ یہاں نتائج دے سکتی ہیں۔ لہذا اس طرح کے دلائل مناسب نہیں ہیں۔ ہمیں اپنے ملک کے نقطۂ نظر سے سوچنا چاہئے۔ تقریبا 50، 55 سال سے اقتدار میں رہنے کے بعد زمین سے منقطع ہونا قدرتی امر ہے۔ اس کے نتیجے میں، اس طرح کے نظریات اور خیالات کا ہونا بھی فطری امر ہے۔ لیکن میں نہیں مانتا کہ ان میں سے کوئی

اس بات سے متفق نہیں ہو گا کہ ہمارے ملک میں حفظان صحت کے شعبے میں بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب غلام نبی جی اپنے وقت میں وزیر صحت تھے تو اس وقت کچھ نہیں کیا گیا تھا۔ یقینا کچھ اقدامات ضرور کیے گئے ہونگے۔ پھر بھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ لہذا، ہمیں یہ سمجھنے کی کوشش کرنی ہو گی کہ ہم ملک کی امیدوں اور امنگوں کے مطابق کس طرح سے بات چیت کر سکتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ ہم ایوشمان بھارت یوجنا کو لے کر آئے ہیں۔ اس اسکیم میں کچھ کمیاں ہو سکتی ہیں لیکن آخر کار یہ اسکیم ملک کے لئے ہے۔ یہ کسی خاص پارٹی کے لئے نہیں ہے۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ کانگریس اور دوسری پارٹیوں کے میرے ساتھی بھی ایک ٹاسک فورس تشکیل دیں اور آیوشمان بھارت یوجنا کا مطالعہ کریں۔ اور اگر ان میں کچھ خامیاں ہیں تو میں خود وقت دوں گا۔ اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کا حتمی مقصد ہے کہ اگر کوئی بیماری کسی غریب یا نچلے متوسط طبقے کے خاندان کو متاثر کرتی ہے تو، پوری بچت اور آمدنی صفر ہو جاتی ہے۔ یہ منفی ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات انہیں سود خوروں سے زیادہ سود کی شرح پر قرض لینا پڑتا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کے بچے مقروض ہوں، بیماری برداشت کر لو، زندگی کم ہو جائے تو یو جائے۔ یہی ان کی نفسیات بن گئ ہے۔ اس کے بارے میں بہت سارے سوالات اٹھائے جاسکتے ہیں کہ یہ کام کس نے کیا اور کس نے نہیں کیا اور کیوں نہیں کیا گیا؟ گذشتہ 70 سالوں میں کیوں نہیں ہوا؟ یہ سارے سوال اٹھ سکتے ہیں۔ لیکن میری بحث کا موضوع یہ نہیں ہے۔ کیا ہمیں ایسا کرنا چاہئے یا نہیں کرنا چاہئے؟ ہماری سوچ کا عمل آپ کی طرح نہیں ہے کہ خدا نے سب کچھ صرف ہمیں دیا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ یہاں ایوان میں ہم سے کئ گنا زیادہ بہتر اسکالرز اور تجربہ کار افراد موجود ہیں۔ انکی دانشمندی اور ان کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔ یہاں سے باہر بھی ملک کے اندر بڑے بڑے دانشمند اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں۔ ہم مل بیٹھ کر تبادلہ خیال کر سکتے ہیں کہ کس طرح آیوشمان بھارت کے ذریعہ ملک کے 40-50 کروڑ عوام کو اچھی صحت کی امید دے سکتے ہیں؟ اور یہ ایک انشورنس اسکیم ہے۔ اور ہم انشورنس کے نظام سے واقف ہیں۔ لہذا، ہمیں بجٹ کے التزامات کی بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس پہلو سے بخوبی واقف ہیں۔ لیکن اس کے ثمرات غریب عوام کو ضرور حاصل ہونگے۔ لہذا، مجھے نہیں لگتا کہ اس بات سے کسی کو کوئی پریشانی ہونی چاہئے۔ ہاں، اگر اس اسکیم کے آغاز کے بعد کچھ کمیاں پیدا ہو گئیں ہیں اور ہماری توجہ ان کی طرف نہیں گئی ہے، تو ہم اس طرح کی تنقیدوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ یہ ابھی مشورے کے مرحلے میں ہے۔ ابھی اسکیم سے متعلق ابتدائی نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ ہمیں یہ غور کرنا چاہئے کہ ہم سب مل کر اسے کس طرح مزید بہتر بنائیں۔ لہذا، میں اچھی معلومات اور تجاویز کا خیر

مقدم کروں گا۔ میں ان لوگوں سے بھی گزارش کروں گا جو ٹیلی ویژن پر میری تقریریں سن رہے ہیں اگر وہ چاہیں تو اپنی کچھ اچھی تجاویز دیں۔ اگر ہم ملک کے غریبوں کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں کسی خاص پارٹی تک محدود نہیں ہونا چاہئے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہمیں مل کر اس اسکیم کو آگے بڑھانا چاہئے۔

یہ بات درست ہے کہ اگر میں یہاں بیٹھ کر انگریزی میں 9 لکھتاہوں تو، اس طرف کے لوگ اس کی تردید نہیں کریں گے۔ لیکن آپ کے پاس بیٹھے وہ لوگ اسے 6 کی طرح دیکھیں گے۔ اگر میں یہاں 9 لکھ رہاہوں تو، میں غلط نہیں ہوں لیکن اگر آپ کو وہ 6 دکھائی دیتا ہے تو میں کیا کروں کیونکہ آپ اُس طرف بیٹھے ہیں۔ اب کوئی مجھے بتائے کہ اگر ہندوستان کی ایز آف ڈوئنگ بزنس کی رینکنگ میں کوئی بہتری آتی ہے تو پھر ہمیں دکھ کیوں ہونا چاہئے؟ کیا ہر ہندوستانی کو اس ایز آف ڈوئنگ بزنس پر فخر محسوس نہیں کرنا چاہئے؟ دنیا میں ہماری بہتر شبیہہ بنی، یہ ملک کے لئے خوشی کی بات ہے۔ اب ہم نے کیا، آپ نے کیا، اس پر جب ہم انتخابات میں جائیں گے تو یہ کھیل کھیل لیں گے۔ لیکن جب ملک کی بات ہوتی ہے تو بعض اوقات ہم اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ جب ہم پر براہ راست حملہ کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے تو اس ریٹنگ ایجنسی پر حملہ شروع کردیتے ہیں۔ شاید دنیا میں کہیں بھی ایسا نہیں ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ آپ کو بی جے پی پر تنقید کرنا چاہئے، جم کر کرنا چاہئے اور یہ آپ کا حق ہے۔ آپ کو مودی پر بھی تنقید کرنی چاہیے۔ سخت تنقید کرنا چاہئے۔ جمہوریت میں آپ کا مکمل حق ہے۔ لیکن بی جے پی کی برائی کرتے کرتے آپ بھول جاتے ہیں اور ملک کی برائی شروع کردیتے ہیں۔ آپ پھسل جاتے ہیں۔ مودی پر حملہ کرتے کرتے آپ ہندوستان پر حملہ بول دیتے ہیں۔ سیاسی طور پر آپ کو حق ہے کہ آپ بی جے پی اور مودی پر تنقید کریں اور ان پر حملہ کریں۔ اور آپ کو یہ کرنا چاہئے۔ لیکن یہ کرتے وقت آپ اپنی حدود کو پار کردیتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں ملک کو بھاری نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آپ کو کبھی یہ منظور نہیں ہوگا کہ یہاں ہمارے جیسے لوگ بیٹھے ہوں۔ آپ کو یہ کیسے قبول ہوگا؟ میں آپ کے درد کو سمجھ سکتاہوں۔ لیکن مہربانی کرکے ایسا مت کیجئے جس سے ملک کو نقصان ہو اور دنیا میں ملک کی بدنامی ہو۔

اب یہاں پر ایک موضوع آیا۔ معزز صدر جمہوریہ نے اپنی تقریر میں ایک نئے بھارت کا تصور پیش کیا ہے۔ یہاں تک کہ سوامی ویویکانند جی نے نیو انڈیا کی بات کی ہے۔ مہاتما گاندھی بھی نیو انڈیا کی بات کرتے تھے۔ ہمارے سابق صدر، جب وہ صدر کے عہدے پر فائز تھے، انہوں نے بھی ایک نئے بھارت کے بارے میں تصور کیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ پھر کیا پریشانی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو نیا بھارت نہیں چاہئے۔ ہم کو وہی پرانا بھارت چاہئے۔ ہمیں گاندھی والا بھارت چاہئے۔ مجھے بھی گاندھی والا

بھارت چاہئے۔ کیونکہ گاندھی جی نے کہا تھا کہ آزادی مل چکی ہے۔ اب کانگریس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کانگریس کو بکھیر دینا چاہیے۔ کانگریس سے پاک ہندوستان کا خیال مودی کا نہیں گاندھی جی کا ہے۔ ہم تو صرف ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب آپ کو وہ بھارت چاہئے۔ آپ کہتے ہیں کہ ہمیں تو وہ والا بھارت چاہئے۔ کیا فوج کے جیپ گھوٹالہ والا بھارت، کیا پن ڈُبی گھوٹالہ والا بھارت، کیا بوفورس گھوٹالہ والا بھارت، کیا ہیلی کاپٹر گھوٹالہ والا بھارت؟ آپ کو نیو انڈیا نہیں چاہئے، آپ کو وہ بھارت چاہئے؟ آپ کو ایمر جنسی والا، ملک کو جیل خانہ بنا دینے والا، جئے پر کاش نارائن اور مورار جی بھائی دیسائی جیسے لوگوں کو جیل میں بند کرنے والا، ملک کے لاکھوں لوگوں کو جیل میں بند کرنے والا ایمر جنسی والا بھارت چاہئے؟ آپ کو ایسا بھارت چاہئے؟ جمہوری حقوق کو چھین لینے والا، ملک کے اخباروں پر تالا لگا دینے والا،وہ بھارت آپ کو چاہیے؟ آپ کو کون سا بھارت چاہئے؟ وہ بھارت جہاں ہزاروں بے گناہ سکھوں کو 'بڑے درخت' کے گرنے کے بعد قتل کیا جاتا ہے؟ آپ کو وہ بھارت چاہئے؟ آپ کو "نیو انڈیا" نہیں چاہئے۔ آپ کو وہ بھارت چاہئے۔ آپ کو وہ بھارت چاہئے جہاں تندور کانڈ ہوتا ہو اور بارسوخ افراد کے سامنے انتظامیہ گھٹنے ٹیکتی ہو؟ آپ کو وہ بھارت چاہئے؟ ہزاروں لوگوں کی موت کے گنہگار کو ہوائی جہاز میں بٹھا کر اسے ملک سے باہر لے جایا جائے۔ آپ کو وہ بھارت چاہئے؟ آپ بھی داؤس گئے تھے اور ہم بھی وہاں گئے تھے۔ لیکن آپ کسی کا خط لے کر کسی کو بھیجتے ہیں۔ آپ کو وہ بھارت چاہئے؟ آپ کو "نیو انڈیا" نہیں چاہئے۔ محترم صدر جمہوریہ نے یہاں جن دھن یوجنا کے بارے میں ذکر کیا تھا۔ آپ نے جن دھن یوجنا پر بھی تنقید کی تھی۔ آپ نے کہا کہ یہ تو کچھ نہیں ہے۔ اور اس سے پہلے بھی ایسی ہی اسکیم موجود تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کم از کم حقائق کو قبول کرلیں۔ سیاسی طور پر آپ جو بھی کہنا چاہتے ہیں، آپ کہہ سکتے ہیں۔ جو ہم 31 کروڑ جن دھن اکاؤنٹس کے بارے میں ہم بات کرتے ہیں وہ سارے کے سارے ہماری حکومت کے اقتدار میں آنے کے بعد 2014 میں کھلے ہیں، اور کوئی بھی اس ریکارڈ کو بدل نہیں سکتا ہے۔ یہ ریکارڈ دستیاب ہے۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ آپ ذرا اپنے حقائق کو درست کرلیں تو یہ بہت اچھا ہوگا۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ ہم ' ٹیم چینجر' ہیں 'گیم چینجر نہیں' ہیں۔ اگر آپ ہماری کارکردگیوں کو دیکھیں اور اگر آپ ایماندار رہیں تو آپ کہیں گے کہ ہم 'ایم چیسر' ہیں۔ ہم وہ لوگ ہیں جو اپنے ہدف کا تعاقب کرتے ہیں اور ان کو حاصل کرتے ہیں۔ لہذا، جو بھی ہدف ہم طے کرتے ہیں، اس کے لئے ہم وقت کی حد بھی مقرر کرتے ہیں، اس کے حصول کے لئے روڈ میپ تیار کرتے ہیں، وسائل کو یکجا کرتے ہیں اور سخت جدوجہد کرتے ہیں تاکہ ہم ملک کو ان چیلینجز سے آزاد کرانے میں اپنا کردار ادا کرنے کے اہل ہوں جو آج اس کے درپیش ہے۔ کانگریس کا اس طرح ترسنا بالکل فطری بات ہے کہ آپ کہ ہماری واہ واہی کرو، ہمیں بار بار یاد کرو، ہر جگہ ہمیں یاد کرو۔ آپکی یہ تمنا بہت فطری ہے۔ آپ یہ سب سننے کے اتنے

عادی ہو چکے ہیں کہ اس کے سوا اور کچھ اچھا نہیں لگتا ہے۔ مجھے خوشی ہوگی، آپ ریکارڈ چیک کر لیجئے کہ 15 اگست کو کانگریس پارٹی کے کسی وزیر اعظم نے لال قلعہ سے اپنی تقریر میں دوسری حکومت یا ریاستی حکومتوں کے ذریعہ کئے گئے اچھے کام کے بارے میں ذکر کیا تھا۔ میں ہی ہوں جو لال قلعہ کی فصیل سے کہتا ہوں کہ ملک آج جہاں پہنچا ہے اب تک کی تمام حکومتوں کا اس میں تعاون ہے، سبھی ریاستی حکومتوں کا تعاون ہے۔ اس میں کسی کو ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہئے۔ ہم آپ سے اٹل جی کو یاد رکھنے کی آرزو نہیں رکھتے ہیں۔ ہم تڑپتے نہیں ہیں کہ آپ ان کو یاد کرو۔ اگر آپ کو مجبوری میں یہ کام کرنا پڑے تو اور بات ہے۔ آپ کو جو نام ٹھیک لگے وہی لیجئے۔ آپ نے یہ بھی کہہ دیا کہ 2014 سے پہلے کی جانے والی ہر چیز کا سہرا آپ کے سر جاتا ہے۔ آپ کریڈٹ لینا چاہتے ہیں۔ اور آپ کے اصول بھی بڑے کمال کے ہیں۔ جب ہم چھوٹے تھے، ہم اپنے گاؤں میں کرکٹ کھیلنے والوں کو دیکھتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے کھیلتے تھے اور ہم دیکھتے تھے کہ کھیل کے آخر میں انکا جھگڑا ہوتا تھا۔ تو ہمیں حیرت ہوتی تھی کہ ابھی تو سب کھیل رہے تھے اور اب وہ لڑ کیوں رہے ہیں۔ تب ہمیں احساس ہوا کہ ان کا ایک اصول تھا۔ جس کے ہاتھ میں بلّا ہوتا تھا بیٹنگ وہی کرتا تھا اور جس وقت اسے آوٹ کیا جاتا تھا، وہ اپنا بیٹ لے کر چلا جاتا تھا۔ آپ بھی ایسے ہی ہیں۔ کیا آپ کو لگتا ہے کہ آپ ہمیشہ بلے بازی کریں گے؟ اب جب آپ بیٹنگ نہیں کر رہے ہیں تو آپ کہیں گے کہ اب ہم چلتے ہیں۔

اب آدھار کی بات آتی ہے، تو آپ کہتے ہیں کہ یہ کام ہمارا ہے اور کریڈٹ آپ لے رہے ہو۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں تو اچھا ہے۔ لیکن آپ کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ 7 جولائی 1998 کو اسی ایوان میں، اور معزز چیئر مین صاحب اس وقت اس ایوان کے ممبر تھے، اس وقت 7 جولائی 1998 کو انہوں نے ایک سوال پوچھا تھا۔ اس وقت کے وزیر داخلہ، جناب لال کرشن اڈوانی جی نے اسی ایوان میں جواب دیا تھا اور اس جواب میں انہوں نے کہا تھا: "پاسپورٹ، ڈرائیونگ لائسنس، راشن کارڈز، طبی سہولت، اسکول میں داخلہ، سرکاری اور نجی شعبے میں ملازمت کے لئے بھی کثیر مقصدی قومی شناختی کارڈ استعمال کیے جائیں گے۔ جیون بیمہ اور عام انشورنس نیز اراضی کے ریکارڈوں اور شہری املاک کے حصول کی بحالی کے لئے بھی آدھار کا استعمال ہوگا"۔ بیس سال پہلے آدھار کا بیج یہاں بویا گیا تھا۔

محترم چیئر مین صاحب، آج آپ رینو کا جی کو کچھ مت کہئے۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ آج آپ رینو کا جی کو کچھ مت کہئے۔ رامائن سیریل کے بعد آج مجھے یہ ہنسی دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ ۲۰ سال پہلے یہ اٹل بہاری واجپائی جی کا ویژن تھا۔ پھر بھی، اگر کانگریس کہتی ہے کہ آدھار ان کے ذریعہ شروع کیا گیا تھا، تو بھی ہمیں انہیں کریڈٹ دینے میں کوئی پریشانی نہیں ہے۔ آدھار آپ

کا ہے۔ ہم نے پارٹی کے اوپر ملک کو رکھا ہے۔ اور ہمارے فیصلوں کی بنیاد ملک کی فلاح ہے۔ آج آپ کریڈٹ لینے کے لئے بیتاب ہیں اور یہ بہت فطری ہے۔ سپریم کورٹ نے ایس۔ آئی۔ ٹی کا حکم دیا تھا۔ آپ نے اس پر تین سال تک فیصلہ نہیں لیا۔ اور اس کا کریڈٹ آپ کو ضرور جانا چاہئے۔ ہم نے پہلے ایس آئی ٹی بنائی۔ لیکن آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسئلہ ہمارے سامنے آیا تھا۔ کانگریس کالے دھن کے خلاف کاروائی کرنے کا بھی کریڈٹ لے لے۔ 28 سالوں تک کانگریس نے بینامی املاک کے خلاف قانون پر عمل درآمد نہیں کیا۔ اس کا بھی کریڈت آپ لے لیجئے۔ اب تک 35000 روپے سے زائد کی جائیداد، آپ کو معلوم ہونا چاہئے محترم آنند جی، آپ ایک لمبے عرصے سے یہاں ہیں اور آپ کو بات کہنے کا آپ کا ایک خاص انداز بھی ہے۔ اور آپ تو برف کا چھرا بنا کر گھونپ بھی سکتے ہیں تا کہ پتہ بھی نہ چلے۔ لیکن یہ بینامی پراپرٹی ایکٹ 28 سال قبل دونوں ایوانوں میں منظور کیا گیا تھا لیکن اسکے لئے ضابطے وضع نہیں کیے گئے تھے، اور اس کے بارے میں کوئی اعلامیہ بھی جاری نہیں کیا گیا تھا۔ یہ التوا میں تھا۔ کس نے اسے مسدود کیا؟ اس کے لئے کوئی اپوزیشن ذمہ دار نہیں تھی۔ یہ آپکی معلومات کے لئے ہے کہ آج تک 3500 کروڑ سے زائد کی بینامی پراپرٹی ضبط کرلی گئی ہے۔ اب آپ کو اپنے دور حکومت میں تمام بینامی املاک کے بنانے کا کریڈت دیا جانا چاہئے۔ یہ تمام کریڈٹ آپ کو جاتا ہے۔ دنیا بدل گئی ہے اور مجھے یقین نہیں ہے کہ آپ کو انسولوینسی کوڈ یا دیوالیہ قانون کے بارے میں نہیں معلوم تھا۔ لیکن کریڈٹ آپ کو جانا چاہیے ہے کہ آپ اس قانون کو بہت سے لوگوں کے ذاتی مفادات کے نہیں لائے۔

ہم نے فیصلے اس لئے کیے ہیں کہ صنعتی شعبہ اور عالمی برادری کا ہندوستان اور اس کے قوانین پر مزید اعتماد پیدا ہو۔ جب 'ون رینک ون پنشن' کے معاملے میں بھی چار دہائیوں سے ملک کی آنکھ میں دھول جھونکتے رہے اور جب دیکھا کہ انتخابات آنے والے ہیں، اب کیا کریں، ہوا بنی ہوئی ہے تو پھر انتخابات سے ٹھیک قبل 500 کروڑ روپے کا بجٹ مرتب کیا۔ جب ہم اقتدار میں آئے، ہم نے دیکھا کہ اس چیز کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ ہم نے اس چیز کو بہت باریکی سے دیکھا۔ اور جب ہم نے 'ون رینک ون پنشن نافذ کیا' تو 11 ہزار کروڑ روپے درکار تھے۔ آپ 500 کروڑ روپے سے اس کو کیسے دیتے، اس کا کریڈٹ ضرور آپ کو ہی جانا چاہئے۔

جی ایس ٹی کے لئے آدھی رات کو پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ کانگریس نے اس کا بائیکاٹ کیا۔ تمام جماعتوں نے اس میں شرکت کی تھی۔ اور آپ کو خوف تھا کہ ہمیں اس کا سارا کریڈٹ مل جائے گا۔ اور یقین کریں یا نہیں، آپ جی ایس ٹی کے خلاف جو

بھی منفی ماحول پیدا کر رہے ہیں وہ آپ کے اکاؤنٹ میں جمع ہو ہو رہا ہے اور یہ جاری رہے گا۔ اور ملک اس کا نوٹس لے گا۔ ذرا سوچئے! کریڈٹ لینے کی فکر، بس کریڈٹ ملتا رہے۔

اب نیم کی کوٹنگ کی بات آئی تو آپ نے کہا کہ اسے ہم نے شروع کیا تھا۔ لیکن درمیان میں چھوڑ دیں اور اس پر کیپ لگادیں کہ اب آگے نہیں جانا ہے، تب اسکیم کے فائدے سے زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ آخر میں کوٹنگ کے پیچھے دو پہلو تھے جن کے بارے میں آپ کو واقفیت تھی۔ ایک تو یہ کہ اس سے یوریا کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ لہذا، کسان یوریا کی کم مقدار استعمال کرتے ہیں۔ دوسرا، یہ کہ اس سے اس کی کوالٹی اچھی ہو جاتی ہے جس سے پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ یوریا کاشتکاروں تک پہنچنے کے بجائے فیکٹریوں کی طرف موڑ دیا جاتا تھا جبکہ بل کسانوں کے نام کٹتا تھا۔ سبسڈی کسانوں کے نام پر دکھائی جاتی تھی۔ اگر نیم کوٹنگ 100 فی صد ہوتی ہے، تو یہ یوریا کی فیکٹریوں میں استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے اور آپ اسے بخوبی جانتے تھے۔ اسکو 35 فیصد کرنے کے بعد آپ نے 65 فیصد کا دروازہ کس کے لئے کھلا رکھا تھا؟ میں یہ کریڈٹ کس کو دوں؟

لہذا، یوریا کے ٪ 100 کوٹنگ کے پیچھے ہم لگے۔ اس کے علاوہ بر آمد ہونے والی یوریا کی بھی پہلے نیم کوٹنگ کی جاتی ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج یوریا کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ورنہ جب میں وزیر اعلی تھا، ہر سال مجھے یوریا کے لئے وزیر اعظم کو 2-3 خط لکھنا پڑتا تھا۔ جب میں وزیر اعظم بنا تو ابتدا میں بھی یوریا کے لئے وزرائے اعلیٰ کے خطوط آتے تھے۔ لیکن آج ایک خط بھی نہیں آتا۔ اور نہ ہی کوئی لاٹھی چارج ہوتا ہے۔ آج لوگوں کو یوریا مل رہا ہے۔ کچھ چیزیں بدلی جاسکتی ہیں۔ میں یہ بتانا چاہوں گا، کبھی کبھی سیاست غالب آنا شروع ہو جاتی ہے۔ اور یہ بار بار ہونے والے انتخابات کا نتیجہ ہے کہ منصوبے کی تکمیل سے پہلے ہی پتھر لگا دیے جاتے ہیں، فیتہ کاٹ دیا جاتا ہے اور تختی لگا دی جاتی ہے۔ اور منصوبے شروع کر دیئے جارہے ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ آپ دیکھیں، ہمیں ریلوے بجٹ میں اعلانات کو بند کرنا پڑا۔ ایسا کیوں ہوا؟ میں نے دیکھا کہ پچھلی حکومتوں نے 1500 سے زیادہ ریلوے منصوبوں کا اعلان کیا تھا اور بعد میں کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ ایک دن ایوان میں تالیاں بج گئیں۔ کسی اخبار میں شائع ہو گیا، رکن پارلیمنٹ نے علاقہ میں جا کر مالا پہن لیا اور بات ختم ہو گئ۔ اس کلچر کی وجہ سے ملک کو بہت نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ اور آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ میں نے 'پرگتی ٹیکنولوجی' کا استعمال کرتے ہوئے ایک پہل کی ہے۔ میں نے تمام معطل منصوبوں کا ذاتی طور پر جائزہ لینا شروع کیا۔ آج سبھی ریاستوں کے چیف سیکریٹریز اور حکومت ہند کے تمام سیکریٹریز آن لائن ہوتے ہیں۔ میں سب کے ساتھ آن لائن بیٹھتا ہوں۔ اور آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ ہمارے سامنے ایسے ایسے منصوبے آئے جو 30-40 سال پُرانے تھے اور ان کے سنگ بنیاد رکھے گئے تھے لیکن کاغذات پر وہ موجود نہیں تھے۔ میں نے تمام محکموں کے ہر منصوبے کا جائزہ

لینا شروع کیا۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ یہ تو پچھلی حکومت کا ہے، اس میں میری کیا ذمہ داری ہے؟ آخر یہ ملک ایک تسلسل ہے۔ حکومتیں آتی ہیں، حکومتیں جاتی ہیں۔ ہم بیٹھیں، آپ بیٹھیں، دوسرا بیٹھے، کوئی تیسرا بیٹھے۔ ہم اسے روک نہیں سکتے، کیونکہ ہمارے یہاں جمہوریت ہے۔ ہم کسی پروجیکٹ کو یہ کہتے ہوئے ترک نہیں کرسکتے ہیں کہ یہ تو جئے رام رمیش جی کے دور میں شروع کیا گیا تھا۔ اسے مارو تالا۔ ایسا نہیں ہوتا ہے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ میں نے آج تک 9 لاکھ کروڑ روپے سے زیادہ کے منصوبوں کو کلیئر کردیا ہے۔ میں نے تمام وزارتوں سے 30-40 سال پرانے نامکمل منصوبوں کی تلاش کے لئے کہا۔ اگر اس وقت یہ منصوبے مکمل ہوچکے ہوتے تو اس میں کچھ ہزار کروڑ کا خرچ آتا۔ آج کل یہ 9 لاکھ کروڑ یا 10 لاکھ کروڑ روپے کے منصوبے بن چکے ہیں۔ آپ نے بھی سرکار چلائی ہے اور ہم بھی چلا رہے ہیں۔ جو بھی حکومت اقتدار میں ہے اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اور آپ کے نام ان پتھروں پر کندہ ہیں، یہاں تک کہ اب تو وہ پتھر بھی چوری ہو رہے ہیں اور اس کا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے۔ یہ ساری اسکیمیں آپ کی ہیں۔

اب ہمارے آزاد صاحب نے فوڈ سیکیورٹی بل کے بارے میں بھی ذکر کیا اور وہ تاریخ کے ساتھ بولے۔ کوئی بھی آپ سے پوچھ سکتا ہے کہ جس تاریخ کا آپ نے حوالہ دیا ہے، ہماری حکومت تو اسکے ایک سال بعد اقتدار میں آئی۔ آپ نے ایک سال کے اندر اس پر عمل درآمد کیوں نہیں کیا؟ اب آپ سپریم کورٹ کے حکم کا حوالہ دے رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ کیرالہ نے جہاں آپ کی حکومت تھی، اسے قبول نہیں کیا۔ سپریم کورٹ نے سرزنش کی تھی۔ لیکن آپ وہ بھی ہم پر ڈال دیتے ہیں۔ اسکو تو آپ کو کرنا چاہئے تھا۔ میں یہ مانتا ہوں کہ جو بھی ہم فیصلہ کریں ہمیں اسے انجام دینے کے مقصد سے پوری تیاری کرنی چاہئے۔ اب آپ کہہ رہے ہیں کہ کھاد کی فیکٹریاں آپ کے وقت میں کھلی تھیں۔ یہ سچ ہے۔ لیکن وہ فیکٹریاں بھی آپ کے دور حکومت میں بند ہوگئیں۔ آپ کے دور حکومت میں متعدد مزدوروں کو بے روزگار کردیا گیا۔ اس کا بھی کریڈٹ لیں۔ آج ہم قوانین میں تبدیلی کرکے اس پر عمل پیرا ہیں۔ آج ہم یوپی کے گورکھپور، بہار کے بروَنی اور جھارکھنڈ کے سندری کے بند یوریا فیکٹریوں کے کام کو دوبارہ شروع کرنے اور اس میں تیزی لانے کے لئے کام کررہے ہیں۔ ہم نے جگدیش پور - ہلدیہ گیس پائپ لائن کو فیکٹریوں سے مربوط کیا تاکہ انہیں گیس کی فراہمی میں آسانی ہو۔ اور ہم اس مخصوص خطے میں اس طرح کا انتظام کررہے ہیں، اس سے مشرقی ہندوستان کی ترقی کے امکانات میں اضافہ ہوگا۔ اور اس ریاست پر بھارتیہ جنتا پارٹی حکومت نہیں کرتی ہے۔ ملک کی ترقی کے لئے مشرقی ہندوستان کی تمام ریاستوں کی ترقی ضروری ہے۔ ملک کی یکساں ترقی ہونی چاہئے۔ ہم براہ راست ترقیاتی تھیوری کی بنیاد پر کام کررہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس کی تعریف کریں گے۔

ہمارے معزز ممبر امت شاہ جی نے تقریر کی۔اور مجھے خوشی ہوئی کہ آزاد صاحب نے یہ ڈھونڈ کر بتایا کہ اتنی لمبی تقریر میں سردار پٹیل کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے سردار صاحب کو یاد کیا۔ حال ہی میں گجرات میں انتخابات ہوئے۔ ہمارے بابو بھائی نے اس الیکشن میں کامیابی حاصل کی تھی۔ یہاں، کانگریس پارٹی کے ہر لٹریچر میں سردار صاحب موجود تھے۔ مجھے واقعی خوشی ہوئی کہ ہم اتنے سالوں بعد یہ دن دیکھنے کے قابل ہوئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ روایت آگے بھی جاری رہے گی۔ تاہم، گجرات انتخابات کے اختتام کے بعد، آپ کی پارٹی کے زیر اہتمام ایک پروگرام میں سردار صاحب پس منظر میں کہیں نظر نہیں آئے۔ اخبارات میں یہ کہانیاں بھی سامنے آئیں تھیں کہ یہ پروگرام انتخابات کے صرف ایک ہفتہ کے بعد ہی منعقد ہوا تھا لیکن اس میں سردار صاحب غائب ہیں۔ آپ نے انکے نام کو استعمال کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ یاد کرنے کی کوشش کریں کہ سردار پٹیل اور باباصاحب امبیڈکر کو بھارت رتن کب ملا؟ اتنے سال کیوں لگے؟ آپ بحث کریں، آپ الزام لگائیں۔ یہ موضوع صدر کی تقریر سے باہر کا موضوع تھا لیکن پھر بھی آپ نے اس کو اٹھایا۔ یہ اچھی بات ہے کہ آپ نے اسے اٹھایا۔ لیکن جب بھی آپ کوئی مسئلہ اٹھاتے ہیں تو خود آپکی چار انگلیاں آپکی طوف ہوتی ہیں۔ آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہئے۔ یہی میرا کہنا ہے۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ کس طرح ہمارے ملک میں کام آگے بڑھا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے ورک کلچر میں اس طرح کی باریکیوں میں جانے کا رواج نہ ہو۔ میں خوش قسمت ہوں کہ میں ایک لمبے عرصے تک وزیر اعلی رہا۔ آزاد صاحب بھی وزیر اعلی رہ چکے ہیں لہذا انہیں بھی معلوم ہے کہ بہت باریکیوں میں جانا پڑتا ہے۔ شرد جی بھی ایک لمبے عرصے تک وزیر اعلی رہ چکے ہیں لہذا وہ بھی جانتے ہیں کہ بہت باریکیوں میں جانا پڑتا ہے۔ وزیر اعلی ادھر ادھر نہیں جاسکتا۔ ہم سب جو وزیر اعلی رہ چکے ہیں۔ سب کو پتہ ہے کہ یہاں بہت کم وزراء اعلی آتے ہیں۔ اور اگر آتے بھی ہیں تو ایک چھوٹا سا محکمہ لے کر رہ جاتے ہیں۔ لیکن مجھے ایک بڑی ذمہ داری ملی ہے اور اس میں کام کرنے کی میری سابقہ عادت میری مدد کر رہی ہے۔

آبپاشی کے منصوبے برسوں پہلے آچکے تھے، ڈیم بنائے گئے تھے، لیکن اس میں پانی کہاں تھا؟ یہ زرعی شعبوں کے لئے تھا۔ لیکن 40-50 سال سے کوئی نیٹ ورک نہیں بنایا گیا تھا۔ کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ سیڑھیاں یا لفٹ کے بغیر چھ منزلہ عمارت تعمیر کی گئی ہے! جس طرح کام ہوا اس کو دیکھو۔ میں نے اس طرح کے 99 منصوبوں کی نشاندہی کی اور ہزاروں کروڑ روپے کی اسکیم سے کام دوبارہ شروع کیا اور ہم اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کام کر رہے ہیں کہ کاشتکاروں کو پانی تک رسائی حاصل ہو۔ 50 منصوبے مکمل ہوچکے ہیں اور بقیہ منصوبوں پر تیز رفتاری سے کام کر کے مکمل کرنے کی کوشش جاری ہے۔ یہ اچھی بات ہے کہ آپ نے ان سب کو بنایا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ خیال کیوں ادھورا تھا؟ کام ادھورا کیوں رہا؟ اور کوئی ٹھوس نتائج کیوں برآمد نہیں ہوئے۔

روپئے بھی گئے۔ کیا ہی بہتر ہوتا اگر سوچ جامع ہوتی، اور ایک مثبت نقطہ نظر اور ایک جامع نظریہ پر عمل کیا جاتا۔ اگر آپ کے دور میں تمام کام مکمل ہو جاتے، تو یہ ملک اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کر رہا ہوتا۔

میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ آپ نے نہیں کیا۔ لیکن کام کے طریقے سے بہت فرق پڑتا ہے۔ اور اس میں بہت بڑی کمی رہ گئی۔ جن جن لوگوں کو بھی حکومت کرنے کا موقع ملا ہے ان لوگوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے۔ لہذا آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہم نے اقتدار میں آنے کے بعد تبدیلی کیسے لائی ہے۔ ہمارے ملک میں بجٹ میں مزید مختص کو ہی اطمینان بخش سمجھ لیا جاتا ہے۔ تالی بج جاتی ہے۔ الوکیٹ ہو گیا۔ خرچہ پر توجہ دینے والے کم ہیں اور نتائج کی طرف توجہ دینے والے اس سے بھی کم ہیں۔ کوئی بھی نتائج کے بارے میں بات نہیں کرتا ہے۔ ہم نے کام کے کلچر کو تبدیل کر دیا ہے اور پارلیمنٹ میں رکھی جانے والی ایک 'نتیجہ رپورٹ' بنانا شروع کر دیا ہے تاکہ یہ پتہ چلے کہ جس پروجیکٹ کے لئے فنڈ مختص کیا گیا وہ واقعی اس کے لئے استعمال ہو بھی رہا ہے کہ نہیں۔ لہذا ہماری کوششیں منصوبوں کے نتائج پر مرکوز ہونی چاہئیں۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ، کسانوں کی آمدنی بڑھانے کے متعلق یہاں بات ہوئی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ کسانوں کی آمدنی کو دوگنا کرنے میں کس کو اعتراض ہو سکتا ہے؟ میرے خیال میں کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ سیاسی مفادات کی بنا پر میں یہ باتیں کر رہا ہوں۔ یہاں بیٹھا ہر شخص اپنے دل میں یہ خواہش رکھتا ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جو ہمیں کرنا چاہئے۔ یہ کام کیسے ہوگا؟ زمین کے ٹکڑے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ اہل خانہ کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر کسی کسان کے پاس 10 بیگھہ اراضی ہے، تو وہ بچوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور یہ تقسیم ہو کر 2 بیگھہ یا 1 بیگھہ حصے میں آتی ہے۔ یہ دقت ہے۔ لہذا ٹیکنالوجی کی مداخلت ضروری ہے۔ ہمیں زرعی تکنیک کی طرف بڑھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں جدید ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم یہ کرتے ہیں تبھی تبدیلی آئے گی۔ عزت مآب، سوائل ہیلتھ کارڈ ایسی ہی ایک کوشش ہے۔ فی بوند زیادہ فصل یا مائکرو آبپاشی بھی ایسی ہی ایک کوشش ہے۔

عزت مآب، ایک زمانہ تھا جب ہمارے کسان یہ سوچتے تھے کہ میں سیلاب سے آبپاشی کے بغیر گنّے کی پیداوار نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اس سوچ کا حامل تھا۔ اس کا خیال تھا کہ گنے کی کھیتی کے لئے کھیت میں لبالب پانی بھرا ہونا چاہئے۔ میرے تجربے کے ساتھ، گجرات میں گنے کی کاشت کے لئے چھڑکنے والی آبپاشی کے نظام کو لازمی طور سے استعمال کیا گیا، اور پیداوار واقعتاً زیادہ ہوئی۔ اب یہ دھیرے دھیرے پورے ملک میں ہو رہا ہے۔ اب پانی کی بچت ہوگی۔ اس طرح کے کئی تجربات ہیں۔ پہلے کیا ہوتا تھا،

ہم سب کو معلوم ہے۔ سب جانتے ہیں کہ پہلے کیلے کی کاشت کرنے والوں کو کیلے کا پھل حاصل کرنے کے بعد اسکا جو تھڑ کھڑا رہتا تھا، اس کو نکالنے کے لئے پیسہ دینا پڑتا تھا۔ انہیں ہر ایکڑ کے لئے 5000، 10 ہزار روپے یا 15 ہزار روپے کا خرچہ آتا تھا۔ ہمارے یہاں اگریکلچر یونیورسٹی نے کیلے کے پودے کی باقیات سے ریشہ پیدا کیا اور اس سے کپڑے تیار کیے، اس سے انتہائی اچھے معیار کے کپڑے تیار کیے جارہے ہیں۔ مزید یہ کہ، اگر وہ خشک زمین پر بکھیر دئے جائیں، تو اس زمین پر 90 دن تک پیڑ پودے بغیر پانی کے بڑھ سکتے ہیں۔ وہ جو بیکار چیز تھی اب ایک سرمایہ میں تبدیل ہو چکی ہے۔ آج لوگ اسے خرید رہے ہیں اور اسے 10 ہزار روپے یا 15 ہزار روپے فی ایکڑ میں خرید رہے ہیں۔ اگر ہم اپنے ملک میں زرعی فضلہ پر توجہ دیں تو ہم ملک اور کسانوں کی آمدنی کی سطح میں اضافے میں مدد کرسکتے ہیں۔ اگر ہمارے ملک میں چینی کی پیداوار زیادہ ہو جائے تو بھی کسان مرے گا، کم ہو تو بھی کسان مرے گا۔ ہمارے ملک میں شوگر کی زیادہ تر فیکٹریاں ہمارے کسانوں کی وجہ سے چل رہی ہیں۔ اب ہم نے ایتھنول کی ضرورت کو بڑھا کر 10 فیصد کردیا ہے۔ جب بھی شوگر پر دباؤ پڑتا ہے تو اس سے عالمی منڈی پر اثر پڑتا ہے۔ اگر ہم اسے ایتھنول کی طرف موڑ دیتے ہیں تو یہ کسانوں کے تحفظ کو یقینی بنائے گا۔

ہم نے 'کسان سمپدا یوجنا' بھی شروع کی ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ کھیتوں سے لے کر مارکیٹ تک کی پوری چین میں کئی کمزور کڑیاں ہیں جس کی وجہ سے لاکھوں کروڑوں کی رقم ضائع ہو رہی ہے۔ انفراسٹرکچر کی کئی کمزور کڑیاں ہیں۔ اگر ہمارے پاس بیج سے بازار تک کا ایک جامع نقطہ نظر ہو گا، تب جاکر کوشش ہوں گی۔ لہذا، ہم اس سمت میں کام کر رہے ہیں۔ ای۔نام اسکیم ابھی ابھی شروع ہوئی ہے۔ اور ایسی بہت سی ریاستیں ہیں جن کو ابھی تک اے۔پی۔ایم۔سی ایکٹ میں ترمیم کرنا چاہئے تھا وہ ابھی بھی نہیں کیا گیا ہے۔ قریب قریب 36000 کروڑ کا کاروبار ہے۔ کسانوں نے ای۔نام پر آن لائن فروخت کے ذریعہ تقریباً 36 ہزار کروڑ کا کاروبار کیا ہے۔ 36 ہزار کروڑ کا کاروبار کرنا اپنے آپ میں بہت بڑی بات ہے۔ اور یہ ایک اچھی شروعات ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس میں مزید ترقی ہو گی۔ ہمیں ویلیو ایڈیشن کے لئے جانا پڑے گا۔ اگر کسان ہری مرچ بیچتا ہے تو اسکو اسکا بہت کم پیسہ ملتا ہے، لیکن اگر یہی مرچ لال ہوتی ہے تو اسکو پیس کر پاؤڈر بناکر اسکی اچھی پیکنگ اور برانڈنگ ہو جائے تو پھر اسکی آمدنی میں اضافہ ہو گا۔ اس لئے ہمیں ویلو ائڈیشن پر جانا ہو گا۔ اس سے کسان کی آمدنی کو بڑھایا جاسکتا ہے۔ اگر ہم کسانوں کی منسلک سرگرمیوں کی بات کریں تو آج کھیت کے اندر شمسی توانائی کا فارم بنایا جاسکتا ہے۔ یہ شمسی پمپ اسکے لئے بجلی بھی پیدا کر سکتا ہے۔ اس شمسی پمپ کو چلا کر کے وہ ڈیزل اور بجلی کے اخراجات کم کر سکتا ہے اور ریاستی حکومتیں بھی اس بجلی کو خرید سکتی ہیں۔ اس سے اخراجات میں زبردست کمی ہو گی۔ اگر ہم بانس کی بات کریں تو، یہ آپ کی غلطی نہیں ہے۔ 9 سالوں سے بنائے گئے قانون نے بانس کو درخت

کے زمرے میں رکھا تھا۔ کوئی بھی بانس نہیں کاٹ سکتا تھا جبکہ پوری دنیا میں بانس کو گھاس سمجھا جاتا ہے۔ اب آپ کو یہ کرنا چاہئے تھا تاکہ کریڈٹ آپ کو جائے۔ ہم نے اس کے بارے میں سوچا اور بانس کو گھاس کی کیٹگری میں رکھا ہے۔ آج کسان اپنے کھیت کے آس پاس بانس کی کاشت کر سکتا ہے۔ اس بانس کی کھیتی سے اسکی فصلوں کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ وہ اضافی ہے۔ آج بھارت ہزاروں کروڑ روپے کا بانس درآمد کرتا ہے۔ ہم ماچس کے لئے بانس باہر سے لاتے ہیں، پتنگ کے لئے بانس باہر سے لاتے ہیں، اگربتی کے لئے بانس باہر سے لاتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا دائرہ ہے جو کسانوں کی آمدنی بڑھانے کی طاقت رکھتا ہے۔ شہد کی مکھی پالنے کے میدان میں کتنا کام ہو سکتا تھا۔ لیکن ہم اسکو نہیں کر پائے۔ میں حیران ہوں کہ کیوں نہیں کر پائے؟ ہم نے پچھلے چار سالوں کے دوران، مکھیوں کے پالنے کے 11 ترقیاتی مراکز قائم کیے ہیں۔ آج شہد کی پیداوار میں 38 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اور یہ شہد دنیا کے بازار میں جانے لگا ہے۔ اور سب سے اہم بات جس پر ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ آج دنیا ہمہ گیر حفظان صحت کی طرف گامزن ہے۔ دنیا ایکو فرینڈلی زندگی کی طرف راغب ہے اور اس کے نتیجے میں، لوگ کیمیائی موم کی بجائے مکھی کے موم کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ مکھی کے موم کو اس طرح سے تبدیل کیا جاسکتا ہے کہ وہ مستقبل میں عالمی مارکیٹ کو اپنی گرفت میں لے سکے۔ ہمارے کسان ایک کونے میں درخت کے نیچے بیٹھ کر یہ کام کر سکتے ہیں۔ ہم مویشی پالن ،ماہی گیری، مرغی پالن جیسی اور کتنی چیزیں ہیں جن کو اگر جوڑ کر اگر ہم کسانوں تک پہنچا دیں تو مجھے نہیں لگتا کہ کسانوں کی آمدنی کو دوگنا کرنے میں کوئی دشواری ہوگی۔ کسانوں کی حالت بہتر ہو سکتی ہے۔ ہم سب کو کوششیں کرنا ہوں گی اور ہم سب کوشش کریں گے۔ تب یقینی طور پر نتائج بر آمد ہونگے۔ اور ہماری کوششیں اس سمت میں ہونی چاہئیں۔

آج ہمارے ملک میں سوچھ بھارت مہم کا مذاق اڑایا جارہا ہے، میک ان انڈیا کا مذاق اڑایا جارہا ہے ، جن دھن یوجنا کا مذاق اڑایا جارہا ہے، نوجوانوں کے عالمی دن کا مذاق اڑایا جارہا ہے ، کالے دھن اور سرجیکل اسٹرائیک پر سوال اٹھائے جارہے ہیں۔ لیکن آپ مجھے بتائیں، کیا ہمیں او بی سی کمیشن کو آئینی حیثیت دینے کی مخالفت کرنا چاہئے؟ برسوں سے اس کا مطالبہ کیا جارہا تھا۔ آپ کی کچھ مجبوریاں رہی ہونگی جو آپ نہیں لائے۔ اس ایوان میں اِس کمیٹی میں ڈالو، اُس کمیٹی میں ڈالو، ایک لمبے عرصے سے لٹکا پڑا ہے۔ کیا ہم اس کام کو نہیں کر سکتے ہیں؟

وہ آپکو امیت بھائی نے جواب دے دیا ہے۔ یہ جب پوری مخالف کی ہمت نہیں ہوتی ہے، عوام کا سامنا کرنے کی طاقت نہیں ہوتی ہے۔ آج جو او۔ بی۔ سی برادری میں امنگیں جگی ہیں۔ آج او بی سی سماج بیدار ہوا ہے اور اپنے حقوق کے لئے میدان میں آیا ہے۔ آپ کی سیاست آپ کو کھل کر بات کرنے کی ہمت نہیں دیتی ہے۔ لہذا، آپ بہانے بناتے رہتے ہیں۔ لیکن اس ملک

او۔ بی۔ سی سماج ملک کو دینے والوں میں سے ہے۔ اگر وہ اپنا حق مانتا ہے تو میری درخواست ہے کہ سیاست کو چھوڑ کر کے اور نئی نئی چیزیں جوڑنے کے نام پر، اس کو روکنے کی کوشش کرنے کے بجائے اس کو منظور کریں۔ تین طلاق۔ اگر آپ کو لگتا ہے کہ تین طلاق کے موضوع پر آپ جس طرح کا قانون چاہتے ہیں، کس نے روکا تھا آپ کو؟ ۳۰سال پہلے یہ معاملہ آپ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ کو جیسا قانون چاہئے تھا آپ بنا سکتے تھے۔ لیکن آپ کی سیاست اور آپ ہی کے ایک وزیر نے اس ایوان میں تقریر کی کہ طلاق ثلاثہ کو کیوں آنا جاناچاہئے۔ لیکن جب چاروں طرف سے آواز اٹھنے لگی، ووٹ بینک خطرے میں پڑ گیا تو اچانک سے اس وزیر کو بھی جانا پڑا اور اس مشن کو بھی جانا پڑا۔ جو جواز پیش کیا جارہا ہے، وہ ہندوستان کے ہر کرمنل قانون کے تحت جو سزا طے ہے، اس پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اگر ایک شخص قتل کا ارتکاب کرتا ہے لیکن آپ اس شخص کو جیل نہیں جانے دیں گے کیونکہ وہ اپنے بوڑھے والدین کا 30 سال کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس کے غریب والدین کیا کھائیں گے؟ اگر کسی ہندو نے دو خواتین سے شادی کی تو اسے جیل کی سلاخوں کے پیچھے جانا پڑے گا۔ اس معاملے میں آپ کو کبھی ایسا خیال نہیں کہ اس کے والدین کیا کھائیں گے؟ لہذا، اگر کوئی اس کا مطالعہ اور تجزیہ کرے تو وہ شخص آپ کی منطق سن کر حیران ہو گا۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے، شاید ہمارے نریش جی نے بڑی ہمدردی دکھائی تھی۔ وہ ذلیل کر رہے تھے، کہنا تو مشکل ہے، لیکن وہ بہت کچھ کہہ رہے تھے۔ خوف اور جیل کی بات کر رہے تھے۔ تسلی جی یہاں بیٹھے ہیں۔ 15 سالوں سے ہم نے کیا کچھ برداشت کیا ہے، ہمیں جانتے ہیں! قانون اپنا کام کرے یا نہیں، آپ یہاں کہنا شروع کر دیں کہ کسی کے بیٹے کو پھنسایا جارہا ہے۔ اس کو پریشان کیا جارہا ہے اور نہ جانے کیا کچھ کیا جارہا ہے۔ اس طرح کے الفاظ قانون کی تضحیک کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ یہ قانون طے کرے گا کہ کیا کرنا ہے۔ لہذا جب آپ کہتے ہیں کہ مدد کرو، ایسے وقت میں میری مدد کرو، تو شاعر دشینت کمار کی شاعری کے الفاظ یاد آتے ہیں۔

چاقو کی پسلیوں سے گزارش تو دیکھئے ‏ ‏ ‏ ان کی اپیل ہے کہ ہم انکی مدد کریں

خواتین پر مظالم – میں نہیں مانتا کہ خواتین پر ظلم کسی خاص پارٹی کانگریس، بی جے پی وغیرہ سے متعلق ایک مسئلہ ہے۔ ہو ہی نہیں ہو سکتا۔ اور جو خدشات آپ نے ظاہر کیے ہیں، وہ بہت فطری ہے۔ جو کچھ آزاد صاحب نے کہا وہ درست ہے۔ لہذا، میں نے لال قلعہ سے یہ کہنے کی جسارت کی تھی کہ بیٹیوں کے لئے تو بہت کچھ کہا جاتا ہے لیکن کم از کم کسی کو تو پوچھنا چاہئے کہ بیٹے دیر سے گھر کیوں واپس آتے ہیں؟ کم از کم کوئی پوچھے کہ بیٹا کہاں جاتا ہے اور کس سے ملتا ہے؟ کسی کو بیٹوں کو بھی قدریں سکھانے کی فکر کرنی چاہئے۔ کیا ہم سب مل کر ایک آواز میں ان ماؤں، ان باپ اور اساتذہ کو جھنجوڑ نہیں سکتے ہیں؟ آخر وہ کسی نا کسی کا بیٹا تو ہے جو بیٹی پر مظالم تھا رہا ہے۔ لہذا ہمیں مل کر متفقہ طور پر اس معاشرتی برائی کے خلاف آواز اٹھانی چاہئے۔ اس

معاملے میں ہمیں قدم سے قدم ملا کر چلنا چاہیئے۔ خواتین کو بااختیار بنانے کے لئے اجولا یوجنا ایک اہم قدم ہے۔ ایوان کے توسط سے ،میں اسٹارٹ اپ والے لوگوں سے خصوصی اپیل کرنا چاہتا ہوں۔

ہمیں اپنے ملک میں صاف ستھرا کھانا پکانے کے لئے مشن موڈ پر کام کرنا چاہیئے۔ اور اگر ممکن ہو تو، شمسی توانائی پر مبنی کھانا پکانے کے نئے جدید چولہے بنائیں جائیں، تاکہ غریبوں کو کھانا پکانے کے لئے ایک نیا پیسہ خرچ کرنے کی ضرورت نہ پڑے اور گیس ڈھلائی پر ہونے والا خرچہ بھی بچ جائے۔ وہ اپنے ہی گھروں میں شمسی چولہوں کا انتظام کرنے کے اہل ہوں اور جدید ٹکنالوجی سے شمسی چولہے تیار کیے جاسکتے ہیں۔ صاف کھانا بنانا ہماری سماجی زندگی ، ماحول اور خواتین کی صحت کے لئے صاف کھانا پکانا ضروری ہے۔ اس کا تعلق سیاسی ایجنڈے سے نہیں ہے۔ یہ ملک کی فلاح و بہبود کے لئے ہے۔ ہمیں مل کر اسے آگے لے جانا چاہیئے۔

اب وہ اس بارے میں چرچا کر رہے تھے کہ سوچھ بھارت کے اشتہار پر اتنا خرچ ہوا۔ میں ایسی کوئی بات کہنا ہی نہیں چاہتا ہوں جو کسی کو بری لگے۔ لیکن آپ بھی حکومت میں رہے ہیں اور آپ کی عوامی زندگی ہے۔ صفائی اور بیت الخلاء ایسے موضوع ہیں جن کا تعلق بنیادی ڈھانچے سے زیادہ ہماری عادت سے ہے۔ یہ ایک عادت کا معاملہ ہے۔ اور دنیا کے ہر اس شخص نے جس نے اس موضوع کا مطالعہ کیا ہے، یہی کہا ہے۔ جب آپ حکومت چلا رہے تھے تب بھی آپکی توجہ کا مرکز اس عادت میں تبدیلی لانے پر تھا۔ آپ جانتے تھے کہ جب تک کہ سلوک میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ، اس ضمن میں کوئی پیشرفت نہیں ہوگی ۔ اب اس میں دکھائے جانے والے اشتہارات حکومت کے پروگراموں کی جگمگاہٹ کی خاطر نہیں ہیں بلکہ یہ عادت کی تبدیلی کی خاطر چھوٹے چھوٹے واقعات کے ذریعے لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے ہیں۔ یہ کہنے سے پہلے ، ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ غریبوں کے پیسوں سے خزانوں میں آئی دولت سے ایک خاندان کے چند افراد کی سالگرہ کے موقع پر اخباروں میں پورے صفحے کے اشتہارات شائع ہوتے تھے۔ اس میں ملک کے کتنے پیسے خرچ ہوئے، ذرا حساب لگائیں۔ ایک ہی کنبے کے افراد کی سالگرہ کے موقع پر اشتہارات کے لئے خرچ کی گئی رقم جان کر آپ حیران رہ جائیں گے۔ لیکن یہ جو خرچہ ہوا ہے وہ عادت میں تبدیلی لانے کے لئے ہوا ہے۔ اور ہم سب کو اس کے لئے کوشش کرنی ہوگی۔ آپ سب اپنی ریاستی حکومتوں سے کہیں کہ وہ اس برتاؤ میں تبدیلی لانے کے لئے بجٹ مختص کریں اور لوگوں کو بتائیں۔

محترم چیئرمین صاحب، یہاں پر ہمارے معزز آزاد صاحب نے بوفورس معاملے پر تفصیلی گفتگو کی اور کریڈٹ لینے کی کوشش کی۔ میں یہاں کچھ اقتباسات کا حوالہ دیناچاہتاہوں۔یہ ااقتباس کانگریس کے ایک سینئر وزیر اور بعد میں غیر متنازعہ طور پر منتخب کئے گئے صدر جمہوریہ جناب آر وینکٹ رمن جی کی سوانح عمری کا ایک حصہ ہے۔ انکی سوانح عمری کا نام ہے 'جب میں راشٹر پتی تھا' ۔ انہوں نے جے آر ڈی ٹاٹا سے ملاقات کی تھی اور ان کے ساتھ ہونے والی گفتگو کو لکھا ہے۔اس میں انہوں نے لکھا ہے: "ٹاٹا نے کہا، توپ یا دوسری دفاعی خریداری میں راجیو گاندھی یا ان کے اہل خانہ کو فائدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو ، لیکن اس سے انکار کرنا مشکل ہو گا کہ کانگریس پارٹی کو کوئی کمیشن نہیں ملا"۔یہ میں وینکٹ رمن جی کی کتاب سے پڑھ رہا ہوں۔اس میں میر ا اپنا کچھ نہیں ہے۔ آگے انہوں نے لکھا ہے: "انہیں لگتا تھا کہ 1980 کے بعد سے صنعتکاروں سے چندہ نہیں مانگا گیا ہے اور پارٹی کے اخراجات اس طرح کے سودوں سے ملنے والے کمیشن سے پورے ہوتے ہیں"۔

جناب چیرمین صاحب، یہ تو آر وینکٹ رمن جی کے الفاظ ہیں۔وہ آپ کے بہت سینئر لیڈر تھے اور صدر بھی رہ چکے ہیں۔ یہاں پر کسی کنبہ پروری کی بات آئی تو بڑا دکھ ہوا اور غصہ بھی آتا ہے۔ یہ تو بڑی فطری بات ہے۔اور میں بھی نہیں چاہتا ہوں کہ آپ میں سے کسی کی سیاست کو نقصان پہنچے۔میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا۔ لیکن آپ ہی کے ایک صاحب جنکی میڈیا میں رپورٹ آئی ہے۔اس میں انہوں نے کہا: "سلطنت چلی گئی، لیکن ہم ابھی بھی سلطانوں کی طرح برتاؤ کر رہے ہیں"۔میں جئے رام رمیش جی کو انکے اس کھلے پن کے لئے مبارکباد دیتا ہوں۔

عزت مآب، مہنگائی سے سب سے زیادہ نچلے متوسط طبقے اور متوسط طبقے کے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ پہلے مہنگائی کہاں تک پہونچی تھی وہ آپ سب جانتے ہیں۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ مہنگائی ۲ فیصد اور ٦ کے درمیان مستحکم رہے۔ اگر مہنگائی اسی شرح پر بڑھتی رہتی تو نچلے متوسط طبقے اور متوسط طبقے کا زندہ رہنا کتنا مشکل ہو جاتا۔ ہم نے یہ اقدامات درمیانے طبقے کے خاندانوں کے تحفظ کے لئے اٹھائے ہیں۔

عزت مآب، غریب اور متوسط طبقے کے لوگ اگر اپنے مکانات تعمیر کرنا چاہتے ہیں تو اسکے لئے ہماری حکومت نے سود کی شرح میں کمی کر کے آور انکو سبسڈی دے کر انکی حوصلی افزائی کی ہے۔اور یہ اہم کام اس حکومت نے کیا ہے۔ہم نے "پردھان منتری آواس یوجنا (شہری)" کے تحت نئے زمرے تشکیل دئے ہیں اور مکانات کی تعمیر میں مدد کے لئے ۹ لاکھ روپے تک کے قرضوں پر سود کی شرح میں ۴ فیصد کی رعایت فراہم کی ہے۔ متوسط طبقہ کی تمنا ہوتی ہے کہ انکا اپنا گھر ہو۔ اسکی اس

خواہش کو پورا کرنے کا کام ہوا ہے۔ مکانات کے لئے 12 لاکھ روپے تک کے قرض پر 3٪ کی رعایت فراہم کی گئی ہے۔ اسی طرح، اگر کسی گاؤں میں اگر کوئی کنبہ اپنے پرانے مکان کی توسیع کرنا چاہتا ہے، یا ایک یا دو کمرے جوڑنا چاہتا ہے کیونکہ کنبہ میں اضافہ ہو رہا ہے، اس کے لئے ہم نے 2 لاکھ روپے تک کے قرضوں پر 3 فیصد کی چھوٹ فراہم کی ہے۔ یہ تمام اقدامات نچلے متوسط طبقے اور متوسط طبقے کو اپنی امنگوں کی تکمیل میں مدد فراہم کرنے جا رہے ہیں۔

عزت مآب، اسی طرح سے رئیل اسٹیٹ ریگولیٹری ایکٹ یعنی ریرا بنایا گیا ہے۔ متوسط طبقہ جسکو اپنا مکان بنوانے کی فکر رہتی تھی اسے اس کے ذریعے تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ ہم نے اس میں کئی ترمیم کئے ہیں جسکا عام آدمی کو فائدہ ملے گا۔ ہم نے صارف تحفظ ایکٹ اور صارفین کو بااختیار بنانے پر بھی توجہ دی ہے۔ لوگوں کو سستی دوائیں ملیں اس کے لئے بھارتیہ جن اوشدھ مراکز قائم کیے گئے ہیں اور 800 سے زیادہ دوائیں انتہائی سستی قیمت پر مہیا کی جا رہی ہیں۔ اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو لوگ ان دواؤں کا استعمال کر رہے ہیں ان کے دواؤں کے اوپر اخراجات میں 60-70 فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔ ہم نے گھٹنے کے امپلانٹ پر آنے والے خرچہ کو کم کر دیا ہے، اور یہاں تک کہ اسٹینٹ کا بھی خرچہ کم کر دیا ہے۔

عزت مآب، آج کل ہمارے ملک میں گردوں سے متعلق مسائل بہت بڑھ گئے ہیں۔ ہمارے یہاں عمومی طور سے ڈائلیسس کروانے کے لئے مریض کو یا تو ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر یا کسی بڑے شہر کا رخ کرنا پڑتا تھا۔ ہم نے ایک مشن موڈ میں کام کیا۔ قریب 500 سے زیادہ اضلاع میں معمولی چارج پر ڈائلیسس کی یہ تحریک چلائی ہے۔ اب وہاں تک ہم پہنچے ہیں۔ جہاں تک میری جانکاری ہے، اس کے مطابق، قریب 22 لاکھ سے زیادہ ڈائلیسس سیشن ہو چکے ہیں۔ یہ سارے کام انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ہیں جن پر ہم نے زور دیا ہے۔ آپ ایل ای ڈی بلب سے حاصل ہونے والے فوائد سے بخوبی واقف ہیں۔ ہزاروں کروڑوں روپے متوسط طبقے کی جیب میں بچ رہے ہیں۔ تقریباً 15 ہزار کروڑ روپے کی بچت ہو رہی ہے۔ صدر نے اپنی تقریر میں ایک بات کا ذکر کیا ہے۔ اور اسکے بارے میں میری رائے ہے کہ یہ صرف کسی حکومت یا کسی ایک پارٹی کا کام نہیں ہے۔ یہ ہر فرد کا کام ہے جو ملک کے بارے میں فکر مند ہے۔ اور یہ اس ایوان میں بیٹھے سبھی کا کام ہے۔ اور یہ سب کا یکساں طور پر کام ہے۔ معزز صدر نے اس موضوع کا اپنی تقریر میں ذکر کیا ہے۔ پہلے جب پرنب دا صدر تھے، تو انہوں نے بھی اس کا ذکر کیا تھا اور کئی دیگر لوگوں نے بھی اس مسئلے پر اپنے خیالات رکھے ہیں۔ اور وہ ہے بیک وقت لوک سبھا اور ودھان سبھا انتخابات کروانے سے متعلق۔ یہ سچ ہے کہ راجیہ سبھا میں آنے والوں کو انتخابات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، لیکن جو لوگ لوک سبھا اور راجیہ سبھا دونوں میں رہے ہیں وہ انتخابی ہنگاموں سے بخوبی واقف ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو لوک سبھا انتخابات میں شکست کھانے کے بعد راجیہ

سبھا میں آئے ہیں۔ وہ بھی اس صورتحال سے بخوبی واقف ہیں۔ لیکن کبھی سوچنا ہوگا، کبھی سوچنا ہوگا کہ صحتمند روایت قائم ہو، کیونکہ ہندوستانی جمہوریت نے پچھلے کئی سالوں میں پختگی حاصل کیا ہے۔ کیا ہم سب ہمت کر کے ایک صحتمند روایت کی طرف بڑھ سکتے ہیں؟ سن 1967 تک لوک سبھا اور ودھان سبھا کے لئے بیک وقت انتخابات ہوتے رہے۔ کچھ استثنی کو چھوڑ کر، لیکن یہ چلا ہے۔ اس وقت، کوئی دشواری نہیں تھی۔ لیکن بعد میں سیاسی وجوہات کی وجہ سے عدم استحکام پیدا ہوگیا۔ اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے ہی ایک الیکشن ختم ہوتا ہے، دوسرے انتخابات کی تیاریوں کا آغاز ہو جاتا ہے اور اسی طرح تیسرے کی بھی۔ اس نے مرکزی حکومت کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومتوں دونوں پر دباؤ پیدا کیا۔ وفاقی ڈھانچے کے لئے خوشگوار ماحول ہونا چاہیئے۔ یہ بات قابل فہم ہے کہ انتخابات کے چار، چھ مہینے تک تُوتُو، میں میں چل جائے، لیکن ہم باقی چار یا ساڑھے چار سال تک تو پرامن طور پر مل بیٹھ کر ملک کے لئے کام کر سکیں۔ ہماری پوری طاقت کام میں لگے۔ ہمیں اس سمت میں کام کرنا چاہیئے۔ اور مجھے لگتا ہے کہ ہمیں اس سلسلے میں تفصیلی چرچہ کرنا چاہیئے۔ آئندہ لوک سبھا انتخابات کے دوران، آپ دیکھیں گے کہ اب جب لوک سبھا کے انتخابات ہونگے تو ان کے ساتھ 4 ریاستیں ہیں - آندھرا پردیش، تلنگانہ، اروناچل اور آڈیشہ۔ ہم رکاوٹوں سے بخوبی واقف ہیں۔ 2009 میں ہونے والے لوک سبھا انتخابات پر قریب 1 ہزار کروڑ روپئے خرچ ہوئے۔ 2014 میں بڑھ کر یہ 4 ہزار کروڑ روپے ہو گئے ۔ یعنی یہ 1000 سے 4000 ہو گیا۔ مزید یہ کہ 2014 کے بعد اب تک اسمبلی انتخابات کے لئے 3 ہزار کروڑ روپئے خرچ ہوئے۔ اب ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں غریب عوام کو بہت کچھ پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے، ہمارے یہاں انتخابات کے اندر 9 لاکھ 30 ہزار پولنگ اسٹیشنوں پر 1 کروڑ سے زائد افراد کو تعینات کیا جاتا ہے۔ بہت بڑی تعداد میں سیکورٹی اہلکار انتخابی انتظام میں ہی لگے رہتے ہیں۔ سیکورٹی کے مسئلے میں نئے نئے چیلنجز اُبھرتے اور ہمارے اہلکار بس اسی کام میں لگے رہتے ہیں۔ یہ معاملہ حزب اختلاف اور حزب اقتدار سے ماورا ہے۔ ملک کی فلاح و بہبود کے لئے مختلف رائے ہو سکتی ہے، لیکن دلائل کو جھگڑوں میں تبدیل نہیں کرنا چاہیئے اور ایوان کے تقدس کو برقرار رکھنا چاہیئے۔ ہمیں مل جل کر صاف نیت سے بحث کر کے اسکا حل تلاش کرنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اسے کامیابی کے ساتھ آگے بڑھا سکتے ہیں۔ ہم نے ایسے متعدد فیصلے لئے ہیں جن کو دنیا کے متعدد ممالک عجوبہ سمجھتے ہیں۔ انہیں حیرت ہے کہ متعدد پارٹیوں کی موجودگی کے باوجود ایسے فیصلے کیسے ہو سکتے ہیں! لیکن اسی ایوان میں بیٹھے ان لوگوں نے ماضی میں فیصلے کیے اور بہترین فیصلے کیے۔ وہ فیصلے جو آنے والی نسلوں کو فائدہ پہنچائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک بار پھر دونوں ایوانوں میں بیٹھے ہوئے معزز ممبران کے سامنے یہ کام کرنے کا موقع حاصل ہے۔ یہ ہم سب کی خوش نصیبی ہے۔

محترم چیئرمین صاحب،

تمام معزز ممبران نے مختلف امور پر اپنے تاثرات پیش کیے۔ خود صدر کی تقریر ایک مکمل تقریر ہے۔ یہ حکومت کی سمت، رفتار اور ارادوں اور جس طرح سے ہم عام آدمی کے لئے فلاحی اقدامات کی طرف گامزن ہیں، اس کا ایک مختصر بیان ہے جس کو ایک محدود مدت میں پیش کیا گیا ہے۔ انہوں نے آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کی۔ آیئے ہم متفقہ طور پر محترم صدر کی تقریر کو منظوری دیں اور اس شکریہ کی تحریک کو منظور کریں۔ اسی امید کے ساتھ، میں اپنی حمایت کو پیش کرتے ہوئے اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔ بہت بہت شکریہ!

راجیہ سبھا سے ریٹائر ہونے والے اراکین کے لئے

وزیر اعظم شری نریندر مودی کی الوداعی تقریر

۲۸ مارچ، ۲۰۱۸

راجیہ سبھا سے ریٹائر ہونے والے اراکین کے لیے وزیر اعظم کی الوداعی تقریر

28مارچ، 2018

معزز چیئر پرسن،

ہم میں سے کچھ ساتھی اب اس تجربے کو لے کر کے سماجی خدمات کے اپنے کام اور کردار کو مزید مضبوط کریں گے۔ ایسا میرا مکمل یقین ہے۔ ایوان سے رخصت ہونے والے معزز ارکان میں سے ہر ایک کا اپنا تعاون ہے۔ ہر ایک کا اپنا حصہ ہے۔ ان ارکان میں سے ہر ایک ملک کے روشن مستقبل کے لئے اس ایوان میں رہتے ہوئے جو بھی تعاون کر سکتا تھا، کرنے کی بھرپور کوشش کی اور ان سب کو ملک کبھی فراموش نہیں کر سکتا ہے۔ میری طرف سے آپ سب کی بہترین خدمات کے لئے آپ سب کو بہت بہت مبارکباد اور مستقبل کے لئے آپ کو بہت بہت نیک خواہشات بھی ہیں۔ یہ ایوان ان عظیم ہستیوں کا ہے جن کی زندگی کا تجربہ ایوان کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتا ہے۔ سماجی زندگی کی امیدوں اور آرزؤں کو ایک غیر جانبدارانہ انداز سے ترازو سے تول کر کے، مستقبل کے سماجی نظام کے لئے کیا مکمل کرنے والا ہوگا اور کیا مکمل کرنے والا نہیں ہوگا، اس کا لیکھا جوکھا کرنے کی صلاحیت اس سینئر ایوان کے پاس ہوتی ہے۔ اور یہ صلاحیت ان سینئر ہستیوں کی وجہ سے ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ جو بات یہاں بتائی جاتی ہے اس کی اپنی ایک قیمت ہوتی ہے، اس کی ایک خاص اہمیت ہوتی ہے اور یہ اہمیت ہی ہے جو ہماری پالیسی سازی میں بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ ہمارے درمیان قابل احترام پراشرن جی جیسی عظیم شخصیت موجود ہے، جنہوں نے اپنی زندگی میں پروفیشنل ازم کے ساتھ ساتھ ایثار و قربانی کی حامل زندگی بھی بسر کی ہے۔ اب ایسے لوگوں کا ہمارے ایوان میں ہمیں فائدہ حاصل نہیں ہو پائے گا۔ ایسے دو کھلاڑی ہندوستان جن پر ناز کرتا ہے، ایسے کھلاڑی جناب دلیپ کمار ترکی اور سچن رمیش تیندلکر جی ہیں۔ یہ دونوں بھی اب آنے والے دنوں میں ہمارے درمیان میں نہیں رہیں گے اور ان سے ہمیں فائدہ نہیں مل پائے گا۔ پروفیسر پی جے کورین صاحب کو ہم ہمیشہ یاد کریں گے، ان کا ہنستا ہوا چہرہ ہمیشہ ہمارے سامنے رہتا ہے، ان سے ہمیں سیکھنا چاہئے کہ بات تو وہی بتانی ہے لیکن ہنستے ہوئے بتانی ہے۔ یہی ان کی خصوصیت رہی اور اسی کے سبب مشکل کی گھڑی میں بھی ایوان کو ٹھیک سے چلانے میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ہم میں سے بہت کم لوگ ہیں جن کے پیچھے پارٹی اور پارٹی کے نظریات نہ ہوں۔ ایسے بہت کم لوگ ہیں اور زیادہ تر ہم وہی لوگ ہیں جن کا کوئی نہ کوئی پس منظر ہے اور اس لئے یہ بات فطری ہے، یہاں پر ان باتوں کو قائم کرنے کے لئے ہم لوگوں کی کوشش بھی بہت فطری عمل ہے۔ لیکن یہ بھی امید رہتی ہے کہ جو گرین

ہاؤس میں ہوتا ہے وہ ریڈ ہاؤس میں ہونا چاہئے، یہ ضروری نہیں ہے، کیونکہ ایک سنیئر ایوان کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے، یہاں پر ہر ایک نے اپنے اپنے کردار کو بخوبی نبھایا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ شاید آپ میں سے بہت سے لوگ ہوں گے جنہوں نے سوچا ہوگا کہ جب ایوان کا آخری اجلاس ہوگا تو میں یہ موضوع اٹھاؤں گا، میں ایسی تیاری کر کے آؤں گا کہ جاتے جاتے ایک بڑی تاریخی تقریر کر کے جاؤں گا۔ میں ایسے خیالات پیش کر کے، ملک کے لئے کچھ نہایت اہم کام کے لئے اپنا تعاون پیش کر کے جاؤں گا، لیکن شاید وہ خوش نصیبی جاتے جاتے آپ لوگوں کو نہیں ملی۔ اس کے لئے صرف اس طرف والے ہی ذمہ دار نہیں ہیں، یہاں سے وہاں تک ہم سب ذمہ دار ہیں کہ آپ کو ایسے ہی جانا پڑ رہا ہے۔ اچھا ہوتا آپ کو جانے سے پہلے کسی اہم فیصلے میں، بہت ہی بہترین قسم کا کردار ادا کر کے اور آخر میں کوئی بہترین چیز چھوڑ کر کے جانے کا موقع مل گیا ہوتا تو آپ کو یقیناً ایک خاص اطمینان ہوتا۔ لیکن شاید اس ایوان کے اراکین کا ہی قصور رہا ہے کہ آپ اس خوش نصیبی سے محروم رہ گئے۔ کل تو لگ رہا تھا کہ شاید آج یہ بھی موقع چھوٹ جائے گا۔ لیکن چیئرمین صاحب نے کافی محنت کی، سب کو سمجھانے کی کوشش کی، سب کو ساتھ لینے کی کوشش کی۔ جناب وجے صاحب بھی لگے رہے اور آخر کار یہ ممکن ہوا کہ آج سبھی رخصت ہونے والے اراکین اپنے احساس کو ظاہر کر پائیں گے۔ لیکن پھر بھی کسی اہم فیصلے میں آپ کا وہ تعاون، تاریخ جس کو ہمیشہ یاد رکھتی، وہ حسرت رہ گئی۔ درمیان میں تو آپ کو ضرور موقع ملا ہے جس کا آپ نے استعمال بھی کیا ہے۔ طلاق ثلاثہ جیسا اہم فیصلہ جو کہ ہندوستان کی آنے والی تاریخ میں بہت اہم کردار ادا کرنے والا ہے، اس کا فیصلہ کرنے کے عمل سے آپ محروم رہ گئے۔ جو ممبران ایوان میں واپس منتخب ہو کر آئے ہیں، ان کو تو یہ موقع ملے گا۔ لیکن جو رخصت ہو رہے ہیں ان کو شاید اس تاریخی اہم فیصلے سے محروم رہنا پڑے گا۔ اس کے لئے بھی کچھ نہ کچھ تو من میں کسک، آج نہیں تو دس سال، بیس سال، پچیس سال بعد ضرور رہے گی، ایسا میں مانتا ہوں لیکن اچھا ہوتا یہ ساری چیزیں ہم کر پاتے۔

میں پھر ایک بار ان معزز اراکین کو اپنی جانب سے نیک خواہشات پیش کرتا ہوں جو آج اس ایوان سے رخصت ہو رہے ہیں۔ میں آپ کے ایک ساتھی ہونے کے ناطے آپ سے ایک گزارش کروں گا کہ آپ یہ مت مانئے کہ ایوان کے دروازے بند ہونے سے اس پورے احاطے کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ آپ کے لئے اس احاطے کے دروازے ہمیشہ کھلے ہیں، وزیر اعظم کا دفتر کھلا ہوا ہے۔ ملک کے مفاد میں آپ کے دل میں جب بھی، جو بھی خیال آئے، آپ ضرور آئیں، آپ کو سننا، آپ کو سمجھنا، آپ کے نظریات کو سننا مجھے اچھا لگے گا۔ آپ جہاں بھی ہوں گے، آپ تعاون دیں گے۔ میں اس کو آگے پہنچانے کی ضرور کوشش کروں گا۔ میں ایک بار پھر آپ سبھی کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں، بہت بہت نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔

لوک سبھا میں وزارتی کونسل میں عدم اعتماد کی تحریک پر

وزیر اعظم شری نریندر مودی کی تقریر

۲۰ جولائی، ۲۰۱۸

لوک سبھامیں وزارتی کونسل میں عدم اعتماد کی تحریک پر وزیر اعظم کی تقریر

20جولائی2018

محترم اسپیکر صاحب،

میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جس صبر و تحمل کے ساتھ آپ نے آج ایوان کو چلایا ہے۔ یہ عدم اعتماد کی تحریک ایک طرح سے ہماری جمہوریت کی طاقت کی عکاسی کرتی ہے۔ اگرچہ یہ تجویز ٹی ڈی پی کے ذریعہ لائی گئی ہے، لیکن ان سے وابستہ کچھ معزز ممبران نے اس تجویز کی حمایت کی بات کی ہے۔ اور ایک بہت بڑا طبقہ ہے جس نے اس تجویز کی مخالفت میں باتیں کی ہیں ۔ میں بھی آپ سب سے گزارش کروں گا کہ ہم سب اس تجویز کو مسترد کریں اور ہم سب تیس سال کے بعد ملک میں مکمل اکثریت کے ساتھ بنی ہوئی حکومت، جس رفتار سے اس نے کام کیا ہے، اس پر پھر سے ایک بار اعتماد کا اظہار کریں۔

میرے خیال میں یہ ایک اچھا موقع ہے کہ ہمیں اپنی باتیں کہنے کا موقع تو مل ہی رہا ہے، لیکن ملک کو وہ بھی چہرہ دیکھنے کو مل رہا ملا ہے کہ کتنا منفی ماحول ہے، ترقی کی مخالفت کا کتنا احساس ہے۔ کس طرح منفی سیاست نے کچھ لوگوں کو اپنی گرفت میں کر لیا ہے اور ان سب کے چہروں کو سامنے لایا ہے۔ بہت سے لوگوں کا یہ سوال ہے کہ عدم اعتماد کی تحریک آئی ہی کیوں؟ نہ تعداد ہے، نہ ہی ایوان میں اکثریت ہے اور پھر بھی یہ تجویز ایوان میں کیوں لائی گئی؟ اور حکومت کو گرانے کی اتنی بے تابی تھی، تب میں حیران ہوا کہ اسے 48 گھنٹوں کے لئے روک دیا جائے، فوری بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر عدم اعتماد کی تحریک پر جلد چرچہ نہیں کیا گیا تو کیا آسمان ٹوٹ پڑے گا؟ کیا زلزلہ آجائے گا؟ پتہ نہیں، اگر بحث کے لئے کوئی تیاری نہیں تھی، مزید 48 گھنٹوں کے لئے اس میں تاخیر کر دو، تو پھر لائے کیوں؟ اور اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اسکو ٹالنے کے لئے جو کوشش ہو رہی تھی، وہ بھی اس بات کو بتاتی ہے کہ انکی پریشانی کیا ہے۔

نہ مانجھی، نہ رہبر، نہ حق میں ہوائیں کشتی بھی جر جر ہے، یہ کیسا سفر ہے

کبھی تو لگتا ہے کہ ساری تقریریں جو میں سن رہا تھا، سارے وہ طرز عمل جن کو میں دیکھ رہا تھا، میں نہیں مانتا کہ یہ کوئی لا علمی کی وجہ سے ہوا ہے، اور نہ ہی یہ کسی جھوٹی خود اعتمادی کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ اس لئے ہوا ہے کہ انکا غرور انکو اس قسم کی حرکت کی طرف کھینچ کر لے جا رہا ہے۔ مودی ہٹاو، اور میں حیران ہوں، آج صبح بھی، کہ ابھی تو بحث شروع ہی ہوئی تھی، کوئی رائے دہی

نہیں ہوئی تھی، فتح۔شکست کا فیصلہ نہیں ہوا تھا، پھر بھی وہ لوگ جو یہاں پہنچنے کے لئے بیتاب ہیں، اٹھو، اٹھو، اٹھو۔ نہ یہاں کوئی اٹھاسکتا ہے، اور نہ ہی یہاں بٹھاسکتا ہے، سوا سو کروڑ اہل وطن بٹھاسکتے ہیں، سوا سو کروڑ اہل وطن اٹھاسکتے ہیں۔

جمہوریت میں لوگوں پر اعتماد ہونا چاہئے، اتنی جلدی بازی کیا ہے؟ اور یہ انکا تکبر ہی ہے جو کہتا ہے کہ جب ہم کھڑے ہوں گے تو وزیر اعظم 15 منٹ بھی کھڑے نہیں ہو سکیں گے۔

محترم اسپیکر میڈم، میں کھڑا بھی ہوں اور چار سال جو ہم نے کام کیا ہے اس پر اڑا بھی ہوں۔ ہماری سوچ ان سے مختلف ہے۔ ہم نے تو سیکھا ہے "سار سار کو گہی رہے، تھوتھا دئے اڑائے"۔ خیر، میں سار کو پکڑنے کے لئے پوری کوشش کر رہا تھا، لیکن آج نہیں مل سکا۔ ڈنکے کی چوٹ پر تکبر اسے کہتے ہیں۔ 2019 میں اقتدار میں آنے نہیں دیں گے، ایسے الفاظ ان لوگوں کے منہ سے نکلتے ہیں جو عوام پر یقین نہیں رکھتے اور خود کو مقدر کا سکندر سمجھتے ہیں۔

جمہوریت میں عوام ہی مقدر کا فیصلہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ جمہوری عمل پر اعتماد ہونا ضروری ہے۔ اگر کانگریس 2019 میں سب سے بڑی پارٹی بن جاتی ہے، تو میں بنوں گا وزیر اعظم۔ لیکن دوسروں کی جو اتنی ساری خواہشیں ہیں ان کا کیا ہو گا؟ اس بارے میں کنفیوژن ہے۔ میڈم اسپیکر، یہ حکومت کا فلور ٹیسٹ نہیں ہے، یہ تو کانگریس اور اسکے نام نہاد ساتھیوں کا فلور ٹیسٹ ہے۔ میں ہی وزیر اعظم بنوں گا، کے خواب پر اور 10-20 تھوڑے مہر لگادیں، اس کے لئے ٹرائل چل رہا ہے۔ ٹکڑوں پر ڈالوں گا، اس کے لئے ٹرائل چل رہا ہے۔ اس تجویز کے بہانے اپنے کنبے کو جنھوں نے جمانے کی کوشش کی ہے، کہیں بکھر نہ جائے، اسکی فکر لاحق ہے۔ ایسے مودی کو ہٹانے کے لئے، جن کے ساتھ کبھی نہ دیکھنا ہوا، نہ ملنا ہوا، ایسی لہروں کو یکجا کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔

میرے کانگریس کے ساتھیوں کو مشورہ ہے کہ جب بھی آپکو اپنے ممکنہ ساتھیوں کا امتحان لینا ہو تو، ضرور لے لیجئے، لیکن کم از کم عدم اعتماد کی تحریک کا تو بہانہ نہ بنایئے۔ جتنا اعتماد وہ حکومت پر کرتے ہیں، کم از کم اتنا اعتماد تو اپنے ممکنہ ساتھیوں پر کیجیے۔ ہم یہاں اس لئے ہیں کیونکہ ہمارے پاس نمبر ہے، ہم یہاں اس لئے ہیں کیوں کہ ہمارے پاس سوا سو کروڑ اہل وطن کی دعائیں ہیں۔ اپنی خود غرضی کی تکمیل کی خاطر، ملک کی سوچ پر، اہل وطن کے آشیرواد پر شک نہ کریں۔ بغیر کسی تصدیق کے، بغیر کسی ووٹ بینک کی سیاست کے، سب کا ساتھ، سب کا وکاس، اسی منتر پر ہم کام کرتے رہے ہیں۔ پچھلے چار سالوں میں ایریا میں ہم کام کرتے رہے۔ اس کے لئے جسکے پاس کوئی چمک دمک نہیں۔ پہلے بھی حکومتیں 18 ہزار گاؤں کو بجلی کی فراہمی کا کام کر سکتی

تھیں، لیکن اسپیکر صاحبہ، ان 18 ہزار گاؤں میں، 15 ہزار گاؤں مشرقی ہندوستان کے اور یہاں تک کہ ان 15 ہزار میں سے بھی 5 ہزار گاؤں شمال مشرق سے ہیں۔ آپ تصور کر سکتے ہیں۔ ان علاقوں میں کون رہتا ہے۔ ہمارے قبائلی، ہمارے غریب عوام یہاں رہتے ہیں۔ دلت، مظلوم، استحصال کے شکار، محروم، جو جنگلات میں رہتے ہیں، ان کا ایک بہت بڑا طبقہ رہتا ہے۔ لیکن یہ لوگ یہ کیوں نہیں کرتے تھے، کیوں کہ یہ ان کے ووٹ کی ریاضی میں وہ فٹ نہیں ہوتے تھے۔ اور ان کا اس آبادی پر یقین نہیں تھا، اسی وجہ سے شمال مشرق کو الگ تھلگ کر دیا گیا۔ ہم نے صرف ان گاؤں میں ہی بجلی فراہم کی، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اپنی کنکٹیویٹی کے ہر راستے پر تیز رفتار سے کام کیا ہے۔

بینکوں کو غریبوں کے نام پر قومی بنایا گیا، لیکن بینک کے دروازے غریبوں کے لئے نہیں کھولے گئے۔ جب ان کی حکومتیں تھیں، اتنے سال بیٹھے تھے، وہ بھی غریبوں کے لئے بینک کے دروازے کھول سکتے تھے۔ ہماری حکومت نے تقریباً 32 کروڑ جن دھن اکاؤنٹ کھولنے کا کام کیا۔ اور آج ان غریبوں نے 80 ہزار کروڑ روپے کی بچت کر کے ان جن دھن کھاتوں میں جمع کیا ہے۔ ماؤں اور بہنوں کے لئے، ان کی عزت افزائی کے لئے 8 کروڑ بیت الخلاء بنانے کا کام اس حکومت نے کیا ہے۔ یہ پہلے کی حکومت بھی کر سکتی تھی۔ آج ہماری حکومت نے ساڑھے چار کروڑ غریب ماؤں اور بہنوں کو 'اُجولا اسکیم' کے تحت دھواں سے پاک زندگی اور بہتر صحت فراہم کر کے انکے یقین کو جگانے کا کام کیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو 9 سلنڈروں، 12 سلنڈروں کی بحث میں گم ہو گئے تھے۔ انکے اس یقین اور اعتماد کے بیچ وہ عوام کو گمراہ کر رہے تھے۔ ایک بین الاقوامی رپورٹ کے مطابق، پچھلے دو سالوں میں، پانچ کروڑ ملک کے باشندے انتہائی غربت سے باہر آ چکے ہیں، 20 کروڑ غریبوں کو صرف 90 پیسے فی دن اور ایک روپیہ ماہانہ پریمیم پر بیمہ کا تحفظ فراہم کیا گیا۔ آنے والے دنوں میں، اس حکومت نے مریضوں کو انکے مرض میں مدد کے لئے 'آیوشمان بھارت یوجنا' کے تحت پانچ لاکھ روپے کا بیمہ دیا ہے۔ ان کو ان باتوں پر بھی یقین نہیں ہے۔ ہم 2022 تک کسانوں کی آمدنی کو دوگنا کرنے کی طرف قدم بہ قدم آگے بڑھ رہے ہیں۔ انہیں اس پر بھی یقین نہیں۔ ہم بیج سے لے کر بازار تک پورے سسٹم کو بہتر بنا رہے ہیں، آسانیاں پیدا کر رہے ہیں۔ انہیں اس پر بھی یقین نہیں ہے۔ آبپاشی کے 99 منصوبے جو برسوں سے معرض التوا میں تھے، 80 ہزار کروڑ روپے سے زیادہ خرچ کر کے ان منصوبوں کو مکمل کرنے کے درپے ہیں۔ کچھ منصوبے پورے ہو چکے ہیں، کچھ جاری کر دیئے گئے ہیں، لیکن اس پر بھی ان کو یقین نہیں ہے۔ ہم نے 15 کروڑ کسانوں کو سوائل ہیلتھ کارڈ دیا، کسانوں کو جدید کاشتکاری کی طرف لے گئے۔ لیکن اس کے باوجود بھی، وہ یقین نہیں کرتے ہیں۔ ہم نے یوریا کی نیم۔ کوٹنگ کی جسکو انہوں نے ادھورا چھوڑ دیا تھا، صد فیصد کیے بغیر اسے استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے صد فیصد نیم کوٹنگ کا کام کیا، جس سے ملک کے

کسانوں کو فائدہ ہوا ہے۔ یوریا کی کمی، جو محسوس ہوتی تھی، رک گئی ہے اور وہ اس پر بھی یقین نہیں رکھتے ہیں۔ نہ صرف پردھان منتری فصل انشورینس اسکیم کے ذریعہ کسانوں کو یقین دلانے کا کام کیا، نہ صرف پریمیم کم کیا، بلکہ ہم نے انشورنس کا دائرہ بھی بڑھایا۔ مثال کے طور پر، 2016-17 میں کسانوں نے انشورنس پریمیم کی شکل میں تقریبا1300 کروڑ روپئے کی ادائیگی کی، جبکہ انہیں امداد کے طور پر 5500 کروڑ روپے سے زیادہ کی دعویٰ رقم دی گئی، یعنی کسانوں سے لی گئی رقم سے تین گنا زیادہ ہم نے انہیں دعوی کی رقم دی، لیکن یہ لوگ یقین نہیں کرتے ہیں۔

معزز اسپیکر صاحبہ ، ایل ای ڈی بلب... ذرا بتایئے تو سہی کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ایل ای ڈی بلب آپ کی مدت کار میں ساڑھے تین سو، چار سو، ساڑھے چار سو میں بکتا تھا۔ آج وہ ایل ای ڈی بلب 40-45 روپے تک پہنچ گیا۔ اور 100 کروڑ ایل ای ڈی بلب آج فروخت ہو چکے ہیں۔ صرف یہی نہیں، پانچ سو سے زیادہ اربن باڈیز میں 62 لاکھ سے زیادہ ایل ای ڈی بلب اسٹریٹ لائٹس میں لگائے گئے ہیں اور اس سے ان بلدیاتی اداروں کے اخراجات میں بھی بچت ہوئی ہے۔ ان کے دور میں دو موبائل تیار کرنے والی کمپنیاں تھیں، آج موبائل فون بنانے والی 120 کمپنیاں ہیں، لیکن ان کو یقین نہیں ہو رہا ہے۔ نوجوانوں کے خود روزگار کے لئے ہم نے فکر کی۔ پہلے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو سرٹیفکیٹ تھما دیا جاتا تھا۔ وہ روزی روٹی کے لئے بھٹکتا تھا۔ ہم نے مدرا اسکیم کے تحت 13 کروڑ نوجوانوں کو قرضے دیئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں، وقت بدل چکا ہے۔ آج 10 ہزار سے زیادہ اسٹارٹ اپ ہمارے ملک کے نوجوان چلا رہے ہیں اور ملک کو انوویٹو انڈیا کی طرف لے جانے کا کام کر رہے ہیں ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب ہم ڈیجیٹل لین دین کی بات کرتے تھے تو اسی ایوان کے بڑے دانشمند لوگوں نے کہنا شروع کر دیا، ہمارا ملک تو ناخواندہ ہے، یہ ڈیجیٹل لین دین کیسے کر سکتا ہے، ہمارے ملک کے غریبوں تک یہ کیسے پہنچ سکتا ہے۔

میڈم اسپیکر صاحبہ ، جن لوگوں نے اس ملک کے لوگوں کی طاقت کو کمتر سمجھا تھا ، انکو اس ملک کے عوام نے کرارا جواب دیا ہے۔ آج ہمارے ملک کے شہری اکیلے بھیم ایپ اور موبائل فون سے ماہانہ 41 ہزار کروڑ روپئے کا لین دین کر رہے ہیں۔ لیکن انہیں ملک کے عوام پر اعتماد نہیں ہے، وہ ناخواندہ ہیں، وہ یہ نہیں کریں گے، وہ نہیں کریں گے، یہ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے۔

میڈم اسپیکر صاحبہ ، ایز آف ڈوئنگ بزنس میں 42 پوائنٹس میں بہتری آئی ہے۔ ان کو اس پر بھی شک ہونے لگا ہے۔ ان اداروں پر بھی شک کرنے لگے ہیں۔ عالمی مسابقتی انڈیکس میں 31 پوائنٹس میں بہتری آئی ہے۔ اس میں بھی ان کو شک ہو رہا ہے۔ انوویشن انڈیکس میں 24 پوائنٹس کی بہتری آئی ہے۔ حکومت کاروبار کرنے میں آسانی میں اضافہ کر کے کاروبار کرنے کی

لاگت کو کم کر رہی ہے۔ میک ان انڈیا ہو یا جی ایس ٹی وہ اس پر بھی یقین نہیں رکھتے ہیں۔ بھارت نے اپنے ساتھ ساتھ پوری دنیا کی معاشی ترقی کو مضبوطی دیا ہے۔ بڑی معیشتوں میں سب سے تیزی سے ترقی کرنے والی معیشت میں بھارت چھٹی بڑی معیشت ہے۔ اور اس کامیابی کا سہرہ حکومت میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے سر نہیں جاتا، سوا سو کروڑ اہل وطن کے سر جاتا ہے۔ اور اس کے لئے تو فخر کرنا سیکھو۔ لیکن وہ تو فخر کرنا بھی نہیں جانتے ہیں۔

ملک 5 ٹریلین ڈالر کی معیشت بننے کی طرف تیزی سے گامزن ہے۔ ہم نے کالے دھن کے خلاف جنگ چھیڑی ہے اور یہ لڑائی رکنے والی نہیں ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ اس کی وجہ سے کیسے کیسے لوگوں کو پریشانی ہو رہی ہے۔ یہ تو ہمیں آپ کے طرز عمل سے پتہ چلتا ہے۔ ہم نے ٹیکنولوجی کا استعمال کیا۔ اور ٹیکنولوجی کے ذریعہ حکومت نے سرکاری خزانے کے 90 ہزار کروڑ روپئے کی بچت کی ہے، جو کہیں اور چلے جاتے تھے۔ غلط ہاتھوں میں جاتے تھے، یہ سب کیسے چلتا تھا، ملک بخوبی جانتا ہے۔ ڈھائی لاکھ سے زیادہ شیل کمپنیوں کو ہم نے لاک کر دیا ہے۔ آج بھی دو لاکھ، سوا دو لاکھ سے زیادہ کمپنیاں نظر میں ہیں، انھیں کسی بھی وقت لاک کرنے کا امکان ہے۔ کس نے ان کو، پروان چھڑایا، کون سی قوتیں تھیں جنہوں نے ان کو فروغ دیا اور ان طریقوں سے یہ سارے کھیل کھیلے جا رہے تھے۔ ایوان کے ذریعہ بینامی املاک قانون منظور ہوا۔ 20 سال سے اسکو نوٹیفائی نہیں کیا گیا، کیوں؟ کس کو بچانا چاہتے تھے؟ اور ہم نے آ کر اس کام کو بھی کیا۔ اور مجھے خوشی ہے کہ اب تک اس بینامی جائیداد کی چار، ساڑھے چار ہزار کروڑ کی جائیداد ضبط ہو چکی ہے۔ ملک کو یقین ہے، دنیا کو یقین، دنیا کے بہترین اداروں کو یقین ہے، لیکن جو لوگ خود پر یقین نہیں کر سکتے، وہ ہم پر کیسے یقین کر سکتے ہیں۔ اور اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے افراد کے لئے ہمارے صحیفوں میں بہت عمدہ طریقے سے کہا گیا ہے۔ 'دھارا نیو پتنتی چاتک مکھے میگھسیہ کن دوشنم' یعنی اگر بارش کا قطرہ چاتک پرندے کے منہ میں سیدھے نہیں گرتا ہے تو اس میں بادل کا کیا قصور ہے؟

محترمہ اسپیکر صاحبہ، کانگریس کو خود پر یقین نہیں ہے۔ وہ غیر یقینی صورتحال میں ڈوبے ہوئے ہے، عدم یقین انکے طرز عمل میں بھی دکھائی دیتا ہے اور ان کے ثقافتی طرز زندگی کا ایک حصہ ہے۔ ان کو بھروسہ نہیں ہے۔ سوچھ بھارت میں بھی ان کو یقین نہیں ہے، عالمی یوم یوگا پر بھی یقین نہیں ہے، ملک کے چیف جسٹس پر بھی یقین نہیں ہے، ریزرو بینک پر بھی یقین نہیں ہے۔ معیشت کے لئے اعداد و شمار فراہم کرنے والے اداروں پر بھی پر انکو یقین نہیں ہے۔ انہیں اس بات پر بھی اعتماد نہیں ہے کہ ملک سے باہر پاسپورٹ کی طاقت میں کیا اضافہ ہو رہا ہے یا بین الاقوامی فورم میں ملک کیسے افتخار حاصل کر رہا ہے۔ الیکشن کمیشن پر اعتماد نہیں، ای وی ایم پر اعتماد نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ انہیں خود پر اعتماد نہیں ہے۔ اور اب اس اعتماد میں اضافہ کیوں ہوا، جب چند

مٹھی بھر لوگ اپنا خاص حق مان کر بیٹھے ہوئے تھے ،جب یہ لوگوں کے حقوق میں تبدیل ہونا شروع ہوا توانکو بخار چڑھا، پریشانی شروع ہوئی۔ کیونکہ جب اثرورسوخ کے عمل کی روایات بند کر دی گئیں تو،ان کی پریشانی میں اضافہ ہونا فطری تھا۔ جب بدعنوانی پر براہ راست حملہ ہونا شروع ہوا تو ان کی پریشانی کا بڑھنا فطری امر تھا۔ جب بدعنوانی کی کمائی آنا بند ہوگئی،تب انکی کی بے چینی بڑھ گئی،یہ بات بھی واضح ہے کہ جب انہیں بھی عدالت میں پیش ہونا پڑا توانکو بھی ذرا تکلیف ہونے لگی۔میں حیران ہوں،ایسے مدعوں کو یہاں واضح کیا گیا۔آج کل شیو بھکتی کی بات کی جارہی ہے۔ میں بھگوان شیو سے بھی دعا کرتا ہوں۔ میں سوا سو کروڑ شہریوں سے بھی استدعا کرتا ہوں، آپ کو اتنی طاقت ،اتنی طاقت دیں کہ 2024 میں آپ دوبارہ عدم اعتماد کی تحریک لے آئیں۔ میری آپکے لئے نیک خواہشات ہیں۔یہاں پر ڈوکلام کی بات کی گئی۔مجھے یقین ہے کہ بعض اوقات ایسے موضوع پر بات کرنا جس پر ہماری معلومات نہ ہو،بات الٹی پڑ جاتی ہے۔ اس میں شخص کا تو کم نقصان ہوتا ہے،ملک کا نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ اوراسی لئے ایسے موضوعات پر بولنے سے پہلے تھوڑا سنبھلنا چاہیئے۔ہمیں واقعات کو یادرکھنا چاہیئے جب پورا ملک ،پورا نظام ،پوری حکومت اپنی اپنی ذمہ داریاں سنبھالتے ہوئے،ڈوکلام کے مسئلے میں متحد اور حساس تھی۔ پھر آپ چین کے سفیر کے ساتھ ڈوکلام کے بارے میں بات کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں۔ اور بعد میں، کبھی ہاں تو کبھی نا۔ بالکل فلمی انداز سے چل رہا تھا،ڈرامائی انداز میں چل رہا تھا۔ کوئی کہتا تھا ملے ،پھر کہتا تھا نہیں ملے ،کیوں بھائی؟ ایسا سسپینس کیوں؟ میں سمجھتا ہوں۔کانگریس کے ترجمان نے تو پہلے صاف انکار کر دیا تھا کہ ان کے نائب صدر نے چینی سفیر سے ملاقات کی ہی نہیں۔ اسی اثنا میں ایک پریس ریلیز بھی آئی اور پھر کانگریس کو یہ قبول کرنے پر مجبور ہونا پڑا کہ ہاں وہاں ایک میٹنگ ہوئی تھی۔کیا ملک کے معاملے میں کوئی سنجیدگی نہیں ہوتی ہے؟ کیاہر جگہ بچکانہ حرکتیں جاری رہیں گی؟

یہاں پر رافیل تنازع کو چھیڑا گیا۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اس طرح سے سچائی کو کچل دیا جاسکتا ہے۔ سچائی کو اس طرح سے روندا جاسکتا ہے۔اور بار بار چیخ چیخ کر ملک کو گمراہ کرنے کا کام کیا جاتا ہے۔ایسے معاملوں میں،کیا اس طرح سے ملک کی سلامتی سے متعلق ان معاملوں پر کھیل کھیلے جاتے ہیں؟ یہ ملک کبھی انہیں معاف نہیں کرے گا۔ کتنا افسوس کی بات ہے کہ اس ایوان میں لگے الزامات پر دونوں ممالک کو بیان جاری کرنا پڑا۔ اور ان دونوں ممالک کو تردید کرنا پڑا۔ کیا ہم ایسی بچکانہ حرکتیں کرتے رہیں گے؟ کوئی ذمہ داری ہے یا نہیں۔ جو لوگ اتنے سالوں سے برسر اقتدار ہیں۔بغیر کسی ثبوت کے ،بغیر کسی ہاتھ پیر کے،بس چینختے رہو۔یہ سچ کا گلا گھونٹنے کی کوشش ہے،ملک کے عوام بخوبی جانتے ہیں اور ہر بار عوام نے آپ کو جواب دیا ہے۔ اور اب سدھرنے کا موقع ہے،سدھرنے کی کوشش کیجیئے۔سیاست کی یہ سطح ملک کے مفاد میں نہیں ہے۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ، میں اس ایوان کے توسط سے اہل وطن کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ معاہدہ دونوں ممالک کے مابین طے پایا ہے۔یہ کوئی کاروباری جماعتوں کے ساتھ نہیں ہوا ہے۔یہ دو ذمہ دار حکومتوں کے مابین ہوا ہے اور پوری شفافیت کے ساتھ ہوا ہے۔ اور میں یہ استدعا کرتا ہوں کہ قومی سلامتی کے معاملے میں اور اس طرح کے حساس مسئلے پر، اس بچکانہ بیان سے گریز کیا جائے۔ یہ میری درخواست بھی ہے۔ اور میں نامدار سے استدعا ہی کر سکتا ہوں۔ کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ ایسا ذہنی رجحان پیدا ہوا ہے کہ چیف آف آرمی اسٹاف کے لئے ایسی زبان استعمال کی گئی ہے۔کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ کیا اس قسم کی زبان ملک کے آرمی چیف کے لئے استعمال ہو گی؟ آج بھی، ہندوستان کا ہر فوجی جو سرحد پر تعینات ہو گا یا جو سبکدوش ہو گا، اسے آج اسے اتنی تکلیف ہوئی ہو گی جس کا ہم ایوان میں بیٹھے ہوئے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ جو لوگ ملک کے لئے مر مٹنے کے لئے نکلے ہیں، جو ملک کی بھلائی کے لئے کام کرتے ہیں، آپ اس فوج کے جوانوں کی ہمت کا سامنا نہیں کر سکیں گے، لیکن آپ سرجیکل اسٹرائیک کو جملہ اسٹرائک کہتے ہیں۔ آپ نے سرجیکل اسٹرائیک کو جملہ اسٹرائک کہا۔ یہ ملک کبھی معاف نہیں کر سکے گا۔ آپ کو گالیاں دینی ہیں تو مودی موجود ہے۔ آپ کی ساری گالیاں سننے کے لئے تیار ہے۔ لیکن ملک کے ان نوجوانوں کو گالیاں دینا چھوڑ دیں جو مر مٹنے کے لئے نکلے ہیں۔ سرجیکل اسٹرائیک کو جملہ اسٹرائک بولتے ہیں۔اس طرح فوج کو ذلیل وخوار کرنے کا کام مسلسل جاری ہے۔

معزز اسپیکر صاحبہ، یہ عدم اعتمادی جو نسل در نسل جاری ہے، دراصل کانگریس کی فطرت ہے۔ کانگریس نے ملک میں عدم استحکام پیدا کرنے کے لئے تحریک عدم اعتماد کے آئینی نظام کا غلط استعمال کیا۔ ہم نے اخبار میں پڑھا ہے کہ عدم اعتماد کی منظوری کے فوراً بعد یہ بیان دیا گیا کہ کون کہتا ہے کہ ہمارے پاس تعداد نہیں ہے۔ یہ غرور دیکھئے۔ میں اس ایوان کو سال 1999 کی یاد دلانا چاہتا ہوں جب راشٹرپتی بھون کے سامنے کھڑا ہو کر یہ دعوی کیا گیا کہ ہمارے پاس 272 کی تعداد ہے اور مزید لوگ شامل ہونے جارہے ہیں اور اٹل جی کی حکومت کو محض ایک ووٹ سے گرادیا، لیکن جو 272 کا دعوی کیا تھا وہ کھوکھلا نکلا اور 13 ماہ میں ملک کو انتخابات کے لئے جانا پڑا۔ ملک پر انتخابات تھوپے گئے۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ، آج پھر سے ایک بار مستحکم مینڈیٹ کو غیر مستحکم بنانے کا کھیل کھیلا جارہا ہے۔ سیاسی عدم استحکام کے ذریعے اپنی خود غرضی کو پورا کرنا کانگریس کی فطرت رہی ہے۔ 1979 میں، کسان رہنما مٹی کے لال چودھری چرن سنگھ جی کو پہلے حمایت کا بھرم دیا گیا اور پھر واپس لے لیا گیا۔ایک مزدور کی، ایک کامگار کی اس سے زیادہ توہین اور کیا ہو سکتی ہے۔ چندر شیکھر جی کے معاملے میں بھی موڈس آپریینڈی وہی تھا۔ پہلے تعاون کی رسی پھینک دو اور پھر دھوکے سے اس کو واپس کھینچ دو۔ یہی کھیل چلتا

رہا۔ یہی فارمولا 1997 میں ایک بار پھر اپنایا گیا۔ پہلے محترم دیو گوڑا جی کو رسوا کیا گیا اور پھر اندر کمار گجرال جی کی باری تھی۔ کیا دیو گوڑا جی ہوں، کیا ملائم سنگھ یادو جی ہوں، کون بھول سکتا ہے کہ کانگریس نے ان لوگوں کے ساتھ کیا کیا۔ زمین سے اٹھ کر اپنی محنت سے لوگوں کے دل میں اپنی جگہ بنا کر عوامی لیڈر کے طور پر ابھر کر سامنے آئے ان رہنمائوں اور پارٹیوں کو کانگریس نے ٹھگا ہے اور بار بار ملک کو عدم استحکام کی طرف دھکیلنے کا گناہ کیا ہے۔ کیسے کانگریس نے اپنی حکومت کو بچانے کے لئے دو دو بار اعتماد کو خریدنے کی کوشش کی۔ ووٹ کے بدلے نوٹ، کون اس کھیل سے واقف نہیں ہے؟ آج یہاں ایک اور بات کہی گئی، یہاں پوچھا گیا کہ وزیر اعظم میری آنکھ میں اپنی آنکھ نہیں ڈال سکتے۔ معزز اسپیکر میڈم، یہ سہی ہے۔ ہم کون ہوتے ہیں جو آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکیں؟ غریب ماں کا بیٹا، ایک پسماندہ ذات میں پیدا ہوا۔ گاؤں سے آیا ہوا۔ آپ نامدار ہیں نامدار، ہم کامدار ہیں، ہماری آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی ہمت نہیں ہے۔ ہم نہیں ڈال سکتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے۔ سبھاش چندر بوس نے کبھی آنکھ میں آنکھ ڈالنے کی کوشش کی، انکے ساتھ کیا کیا گیا؟ مرار جی بھائی دیسائی اس بات کے گواہ ہیں، انہوں نے آنکھ میں آنکھ ڈالنے کی کوشش کی، کیا کیا گیا۔ جئے پرکاش نارائن گواہ ہیں۔ انہوں نے آنکھوں میں آنکھ ڈالنے کی کوشش کی تو ان کے ساتھ کیا کیا گیا۔ چودھری چرن سنگھ اس نے آنکھوں میں آنکھ ڈالنے کی کوشش کی تو ان کے ساتھ کیا کیا گیا۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے آنکھوں میں آنکھ ڈالنے کی کوشش کی، ان کے ساتھ کیا کیا گیا۔ چندر شیکھر جی نے آنکھوں میں آنکھ ڈالنے کی کوشش کی، ان کے ساتھ کیا ہوا۔ پرنب مکھر جی نے آنکھ میں آنکھ ڈالنے کی کوشش کی، ان کے ساتھ کیا کیا گیا۔ صرف اتنا ہی نہیں، شرد پوار جی نے بھی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی کوشش کی، ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ میں تمام کچھّا چٹھّا کھول سکتا ہوں۔ ان لوگوں کو کس طرح ذلیل کیا جاتا ہے جنہوں نے آنکھ میں آنکھ ڈالنے کی کوشش کی۔ کیسے ان کو ٹھوکر مار کر نکالا جاتا ہے۔ ایک گھرانے کی تاریخ، اس ملک میں اس حقیقت سے کوئی ناواقف نہیں ہے۔ ہم تو کامگار ہیں، بھلا نامدار کی آنکھوں میں آنکھ کیسے ڈال سکتے ہیں؟ آنکھوں کی بات کرنے والوں کی آنکھوں کی حرکتوں کو آج پورا ملک ٹی وی پر دیکھ رہا ہے۔ کس طرح آنکھ کھولی جارہی ہے، اور اسے کیسے بند کیا جارہا ہے۔ یہ آنکھوں کا کھیل ہے۔

معزز اسپیکر صاحبہ، لیکن آج سچائی کو آنکھ میں آنکھ ڈال کر کچل دیا گیا ہے۔ سچائی کو بار بار کچلا گیا ہے۔ بار بار روندا گیا ہے۔ یہاں کہا گیا کہ کانگریس ہی تھی، جی ایس ٹی میں پٹرولیم کو کیوں نہیں لائے؟ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اپنے کنبہ کی تاریخ کے باہر بھی تو کانگریس کی ایک تاریخ ہے، اپنے کنبہ کے باہر کانگریس حکومتوں کی بھی ایک تاریخ ہے۔ تو ذرا اتنا تو دھیان رکھو، جب یو پی اے کی حکومت تھی، آپ کی حکومت نے پیٹرولیم کو جی ایس ٹی سے دور رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ آپ کو یہ بھی معلوم نہیں

ہے۔ آج یہاں یہ بھی کہا گیا۔ میں آپ کا موضوع لینے والا ہوں جے دیو جی، میں آپ کی بات پر ہی آرہا ہوں، آپ کا مدعا آئے گا، ذرا باری باری سے آنے دو، کسی کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ آپ فکر مت کیجئے۔ ہر کسی کا احترام کروں گا۔ آپ فکر مت کیجئے۔

آج یہاں یہ بھی بات ہوئی کہ آپ چوکیدار نہیں بلکہ شریک ہیں۔ معزز اسپیکر صاحبہ، میں فخر سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہم چوکیدار بھی ہیں، ہم حصہ دار بھی ہیں، لیکن ہم آپ کی طرح سوداگر نہیں ہیں، نہ ہم نہ سوداگر ہیں، نہ ٹھیکیدار ہیں۔ ہاں، ہم بھاگیدار ہیں، ملک کے غریبوں کے غم کے بھاگیدار ہیں۔ ہم ملک کے کسانوں کے دکھوں کے بھاگیدار ہیں۔ ہم ملک کے نوجوانوں کے خوابوں کے بھاگیدار ہیں۔ ملک کے جو ۱۱۵ توقعاتی اضلاع ہیں ان کی ترقی کے خوابوں کے بھاگیدار ہیں۔ ہم ملک کو ترقی کے نئے راستے پر لے جانے والے محنت کش مزدوروں کے بھاگیدار ہیں۔ ہم بھاگیدار ہیں اور ہم بھاگیدار ہی رہیں گے۔ ان کے دکھوں کو بانٹنا، یہ ہماری بھاگیداری ہے، یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ اسے ہم پورا کریں گے، ہم ٹھیکیدار نہیں ہیں۔ ہم سوداگر نہیں ہیں، ہم چوکیدار بھی ہیں، ہم بھاگیدار بھی ہیں۔ اور ہمیں اس پر فخر ہے۔ کانگریس کا صرف ایک ہی منتر ہے، یا تو ہم رہیں گے اور اگر ہم نہیں رہے تو پھر ملک میں عدم استحکام رہے گا۔ افواہوں کا راج ہوگا۔ اس پوری مدت کو دیکھ لیجئے۔ یہاں بھی اسکے شکار لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ سب کے ساتھ کیا ہوا، سبھی کو معلوم ہے۔ افواہوں کو اڑایا جاتا ہے۔ جھوٹ کو پھیلایا جاتا ہے۔ تشہیر کی جاتی ہے۔ اب افواہوں کو پھیلانے کے لئے ٹیکنولوجی بھی دستیاب ہے۔ ریزرویشن ختم ہوجائے گا۔ دلتوں پر مظالم کی روک تھام کے قانون کو ختم کردیا گیا ہے۔ ملک کو تشدد کی آگ میں جھونکنے کے لئے سازشیں ہو رہی ہیں۔

میڈم اسپیکر، یہ لوگ دلتوں، دبے کچلوں، استحصال کے شکار لوگوں، محروموں اور غریبوں کو جذباتی طور پر بلیک میل کرکے سیاست کر رہے ہیں۔ یہ مزدوروں، کسانوں کی تکلیفوں کی فکر کیے بغیر اور انکے مسائل کو حل کرنے کا راستہ تلاش کرنے کی بجائے انتخابات جیتنے کے لئے شارٹ کٹ تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ملک کا ایک بڑا طبقہ بااختیار بننے سے محروم رہا ہے۔ بابا صاحب امبیڈکر کی زبان، انکے لباس اور ان کی سیاست کا مذاق اڑانے والے لوگ، آج وہ بابا صاحب کا راگ الاپ رہے ہیں۔ دفعہ 356 کا بے جا استعمال کرنے والے لوگ آج ہمیں جمہوریت کا درس دے رہے ہیں۔ جو وزیراعلیٰ پسند نہیں آتا، اسکو ہٹادینا اور پھر عدم استحکام پیدا کرنا۔ یہ کھیل ملک کی آزادی کے فوراً بعد شروع کردیا گیا۔ جس کا کبھی بھی موقع نہیں چھوڑا گیا۔ اور اس پالیسی کے نتیجہ تھا کہ سال 1980، 1991، 1998، 1999 میں قبل از وقت ملک کو انتخابات کا سامنا کرنا پڑا، انتخابات میں جانا پڑا۔ ایک فیملی کے خوابوں اور تمناؤں کے مقابل جو بھی آیا، اس کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا۔ خواہ ملک کی جمہوریت کو ہی داؤ پر لگانا کیوں پڑے۔ یہ فطری بات ہے۔ جن لوگوں کی ایسی ذہنیت ہو، جن کو اتنا غرور ہو، وہ ہم لوگوں کو

کیسے قبول کر سکتے ہیں؟ انہیں ہمارا یہاں بیٹھنا کیسے گوارہ ہو سکتا ہے؟ ہم اس بات کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور اس لئے انکا ہمیں ناپسند کرنا بہت فطری بات ہے۔

معزز اسپیکر صاحبہ، کانگریس پارٹی زمین سے کٹ چکی ہے۔ وہ تو ڈوبے ہیں، جو لوگ ان کے ساتھ جاتے ہیں وہ بھی ڈوبیں گے۔ ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ ان کا بھی یہی حال ہونے والا ہے۔ وہ ہمیشہ انہیں باتوں میں الجھے ہوئے اور اپنے آپ کو بہت علامہ سمجھنے والے اور جنہیں آپنے علم کا بہت غرور ہے۔ انہیں سوالوں میں الجھے ہوئے ایک شخص نے مجھے بتایا تھا، میں انہیں کے الفاظ کو یہاں پیش کرنا چاہوں گا:

"کانگریس پارٹی مختلف ریاستوں میں کیوں اور کیسے کمزور ہو گئی؟ میں ایک ایسی ریاست سے آتا ہوں۔ جہاں اس پارٹی کا غلبہ ختم ہو چکا ہے۔ کیوں کانگریس اس بات کو سمجھ نہیں پائی کہ اقتدار اب اعلی طبقہ، وسائل یافتہ طبقے سے گاؤں دیہات کے لوگوں، متوسط ذاتوں، اور یہاں تک کہ ایسی ذاتیں جو معاشرتی نظام کے نچلے پائدان سے تعلق رکھتی ہیں، غریب بیروزگار جن کے پاس جائیداد نہیں ہے، جن کی کوئی آمدنی نہیں ہے، جن کی آواز آج تک نہیں سنی گئی، ان تک پہنچتا ہے۔ جیسے جیسے اقتدار نیچے کی طرف چلتا گیا، جیسا کہ جمہوریت میں ہونا چاہئے۔ ویسے ویسے، متعدد ریاستوں میں کانگریس کا اثر ختم ہوتا گیا۔"

یہ ایک قابل نقل حوالہ ہے۔ اور یہ 11 اپریل 1997 کی بات ہے جب دیو گوڑا حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی گئی تھی۔ یہ آپ کے دانشمند جناب چدمبرم جی کا جملہ ہے، جو اس وقت ایسے سوالوں میں الجھے ہوئے تھے۔ کچھ دانشور حضرات کی باتیں لوگ شاید سمجھ نہیں پائے ہوں گے۔

18 سال پہلے اٹل بہاری واجپئی کی حکومت نے تین ریاستیں تشکیل دیں تھیں۔ اترا کھنڈ، جھار کھنڈ، چھتیس گڑھ۔ کوئی کھینچ تان نہیں، نہ کوئی جھگڑا ہوا، مل بیٹھ کر جہاں سے ممکن ہو سکا، راستہ نکالا۔ اور آج تینوں ریاستیں بہت پر امن طور پر ترقی کر رہی ہیں اور ملک کی ترقی میں حصہ دے رہی ہیں۔ لیکن سیاسی فوائد حاصل کرنے کے لئے آندھرا کے لوگوں کو اعتماد میں لئے بغیر، راجیہ سبھا کے دروازے بند کر کے، زور اور ظلم کے درمیان جبکہ ہاؤس آرڈر میں نہیں تھا، آپ نے آندھرا اور تلنگانہ کی تقسیم کی۔ یہ بات صحیح ہے۔ جے دیو جی نے بتایا اور یہ بات صحیح ہے کہ اس وقت میں نے کہا تھا، کہ 'تیلگو ہماری ماں ہے، تیلگو کی روح کو نہیں توڑا جانا چاہئے' انہوں نے بچے کو بچا لیا ہے اور ماں کو مار دیا ہے۔ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ تیلگو کی اس روح کو بچا لیا جائے'۔ یہ اس وقت میرے الفاظ تھے اور میں اب بھی یہ مانتا ہوں۔ لیکن 2014 میں آپ کا کیا حال ہوا؟ آپ کو لگتا تھا کہ ایک

جائے گا تو جائے، دوسرا مل جائے گا۔ لیکن عوام اتنے سمجھدار تھے کہ نہ یہ ملا اور نہ وہ ملا اور آپ اپنے پیچھے یہ مصیبت چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ آپ کے لئے نیا نہیں ہے، آپ نے ہندوستان پاکستان کو تقسیم کر دیا، ہم آج بھی مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ آپ نے ان کو بھی اسی طرح تقسیم کیا ہے۔ اگر آپ نے انکو یقین دہانی کرائی ہوتی تو شاید یہ مصیبت نہ آتی۔ لیکن آپ نے کچھ نہیں سوچا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ وہاں کے چندر بابو اور تلنگانہ کے وزیر اعلی کے سی آر کے درمیان تقسیم کے اول سال میں تناؤ ہوا کرتا تھا، جھگڑے ہوتے تھے۔ گورنر کو بیٹھنا پڑتا تھا، وزیر داخلہ کو بیٹھنا پڑتا تھا، کبھی کبھی مجھے بیٹھنا پڑتا تھا۔ اور اس وقت ٹی ڈی پی کی پوری طاقت تلنگانہ کے خلاف لگی تھی۔ اسی میں لڑتے تھے۔ ہم ان کو پر امن کرنے کے لئے بہت کوشش کرتے تھے، سنبھالتے تھے۔ اور ٹی آر ایس نے بالیدگی ظاہر کی، وہ خود کو ترقی کے راستے پر لے گئے۔ اور اُدھر کیا حال ہوا، آپ کو پتہ ہے؟ وسائل کا تنازعہ اب بھی جاری ہے۔ آپ نے اس طرح سے تقسیم کیا کہ وسائل کا تنازعہ آج بھی قائم ہے۔

این ڈی اے کی حکومت نے اس بات کو یقینی بنایا کہ آندھرا پردیش اور تلنگانہ کی ترقی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی اور ہم اس کے لئے پوری طرح پابند عہد ہیں۔ ہم نے جو قدم اٹھائے ہیں اس سلسلے میں مجھے کچھ میڈیا کی رپورٹس یاد آرہی ہیں۔ اسی ایوان میں ٹی ڈی پی کے ایک معزز ممبر نے بیان دیا تھا کہ اسپیشل کیٹگری اسٹیٹس سے کہیں بہتر اسپیشل پیکیج ہے۔ میں فنانس کمیشن کی سفارش کو پھر سے دہرانا چاہتا ہوں۔ اس سفارش کے تحت، کمیشن نے خصوصی یا عام زمرے کی ریاستوں کا امتیاز ختم کر دیا۔ کمیشن نے ایک نیا زمرہ نارتھ ایسٹرن اور ہل اسٹیٹ کا بنا دیا۔ اس عمل میں، کمیشن نے یہ بھی خیال رکھا کہ دوسری ریاستوں کو مالی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ این ڈی اے کی حکومت آندھرا پردیش کے عوام کی امیدوں اور امنگوں کا احترام کرتی ہے۔ آپ پوری بات کو سنئے، آپ کے کام کی بات آرہی ہے۔ این ڈی اے حکومت آندھرا پردیش کے عوام کی امیدوں اور امنگوں کا احترام کرتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا ہوگا کہ حکومت 14 ویں فنانس کمیشن کی سفارشات سے بندھی ہوئی ہے۔ لہذا، ریاست آندھرا پردیش کے لئے ایک نیا خصوصی پیکیج منظور کیا گیا۔ تاکہ ریاست کو اتنی ہی مالی مدد ملے جتنی اسے خصوصی زمرہ کا درجہ ملنے سے ملتی۔ یہ فیصلہ 8 ستمبر 2016 کو نافذ کیا گیا تھا۔ 4 نومبر 2016 کو، آندھرا پردیش کے وزیر اعلی نے اس پیکیج کو خود قبول کرتے ہوئے وزیر خزانہ کا شکریہ ادا کیا۔ این ڈی اے حکومت آندھرا پردیش ری آرگنائزیشن ایکٹ یا خصوصی امدادی پیکیج سے متعلق ہر وعدے کو پورا کرنا چاہتی تھی۔ لیکن ٹی ڈی پی نے اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے یوٹرن لے لیا۔ اور قابل احترام اسپیکر صاحبہ، ٹی ڈی پی نے جب این ڈی اے کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو میں نے چندرا بابو کو فون کیا۔ میں نے این ڈی اے سے نکلے ٹی ڈی پی کے چندر بابو سے فون پر بات کی۔ یہ جانکاری آپ کے لئے نئی ہوگی۔ یہ آپ کے کام کی جانکاری ہے۔ اور میں نے چندر بابو سے کہا کہ

بابو آپ وائی ایس آر کے جال میں پھنس رہے ہو۔ آپ وائی ایس آر کے چکر میں پھنس رہے ہو۔ میں نے کہا، آپ وہاں کے اس مقابلے میں کسی بھی طرح بچ نہیں پائیں گے۔ یہ میں نے ان کو کہا تھا۔ اور میں دیکھ رہا ہوں۔ ان کا جھگڑا وہاں کا ہے لیکن اسکے لئے ایوان کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ آندھرا پردیش کے عوام اس زبردست موقع پرستی کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جیسے جیسے انتخابات قریب آتے گئے ، تعریفیں تنقید میں تبدیل ہو گئیں۔ کوئی بھی خاص مراعات یا پیکیج دیتے ہیں تو اس کا اثر دوسرے علاقوں پر بھی پڑتا ہے۔ اسی ایوان میں تین سال پہلے جناب ویرپا موئیلی صاحب نے کہا تھا۔

آپ ایک ریاست اور دوسری ریاست کے مابین اس قسم کی عدم مساوات کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟ یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ آپ کی تو ایک ثالث کی حیثیت ہے۔

یہ بات موئلی جی نے کہی تھی۔ اور آج میں اس ایوان کے توسط سے آندھرا کے عوام کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ چاہے وہ دارالحکومت کا کام ہو یا کسانوں کی فلاح و بہبود کا کام ہو، مرکزی حکومت، این ڈی اے کی حکومت آندھرا کے عوام کی فلاح و بہبود کے کاموں میں پیچھے نہیں رہے گی۔ ہم ان لوگوں کی مدد جاری رکھیں گے جو ہم کر سکتے ہیں۔ آندھرا کا بھلا ہو اور اسی میں ملک کا بھی بھلا ہو گا۔ یہ ہماری سوچ ہے۔ ہم ترقی کے کام میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔ ہماری کوشش، ہمارا کام کرنے کا طریقہ مسائل کو حل کرنا ہے۔ ون رینک ون پنشن کو کئی دہائیوں تک کس نے لٹکا کر رکھا تھا؟ اتنے سالوں تک جی ایس ٹی کے مدعے کو کس نے لٹکا کر رکھا؟ اور آج یہاں بتایا گیا کہ گجرات کے وزیر اعلی نے اسے روک رکھا تھا۔ میں اس ایوان کو یہ بتانا چاہتا ہوں۔ اس وقت کے جو کرتا دھرتا تھے انکو بھی معلوم ہے۔ وہ سارے خطوط بھی موجود ہیں جو میں نے وزیر اعلی کی حیثیت سے بھیجی تھیں۔ میں نے اس وقت حکومت ہند سے کہا تھا کہ جی ایس ٹی میں ریاستوں کی تشویش کے حل کے بغیر آپ جی ایس ٹی کو آگے نہیں بڑھا سکیں گے۔ ریاستوں نے جو جو مدعے اٹھائے ہیں، آپ ریاستوں کے ساتھ بیٹھ کر ان کا حل نکالیئے۔ لیکن انکی کی انا اتنی زیادہ تھی کہ وہ ریاستوں کی ایک بات سننے کو تیار نہیں تھے۔ اور میں آج اس راز کو بھی کھولتا ہوں۔ بی جے پی کے علاوہ، دیگر پارٹیوں کے وزیر اعلی، جس میں کانگریس کے وزیر اعلی بھی تھے، وہ مجھ سے میٹنگ میں ملتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو بول نہیں پائیں گے، مودی جی آپ بولئے اس سے ہماری ریاست کا بھی کچھ بھلا ہو جائے گا۔ میں نے آواز اٹھائی تھی۔ جب میں وزیر اعظم بنا تب میرا وزیر اعلی کا تجربہ کام آیا۔ اس تجربے کی وجہ سے تمام ریاستوں کی تشویش کو ایڈریس کرنے کا کام کیا۔ تمام ریاستوں کو آن بورڈ لانے میں ہم کامیاب ہوئے۔ اگر آپ کو اپنی انا نہ ہوتی تو آپ ریاستوں کے مسائل کو سمجھے ہوتے، تو جی ایس ٹی پانچ سال پہلے

آ جاتا۔ لیکن آپ کا کام کرنے کا طریقہ لٹکانے والا رہا ہے۔ سپریم کورٹ نے کالے دھن پر ایس آئی ٹی بنانے کو کہا تھا۔ اس معاملے کو کس نے لٹکا کر رکھا تھا۔ اسے آپ لوگوں نے لٹکایا تھا۔ کس نے بینامی املاک کے قانون کو لٹکا کر رکھا تھا؟

اسپیکر صاحبہ، این ڈی اے حکومت نے خریف کی فصل میں کسانوں کو ایم ایس پی کی کم سے کم سپورٹ قیمت میں 150 فیصد اضافہ کرنے کا تاریخی فیصلہ لیا۔ اسے کس نے روکا تھا؟ 2006 سے آپ کے پاس یہ رپورٹ پڑی تھی اور آپ 2014 تک حکومت میں تھے۔ آپ کو آٹھ سال تک یہ رپورٹ یاد نہیں آئی۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ہم ڈیڑھ گنا کر کے کسانوں کو ایم ایس پی دیں گے۔ اور ہم نے کر کے دکھایا۔ جب یو پی اے حکومت نے 2007 میں قومی زرعی پالیسی کا اعلان کیا تو اس میں 50 فیصد والی بات کو کھا گئے، اسے غائب کر دیا گیا۔ اس کے آگے بھی کانگریس کی حکومت سات سال اقتدار میں رہی۔ لیکن ایم ایس پی کے سلسلے میں صرف بات کرتی رہی اور عوام کو، کسانوں کو غلط بھروسہ دیتے رہے۔

اسپیکر صاحبہ، میں آج ایک بات اور بتانا چاہتا ہوں۔ یہ معلومات ملک کے لئے بہت اہم ہیں۔ جو سننا نہیں چاہتے یہ ان کے کام آنے والی نہیں ہیں، لیکن یہ ملک کے لئے ضروری ہیں۔ ہم 2014 میں اقتدار میں آئے تھے۔ تب بہت سے لوگوں نے ہم سے معیشت پر وائٹ پیپر لانے کو کہا تھا۔ ہمارے ذہن میں یہ بھی تھا کہ ہم وائٹ پیپر لائیں گے۔ لیکن جب ہم نے شروع میں ہی تمام معلومات حاصل کرنا شروع کیا، تو ایک کے بعد ایسی ایسی جانکاری آئی کہ ہم حیران رہ گئے کہ معیشت کی کیا صورتحال ہے؟ اور اسی وجہ سے میں آج این پی اے کی کہانی سنانا چاہتا ہوں۔ کیا صورتحال پیدا کی گئی؟ اس کہانی کا آغاز سال 2008 میں ہوا تھا اور 2009 میں انتخابات تھے۔ کانگریس کو لگنے لگا کہ اب ایک سال باقی ہے۔ جتنے بینکوں کو خالی کر سکتے ہو، کرو۔ جب ایک بار اس کی عادت ہو گئی تو بینکوں کی انڈر گراؤنڈ لوٹ 2009 سے 2014 تک جاری رہی۔ جب تک کانگریس اقتدار میں تھی، بینکوں کو لوٹنے کا کھیل چلتا رہا۔

ایک اعداد و شمار اس ایوان کے لوگوں کو بھی حیرت میں ڈال دے گا۔ آزادی کے ساٹھ برسوں کے بعد، ہمارے ملک کے بینکوں نے قرض کی شکل میں جو رقم دی تھی، وہ 18 لاکھ کروڑ تھی۔ ساٹھ سالوں میں 18 لاکھ کروڑ روپے تھے۔ لیکن 2008 سے 2014 کے چھ سالوں میں یہ رقم 18 لاکھ کروڑ سے بڑھ کر 52 لاکھ کروڑ ہو گئی۔ ساٹھ سالوں میں جو ہوا تھا اس کو ان چھ برسوں میں دوگنا کر دیا گیا۔ ایسا کیسے ہوا؟

انٹرنیٹ بینکنگ تو دنیا میں بہت دیر سے آئی۔ لیکن کانگریس کے لوگ اتنے ذہین ہیں کہ انٹرنیٹ بینکنگ دنیا میں آنے سے پہلے ہی ہندوستان میں فون بینکنگ کا آغاز کر دیا۔ ٹیلیفون بینکنگ شروع ہوئی۔ ٹیلیفون بینکنگ کا یہ کمال تھا کہ چھ سالوں میں، ان کے چہیتے لوگوں کے لئے 18 لاکھ سے 52 لاکھ کا خزانہ بینکوں سے لٹا دیا گیا۔ اس کا کیا طریقہ تھا؟ کاغذ وغیرہ کچھ نہیں دیکھنا تھا ، صرف ٹیلیفون آتا تھا کہ لون دے دو۔ لون کی ادائیگی کے لئے دوسرا لون دے دو۔ اس کے بعد کوئی اور لون دے دو۔ جو گیا، وہ گیا، پیسے جمع کروانے کے لئے نئے قرض دیتے جاؤ۔ یہی دھندا چلتا رہا اور ملک اور ملک کے بینک این پی اے کی بہت بڑی دلدل میں پھنس گئے۔ اس این پی اے کے جال کو ہندوستان کے بینکنگ سسٹم کے لئے ایک لینڈ مائن کی طرح بچھایا گیا تھا۔ ہم نے مکمل شفافیت کے ساتھ اسکی جانچ شروع کی۔ این پی اے کی اصل صورتحال کیا ہے؟ اس کے لئے، میکانزم کا آغاز کیا۔ اس معاملے میں ہم نے اتنی باریکی سے جانچ کی کہ این پی اے کا راز مزید گہرا ہوتا گیا، مسلسل گہرا ہوتا گیا؟

این پی اے میں اضافے کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ یوپی اے حکومت نے کچھ فیصلے لیے جس کے نتیجے میں ملک میں اصل اشیاء کی درآمد میں بے تحاشہ اضافہ ہوا۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ کسٹم ڈیوٹی کو کم کر کے اصل اشیاء کی درآمد میں اتنا اضافہ کیا گیا کہ یہ ہماری خام تیل کی درآمد کے برابر ہوگئی۔ یہ ساری درآمدات بینکوں کے قرضوں کے ذریعے کی گئیں۔ اس نے ملک میں اصل اشیاء کی پیداوار کو بری طرح متاثر کیا۔ منصوبوں کا تجزیہ کیے بغیر بینکوں کے قرض کے بغیر، منصوبوں کو منظوری دے دی گئ۔ یہاں تک کہ بہت سے منصوبوں میں تو بینکوں نے ایکویٹی کے بدلے میں قرضے دیئے ہیں۔

اب ایک طرف تو اصل اشیاء کی درآمد اور منصوبوں کی تعمیر میں کسٹم ڈیوٹی اور سرکاری ٹیکس میں کمی کی گئی۔ وہیں دوسری طرف سرکاری منظوری دینے کے لئے کچھ نئے ٹیکس بنائے گئے، جس کا پیسہ سرکاری کھاتے میں نہیں جاتا تھا۔ اس ٹیکس کی وجہ سے تمام منصوبوں کی منظوری میں تاخیر ہوئی۔ بینکوں کے قرضے پھنسے رہے۔ اور این پی اے میں اضافہ ہوتا رہا۔ آج حزب مخالف کے ساتھی جب بار بار این پی اے کی صورتحال پر اپنا بیان دیتے ہیں تو حکومت کو مجبور ہونا پڑتا ہے کہ وہ اس حقائق کو اس ایوان کے ذریعے دوبارہ ملک کے عوام کے سامنے رکھے۔ ایک طرف، ہماری حکومت نے ان تمام این پی اے کو بینکوں کی کتابوں میں پوری ایمانداری کے ساتھ دکھانے کا فیصلہ کیا ہے، وہیں دوسری طرف، ہم نے بینک کو بہتر بنانے کے لئے بہت سارے پالیسی فیصلے لیے ہیں۔ جو آنے والے سالوں میں ملک کی معیشت کو مدد پہونچائیں گے۔ 50 کروڑ روپے سے زائد کے تمام این پی اے اکاؤنٹس کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان میں، جان بوجھ کر نادہندگان اور دھوکہ دہی کے امکان کا اندازہ کیا جارہا ہے۔ بینکوں میں اسٹریسڈ

اثاثوں کے انتظام کے لئے ایک نیا نظام تیار کیا گیا ہے۔ بینکوں کی مالی بحالی کے لئے دو لاکھ دس ہزار کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم دی جا رہی ہے۔

ہماری حکومت نے انشورنس اینڈ بینکرپسی کوڈز بنائے ہیں۔ اس کے ذریعہ ٹاپ بارہ نادہندگان جو کل این پی اے کے 25 فیصد کے برابر ہیں، یہ معاملات نیشنل کمپنی لاء ٹریبونل کے ذریعے لیے جا چکے ہیں۔ ان 12 اہم معاملات میں تقریبا تین لاکھ کروڑ روپے کی رقم پھنسی ہوئی ہے۔ ہماری حکومت نے صرف ایک سال میں ان میں سے تین بڑے معاملے میں تقریبا 55 فیصد کی بازیافت کی ہے۔ دوسری طرف، اگر ہم 12 بڑے معاملات کی بات کریں تو ان میں سے تقریبا 45 فیصد کی بازیافت ہو چکی ہے۔ لوک سبھا نے گذشتہ روز ایسے ہی لوگوں کے لئے مفرور اقتصادی مجرمان بل منظور کیا ہے۔ بینک کے قرض کی ادائیگی نہ کرنے والوں کے لئے اب ملک کے قانون سے بچنا اور مشکل ہو گیا ہے۔ اس سے این پی اے کو کنٹرول کرنے میں بھی مدد ملے گی۔ اگر 2014 میں این ڈی اے کی حکومت نہ بنتی اور جس طریقے سے کانگریس حکومت ملک کو چلا رہی تھی اگر وہی نظام چلتا رہتا تو آج ملک ایک بہت بڑے بحران کا شکار ہوتا۔ میں اس ایوان کے ذریعہ ملک کو بتانا چاہتا ہوں کہ سابقہ حکومت نے ملک میں اسپیشل فارن کرنسی نان ریسیڈینٹ ڈپازٹ یعنی ایف۔ سی۔ این۔ آر کا تقریباً 32 ملین ڈالر کا قرض چھوڑ کر گئی تھی۔ اس آج قرض کو بھی آج بھارت پوری طرح ادا کر چکا ہے۔ یہ کام ہم نے کر دیا ہے۔

معزز اسپیکر صاحبہ، ملک میں سوراج مہم کو آگے بڑھانے کے لئے اور مہاتما گاندھی کے خوابوں کو پورا کرنے کے لئے ہم نے 15 اگست تک ملک میں 65 ہزار گاؤں میں سبھی لوگوں کے پاس کھاتہ ہو، گیس کنکشن، ہر گھر میں بجلی ہو، سب کو ٹیکہ لگا ہو، سبھی کو بیمہ کا تحفظ حاصل ہو اور ہر گھر میں ایل ای ڈی بلب لگا ہو، اس کے لئے ہم نے کام کیا ہے۔ یہ گاؤں ان 115 اضلاع میں ہیں جن کو غلط پالیسیوں کی وجہ سے پسماندگی کے شکار تھے اور ہم نے انھیں نیا اعتماد دیا۔

نیو انڈیا کے سسٹم اسمارٹ بھی ہیں، حساس بھی ہیں۔ اسکولوں میں لیب کے ٹھکانے نہیں تھے، ہم نے اٹل ٹنکرنگ لیب، اسکل انڈیا، کھیلو انڈیا مہم سے حصہ داری بڑھائی اور شناخت بھی۔ زندگی کے ہر مرحلے کو مد نظر رکھتے ہوئے خواتین کے لئے منصوبے بنائے گئے۔ میں آج فخر کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں ں سکیورٹی سے متعلق کابینہ کی کمیٹی میں پہلی بار دو خواتین وزراء شامل کی گیئں ہیں۔ اور اس کے فیصلے کی شریک ہوتی ہیں۔ خواتین کو لڑاکا پائلٹ کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ تین طلاق کو جھیل رہیں مسلم بہنوں کے ساتھ حکومت مضبوطی سے کھڑی ہے۔ بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ ایک عوامی تحریک بن چکی ہے۔ متعدد اضلاع میں بیٹیوں

کی پیدائش میں اضافہ ہوا ہے اور بیٹیوں پر ظلم کرنے والوں کے لئے پھانسی کی سزا کا التزام ہے۔ جمہوری نظام میں تشدد اور مظالم کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ ایسے واقعات میں کسی ایک ہندوستانی کی بھی موت افسوسناک ہے۔ انسانیت کی بنیادی روح کے خلاف ہے۔ جہاں بھی ایسے واقعات رونما ہورہے ہیں۔ ریاستی حکومتیں وہاں کارروائی کررہی ہیں۔ میں اس ایوان کے توسط سے ایک بار پھر ریاستی حکومتوں سے گزارش کروں گا کہ جو بھی اس طرح کا تشدد کرتا ہے اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ ہمیں اکیسویں صدی کے ملک کے خوابوں کو پورا کرنا ہے۔ بھارت مالا سے شاہراہوں کا نیٹ ورک پورے ملک میں بچھایا جا رہا ہے۔ ساگر مالا کے ذریعہ بندرگاہوں کو فروغ دیا جارہا ہے۔ ٹیئر۔2 اور ٹیئر۔3 کے شہروں میں ہوائی رابطوں پر کام تیزی سے جاری ہے۔ ملک بھر کے شہروں میں میٹرو کو وسعت دینے کے لئے کام جاری ہے۔ ہر پنچایت تک انٹرنیٹ پہنچانے کے لئے تیز رفتار سے کام ہوا ہے۔ ملک اس کا گواہ ہے۔ گاؤں سے لے کر بڑے شہروں تک، غریب اور متوسط طبقے کی زندگی میں بڑی تبدیلیاں لائی جا رہی ہیں۔ ہماری حکومت کی رفتار پچھلی حکومتوں کی نسبت بہت تیز ہے۔ چاہے یہ سڑکوں کی تعمیر ہو، ریلوے لائنوں کی بجلی کاری ہو، ملک کی پیداواری صلاحیت کو بڑھانا ہو، نئے تعلیمی ادارے ہوں، این آئی ٹی، آئی آئی ایم ہو، میڈیکل سیٹوں کی تعداد بڑھانا ہو۔ عملہ وہی ہے، افسر شاہی وہی ہے، ایک ہی ہے، فائلوں کا طور طریقہ بھی وہی ہے، لیکن پھر بھی یہ ایک سیاسی قوت ارادی ہے جس کی وجہ سے ہم ملک کی استطاعت میں نئی توانائی بھر کر ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس ملک میں روزگار کے بارے میں بہت سی بدگمانیاں پھیلائی جا رہی ہیں۔ ایک بار پھر حق کو کچلنے کی کوشش، بے بنیاد باتیں، بنا معلومات کی گپ شپ، اچھا ہوتا اگر ہم اس پر باریکی سے دھیان دیتے تو پھر ملک کے نوجوانوں کو مایوس کرکے سیاست کرنے کا گناہ نہیں کرتے۔ حکومت نے سسٹم میں دستیاب ملازمت سے متعلق مختلف اعداد و شمار کو ہر ماہ ملک کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ منظم سیکٹر میں ملازمت میں ہونے والے اضافے کی پیمائش کرنے کا یہ طریقہ ہے، ملازم پروویڈنٹ فنڈ یعنی ای پی ایف میں ملازمین کا کنٹریبیوشن ستمبر 2017 سے مئی 2018 تک کے 9 ماہ میں تقریباً 45 لاکھ نئے صارفین ای پی ایف سے جڑے ہیں۔ ان میں سے 77 فیصد کی عمر 28 سال سے کم ہے۔ گذشتہ 9 ماہ کے دوران نئی پنشن سکیم یعنی این پی ایس میں 5 لاکھ 68 ہزار سے زیادہ افراد جڑے ہیں۔

اسی طرح ای پی ایف اور این پی ایس دونوں کے اعداد و شمار کو یکجا کرکے گذشتہ نو مہینوں میں پچاس لاکھ سے زیادہ افراد فارمل سیکٹر میں ملازمت سے جڑے ہیں۔ یہ تعداد پورے سال کے لئے 70 لاکھ سے بھی زیادہ ہوگی۔ ای ایس آئی سی کے اعداد و شمار ان 70 لاکھ اہلکاروں میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کو ابھی آدھار سے جوڑنے کا کام جاری ہے۔

اس کے علاوہ ، ملک میں بہت سارے پیشہ ورانہ ادارے ہیں ، جن میں نوجوان پیشہ ور ڈگریاں لے کر اپنا اندراج کراتے ہیں اور اپنا کام کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر ، انجینئیرز ، آرکیٹیکٹس ، وکلاء ، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس ، کاسٹ اکاؤنٹس کمپنی ، کمپنی سیکرٹریز ، ایک آزاد انسٹی ٹیوٹ اس کا مطالعہ کہہ رہا ہے ، وہ اعداد و شمار جو انہوں نے رکھے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ 2016-17 میں ، تقریبا 17000 نئے چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ سسٹم میں شامل ہوئے ہیں۔ ان میں سے 5000 سے زیادہ افراد نے نئی کمپنیاں شروع کی ہیں۔ اگر کسی ایک چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ادارے میں بیس افراد ملازمت پر رکھے جاتے ہیں تو ان اداروں میں ایک لاکھ سے زیادہ افراد ملازمت پاتے ہیں۔ پوسٹ گریجویٹ ڈاکٹر ، ڈینٹل سرجن اور ایوش ڈاکٹرس۔ ہر سال 80 ہزار سے زائد پوسٹ گریجویٹ ڈاکٹر ، ڈینٹل سرجن اور ایوش ڈاکٹر کالج سے تعلیم حاصل کر کے باہر نکلتے ہیں۔ اگر ان میں سے ساٹھ فیصد بھی خود کی پریکٹس کریں تو پانچ افراد کو فی ڈاکٹر روزگار کے مواقع ملیں گے اور یہ تعداد 2 لاکھ 40 ہزار ہوگی۔ 2017 میں تقریبا 80 ہزار انڈر گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ وکیل بنے ، ان میں سے اگر 60 فیصد نے بھی اپنی پریکٹس شروع کی ہوگی اور اگر دو یا تین افراد نے بھی ملازمت حاصل کی ہوگی ، تو ان وکلا کے توسط سے تقریبا دو لاکھ نوکریاں مہیا ہوئیں۔ ان تینوں پیشوں میں ہی 2017 میں 6 لاکھ سے زیادہ افراد کو روزگار کے مواقع ملے ہیں۔ اب اگر ہم غیر رسمی شعبے کی بات کریں تو بہت سے لوگوں کو ٹرانسپورٹ کے شعبے میں روزگار ملتا ہے۔ گذشتہ سال ٹرانسپورٹ سیکٹر میں 7 لاکھ 60 ہزار کمرشیل گاڑیاں فروخت ہوئی تھیں۔ 7 لاکھ 60 ہزار کمرشل گاڑیاں ، اگر ان گاڑیوں میں سے 25 فیصد پرانی گاڑیوں کی تبدیلی کے لئے فروخت ہوئیں تو 5 لاکھ 70 ہزار گاڑیاں مال برداری کے لئے سڑک پر آئیں گی۔ اگر ایسی گاڑی پر دو افراد کو بھی روزگار ملا تو روزگار حاصل کرنے والے افراد کی تعداد 11 لاکھ 40 ہزار ہوئی۔

اسی طرح اگر ہم مسافر گاڑیوں کی فروخت پر غور کریں تو یہ تعداد 25 لاکھ 40 ہزار تھی۔ اگر ان گاڑیوں میں سے 20 فیصد پرانی گاڑیوں کو تبدیل کرنے کے لئے مانا جائے تو تقریبا 20 لاکھ نئی گاڑیاں سڑکوں پر اتریں۔ اگر ان نئی گاڑیوں میں سے صرف 25 فیصد گاڑیاں بھی ایسی مانی جائیں ، جو ایک ڈرائیور کو روزگار دیتی ہیں تو پھر 5 لاکھ زیادہ لوگوں کو روزگار ملے گا۔ اسی طرح پچھلے سال ہمارے یہاں 2 لاکھ 55 ہزار آٹو فروخت ہوئے ہیں۔ اگر ان میں سے 10 فیصد فروخت پرانے آٹو کو تبدیل کرنے کے لئے مان لیا جائے تو ، پچھلے سال تقریبا دو لاکھ 30 ہزار نئے آٹو سڑک پر اترے ہیں۔ چونکہ آٹو دو شفٹوں میں چلتے ہیں ، دو آٹو سے تین افراد کو روزگار ملتا ہے۔ ایسی صورت میں تین لاکھ چالیس ہزار افراد کو نئے آٹوز کے ذریعے روزگار ملتا ہے۔ اکیلے ٹرانسپورٹ سیکٹر نے ان تینوں گاڑیوں سے گذشتہ ایک سال میں 20 لاکھ افراد کو نئے مواقع فراہم کیے ہیں۔ اگر ہم ای پی ایف ، این

پی ایس، پیشہ ورانہ نقل و حمل کے شعبے کو شامل کریں تو ہم نے دیکھتے ہیں کہ صرف پچھلے سال ہی ایک کروڑ سے زیادہ لوگوں کو روزگار ملا۔ اور یہ ایک آزاد ادارے کا سروے کہہ رہا ہے۔ میں اس آزاد انسٹی ٹیوٹ کا حوالہ دے رہا ہوں۔ میں یہ سرکاری اعداد و شمار نہیں بتا رہا ہوں۔ اور اسی لئے میری درخواست ہے، براہ کرم بنا دلیل کے حقیقت کو کچلنے کی کوشش نہ کریں۔ ملک کو گمراہ کرنے کی کوشش نہ کریں، آج ملک ایک نازک مرحلے پر ہے، اگلے پانچ سالوں میں 125 کروڑ ہندوستانی، جن میں سے 85 فیصد نوجوان ہیں، ملک کی تقدیر کا فیصلہ کرنے جا رہے ہیں۔ نیا ہندوستان ملک کی نئی امیدوں اور امنگوں کی بنیاد بنائے گا۔ جہاں امکانات، مواقع، استحکام کا دائمی اعتماد ہو گا۔ جہاں معاشرے کے کسی بھی طبقے، کسی بھی علاقے پر عدم اعتماد نہیں ہو گا۔ کوئی امتیازی سلوک نہیں ہو گا۔ اس نازک وقت میں ، ہم سب کو بدلتے ہوئے عالمی ماحول میں ایک ساتھ چلنے کی ضرورت ہے۔ میڈم اسپیکر، میں ان لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس مباحثے میں حصہ لیا۔ میں ایک بار پھر اس بات کو دہرانا چاہتا ہوں کہ این ڈی اے کی حکومت آندھرا کے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی کمی نہیں رکھے گی۔ ہم اس عہد کے ساتھ آئے ہیں کہ ہندوستان میں ہر ایک کے لئے سخت محنت کریں جو ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ میں نے ان تمام معزز حضرات کو 2024 میں عدم اعتماد کی پھر سے تحریک پیش کرنے کی دعوت دے کر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔ اور میں اس ایوان سے التجا کرتا ہوں کہ وہ اس عدم اعتماد کی تحریک کو یکسر مسترد کر دے۔ آپ نے مجھے جو وقت دیا اسکے لئے آپ کا بہت بہت شکریہ!

راجیہ سبھا میں ڈپٹی چیئرمین کی تہنیت پر

وزیراعظم شری نریندر مودی کی تقریر

۹ اگست، ۲۰۱۸

راجیہ سبھا میں ڈپٹی چیئر مین کی تہنیت پر وزیر اعظم کی تقریر

9 اگست، 2018

عزت مآب چیئر مین صاحب، سب سے پہلے تو میں ایوان کی طرف سے اور میری طرف سے نو منتخب نائب چیئر مین جناب ہری وَنش صاحب کو دل کی گہرائی سے بہت بہت مبارکباد دیتا ہوں۔ ہمارے لئے خوشی کی بات یہ ہے کہ صحت یاب ہونے کے بعد ہمارے ارون جیٹلی صاحب بھی آج سب کے درمیان موجود ہیں۔

محترم چیر مین صاحب، آج 9 اگست ہے۔ "اگست کرانتی" آزادی کی تحریک سے جڑا ہوا ایک اہم پڑاؤ تھا اور اس پڑاؤ میں بلیلا شہر کا بہت اہم کردار تھا۔ بلیلا شہر 1857 میں آزادی کی لڑائی سے لے کر آزادی کی "اگست کرانتی" کا بگل بجانے میں، جانوں کی قربانی دینے میں صف اول میں رہا ہے۔

منگل پانڈے جی، چِتّو پانڈے جی اور چندر شیکھر جی تک کی روایت۔ اسی کڑی میں ایک ہیں ہری وَنش جی۔ انکی پیدائش جے پرکاش جی کے گاؤں میں ہوئی، اور وہ آج بھی اپنے گاؤں سے جڑے ہوئے ہیں۔ جے پرکاش جی کے خوابوں کو پورا کرنے کے لئے جو ٹرسٹ چل رہا ہے، اس کے ٹرسٹی کی شکل میں بھی کام کر رہے ہیں۔ ہری وَنش جی اس قلم کے دھنی ہیں جس نے اپنی ایک خاص پہچان بنائی ہے۔ اور میرے لئے یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ وہ بنارس میں طالب علم رہے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت بنارس میں ہوئی اور وہیں سے وہ معاشیات کے مضمون میں ایم اے کیا۔ ریزرو بینک نے انہیں پسند کیا تھا، لیکن انہوں نے ریزرو بینک کو پسند نہیں کیا، لیکن بعد میں گھریلو حالات کی وجہ سے وہ نیشنلائزڈ بینک میں کام کرنے لگے۔

چیئر پرسن صاحب، آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ انہوں نے زندگی کے دو اہم برسوں میں حیدر آباد میں کام کیا۔ کبھی ممبئی، کبھی حیدر آباد، کبھی دلی، کبھی کلکتہ لیکن ان بڑے شہروں کی چکاچوندھ کی زندگی ہری ونش کو پسند نہیں آئی اور وہ کلکتہ چلے گئے "رویوار" اخبار میں کام کرنے کے لئے۔ ہم لوگ جانتے ہیں، ایس پی سنگھ نام بڑا ہے، ٹی وی کی دنیا میں انکی ایک شناخت تھی۔ ان کے ساتھ انہوں نے ایک ٹرینی کی حیثیت سے کام کیا۔ ایک صحافی کی حیثیت سے دھرم ویر بھارتی جی کے ساتھ کام کیا۔ اپنی صحافتی زندگی کی شروعات انہوں نے وہیں سے کی۔ "دھرم یگ" کے ساتھ جڑ کر کام کیا۔ انہوں نے دلی میں چندر شیکھر جی کے ساتھ کام کیا۔ وہ چندر شیکھر جی کے چہیتے تھے۔ عہدے کا وقار اور اسکی اہمیت کے سلسلے میں انسان کی کچھ خاصیتیں ہوتی ہیں۔

چندر شیکھر جی کے ساتھ وہ اس عہدے پر فائز تھے، جہاں ان کو ساری معلومات دستیاب تھیں۔ چندر شیکھر جی استعفیٰ دینے والے تھے، یہ بات ان کو پہلے سے معلوم تھی۔ وہ خود ایک اخبار سے منسلک تھے۔ اخبار کی دنیا کے صحافی تھے، لیکن انہوں نے خود کے اخبار کو بھی یہ بھنک نہیں لگنے دی کہ چندر شیکھر جی استعفیٰ دینے والے ہیں۔ انہوں نے اپنے عہدے کے وقار کو برقرار رکھتے ہوئے رازداری کو قائم رکھا تھا۔ اپنے اخبار میں خبر چھپ جائے اور اخبار کی واہ واہی ہو جائے، انہوں نے ایسا ہونے نہیں دیا بعد میں ہری ونش جی نے "رویوار" اخبار کے لئے کام کرنا شروع کیا۔ اس وقت متحدہ بہار تھا، بعد میں جاکر جب جھارکھنڈ بنا تو وہ رانچی چلے گئے اور روزنامہ "پربھات" سے منسلک ہو گئے، اور جب انہوں نے جوائن کیا تھا، تب اس کا سرکولیشن چار سو تھا۔ جس کی زندگی میں اتنے مواقع ہوں، چاہتے تو بینک میں چلے جاتے، وہاں انکے لئے موقع تھا، باصلاحیت شخصیت کے مالک تھے، لیکن انہوں نے اپنے آپ کو 400 سرکولیشن والے اخبار کے ساتھ کھپا دیا۔ 4 دہائی پر مشتمل صحافت کا ان کا سفر ایک وقف صحافت کا سفر ہے، وہ صحافت جو سماجی وجوہات پر مبنی ہو نہ کہ سیاسی وجوہات پر۔ میں مانتا ہوں کہ ہری ونش جی کی مدت کار کا یہ سب سے بڑا تعاون ہو گا کہ وہ سماج کے لئے صحافی رہے اور انہوں نے سیاسی وجوہات والی صحافت سے اپنے آپ کو بہت دور رکھا۔ وہ عوامی تحریک کی شکل میں اخبار کو چلاتے تھے۔

پرم ویر البرٹ اکّا ملک کے لئے شہید ہوئے تھے۔ ایک بار اخبار میں خبر آئی کہ ان کی بیوہ بہت بدتر زندگی گزار رہی ہیں۔ یہ 20 سال پہلے کی بات ہے۔ ہریونش جی نے ذمہ داری لی۔ انہوں نے لوگوں سے رقم اکٹھا کی اور 4 لاکھ روپے اکٹھا کر کے خود شہید کی بیوہ کو پہنچایا۔

ایک بار ایک معزز شخص کو نکسل وادی اٹھالے گئے۔ ہری ونش جی اپنے اخبار کے جو بھی ذرائع تھے، ان کے توسط سے ہمت کے ساتھ نکسلیوں کے گڑھ میں چلے گئے۔ لوگوں کو سمجھایا بجھایا، آخر کار اس شخص کو چھڑا کر لے آئے۔ انہوں نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔ یعنی ایک ایسی شخصیت، جس نے خوب کتابیں پڑھیں اور خوب لکھا بھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اخبار چلانا، اخباری نمائندوں سے کام لینا، یہ تو شاید آسان کام ہو گا۔ لیکن سماجی وجوہات والی دنیا کا تجربہ ایک ہے اور سیاسی وجوہات والی دنیا کا تجربہ بالکل مختلف ہے۔ ایک رکن پارلیمنٹ کی حیثیت سے آپ نے ایک کامیاب مدت کار کا تجربہ ہم سب کو کرایا، لیکن زیادہ تر ایوان کا حال یہ ہے کہ یہاں کھلاڑیوں سے زیادہ امپائر پریشان رہتے ہیں، اسلئے اصول وضوابط کے ساتھ کھیلنے کے لئے سب کو مجبور کرنا ایک بہت بڑا کام ہے لیکن ہری ونش جی ضرور اس کام کو بخوبی انجام دیں گے۔

ہری ونش جی کی اہلیہ محترمہ آشا جی خود چمپارن سے ہیں۔یعنی ایک طرح سے پورا کنبہ کہیں جے پی سے تو کہیں گاندھی سے جڑا ہوا ہے۔ اور وہ بھی پولیٹکل سائنس میں ایم-اے ہیں۔ تو ان کی علمی معلومات سے ہم لوگوں کو بہت مدد ملے گی۔ مجھے یقین ہے کہ اب ہم سبھی اراکین پارلیمنٹ کا ایک منتر بن جائے گا 'ہری کرِپا' اب سب کچھ ہری بھروسے' اور مجھے یقین ہے کہ ہم سبھی خواہ اُدھر ہوں یا اِدھر ہوں، سبھی ممبران پر ہری کرپا بنی رہے گی۔ یہ انتخاب ایسا تھا، جس میں دونوں طرف ہری تھے۔ لیکن ایک کے نام کے آگے بی۔کے تھا، یعنی بی کے ہری۔اِدھر بھی ہری تھے لیکن ان کے نام کے آگے کوئی بی کے-وی کے نہیں تھا۔ میں جناب بی کے ہری پرساد جی کو مبارکباد دوں گا۔ انہوں نے جمہوریت کے وقار کی خاطر اپنی ذمہ داری کو نبھایا۔ سب کہہ رہے تھے کہ نتیجہ ہمیں پتہ ہے، لیکن کارروائی سے تو گزرنا ہوگا۔ آج کافی نئے لوگوں کی ووٹ ڈالنے کی ٹریننگ بھی ہو گئی ہو گی۔

میں ایوان کے سبھی معززین کا، تمام معزز ارکان کا اس پورے عمل کو بہت اچھے طریقے سے آگے بڑھانے اور نائب چیئرپرسن جی کو مبارکباد دیتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ ان کا تجربہ، ان کا سماج کے تئیں انکا وقف ہونا یہاں بہت کام آئے گا۔ ہری ونش جی کی ایک خصوصیت ہے، انہوں نے اپنے اخبار میں ایک کالم چلائی تھی کہ "ہمارا سانسد کیسا ہونا چاہئے "تب تو ان کو بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ ایم پی بنیں گے، ایم پی کیسا ہونا چاہیئے، اس کے لئے انہوں نے ایک بڑی مہم چلائی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ ان کے جو خواب تھے، ان کو پورا کرنے کے لئے ان کو بہت بڑا موقع ملا ہے کہ ہم سبھی ممبران پارلیمنٹ کو آپ کے ذریعے اسکی تربیت ملے گی۔ اور جس دشرتھ مانجھی جی کا تذکرہ آج کبھی کبھی ہندوستان میں سنائی دیتا ہے، بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گا، اُس دشرتھ مانجھی کی کہانی کو ڈھونڈ ڈھانڈ کر پہلی بار کسی نے اجاگر کیا تھا، تو ہری ونش بابو نے شائع کیا تھا، یعنی سماج کے بالکل نچلے طبقے کے لوگوں کے ساتھ جڑا ہوا عظیم انسان آج ہم لوگوں کی رہنمائی کرنے والا ہے۔ میری طرف سے ان کو بہت بہت مبارکباد اور نیک خواہشات۔

2019

شری نریندر مودی 'پردھان منتری مُدرا یوجنا' کو لاونچ کرتے ہوئے

"

چھوٹی اور مائیکرو تجارتوں کی معاونت سے مُدرا یوجنا نے لوگوں کو معاشی اور سماجی طور پر مضبوط کرنے میں مدد فراہم کی ہے اور عوام کو آگے بڑھنے کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کرایا ہے۔

"

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر 'شکریہ کی تحریک' پر وزیر اعظم شری نریندر مودی کا جواب

۷ فروری، ۲۰۱۹

لوک سبھامیں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

7فروری2019

میڈم اسپیکر، میں صدر کے خطاب کے لئے ان کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔ اس وقت کے خطاب میں، جس طرح صدر نے ملک کو ہدایت دی ہے، انہوں نے حکومت کے وژن کا اظہار کیا ہے۔ اس حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے میں ان کا مشکور ہوں۔ حکومت کی شناخت دیانتداری کے لئے ہے۔ اس حکومت کی شناخت شفافیت کے لئے ہے۔ یہ غریبوں کے لئے ہمدردی، قومی مفاد کو بالاتر رکھنے، بدعنوانی سے نمٹنے اور تیز رفتاری سے کام کرنے کے لئے ہے۔ مجھے ٹی وی کا وہ منظر اب بھی یاد ہے جب نوٹ جیب میں رکھے جاتے تھے۔ آج، اس مباحثہ میں، معزز ملیکار جن کھڑگے جی، مسٹر بھرتروہری جی، شری وینو گوپال جی، ہرسمرت جی کور بادل، مسٹر دنیش تریویدی جی، جناب محمد سلیم جی، مسٹر سومیترا خان جی، تمام معزز ممبران نے اپنے خیالات، اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اپنی بات رکھی ہے۔

ایک معنی خیز گفتگو کی کوشش کی گئی ہے اور جس طرح سے ایوان نے ان سب کی بات کو سنا، ان کے خیالات کی حوصلہ افزائی کی، لہٰذا میں خیالات کے اظہار اور خیالات کی حوصلہ افزائی کرنے پر پورے ایوان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کچھ تنقیدیں بھی ہوئیں۔ کچھ بناسر پیر کی بات بھی ہوئی۔ کچھ لوگ جو اپنی عادت سے مجبور ہیں، وہ یہاں بھی بار بار بولتے ہیں۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ یہ انتخابات کا سال ہے، یہ فطری بات ہے کہ سب کی کچھ مجبوری ہے۔ کچھ کہنا فطری بات ہے اور اس کا اثر ہونا بھی فطری بات ہے، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ہم یہاں سے رخصت ہونے کے بعد اپنی مدت کار کا حساب کتاب عوام کو دینے جارہے ہیں، کیونکہ یہ انتخابی سال ہے۔ ہمیں جاکر لوگوں کو اپنا حساب کتاب دینا ہے اور میں آپ سب کو آئندہ انتخابات میں ایک صحت مند مقابلے کے لئے نیک تمنائوں کا اظہار کرتا ہوں۔ میں ان کروڑوں نوجوانوں کو بھی مبارکباد دینا چاہتا ہوں جو اس صدی میں پہلی بار اس انتخابات میں پارلیمنٹ کے لئے ووٹ ڈال رہے ہیں۔ وہ سب مبارکباد کے مستحق ہیں، کیوں کہ ووٹ ڈالنا یا حق رائے دہی حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اور ہمیں اپنی اس نئی نسل کا بھی خیر مقدم کرنا چاہئے جو اکیسویں صدی کے پارلیمنٹ کے انتخاب کے لئے پہلی بار ووٹ ڈالنے جارہے ہیں, کیونکہ وہ اس ملک کے پالیسی ساز بننے جارہے ہیں اور اس عمل کا وہ حصہ بننے جارہے ہیں۔ ان نئے ووٹروں، نوجوانوں کو بہت ساری مبارکباد اور مجھے یقین ہے کہ نئی نسل قوم کو سمت دینے میں اہم کردار ادا کرے گی۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ، جب ہم نیو انڈیا کی بات کرتے ہیں تو ہم امید اور اعتماد کی بات کرتے ہیں۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ مایوسی کے عالم میں ڈوبا فرد یا معاشرہ اپنے لئے کچھ نہیں کرتا ہے، اور نہ ہی اس نسل کے لئے کچھ کر سکتا ہے، صرف وہی لوگ جو امید اور اعتماد سے بھرپور ہیں وہی کچھ کر سکتے ہیں۔ رونے والوں کو پانچ سے دس افراد مل جائیں گے جو انکو تسلی دے سکتے ہیں، لیکن جو لوگ اس تبدیلی کے خواہاں ہیں وہ ان کے قریب نہیں آتے ہیں۔ اب جب میں نیو انڈیا کی بات کرتا ہوں تو میں سوامی ویویکانند کے اس قول کو پیش کرنا چاہوں گا۔ سوامی ویویکانند نے کہا ہے کہ ماضی میں ہمیں جس مشکل وقت گزرنا پڑا وہ ضروری تھا، کیونکہ ہندوستان کا مستقبل تباہی کے اس دور سے نکل رہا ہے جو اس درمیان میں آیا تھا۔

اب یہ پودا ابھرنے لگا ہے، نئی کونپلیں نکل آئیں ہیں، اور اب وہ طاقتور درخت بننے لگا ہے۔ منفی حالات میں ترقی کی امید، یہی وہ چیز ہے جو ملک کو آگے لے جاتی ہے۔ چیلنجوں کو چیلنج کرنا یہ ملک کی فطرت ہے، اسی ملک نے چیلنجوں پر ہمیشہ قابو پایا ہے۔ جو لوگ چیلنجوں سے بھاگتے ہیں، وہ نئے چیلنجز کو دعوت دیتے ہیں۔ لہذا، چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے، ہم عام انسانوں کی امیدوں اور آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے پوری طرح سے تیار ہیں۔

یہاں 1947 سے متعلق کچھ چیزیں بتائی جا رہی ہیں۔ یہ ایک اچھی چیز ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ جب ہم تاریخ کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہم دو ادوار پر تبادلہ خیال کرتے ہیں اور ہم ان دو ادوار کو BC اور AD میں منقسم کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی ان دو ادوار کی تعبیر الگ ہے اور شاید BC سے انکی مراد بیفور کانگریس ہے یعنی یہ کہ کانگریس سے پہلے ملک میں کچھ بھی نہیں تھا۔ ہر ایک چیز برباد تھی۔ اور AD کا مطلب آفٹر ڈائنسٹی ہے، یعنی جو بھی ہوا اس کے بعد ہی ہوا۔ لیکن ہمیں آخرکار کاموں میں سے کچھ کا موازنہ کرنا ہی پڑتا ہے اور اس میں کچھ برا ہے، ایسا ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ہمیں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ساڑھے چار سال پہلے کیا ہوتا تھا اور آج کیا ہے۔ ہم نے ساڑھے چار سال میں کس طرح ترقی کی ہے۔ بھارت ساڑھے چار سالوں میں 10 نمبر یا نمبر 11 کی معیشت سے آج 6 نمبر پر پہنچ گیا ہے اور یہ بھولیے مت کہ جب وہ 11 نمبر پر پہنچ گیا تو یہاں اسی ایوان میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے جو آج وہاں بھی نہیں نظر آتے ہیں، انہوں نے اسکے 11 تک پہنچنے پر بڑا فخر محسوس کیا تھا۔ میں سمجھ نہیں پاتا ہوں کہ وہ لوگ جو اسکے 11 تک پہنچنے میں فخر محسوس کرتے تھے، جب وہ 6 تک پہنچتا ہے تو انہیں تکلیف کیوں ہوتی ہے، درد کیوں ہوتا ہے؟ آج پہلے کے مقابلے میں سب سے بڑی غیر ملکی براہ راست سرمایہ کاری بھارت میں آ رہی ہے۔

میک ان انڈیا کی طاقت مینو فیکچر نگ کی نئی مثال قائم کر رہی ہے۔ آج دنیا میں اسٹیل کا دوسرا سب سے بڑا پروڈیوسر بھارت ہے۔ موبائل فون بنانے والا دنیا کا دوسرا سب سے بڑا ملک بھارت ہے آج دنیا میں چوتھا سب سے بڑا آٹو موبائل تیار کنندہ ملک ہندوستان ہے۔ آج ہندوستان فصلوں اور دودھ کی ریکارڈ پیداوار کر رہا ہے۔ اگر کہیں انٹرنیٹ ڈیٹا دنیا میں سب سے سستا اور انٹرنیٹ ڈیٹا دنیا میں سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے تو وہ ہندوستان میں ہے۔ جس طرح سے اسٹارٹ اپ ایکو سسٹم نے اپنی جگہ بنائی ہے، اپنی جڑیں مضبوط کی ہیں، یہ بڑی بڑی ملٹی نیشنل کو بھی چیلینج کر رہا ہے۔ ہوا بازی کا شعبہ تیز رفتار سے ترقی کر رہا ہے۔ لیکن چونکہ مخالفت میں ہیں اسلئے مخالفت کرنا ضروری ہے۔ مخالفت کرنی چاہیے۔ مودی کی مخالفت کریں، تنقید کریں، ہماری پالیسیوں پر تنقید کریں۔ اچھی بات ہے، جمہوریت میں یہ بہت ضروری بھی ہے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ ہم مودی پر تنقید کرتے کرتے، بی جے پی پر تنقید کرتے کرتے ہم ملک کی برائی کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس سے ملک کا بھلا نہیں ہو گا۔ ہم میں سے کسی کو بھی غلطی سے بھی دیش کی برائی ہو، ایسی باتیں نہیں کرنا چاہئے۔ بہت سی باتیں ہیں، لندن میں جاکر پریس کانفرنس کر کر کے ملک کی کون سی عزت بڑھا رہے ہیں؟ جھوٹی پریس کانفرنس کر کے اور آج مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ کچھ نہیں کیا؟ یہ اچھا ہے کہ میں اپنی حدود میں رہوں، وہی اچھا ہے۔

آج ہمارے کھڑگے جی بتا رہے تھے کہ مودی جی جو باہر عوام میں بولتے ہیں، صدر جمہوریہ نے بھی وہی بات ایوان میں کہی۔ اسکا مطلب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ سچ بولنے والوں کو باہر دوسرا کچھ نہیں بولنا چاہئیے، اندر الگ بولنا، ایسا نہیں ہے۔ جو سچ بولتا ہے، وہ باہر بھی وہی بولتا ہے اور اندر بھی وہی بولتا ہے۔

میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس بات کو تسلیم کیا کہ ہم سچ بولتے ہیں، پبلک میٹنگ میں بھی سچ بولتے ہیں، جن سبھا میں بھی سچ بولتے ہیں، لوک سبھا میں بھی سچ بولتے ہیں۔ وزیر اعظم بھی سچ بولتا ہے، صدر جمہوریہ بھی سچ بولتے ہیں۔ آپکی مصیبت یہ ہے کہ سچ سننے کی عادت بھی چلی گئی ہے۔ آپ اتنا جھوٹ سن چکے ہو کہ آپکی سچ سننے کی عادت ہی چلی گئی ہے۔

آپ نے کہا کہ مودی اداروں کو ختم کر رہا ہے، برباد کر رہا ہے۔ ہمارے یہاں ایک کہاوت ہے "الٹا چور چوکیدار کو ڈانٹے"۔ آپ ذرا بتایئے، مجھے لگتا ہے کہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ملک میں ایمرجنسی تھوپا کانگریس نے، لیکن کہتے ہیں کہ مودی اداروں کو برباد کر رہا ہے۔ فوج کی توہین کی کانگریس نے اور کہتے ہیں کہ مودی برباد کر رہا ہے۔ ملک کے آرمی چیف کو غنڈہ کہا، کہنے والے کانگریس کے، اور کہتے ہیں کہ مودی اداروں کو برباد کر رہا ہے۔ کہانیاں گڑھی جاتی ہیں تختہ پلٹ کرنے کی،

اور ہندوستان کی فوج کی عزت پر کتنا بڑا زخم لگا ہے۔ آپ کو معلوم نہیں ہے، آپ نے ہفتہ دو ہفتہ شاید اپنی سیاست کر لی ہو گی لیکن یہ جو آپ نے گناہ کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ہماری فوج کے دل پر جو زخم لگا ہے۔ بھارت کی فوج تختہ پلٹنے کا کام کرے! آزادی کے اتنے برسوں میں، اچھے دن آئے ہوں، برے دن آئے ہوں، کمزور وزیر اعظم رہے ہوں، کمزور حکومتیں رہی ہوں، واحد حکومت رہی ہو، مخلوط حکومت رہی ہو، لیکن کبھی بھی ہمارے ملک کی فوج نے ایسا گناہ نہیں کیا۔ ہم یہ باتیں کہہ دیں، صرف اپنی سیاست کے لئے، میں مانتا ہوں کہ ہم لوگوں نے یہ بہت برا کام کیا ہے۔ ہم ذمہ دار لوگ ہیں اور ایوان میں بیٹھنے والے لوگوں کی اس طرح کی باتیں ہوں! اور آپ کہتے ہیں کہ ہم اداروں کو برباد کرنے میں مصروف ہیں۔

اس ملک کا الیکشن کمیشن دنیا کے لئے فخر کا مرکز بن سکتا ہے۔ چھوٹی موٹی شکایتوں کے باوجود، تمام سیاسی جماعتیں الیکشن کمیشن کے فیصلوں پر عمل پیرا ہیں۔ کیا ہم اس کو بھی برباد کرکے رہیں گے؟ کیا آج ہم اسے برباد کرنے میں مصروف ہیں؟ کیا ہم کچھ بھی سوچ سکتے ہیں؟ اسی طرح اپنی ناکامی کا ای۔وی ا۔یم پر الزام! میں حیران ہوں، ملک بجٹ کے بارے میں بات کرتا ہے اور وہ ای۔وی۔ایم کا رونا رو رہے ہیں۔ دراصل آپ بہت خوفزدہ ہیں۔ کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو؟ عدلیہ کو کانگریس دھمکاتی ہے، جس طرح سے کانگریس سے وابستہ لوگ عدلیہ کے انصاف کے بارے میں بیان بازی کر رہے ہیں، ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ عدلیہ کا فیصلہ اچھا ہو برا ہو، لیکن اس کا احترام اسلئے کیا جا رہا ہے کیونکہ اس ادارے کو بچانا ہو گا۔ لیکن اگر ہمیں پسند نہیں تو پھر کچھ بھی کہہ دیں، کچھ بھی کہلا دیں، کچھ بھی لکھوا دیں۔ آپ نے پوری عدلیہ کو ڈرانے کے لئے مواخذے کے نام پر پورے نظام کو ہلا دینے کی کوشش کی ہے اور آپ ہمیں کہہ رہے ہیں؟

یہ کانگریس پارٹی ہی ہے جس نے پلاننگ کمیشن کو "جوکروں کا ایک گروپ" کہا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کس نے کہا؟ آج آپ پلاننگ کمیشن کے اتنے گیت گا رہے تھے، اسی پلاننگ کمیشن کو آپ کے سابق وزیر اعظم نے مسخروں کا ایک گروپ کہا تھا۔ ادارے کا احترام! بس ایک لفظ پکڑ لیا، لیکن باقی ذرا اپنا کاروبار بھی تو دیکھو؟

دفعہ 356 کا تقریبا ایک سو بار غلط استعمال آپ نے کیا۔ آپ نے منتخب حکومتوں کو برخاست کر دیا۔ اور مسز اندرا گاندھی نے تنہا پچاس بار حکومتیں گرا دیں، یہ 2019 کس چیز کی سالگرہ ہے، یاد کریں، ذرا میں کیرل کے دوستوں کو کہنا چاہتا ہوں، 1959 میں جب نہرو جی وزیر اعظم تھے اور اندرا جی کانگریس کی صدر تھیں، وہ کیرل گئیں تھیں، پتہ نہیں کیا دیکھا، کیا پایا، کیا سنا، آتے ہی کیرل کی کمیونسٹوں کی منتخب حکومت کو برخاست کر دیا۔ یہ 2019 سالگرہ ہے۔ آپ اداروں کے احترام کی بات

کرتے ہو۔ آپ نے ملک کے ساتھ کیا کیا، آپ نے این ٹی آر کے ساتھ کیا کیا، آپ نے ایم جی آر کے ساتھ کیا کیا؟ اتنا ہی نہیں، بلکہ آپ نے کابینہ کے فیصلے کو پریس کانفرنس میں جا کر کس طرح پھاڑ دیا۔ کون سا تقدس، کن اداروں کا احترام کیا جاتا ہے، اور اب آپ کو مہربانی کر کے معلوم ہونا چاہئے کہ مودی پر انگلی اٹھانے سے پہلے آپ کی چار انگلیاں آپ کی طرف اٹھتی ہیں۔ کھڑگے جی ایک مہذب انسان ہیں لیکن نہ جانے کون سی مجبوری ہے، کس مصیبت میں پھنسے ہیں۔ ایک مہذب شخص ہر بار اختلاف کرتا ہے، ہر بار اختلاف ، ہر بار اختلاف۔ لیکن آپ مہذب آدمی ہیں، اس بات کو میں ایوان کے سامنے کہوں گا اور میں یہ بات ضرور کہوں گا یہ بات سہی ہے، آج انہوں نے کہا کہ میں ذرا فرسٹ ایڈ لے لوں۔ لیکن قریب چھتیس گھنٹے بعد وہ پوچھ رہے تھے کہ فرسٹ ایڈ کی ضرورت ہے کیا؟ ایک بزرگ شخص کی حیثیت سے آپ ہم جیسے لوگوں کی فکر کر رہے ہیں، لہذا میں آپ کا مشکور ہوں۔

میڈم اسپیکر، اس ساری مصیبتوں کی جڑ میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ایک غریبی سے اٹھا ہوا انسان جس نے کبھی دہلی کے گلیارے دیکھے نہیں۔ اس نے اتنی بڑی سلطنت کو للکارا۔ وہ ہضم نہیں کر پا رہے ہیں۔ وہ تو یہ مانتے ہوئے چلتے ہیں کہ اس ملک کے تخت پر ہماری مالکن کا ہی حق ہے۔ ایک کونے میں پڑا ہوا انسان یہاں آ گیا، یہ بات ان کے دماغ سے جاتی نہیں ہے۔ یہ جو نشہ ہے، وہی پریشانی کا سبب ہے۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ ، اب ذرا حساب کی باتیں چل رہی ہیں کہ ہماری سرکار، تمہاری سرکار، تو میں بھی بتا دوں۔ 55 سال آپ کے، میرے 55 مہینے۔ ذرا صفائی کا دائرہ دیکھیے، 55 سالوں میں 2014 تک 40 فیصد تھا۔ آج ساڑھے چار سال میں، 55 مہینوں میں یہ 98 فیصد پار کر گیا ہے۔ ساڑھے چار سال میں دس کروڑ سے زیادہ بیت الخلا تعمیر کیے گئے ہیں۔ اور جو کہتے ہیں کہ یہ حکومت امیروں کے لئے ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے اپنے ملک کے 10 کروڑ امیروں کے لئے بیت الخلا تعمیر کیے ہیں۔ وہ میرا امیر ہے، وہ میرا ایمان ہے، وہ میری زندگی ہے، انہیں کے لئے میں جیتا ہوں، انہیں کے لئے یہاں آیا ہوں۔ 55 سال میں 12 کروڑ گیس کنکشن اور 55 ماہ میں 13 کروڑ گیس کنکشن اور اس میں 6 کروڑ اجولا یوجنا کے تحت۔ کام کس رفتار سے ہوتا ہے اور کس کے لئے ہوتا ہے، اس کا آپ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بینکوں کو قومی بنایا، غریبوں کے نام پر باتیں کی، سیاست کی، انتخابات جیتتے گئے، ووٹ بٹورتے گئے، لیکن ہمارے ملک میں 55 سالوں میں 50 فیصد لوگوں کے بینک اکاؤنٹ تھے، اب 55 ماہ میں اسکو صد فیصد کرنے کا ہمیں شرف حاصل ہوا۔ آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔ 18 ہزار گاؤں میں بجلی پہنچائی۔ آپ اعداد و شمار دیتے ہیں، یعنی 1947 سے پہلے اس ملک کے کسی گاؤں میں بجلی

نہیں تھی، وہیں سے شروع کر رہے ہیں آپ، وہی BC اور AD والی بات ہے۔ اگر واقعی جس رفتار سے گذشتہ 55 مہینے میں جو حکومت چلی ہے۔ آزادی کے بعد اتنی رکاوٹیں نہیں تھیں، اتنی مخالفت نہیں تھی، اتنی قانونی دقتیں نہیں تھیں، اتنا میڈیا بھی نہیں تھا، اگر آپ اس وقت کام کرنا چاہتے تو ابتدائی دو دہائیوں میں ہندوستان کے ہر گاؤں تک بجلی پہنچ جاتی۔ یہ کام جو بیس سال میں ہونا چاہیئے تھا وہ مجھے آکر کرنا پڑا ہے، اور صرف یہی نہیں، آپ کا 2004 کے منشور کو دیکھ لیجئے، آپ کا 2009 کا منشور دیکھ لیجئے، اپ کا 2014 کا منشور دیکھ لیجئے، آپ نے تینوں منشور میں کہا ہے کہ تین سال کے اندر، آپ نے 2004 میں کہا کہ تین سال کے اندر، 2009 میں آپ نے کہا کہ تین سال کے اندر، 2014 میں کہا، تین سال کے اندر اندر ہر گھر کو بجلی فراہم کی جائے گی۔ آپ کے منشور میں یہ ہے کہ بجلی پہنچائیں گے۔ میں حیران ہوں کہ غریبی ہٹاو، غریبی ہٹاو کے نام پر انتخابات لڑتے رہے، لیکن 2004 میں بھی 3 سال، 2009 میں بھی 3 سال، 2014 میں بھی 3 سال اور آج گھروں میں بجلی پہونچانے کے لئے مجھے دن رات محنت کرنی پڑ رہی ہے۔ ڈھائی کروڑ فیملی تک بجلی پہنچانے کا کام پورا کر دیا ہے۔ اور آنے والے دنوں میں صد فیصد بجلی کاری کا کام ہم پورا کرنے کا ہمیں شرف حاصل ہو جائے گا۔ اسکا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کچھ لوگ ہیں جو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے لیکن اعداد و شمار کو جھٹلا نہیں سکیں گے۔

2014 میں 30 سال بعد ملک کے عوام نے مکمل اکثریت والی حکومت منتخب کیا ہے۔ ملک یہ محسوس کر رہا ہے کہ جب ملاوٹ والی سرکار ہوتی ہے تب کیا حال ہوتا ہے اور اب تو مہا ملاوٹ آنے والی ہے۔ مکمل اکثریت والی حکومت ہوتی ہے تو کتنے فیصلے کر سکتی ہے، کتنی رفتار سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ مہاملاوٹ والے اب یہاں پھنسنے والے نہیں ہیں۔ یہ مہا ملاوٹ آپ کولکاتہ میں اکٹھا کرو۔ یہ مہا ملاوٹ کا حال دیکھ لو، کیرل میں منہ نہیں دیکھ پائیں گے ایک دوسرے کا۔ ان مہا ملاوٹ کی رہنمائی کرنے والوں کو اتر پردیش نے باہر کر دیا۔ اور اس لئے یہ مہاملاوٹ کا کھیل غیر مستحکم سرکار، خیالی سرکار، اس مہاملاوٹ کی وجہ سے ملک نے تیس سال تک یہ حال دیکھا ہے۔ اب تو جو صحت کے تئیں حساس سماج ہے وہ بھی ملاوٹ سے دور رہتا ہے۔ صحتمند جمہوریت کے خواہاں لوگ بھی اس ملاوٹ سے دور رہنے والے ہیں۔ جب اکثریت والی حکومت ہوتی ہے، عوام اور ملک کے باشندوں کی خدمت کے لئے وقف سرکار ہوتی ہے تو کام کیسے ہوتا ہے۔

سال 2014 سے پہلے آپ کی حکومت تھی، غریبوں کو گھر ملنا چاہیئے، 1947 سے ہی ہر سرکار نے اس پر غور کیا ہے۔ 2014 کے پہلے پانچ سال میں آپ کی حکومت نے 25 لاکھ مکانات تعمیر کیے، ہم نے 55 ماہ کے اندر 1 کروڑ 30 لاکھ مکانات تعمیر کر کے چابیاں دے دی ہیں اور وہ بھی ایسا مکان جس میں ایک بیت الخلا ہے، جس میں بجلی ہے، جس میں گیس کا کنیکشن ہے،

صرف چار دیواری بنا کر کام پورا نہیں کر رہے ہیں، آج آپ کے لوگ بھی آکر کہتے ہیں کہ میرے علاقے میں مکان الاٹ کروا دیجئے، غریبوں کے کھاتے میں پیسہ براہ راست جمع ہو رہا ہے۔ کوئی بچولیہ نہیں ہے۔

آپکے 2004 کے منشور میں تھا،2009 میں تھا اور 2014 میں بھی تھا۔ آپ تین سال کی بات کہاں سے لے آئے، مجھے معلوم نہیں۔ آپ کے تین سال کی تعریف کیا ہے، یہ بھی مجھے معلوم نہیں۔ آپ نے 2004 میں یہ بھی کہا تھا کہ تین سالوں میں ہم آپٹیکل فائبر نیٹ ورک کو ہر پنچایت سے جوڑیں گے اور ڈیجیٹل انڈیا کی طرف آگے بڑھیں گے۔2004 میں کہا تھا، یہی بات 2009 میں کہا تھا، 2014 میں بھی ایسا ہی کہا، جب ہم آئے تب آپٹیکل فائبر نیٹ ورک 59 گاؤں میں پہنچایا گیا۔ یعنی آئڈیا نیا ہے۔ اب آپ کہیں گے کہ ہماری یوجنا تھی، آپ کی یوجنا تھی، منشور میں لکھا ہے کہ کریں گے، لکھ دیا۔ 2004 سے آپ نے کام شروع کیا اور 2014 تک پہنچتے پہنچتے 59 گاؤں میں براڈ بینڈ کنکٹیویٹی جو تھی وہ 55 ماہ کی ہماری حکومت میں 1 لاکھ 16 ہزار گاؤں میں براڈ بینڈ کی کنکٹیویٹی پہنچ گئی۔ آپ وعدہ کرتے رہے۔

آج کھڑگے صاحب کا شعر وشاعری کا مزاج تھا۔ ہو سکتا ہے کی وہ نظم جس کا آغاز حسن سے ہوتا تھا، اس پر انکی نظر گئی۔ مجھے سمجھ نہیں آیا کہ اس نظم میں ان کو حسن والی لائن ہی کیوں پسند آئی، آپ جس ماحول سے پرورش یافتہ ہو کر آئے ہوئے ہیں، آپ کا خاندان جس جد وجہد سے نکل کر آیا ہے۔ میں جانتا ہوں اور مجھے آپ کے خانوادے کی ہمت پر فخر ہے، اگر آپ کو وہ چیزیں یاد ہوتیں تو حسن والے شعر کی طرف آپ کی نظر نہیں جاتی۔ اگر واقعی ایسا ہوتا تو آپ کی نظر ضرور جاتی اور مجھے تو آپ لوگوں کی وجہ سے برابر دن رات یہ بات یاد رہتی ہے۔ اس نظم میں لکھا ہے:

جب کبھی جھوٹ کی بستی میں سچ کو تڑپتے دیکھا ہے   تب میں نے اپنے اندر کسی بچے کو سسکتے دیکھا ہے

آپ کے جھوٹ کے کاروبار سے کیا ہوتا ہے، آپ کو اس نظم میں دکھائی دینا چاہئے، لیکن وہ نہیں دیکھ پائے۔ اسی نظم میں آگے لکھا ہے، اگر احساس نام کی کوئی چیز بچی ہوتی، لیکن اقتدار کے گلیاروں میں رہنے کی وجہ سے شاید وہ چھوٹ گیا ہوگا، اگر وہ بچا ہوتا تو پھر اس کے آگے کی لائن بھی آپ کے دل کو ضرور چھو جاتی۔ اسکے آگے کی لائن یوں ہے:

اپنے گھر کی چار دیواری میں، اب لحاف میں بھی سہرن ہوتی ہے
جس دن سے کسی کو غربت میں، سڑکوں پر ٹھٹھرتے دیکھا ہے

اس کے لئے جب احساس ہوتا ہے ، درد ہوتا ہے، تب جا کر یہ بات بنتی ہے۔ کانگریس کے 55 سال، اقتدار کی راحت کے 55 سال۔ ہمارے 55 ماہ، خدمت کے جذبے سے سرشار 55 ماہ، جب پالیسی واضح ہو، نیت صاف ہو، ارادہ نیک ہو، عزم پختہ ہو تو ہم چوبیس گھنٹے غریبوں کے لئے، ملک کی فلاح وبہبود اور اسکی ترقی میں اپنے آپ کو وقف کرنے کے لئے ایک مسلسل نئی قوت اور حوصلہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔

آپ کیسے کام کرتے ہیں۔ میں 21 ویں صدی کے ووٹروں کو ضرور یاد دلانا چاہوں گا کہ کس نیت سے 55 سال تک اقتدار سے لطف حاصل کیا گیا ہے۔ آپ دیکھئے، جب کامن ویلتھ کھیل شروع ہوئے، تب یہ ایک سنہری موقع تھا ملک کی آن بان اور شان پوری دنیا میں پہنچانے کا، لیکن اس وقت ایک طرف جہاں ہمارے کھلاڑی تمغے جیتنے کے لئے پوری کوشش کر رہے تھے اور یہ دولت مشترکہ کے کھیل میں اپنی دولت کو جٹانے میں مشغول تھے۔ 2۔جی اسپیکٹرم کی الاٹمنٹ آپ دیکھ لیجئے، 2۔جی اسپیکٹرم میں کیا ہوا، وہ انکے اقتدار میں ہونے کا نتیجہ تھا اور ان کی نیت اپنے اور اپنوں کو فائدہ پہنچانا تھی۔ جبکہ ہماری نیت لوگوں کو سستہ ڈیٹا مہیا کرانا ہے، فون پر بات کرنے کے خرچہ کو کم کرنا تھی اور اسی بنا پر ہم نے اسپیکٹرم کی نیلامی کا نظام وضع کیا۔ بینکنگ نظام کا کیا حال کیا تھا آپ نے؟ فون بینکنگ چلتا تھا، نامدار جانتا تھا کہ کس کو مدد کی ضرورت ہے، بینک کو فون چلا جاتا تھا اور روپیے نکل جاتے تھے، پہنچ جاتے تھے، کس کام کے لئے، کون لے جائے گا، کہاں لے جائے گا۔ اب سب کچھ سامنے آرہا ہے، پھر پریشانی بڑھتی جارہی ہے۔ ایک بات کو نہیں بھول سکتے کہ آزادی کے بعد سال 2008 تک بینکوں نے 18 لاکھ کروڑ روپئے کا کل قرض دیا۔ لیکن اقتدار کے مزے کی جو سیاست چلتی تھی، جو ملک کو چلانے کا جو طریقہ تھا، اس اقتدار کے مزے کے 55 سال کا نتیجہ دیکھئے، سال 2008 سے لے کر 2014 تک، چھ سالوں میں یہ 18 لاکھ کروڑ سے بڑھ کر 52 لاکھ کروڑ ہو گیا۔ یہ فون بینکنگ کا نتیجہ تھا۔ لوگوں کا پیسہ تھا، لوٹا جارہا تھا۔ کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ یہ آپ کا طریقہ تھا۔ اب 21 ویں صدی کے ووٹروں کو معلوم ہونا چاہئے، تب انکی عمر اتنی چھوٹی رہی ہوگی جب یہ سب کھیل چلے، اب ان کو یہ سب بتانا ہمارا فرض ہے۔ مدرا یوجنا سے ہم نے سات لاکھ کروڑ روپے دیے۔ یہ وہی چیز ہے جو آپ نے 2014 میں چھوڑی تھی، سود کی رقم بڑھ رہی ہے، ایک نیا این پی اے نہیں بڑھ رہا ہے۔ یہ تو جو آپ چھوڑ کر گئے، اس کا سود بڑھتا جارہا ہے۔ ہم ایسے قانون لائے ہیں کہ تین لاکھ کروڑ روپئے واپس آنا شروع ہو گئے ہیں۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ، مدرا یوجنا سے سات لاکھ کروڑ روپئے ہم نے ان لوگوں کو دیئے جن کے پاس ضمانت دینے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا اور انہوں نے خود روزگار کھڑا کیا۔ انہوں نے خود روزگار کے مواقع پیدا کیے۔ یہ کام ہم نے کیا ہے۔ یہ جو

بھاگ گئے ہیں وہ ٹویٹر پر رو رہے ہیں کہ میں تو 9 ہزار کروڑ لے کر نکلا تھا لیکن مودی نے میرے 13 ہزار کروڑ ضبط کر لیے۔ وہ رو رہے ہیں، ٹویٹ کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جب میں صبح اٹھا تو آج مجھے اس پراپرٹی کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ بھی ضبط ہو گئی۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں جائیداد ہو، اسے بھی ضبط کر لیا گیا۔ یہ قانون ہم نے بنایا، لوٹنے والوں کو آپ نے لوٹنے دیا اور قانون بنا کر اسے واپس لانے کی ہم نے کوشش کی۔ میڈم اسپیکر، میرے خیال میں ہمارے کانگریس کے دوستوں نے کچھ کام آؤٹ سورس کر دیا ہے۔

معزز اسپیکر میڈم، کانگریس نے سرجیکل اسٹرائیک کی بات کی ہے۔ میں یہاں فلم اُری کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ میں سرجیکل اسٹرائیک کی بات کر رہا ہوں، تب کانگریس نے کہا کہ ہمارے زمانے میں بھی سرجیکل اسٹرائک ہوا تھا۔ ہاں، ہاں آپ کے پاس سب کچھ ہے۔ ٹھہریئے، آپکے پاس سب کچھ ہے، آپ کو گھنٹوں بولنے دیا ہے۔ اس وقت فوج کی وہ حالت نہیں رہنے دی تھی آپ نے، ایک طرح سے فوج کو نہتھا بنا دیا تھا آپ نے۔ وہ ایسی حالت میں تھی ہی نہیں کہ کوئی بھی سرجیکل اسٹرائیک کرنے کا فیصلہ کر سکے۔ ایسی حالت بنا کر رکھا تھا۔ وہ دن تھے جب بلٹ پروف جیکٹس بھی دستیاب نہیں تھیں۔ آپ سرجیکل اسٹرائیک کے بارے میں سوچ بھی کیسے سکتے تھے اور آپ ہندوستان کی آنکھ میں دھول جھونک رہے ہیں۔ نہ مواصلاتی آلات تھے، نہ ہیلمٹ تھے، نہ اچھے قسم کے جوتے تھے، میں جنگی سامان کے بارے میں تو بات ہی نہیں کر رہا ہوں، یہ عام انتظامات کی بات ہے۔ 2009 میں ہندوستانی فوج نے 1 لاکھ 86 ہزار بلٹ پروف جیکٹس کا مطالبہ کیا، پانچ سال گزرنے کے بعد بھی، 2014 تک بلٹ پروف جیکٹس نہیں خریدی گئیں۔ اب وہ سرجیکل اسٹرائیک کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ اس صورتحال کو جاننے کے بعد، 2016 میں ہم نے 50 ہزار بلٹ پروف جیکٹس خریدیں اور 2018 میں ہم نے اپنے 1 لاکھ 86 ہزار بلٹ پروف جیکٹس اپنے فوجیوں تک پہنچا دی ہیں۔ اگر 2014 کے بعد بھی، ملک کے عوام اب زیادہ سمجھدار ہیں، وہ غلطیاں نہیں کرتے ہیں، لیکن 2014 کے بعد بھی اگر یو پی اے کی حکومت بن جاتی، تو آج ملک کا فخر تیجس جنگی جہاز زمین پر ہی کھڑا ہوتا۔ وہاں پارکنگ ایریا میں کھڑا ہوتا وہ ہوا میں نہ جاتا۔ جولائی 2016 میں ہم نے 45 اسکواڈرن میں شامل کیا اور ہم نے 83 تیجس طیارے خریدنے کی منظوری دی۔ آپ کو اس کی فکر نہیں تھی، آپ نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ فوج کو طاقت ور ہونا چاہئے۔ آپ نے یہ کبھی نہیں سوچا۔ ملک کی حفاظت کرنے والے فوجیوں کے لئے آپ کی اتنی بے حسی کیوں تھی؟ کانگریس کی پچھلی حکومتوں نے، فوج، فضائیہ، بحریہ کی دس سالوں تک انکی ضرورتوں کو کیوں نظر انداز کیا؟ سوچئے کہ اگر ہمارے دشمن ممالک میں سے کسی نے اس وقت کوئی حرکت کی ہوتی تو آج ہمارا ملک کہاں کھڑا ہوتا؟ آپ نے اس قدر مجرمانہ غفلت برتی ہے کہ ملک اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ آج جس طرح کے ماحول کے بیچ

میں ہم رہ رہے ہیں، ہماری فوج کو جدید بنانے کی ضرورت ہے۔ مجھے یہ بتایئے کہ تین دہائیاں گزر جانے کے بعد بھی اس ملک نے جدید طرز کا ایک بھی جنگی طیارہ ہماری فوج کو کیوں نہیں دیا۔ مطلب 30 سالوں میں ایک بھی نہیں، جبکہ ہمارے پڑوس میں، جنگ کی طاقت ہر طرح سے بڑھ رہی ہے۔ لیکن کیا ملک کی سلامتی کا موضوع ملک سے بے وفائی نہیں تھی، کیا ان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

دادا کو رافیل کے بارے میں سننا ہے۔ نرملا جی نے ہر ایک الزام کا ایک ایک کرکے جواب دیا ہے۔ سپریم کورٹ نے ہر پہلو کو تلاش کر کے دیکھا ہے، اور سوال یہ ہے کہ کانگریس پارٹی نہیں چاہتی ہے کہ دیش کی فوج کے ہاتھ میں ہماری فضائیہ مضبوط ہو۔ میں سنگین الزامات لگا رہا ہوں کہ کانگریس پارٹی نہیں چاہتی کہ ہماری فضائیہ مضبوط ہو۔ رافیل معاہدہ منسوخ ہو جائے، اس کے پس پردہ کس کی بھلائی میں آپ لگے ہو؟ کس کمپنی کی بھلائی کے لئے آپ کھیل کھیل رہے ہو؟ کون لوگ ہیں جنہوں نے آپ کو لگایا ہے؟ آپ ملک کی فوج کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہو؟ آپ نے 30 سالوں تک ملک کی فوج کو نہتھا بنا کر رکھا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ کانگریس پارٹی اور ان کی یوپی اے حکومت کی اقتدار کی مدت میں دفاعی سودوں میں دلالی کے بغیر کبھی کام نہیں ہوا۔

میں سوچ رہا تھا کہ رافیل کے بارے میں یہ جھوٹ اتنے اعتماد کے ساتھ کیوں بولتے ہیں، لہٰذا جب میں نے تفصیلات دیکھنا شروع کیا تو مجھے پتہ چلا کہ وہ مان کر چل رہے ہیں کہ پچھلے 55 برسوں کے انکے دور اقتدار میں ایک بھی دفاعی معاہدہ بغیر دلالی کے نہیں ہوا ہے۔ کہیں سے کوئی چاچا، کوئی ماما... جب ملک کی فضائیہ کو مضبوط بنانے کا کام شفافیت، دیانتداری کے ساتھ کیا جارہا ہے تو یہ کانگریس کے لوگ ذرا بوکھلا جاتے ہیں۔ سچ سننے کی انکی عادت نہیں رہی اور اب پریشانی ہے، چہرے اترے ہوئے ہیں۔ اور اسکی وجہ یہی ہے، کیونکہ اب رازدار کو پکڑ کر لائے ہیں، ایک نہیں، دو نہیں، تین تین رازدار سامنے آئے ہیں۔ آپ کی پریشانی یہ ہے کہ یہ کیسے پکڑے جاتے ہیں، کیسے لائے جاتے ہیں، کیسے پوچھا جاتا ہے؟ چھپ چھپ کر چٹھیاں پکڑائی جاتی ہیں اور اس لئے آپکی بے چینی میں سمجھ سکتا ہوں۔ جہاں تک کالے دھن کا سوال ہے، بدعنوانی کا سوال ہے، ہم آج بھی زیرو ٹالیرینس کے ساتھ پابند عہد ہیں۔ دیمک کی طرح بدعنوانی نے ملک کو تباہ کیا ہے۔ یہاں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہوگا جو یہ نہیں چاہتا ہو کہ اس ملک سے بدعنوانی ختم ہو اور ہر شخص کی یہی خواہش ہے کہ ملک سے بدعنوانی ختم ہو۔ لیکن سب کے ہاتھ پیر کہیں نہ کہیں پھنسے ہوئے تھے اسلئے چاہتے ہوئے بھی کچھ کر نہیں پاتے تھے۔ ہمارا کوئی بیچ نہیں ہے اور نہ ہی ہم کو کسی پر کوئی احسان کرنا ہے اور نہ ہی کسی کے احسان پر ہم زندہ ہیں۔ ہم تو سوا سو کروڑ ہم وطنوں کی دعاؤں سے زندہ ہیں اور اس لئے جی جان سے چاہے کالا دھن ہو یا بدعنوانی ہو، اسکے خلاف لڑائی لڑنے کا مادہ رکھتے ہیں اور ابھی تک پیچھے نہیں ہٹے ہیں اور ان اقدامات کو کر رہے ہیں۔ 8 کروڑ لوگوں کو جو اس سسٹم میں تھے، جو

دلالی لیتے تھے آدھار کے سسٹم سے ان 8 کروڑ لوگوں کو باہر کر دیا ہے۔ کیا کیا دادا؟ یہ کیا ہم نے۔ بینامی جائداد سے متعلق قانون تو کتنے سال سے بنا پڑا تھا، پارلیمنٹ میں بحث کرلی، دنیا کو میسیج دے دیا، ووٹ بٹور لیے لیکن اس قانون کو آگے نہیں بڑھایا گیا، یوں ہی رکھ لیا۔ لیکن ہم نے آکر اس پر قانون بنایا اور آج بینامی جائداد ضبط ہو رہی ہے۔ اسی وجہ سے لوگ پریشان ہیں اور آج جائداد نکل رہی ہے۔ کہاں کہاں، کیسے کیسے، کون کون، کس کے لئے، کب کب اور اس لئے پریشان ہونا فطری ہے۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ، میں ایوان کو یقین دلانا چاہتا ہوں اور ایوان کے ذریعے ملک کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہم جو عزم لے کر چلے ہیں اس میں ہم پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ چیلینجز بڑے ہیں، رکاوٹیں کئی ہیں لیکن جتنی رکاوٹیں ہیں ان سے زیادہ مضبوط ہمارا ارادہ ہے۔ آپ کو نوٹ بندی کی فکر ہو رہی ہے۔ نوٹ بندی کے بعد تین لاکھ فرضی کمپنیاں جو روپیوں کا کاروبار کرتی تھیں، ڈونیشن لینا دینا وغیرہ کرتی تھیں، یہ سب بند ہو گیا۔ یہ کاروبار چلتا رہتا اگر پرانا سسٹم ہوتا۔ یہ 55 مہینوں والی خدمت کا جذبہ رکھنے والی حکومت ہے، ملک کے لئے وقف حکومت ہے اس لئے یہ سب ممکن ہو سکا۔ آئی۔بی۔سی قانون کے تحت تین لاکھ کروڑ روپے واپس آئے۔

معزز اسپیکر صاحبہ، ایک اور جانکاری میں ایوان کو دینا چاہوں گا جس سے معزز ممبران کو شاید حیرانی ہو۔ ہم نے آکر ملک کے مختلف تنظیموں کو ایک چٹھی بھیجی۔ ہم نے کہا کہ آپ کو غیر ملکوں سے جو دھن ملتا ہے۔ ایف۔سی۔آر۔اے قانون کے تحت آپ کو اجازت ملی ہوئی ہے۔ آپ اپنے پیسوں کا حساب دیجئے۔ بیرون ملک سے جو پیسہ آتا ہے اسکا آپ کہاں استعمال کرتے ہیں؟ بس اتنا سا، کوئی ریڈ نہیں کرنی پڑی۔ کسی انکم ٹیکس والے کو نہیں جانا پڑا، ایک چھوٹا خط بھیجا گیا ہے اور آپ حیران رہ جائیں گے، اس ملک میں 20 ہزار سے زیادہ تنظیموں نے اپنی دکانیں بند کر دیں جو بیرون ملک سے پیسہ لیتے تھے۔ یہ 20 ہزار تنظیمیں کیا کرتی تھیں؟ سرحدی گاؤں سے لے کر پارلیمنٹ سے لے کر عدلیہ اور انصاف کے عمل تک کو متاثر کرنے کا کام ہوتا تھا۔ ان پر ہاتھ اٹھانے کا کام ہم نے کیا ہے۔ 20 ہزار یہ تنظیمیں، کیا آپ یہ روک نہیں سکتے تھے؟ کیوں چلنے دیا، کیا آشیرواد تھا، آپ کا کیا بھلا ہوتا تھا؟ یہ غیر ملکی دھن لانے کے راستے کس کے لئے تھے۔ ہم یہ جنگ لڑ رہے ہیں اور اسی وجہ سے ہم کو چاروں طرف سے ناشائستہ الفاظ سننے کو ملتے ہیں، گالی گلوچ سننے کو ملتی ہے، گندے گندے الزامات سننے کو ملتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو پریشانی ہو رہی ہے کہ ایک ایماندار اور سچی حکومت، جب ملک کے مفاد میں سوچنے والی حکومت آتی ہے تو کیا ہوتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ 20 ہزار تنظیمیں ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ اب تو میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت بڑے بڑے نام تھے، وہ اب باضابطہ طور پر ہندوستان میں اپنا کاروبار بند کر کے پھر سے گھسنے کے نئے طریقے تلاش کر رہے ہیں، یہ صورتحال پیدا ہو گئی

ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا۔ مجھے یاد ہے گجرات میں نرمدا پر سردار سرو ور ڈیم ہے۔ پنڈت نہرو جی نے اسکا سنگ بنیاد رکھا تھا اور ابھی میں نے اس کا افتتاح کیا ہے، اسکے پیچھے غیر ملکی پیسہ سے کھیلنے والی غیر سرکاری تنظیمیں تھیں۔ کسی نے انہیں نہیں روکا۔ 20 ہزار تنظیمیں بند ہوئی ہیں۔ آنے والے دنوں میں یہ تعداد بڑھ سکتی ہے۔ کیونکہ ہم پائی پائی کا حساب لے رہے ہیں۔

میڈم اسپیکر، 55 سال کے اقتدار نے کچھ پارٹیوں کے لوگوں کی ایسی عادت خراب کر دی ہے، جو خود کو تو شہنشاہ سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بیکار اور ہر ادارہ کو ناکارہ سمجھتے ہیں، سب کی توہین کرنا انکی فطرت بن گئی ہے۔ اور اسی لئے کسی تنازعہ میں چیف جسٹس کو گھیرنا، پوری فضا کو خراب کرنے کی کوشش کرنا، عدلیہ کی توہین کرنا، ریزرو بینک کی توہین کرنا، الیکشن کمیشن اور ملک کی توہین کرنا۔ سب سے بڑی تفتیشی ایجنسی کی توہین، جمہوریت کی توہین، میرے خیال سے یہ سارے عیب انکے اندر اقتدار کے نشے میں ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گئے۔ مہاتما گاندھی کو بہت پہلے ہی اس کی بھنک لگ گئی تھے، انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ تمام بیماریوں کو مول لینے کی صلاحیت کانگریس میں سب سے زیادہ ہے۔ اور اسی لئے مہاتما گاندھی نے اسی وقت کہا تھا کانگریس کو بکھیر دو۔ کانگریس سے پاک ہندوستان میرا نعرہ نہیں ہے میں تو محض مہاتما گاندھی کی خواہش پوری کر رہا ہوں۔ اور چونکہ گاندھی جی کی ڈیڑھ سوواں برسی ہے، یہ کام مہاتما گاندھی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے کرنا ہی ہے۔ چاہے کتنا بھی ملاوٹ کر لو، بچ نہیں سکتے ہو۔ ہمارے لئے تو ہماری تہذیب الگ ہیں۔ ہمارے لئے ہم سے بڑا ہماری پارٹی ہے اور پارٹی سے بڑا ہمارا ملک ہے۔

معزز اسپیکر صاحبہ، اور اسی لئے آئینی اداروں کی توہین کرنا، بدعنوانی، کنبہ پروری ایک طرح سے کانگریس کے ساتھیوں نے اس ملاوٹ کے کلچر کو قبول کر لیا ہے، اس کنبہ پروری کے باہر ان کا ایک بھی ساتھی نہیں رہ سکتا، ایک بھی نہیں کیونکہ یہ ان کے لئے ایک کلچر بن گیا ہے، اور اس لئے مہا ملاوٹ کا کھیل بہت آسانی سے کھیلا جا سکتا ہے۔ سبھی کنبہ پرور ہیں۔ قریب قریب بڑی تعداد میں وہ ضمانت پر ہیں۔ پھر بہت فطری ہے۔ اور واضح اکثریت والی حکومت۔ اگر اٹل بہاری واجپئی جی کو مجھ سے بھی زیادہ واضح اکثریت مل جاتی، تو آج ملک کہاں سے پہنچ گیا ہوتا، ہم جانتے ہیں اور جو لوگ آج آپ کے پاس آئے ہیں، وہ اس وقت ہمارے ساتھ تھے اور اس وقت بھی انہوں نے ایسے ہی دھوکہ دیا تھا۔ ان دھوکہ دہی کرنے والوں کے ساتھ مل کر ملک میں ملاوٹ کلچر سے مہاملاوٹ کرتے رہو۔ آج باباصاحب امبیڈکر کا یہاں ذکر ہوا، ایک بار باباصاحب امبیڈکر نے کہا تھا اور ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ جو ملاوٹ کی راہ پر گامزن ہیں، انکا باباصاحب امبیڈکر میں کچھ عقیدت ہو تو یہ انکے کام آئے گی۔ باباصاحب امبیڈکر نے کہا تھا کہ کانگریس میں شامل ہونا خودکشی کے مترادف ہو گا۔ یہ باباصاحب امبیڈکر کے الفاظ ہیں۔ کھڑگے جی، آپ کے سی۔ آر کو کوئی نہیں بگاڑے گا، فکر نہ کریں، آپ کی عمر دراز ہو۔ ہماری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

میڈم اسپیکر، آج یہاں ایوان میں مہنگائی کے بارے میں بھی کچھ باتیں ہوئی ہیں۔ حقیقتوں سے بالکل بالاتر، سچائی سے بالاتر۔ میں ان سب کو یاد دلانا چاہتا ہوں، ہمارے ملک میں کسی وقت دو فلمی گانے بہت مشہور ہوئے تھے۔ "باقی کچھ بچا تو مہنگائی مار گئی"، یہ گانا تھا۔ اور دوسرا گانا جو مہنگائی کے تعلق سے بہت مشہور ہوا تھا وہ ہے "مہنگائی ڈائن کھائے جات ہے، مہنگائی ڈائن کھائے جات ہے"۔ اب یہ دونوں گانے کس کے دور کے ہیں، جب پہلا گانا مقبول تھا تب مسز اندرا گاندھی وزیر اعظم تھیں، اور افراط زر 20 فیصد سے زیادہ تھا۔ اور دوسرا گانا اس وقت کا ہے جب ریموٹ کنٹرول کی سرکار تھی اور 10 فیصد سے زیادہ افراط زر کی شرح تھی۔ تب یہ گانے لکھے گئے تھے اس کے بعد یہ گانے مقبول ہوئے، مہنگائی اور آپ کا اٹوٹ رشتہ ہے۔ جب جب بھی کانگریس اس ملک میں آئی ہے مہنگائی میں ہمیشہ اضافہ ہوا ہے۔ اندرا جی کے دوران یہ 30 فیصد سے اوپر چلا گیا تھا۔ آپ کل 1947 سے شروع کر رہے تھے... میں اسے کھولوں گا اور پتہ نہیں کیا کیا نکلے گا؟ اسلئے پچھلے ساڑھے چار سالوں میں مہنگائی کی شرح کو، 55 ماہ میں خدمت کے جذبے سے چل رہی حکومت نے 4 فیصد کی حد سے باندھ کر رکھا ہے۔ ہماری حکومت متوسط طبقہ کی مدد کے لئے لگاتار کام کرتی رہی ہے۔ کیونکہ معاشی سرگرمی جس طرح سے ملک میں آئی ہے۔ متوسط طبقے کی توقع میں اضافہ ہونا بہت فطری بات ہے۔ اور میں مانتا ہوں کہ انکی ترقی کسی بھی ملک کی ترقی کے لئے بہت ضروری ہے جس کا احساس یہ ملک 55 مہینوں میں کر رہا ہے۔ نئی امنگیں، نئی توقعات، نئے عزائم یہ ترقی کی سب سے بڑی علامتیں ہیں۔ آج ملک میں جو کچھ نظر آرہا ہے۔ کچھ لوگوں کو یہ امیدیں، یہ توقعات بوجھ لگ رہی ہیں۔ میں تو ان کی طرف فخر سے دیکھتا ہوں کیونکہ وہ آگے بڑھنے کی طاقت دیتی ہیں اور کچھ کرنے کا حوصلہ دیتی ہیں۔

جی ایس ٹی کے بعد ہم نے ضروری اشیاء کو ٹیکس کے دائرے سے باہر کرنے کا کام کیا ہے، یاد کیجئے کہ آپ دودھ پر بھی ٹیکس لیتے تھے، نہ جانے کن کن چیزوں پر آپ ٹیکس لیتے تھے۔ آپ کو تو بولنے کا حق ہی نہیں ہے۔ اور جی ایس ٹی سے پہلے اوسط ٹیکس 30 فیصد سے زیادہ ہوتا تھا۔ آپ کیسی باتیں بتاتے ہیں؟ جی ایس ٹی کونسل فیصلے کرتی ہے جس میں آپ کی پارٹی کے بھی لوگ ہوتے ہیں اور آپ کی پارٹی کے وزیر اعلی اور آپ کی حکومت کے لوگ بھی موجود ہیں۔ آج 99 فیصد اشیاء یا اس سے بھی زیادہ پر ٹیکس 18 فیصد یا اس سے بھی کم آیا ہے۔ اس بجٹ میں بھی ہم نے انکم ٹیکس میں 5 لاکھ روپے کی رعایت دینے کا کام ہم نے کیا ہے اور یہ مطالبہ ہمارے دور میں آیا ہے، ایسا نہیں ہے۔ پہلے بھی مانگ آتی تھی۔ یہ مطالبہ 1992 میں بھی اس وقت آیا تھا جب ماہر معاشیات وزیر اعظم تھے۔ لیکن ان تمام سالوں تک آپ نے کبھی توجہ نہیں دی، ہم نے فکر کی ہے۔

تعلیمی قرض-ہمارے متوسط طبقہ کے لوگ تعلیم کے لئے قرض لیتے ہیں۔اگر ہم ایجو کیشن لون لیتے ہیں تو ہم نے سود کی شرح 15 فیصد سے گھٹا کر 11 فیصد کر دیا ہے اور اسی وجہ سے ،اگر کوئی نوجوان طالب علم 10 لاکھ روپے کا قرض لے گا تو آج وہ اس قرض کو ادا کر کے 1.25 لاکھ روپے کی بچت کر رہا ہے۔ اسی طرح اگر متوسط طبقہ کا کوئی فرد کسی بینک سے مکان کے لئے قرض لیتا ہے تو بینک میں رقم ادا کروانے سے اسے پانچ سے چھ لاکھ روپے کی بچت مل جاتی ہے۔ ہم نے یہ کام کیا ہے۔ اسی طرح، ایل ای ڈی بلب۔میں حیران ہوں کہ آخر کیا وجہ تھی کہ یو پی اے کے دوران ایل ای ڈی بلب 300، 400، 450 میں دستیاب تھے اور کیا وجہ ہے کہ ہمارے آنے کے بعد یہ ملک میں 60، 70 میں ملنے لگا اور کروڑوں کروڑوں ایل ای ڈی بلب فروخت ہو چکے ہیں۔ غریب اور متوسط طبقے کے کنبے کے لئے کروڑوں روپے کی رقم کی بچت ہوئی، جس کا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں اور اس ایل ای ڈی بلب کی وجہ سے ملک کے بجلی کے بل میں 50 ہزار کروڑ کی کمی واقع ہوئی ہے۔ مڈل کلاس فیملی کی جیب میں سالانہ 50 ہزار کروڑ روپے کی بچت ہوئیہے۔ اگر میں نے 50 ہزار کروڑ روپے کے پیکیج کا اعلان کیا ہوتا تو میڈیا پر چوبیس گھنٹے یہ بحث جاری رہتی، ہر اخبار کی ایک ہیڈ لائن ہوتی، ہماری حکومت نے 50 ہزار کروڑ روپے بچا کر ملک کے متوسط طبقے کے خاندانوں کی مدد کرنے کا کام کیا ہے۔

دل کی بیماری کے اسٹنٹ کتنے مہنگے تھے ہم نے سستے کر دیے۔نی امپلانٹ کا کام کتنا سستا ہو گیا۔ ایسا کر کے ہم نے دکھایا ہے۔ہم مفت میں ڈائلسس کی سہولت ضلعی سطح پر لے گئے ہیں۔ پہلے غریب لوگوں کو ڈائلیسس کے لئے 2-2 ہزار، 3-3 ہزار روپے خرچ کرنا پڑتا تھا، آج ہماری حکومت نے اس کا مفت علاج کرنے کا کام کیا ہے۔ ہم نے پانچ ہزار سے زیادہ جن اوشدھی مراکز کا آغاز کیا ہے،ان جن اوشدھی مراکز کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اگر غریب خاندان، جن کا مشترکہ خاندان ہے، 60 سال سے زیادہ عمر کے 1-2 افراد رہتے ہیں، تو ہر دن انکو کسی نہ کسی دوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوائی لانی ہے، خریدنی ہے، آج 100 روپے کی دوائیں 30 روپے میں عام دوا کے طور پر دستیاب ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ ہم نے متوسط طبقے کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے کا کام کیا ہے، اس طرح ہم نے غریبوں کے علاج معالجہ کی فکر کی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ ہندوستان کے ایوشمان بھارت اسکیم میں مودی کے خط سے یہ پریشان ہیں، جب ملک کا وزیر اعظم خط لکھتا ہے تو ایک طرح سے وہ بہت بڑی ذمہ داری لیتا ہے، بہت بڑا کمٹمنٹ دیتا ہے۔ اور عام آدمی کو یقین دلاتا ہے کہ آپ فکر نہ کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آج واقعی اس ایوان کو خوش ہونا چاہئے کہ اس ملک کا غریب جو غربت کی وجہ سے موت کا منتظر تھا۔ لیکن وہ اسپتال جانے کی ہمت نہیں کر پاتا تھا، اور وہ عام جڑی بوٹیوں سے گزارہ کر لیتا تھا۔وہ سخت سے سخت بیماری میں بھی دن گزارتا تھا۔ گھر والوں کے حالات بھی ایسے تھے کہ اب کیا

کریں۔ وہ لوگ جو دو دو، تین تین، چار چار، سال سے سنگین بیماری میں مبتلا رہتے تھے، ابھی کچھ سو دن سے زیادہ نہیں گزرے ہیں کہ قریب 11 لاکھ غریب اس آیوشمان بھارت اسکیم کا فائدہ اٹھا چکے ہیں اور سنگین قسم کی بیماریوں میں اس سے فائدہ حاصل کیا ہے۔ روزانہ 15 ہزار سے زیادہ غریب اس آیوشمان بھارت اسکیم کے تحت فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وزیر اعظم ریلیف فنڈ سے متعلق ہمارے تمام ممبران پارلیمنٹ خط لکھتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں کینسر کی بیماری ہے، وزیر اعظم ریلیف فنڈ سے رقم دیں۔ اور وزیر اعظم کے ریلیف فنڈ سے ہم یہ کام مستقل کرتے رہتے ہیں، میرے سابق وزرائے اعظم نے بھی یہ کام کیا ہے۔ لیکن آج، اس آیوشمان بھارت کے بعد، کسی بھی رکن پارلیمنٹ کو کسی بھی قسم کا خط لکھنے کی ضرورت پیش نہیں آرہی ہے، اسکو طلائی کارڈ مل گیا ہے، اس کا کام فوراً ہو جاتا ہے۔ وزیر اعظم ریلیف فنڈ سے تو کچھ محدود رقم ہی دی جاتی تھی۔ اب پورا خرچہ دیا جارہا ہے۔ مجھ سے ہمیشہ ممبر پارلیمنٹ وزیر اعظم کے ریلیف فنڈ سے حاصل ہونے والی رقم سے متعلق ملتے رہتے تھے، اطمینان کا اظہار کرتے تھے کہ بہت سارے لوگوں نے میرے علاقے میں فائدہ اٹھایا۔ پہلے ہفتے میں ہوا، تیسرے ہفتے میں ہو گیا ہے۔ میں انہیں بھی خط لکھتا ہوں۔ جو بھی وزیر اعظم کے ریلیف فنڈ سے رقم وصول کرتا ہے، میں ایک خط لکھتا ہوں کہ اس بات کی تصدیق ہو جائے کہ آیا وہ واقعی بیمار تھا یا نہیں۔

جب میں گجرات میں تھا، تب ہم نے ایک تجربہ کیا تھا، لوگ سرکٹ ہاؤس میں رہتے تھے، نیتا لوگ ہیں، پھر انہیں سرکٹ ہاؤس میں رعایت مل جاتی ہے۔ ہمارے سرکٹ ہاؤس کے ایک منیجر تھے، جتنے لوگ رہتے تھے وہ انکو خط لکھتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ اور آپ کی اہلیہ دونوں فلاں تاریخ کو آئے تھے۔ آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی ہو گی۔ ایسی صورتحال ہو گئی کہ لوگوں نے آنا چھوڑ دیا۔ میں ایک خط لکھتا تھا کہ اس بیماری کے لئے میں نے آپ کو اتنا پیسہ بھیجا ہے، آپ کی صحت اس وجہ سے ٹھیک ہو گئی ہو گی، اور اسکو پھر آدھار سے بھی جوڑ دیا۔ ایک نیا پیسے کا لیکیج نہیں، کوئی دلال نہیں۔ لیکن میں ایوشمان بھارت کے متعلق تمام ممبران پارلیمنٹ سے گزارش کرتا ہوں جب آپ اپنے حلقہ انتخاب میں جائیں تو جتنے بھی غریب آپ کے علاقے میں ہیں ان کو آیوشمان بھارت کے فائدے دلوایئے۔ میں آپ کو ایک صحتمند مقابلے کی دعوت دیتا ہوں، یہ غریبوں کے لئے اچھا ہو گا، انتخابات آئیں گے، جائیں گے، ابھی کوئی کام کرنے کے لئے دو سے تین ماہ باقی ہیں۔ کچھ کام کر لیجئے، آپ کے پاس ایک موقع ہے، اسلئے میں آپ کو بتاتا ہوں۔

میڈم اسپیکر، ایک موضوع کے بارے میں ذرا میں تفصیل سے بتانا چاہتا ہوں۔ تفصیل سے بتانے کی بات اب شروع کر رہا ہوں۔ آئین میں ترمیم کر کے، ہم نے ملک کے غریب نوجوانوں کو ان کے خوابوں کو پورا کرنے کے لئے ایک سہولت فراہم کی ہے،

لیکن ہم نے ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جس سے ہم معاشرتی تناؤ کو جتنا کم کرسکتے ہیں اس راستے کو ہم نے چنا ہے۔ ایس سی، ایس ٹی، او بی سی ریزرویشن کو ہاتھ لگائے بغیر 10 فیصد غریبوں کو ریزرویشن دیا ہے۔ یہ مسئلہ کوئی ہمارے آنے کے بعد آیا ہے ایسا نہیں ہے۔ یہ پہلے سے موجود تھا، ہم نے اپنی ہمت کا مظاہرہ کیا ہے اور میں اس ایوان کا شکر گزار ہوں اور سب کا شکر گزار ہوں کہ سب نے متفقہ طور سے اس کو تعاون دیا ہے۔ میں آج اس موقع پر اظہار تشکر کرتا ہوں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ تعلیم کے میدان میں تناسب کے لحاظ سے نشستیں بڑھانے کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے تاکہ کوئی ناانصافی نہ ہو۔ ترقی کا جو بھی سفر ہے، کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔ 55 سال کی حکمرانی کے باوجود، اقتدار میں رہنے کے باوجود کیا حالت ہے؟ اقتدار کے ان 55 سال کے باوجود ملازمتوں کے سلسلے میں کوئی معیاری نظام تیار نہیں ہوا۔ 55 سالوں میں، یہ ہمارے لئے ایجنڈا میں ہی نہیں تھا، پرانی حکومتوں کو روزگار کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک نظام بنانا چاہئے، روزگار کے لئے کوئی نظام موجود نہیں ہے، اور اس کے لئے اقتدار میں ڈوبے لوگوں کی ذمہ داری زیادہ ہے۔ ہم نے آکر کوشش کی ہے اور اگر 100 سیکٹرز میں نئی ملازمتیں پیدا ہو رہی ہیں تو پھر اس میں صرف 7-8 سیکٹروں کی گنتی کر کے ہم نے ایک عام اندازہ لگایا ہے، جو آج کا نظام ہے اس میں اگر 100 سیکٹرز میں روزگار ہے تو صرف 8 میں ٹوکن سروے ہوتا ہے اور اس کے مطابق، اب اندازہ لگایا جاتا ہے، اب آج وقت بدل چکا ہے۔ تمام معیار اب تبدیل ہو رہے ہیں، ملازمت کی نوعیت بدل گئی ہے، لہذا اب ہم حقائق کی بنیاد پر اس ایوان کو سچائی بتانا چاہتا ہوں اور ڈنکے کی چوٹ پر بتانا چاہتا ہوں۔ میں بتانا چاہتا ہوں اور میں بھی خاص طور پر ٹی وی دیکھنے والے اپنے ہموطنوں سے کہتا ہوں کہ میری آگے کی تقریر کو ذرا سنجیدگی سے سنیں تاکہ ملک کے عوام ان لوگوں کو براہ راست جواب دے سکیں جو سچائی کے بارے میں اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔

اب دیکھیں، ملک میں غیر منظم شعبے میں تقریبا 85 سے 90 فیصد ملازمتیں ملتی ہیں۔ جبکہ منظم شعبہ صرف 10 سے 15 فیصد ملازمتیں مہیا کرتا ہے۔ اس سچائی کو قبول کرنا ہوگا۔ غیر منظم شعبے میں 82 سے 90 فیصد، جبکہ منظم شعبے میں صرف 10 سے 15 فیصد،۔ میں اس شعبے کے کچھ اعداد و شمار پیش کرنا چاہتا ہوں جو صرف 10 فیصد ملازمتوں کی نمائندگی کرتا ہے، میں ذرا 10 فیصد کا حساب دینا چاہتا ہوں۔ 90 فیصد کا حساب بعد میں دیکھیں گے۔، ستمبر 2017 سے نومبر 2018 تک، یعنی تقریبا 15 ماہ کے دوران، تقریبا ایک کروڑ 80 لاکھ افراد نے پہلی بار پروویڈنٹ فنڈ کا پیسہ کٹانا شروع کیا۔ کیا یہ بغیر روزگار کے ممکن ہوتا ہے؟ ان لوگوں میں 64 فیصد وہ لوگ ہیں جن کی عمر 28 سال سے کم ہے۔ لہذا، کھڑگے جی جو آج صبح دلائل پیش کر رہے تھے، اس میں کوئی منطق نہیں ہے۔ 28 سال سے کم عمر کے فرد کا مطلب ہے ایک نئی ملازمت پانے والا۔ اس کے علاوہ، میں آپ کو ایک اور حقیقت

بھی بتانا چاہتا ہوں۔ ہمارے ملک میں مارچ 2014 میں تقریباً 65 لاکھ افراد کا نیشنل پنشن اسکیم (این پی ایس) میں رجسٹرڈ کیا گیا۔ گذشتہ سال اکتوبر میں یہ تعداد بڑھ کر 1 کروڑ 20 لاکھ ہو گئی۔ کیا یہ کام بھی بغیر کسی نوکری کے ہوا ہو گا؟ کوئی ایسے ہی کر دیتا ہو گا کیا؟

اس لئے میں ایک اور اعداد و شمار دینا چاہتا ہوں۔ انکم ٹیکس ریٹرن جمع کروانے کے دوران غیر کارپوریٹ ٹیکس دہندگان جو ہر سال اپنی آمدنی کا اعلان کرتے ہیں۔ انہیں خود تنخواہ نہیں ملتی ہے، لیکن یہ لوگ ان لوگوں کو تنخواہ دیتے ہیں جنہیں وہ اپنے یہاں مقرر کرتے ہیں۔ پچھلے چار سالوں میں، ملک میں لگ بھگ 6 لاکھ 35 ہزار نئے پیشہ ور افراد کو شامل کیا گیا ہے۔ کیا آپ کو لگتا ہے کہ اگر کوئی ڈاکٹر اپنا کلینک یا نرسنگ ہوم کھولتا ہے تو کیا وہ کسی اور کو کام نہیں دیتا ہو گا؟ ایک چارٹڈ اکاؤنٹنٹ اپنا دفتر کھولتا ہے تو کیا کسی اور کو ملازمت نہیں دیتا ہو گا؟ کیا اس کا عملہ ایک، دو یا تین افراد پر مشتمل نہیں ہوتا ہو گا؟ 6 لاکھ 35 ہزار پیشہ ور افراد جنہوں نے لوگوں کو کام پر رکھا ہو گا تو پھر میں یہ کہوں گا کہ یہ تو فارمل سیکٹر کا اعداد و شمار ہے جو صرف 10 فیصد نمائندگی کرتا ہے۔ اسکی بنا پر میں نے بتایا ہے۔

اب میں آپ کو انفارمل سیکٹر کا ڈیٹا دیتا ہوں۔ انفارمل سیکٹر میں، نقل و حمل کے شعبے میں جو غیر منظم مزدور ہوتے ہیں ، نقل و حمل کے شعبے میں سب سے زیادہ روزگار کے مواقع ہیں۔ پچھلے چار سالوں میں۔ تھینک یو، تھینک یو دادا، تھینک یو دادا، ایوان میں آپ جیسے لوگ چاہئے، جنکو فکر ہوتی ہے۔ گزشتہ چار برسوں میں تقریباً 36 لاکھ بڑے ٹرک یا کمرشیل گاڑیاں فروخت ہوئی ہیں، تقریباً ڈیڑھ کروڑ مسافر گاڑیاں فروخت ہوئی ہی اور 27 لاکھ سے زیادہ نئے آٹو فروخت ہوئے ہیں۔ یہ ساری گاڑیاں، جنہوں نے بھی خریدی ہیں، کیا ان کو پارکنگ میں رکھا ہے؟ کیا انکو سجانے کے لئے رکھا گیا ہے؟ کیا ان کا ڈرائیور نہیں ہو گا؟ ان کی کوئی سروسنگ نہیں ہو گی؟ کیا ان کی دیکھ بھال کے لئے کوئی میکنزم نہیں ہو گا؟ ایک اندازے کے مطابق، خود ٹرانسپورٹ کے شعبے میں ہی پچھلے ساڑھے چار سالوں میں تقریباً سوا کروڑ لوگوں کو نئے مواقع ملے ہونگے۔ اسی طرح ، اگر میں ہوٹل انڈسٹری کی بات کروں تو منظور شدہ ہوٹلوں کی تعداد میں 50 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ کیا یہ ہوٹل خالی پڑے ہیں، ؟ کیا وہ کسی کو نوکری نہیں دے رہے ہیں؟ اس بات کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ سیاحت کے شعبے میں تقریباً ڈیڑھ کروڑ نئی ملازمتیں پیدا ہوئی ہیں۔

ملک میں ٹیکسی فراہم کرنے والی خدمت میں توسیع ہو رہی ہے، لیکن حزب اختلاف میں شامل میرے ساتھیوں کو لگتا ہے کہ بہت سی ایپ پر مبنی کمپنیاں یہ کام کر رہی ہیں۔ یہ ایپ مبنی ہے، کیا ڈرائیور کے بغیر کاریں چل رہی ہیں؟ اس میں بھی کوئی ڈرائیونگ کرتا ہے۔ اس سے بھی کوئی نہ کوئی ملازمت پاتا ہے۔ مدرا اسکیم کے تحت پہلی بار قرض لینے والے لوگوں کی تعداد سوا چار کروڑ سے زیادہ ہے۔ فرسٹ ٹائمر، یعنی ان ساڑھے چار کروڑ لوگوں نے اپنا کام شروع کیا ہے، لیکن یہ لوگ نوکری کے اعداد و شمار کے اندر نہیں ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہماری حکومت کے دوران ملک کے دیہی علاقوں میں دو لاکھ سے زیادہ نئے کامن سروس سینٹر کھولے گئے ہیں۔ کیا کسی کو بھی اس کی وجہ سے نوکری نہیں ملی ہو گی؟ ایک وقت تھا کہ ایس ٹی ڈی کا بوتھ کھلتا تھا اور پارلیمنٹ میں اس کو روزگار کے اعداد و شمار میں بتایا جاتا تھا۔ آج تقریباً 2 لاکھ کامن سروس سینٹر ہیں جس میں تقریباً 18-20 گھنٹوں تک کام چلتا ہے۔ ایک ایک سینٹر میں دو دو، تین تین، پانچ پانچ نوجوان کام کر رہے ہیں اور اپنی خدمات دے رہے ہیں۔

اسی طرح ملک میں دوہری رفتار سے شاہراہیں تعمیر ہو رہی ہیں، نئے ہوائی اڈے تعمیر ہو رہے ہیں، ریلوے اسٹیشنوں کو جدید بنایا جا رہا ہے۔ کروڑوں کروڑوں نئے مکانات تعمیر ہو رہے ہیں۔ کیا اس سے بھی کسی کو روزگار کے نئے مواقع نہیں ملتے ہیں؟ ہمارے ملک کے نوجوان آج اپنے دم پر کھڑے ہیں۔ ہنر مند انڈیا، اسٹارٹ اپ انڈیا، اسٹینڈ اپ انڈیا، مدرا یوجنا خود روزگار کے لئے مضبوط اقدامات ہیں۔

میڈم اسپیکر، ہمارے ملک کے نوجوان ہمارے ملک کے مستقبل سے براہ راست جڑے ہوئے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ، ہمارے ملک کے کسانوں کی بھی فکر کی گئی ہے، ذرا بجٹ دیکھیں، آپ کے وقت کتنا بجٹ خرچ ہوتا تھا اور ہمارے وقت کتنا خرچ ہوتا ہے۔ آپ نے ایم ایس پی میں کتنی رقم رکھی اور ہم نے ایم ایس پی میں کتنی رقم رکھی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کی حکومتیں کہاں تھیں، وہ ایم ایس پی میں کتنا خریدتی تھیں اور آج بھارتیہ جنتا پارٹی ایم ایس پی میں کتنا خریدتی ہے۔ اگر آپ اعداد و شمار پر نگاہ ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ کسانوں کے لئے کس طرح کام ہوتا ہے۔ 55 سال سے اقتدار کا لطف اٹھانا، 55 ماہ کی خدمت کا جذبہ، یہ کاشتکاروں کی خدمات میں بھی نظر آئے گا۔ ان دس سالوں میں، آپ نے انتخابات کو دھیان میں رکھتے ہوئے قرض معافی کا سائیکل بنالیا ہے۔

یہیں سے آپ نے اپنا کھیل شروع کیا ہے۔ 10 سال تک ہوا بنائے رکھو اور آنکھوں میں دھول جھونکو اور پھر اپنے ووٹ اکٹھا کرنے کی کوشش کرو، یہ آپ کا دس سالہ منصوبہ رہا ہے۔ 2009 کا الیکشن جیتنے کے لئے آپ نے قرض معافی کا اعلان کیا۔ کسانوں کا قرض چھ لاکھ کروڑ روپے تھا۔ انہوں نے تام جھام، شور شرابہ شروع کیا۔ اور انکی ایکو سٹی میں کوئی ان سے سوال تو پوچھتا ہے نہیں؟ اور وہ بھی گاجے باجے بجانا شروع کر دیتے ہیں۔

چھ لاکھ کروڑ روپئے کا قرض تھا اور آپ نے صرف 52 ہزار کروڑ معاف کیا! یہ کیا ہے اور کن کو جاتا ہے؟ بینک میں جو بڑے لوگ پیسے لے جاتے ہیں، یہ ان کو جاتا ہے۔ ایک غریب کسان، اس بیچارے کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے ساہوکار کے پاس جانا پڑتا ہے، وہ سود میں مر جاتا ہے، لیکن آپ کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔ اور اس وقت کیگ کی جو رپورٹ تھی اسی ایوان میں رکھی گئی تھی۔ لیکن اس وقت کرپشن کا اتنا بڑا ابڑا کاروبار چلتا تھا کہ بہت سی چیزوں پر دھیان ہی نہیں جاتا تھا۔ 2.جی چلتا تھا، کوئلہ چلتا تھا، اسپیکٹرم تھا۔ پتہ نہیں کیا کیا چلتا تھا اور کیسے کیسے لوگ چلاتے تھے؟ کس کس وقت چلاتے تھے۔ لیکن اس وقت کی سی اے جی کی رپورٹ میں ہے کہ اس 52 ہزار کروڑ میں سے 35 لاکھ ایسے افراد پائے گئے جو اس کے حقدار نہیں تھے لیکن وہ پیسہ لے رہے تھے۔ اس میں بھی دلالی، اس میں بھی کھیل۔ اتنا ہی نہیں، جب ہم یہ منصوبہ لے کر آئے تب ہمارا موقف صاف ہے کہ ہم کو طرح کسانوں کا بھلا کریں گے۔ کسانوں کے لئے ہماری کیا سوچ رہی ہے؟ ہم بھی قرض معافی کے راستے پر جا سکتے تھے۔ لیکن کسانوں کو با اختیار بنانا، ان کی پریشانی کا ٹھوس حل نکالنا۔ 99 آبپاشی کی اسکیمیں تھیں، آج آپ کو وزیر اعظم آبپاشی اسکیم سے تکلیف ہو رہی ہے۔ اس کا سنگ بنیاد کسی وقت نہرو جی نے رکھا تھا اور جس کا میں نے جا کر افتتاح کیا۔ ایسی 99 اسکیمیں جو معرض التوا میں تھیں، ہم نے ان اسکیموں پر ہزاروں اور کروڑوں روپے خرچ کر کے ان کو مکمل کرنے کا کام کیا ہے۔ ہم نے نئے میگا فوڈ پارک، نئے کولڈ اسٹوریج پر زور دیا ہے۔ 22 ہزار گرامین ہاٹ بنانے کی سمت میں بہت تیزی سے کام جاری ہے۔ ای۔نام کے ذریعہ، ہم نے کسانوں کو اپنا سامان آن لائن فروخت کرنے کی سہولت فراہم کی ہے، تا کہ کسان کو پوری قیمت مل سکے۔

محترمہ اسپیکر صاحبہ، ہم نے اس اسکیم میں کسانوں کو اس بجٹ میں سالانہ چھ ہزار روپے دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلے کے دوررس نتائج بر آمد ہونے والے ہیں۔ 12 کروڑ کسان اس سے مستفید ہو جائیں گے۔ آپ کے منصوبے ابھی تک ایک کروڑ، ڈیڑھ کروڑ، دو کروڑ کسانوں تک ہی محدود تھے۔ اونچے کسانوں کے لئے تھے۔ ایک ایکڑ زمین، دو ایکڑ زمین والے کاشتکار تک کبھی نہیں پہنچ سکے۔ یہ اسکیم ایسی ہے کہ ایک ایکڑ پر، دو ایکڑ والے چھوٹے کسان جو اس ملک کے 85 فیصد کسان ہیں انہیں یہ فائدہ ملنے والا ہے۔ اور تقریبا 12 کروڑ کسانوں کو ان کے بینک اکاؤنٹ میں براہ راست فائدہ حاصل ہو گا، کوئی بروکر نہیں ہو گا۔ مجھے حیرت ہے کہ کچھ ریاستیں سینہ تان کر یہ کہہ رہی ہیں کہ ہم مودی کی اس کسان اسکیم کو نہیں لیں گے۔ ارے! ابھی وہاں کے کسان سے پوچھ لو بھائی، چھ ہزار روپے آنے ہیں، لینا ہے کیا؟ آپ کو ایک روپیہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیدھا سیدھا فیصلہ ہے۔ لیکن سیاست میں کچھ لوگ اس طرح دیوانے ہو جاتے ہیں، اعلان کرتے ہیں کہ اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا نہیں

ہے۔ ارے اپنے کسانوں کی فکر کرو، ہم ایوشمان کو نہیں لیں گے۔ ارے، یہاں کے غریبوں کی فکر کرو۔ یہ سیاست جاری رہے گی۔ یہ کھیل کرنا چھوڑ دیں اور اپنے غریب کسانوں کی فکر کرو۔

چھوٹے کسان جو ساہوکاروں سے قرض لیتے ہیں ان کے لئے کوئی قرض معافی نہیں ہے۔ میں کرناٹک کی ایک مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کرناٹک سے ہیں، اور کسانوں کے رہنما خود یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، ہمارے سابق وزیر اعظم، محترم دیو گوڑا صاحب، ہمیشہ لوگوں سے اپنے آپ کو کسان کا بیٹا کہتے رہتے ہیں۔ آپ کی حکومت، آپ نے بڑے بڑے اعلان کیے تھے اور ہم سے کہتے ہیں کہ مودی نے اعلانات کرکے ووٹ لے لیا۔ آپ نے کرناٹک میں کسانوں کا قرض معاف کرنے کو کہا تھا۔ کرناٹک سرکار کے ریکارڈ کے مطابق اس سے مستفید افراد 43 لاکھ ہیں اور اب تک صرف 60 ہزار افراد ہی فائدہ اٹھا سکے ہیں۔ یہ میں آپ کی حکومت کی بات بتاتا ہوں۔ آپ 43 لاکھ میں سے 60 ہزار پر ہیں اور آپ دنیا کو قرض معافی کے نام پر بتا رہے ہیں، 10 دن میں قرض معافی، دس دنوں میں قرض معافی۔ آپ راجستھان اور مدھیہ پردیش جاکر آیئے، وہاں ابھی تو کاغذ پر چٹھیاں نہیں بن پا رہی ہیں۔ آپ باتیں بڑی بڑی کرتے ہیں۔ میں بتاتا ہوں آپ کا 10 سال کا کھیل۔ 10 سال کے کھیل میں ایک بار آپ 50-60 ہزار کروڑ روپے معاف کر دیتے تھے، 10 سال میں ایک بار کرتے تھے اور اوپر کے جو دو تین کروڑ کسان ہوتے ہیں، وہی اس سے مستفید ہوتے تھے۔ سبھی کو اس کا فائدہ پہنچتا تو تھا نہیں۔ لیکن ہمارا منصوبہ سالانہ ہے۔ اگر میں دس سال کا حساب لگاؤں تو کسانوں کے کھاتے میں ساڑھے سات لاکھ کروڑ جمع ہو گئے ہیں۔ کہاں 50-52 ہزار کروڑ روپے کا کھیل اور کہاں ساڑھے سات لاکھ کروڑ روپیہ ملک کے کسانوں کے ہاتھ میں جائے گا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ ہم نے قومی کامدھینو کمیشن کے تحت ماہی پروری کے کسانوں کے لئے بھی اس بجٹ میں خصوصی انتظامات کیے ہیں۔ جن کاشتکاروں کو کریڈٹ کارڈ کے فوائد ملتے تھے، ماہی گیری اور مویشی پالن کرنے والے کسانوں کو بھی اسکا فائدہ حاصل ہونے جارہا ہے۔ ہم نے ان لوگوں کے بارے میں سوچا۔ ایک حساس حکومت کیسے کام کر سکتی ہے۔ آپ کہیں گے کہ یہ ہمارے زمانے میں بھی تھا، سب کچھ آپ کے وقت میں تھا، لیکن میری پوری طاقت تو آپ کے کئے ہوئے کاموں پر صرف ہو رہی ہے، کیونکہ آپ نے اسے ایسے ہاتھ لگا کر چھوڑا ہے کہ اسے ہمیں پورا کرنا کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن میں اسے بھی خوشی خوشی پورا کروں گا۔

اب مجھے ٹیکا کاری کے بارے میں بتایئے۔ یہ مودی کے آنے کے بعد آیا ہے کیا؟ ویکسی نیشن تو پہلے بھی تھا، لیکن ویکسی نیشن کروانا چاہئے۔ اس بچے کو، اس ماں کو فائدہ ملنا چاہیے، یہ کام نہیں ہوتا تھا۔ ہمارے غریب، قبائلی، دلت، محروم چھوٹ جاتے تھے۔ ہم نے مشن اندر دھنش کا آغاز کیا اور ہم نے ویکسی نیشن کی کوریج کو وسیع کرکے اسے کامیابی کے ساتھ آگے بڑھایا

ہے۔ ویکسی نیشن بھی آپ کے دور میں تھا، لیکن وہ کسی کسی کے لئے ہی رہتا تھا، وہ غریبوں کے گھر نہیں پہنچتا تھا۔ ہم نے یہ کام کیا ہے۔

بیچ میں اپنی پڑھائی چھوڑنے والوں کے لئے ہم نے ہنر کی ترقی، خود روزگار کی ایک بڑی مہم کا آغاز کیا ہے اور اسکے تحت لاکھوں نوجوانوں کو تربیت دی ہے۔ پردھان منتری شرم یوگی ماندھن یوجنا۔ بہت سالوں سے کمیونسٹ پارٹی کے لوگوں کا مطالبہ تھا، غیر منظم مزدوروں کے لئے، یہاں 40-42 کروڑ غیر منظم مزدور ہیں، پہلی بار ہم نے اس کی کوشش کی اور ہم غیر منظم مزدور کے لئے 3 ہزار روپے کی پنشن لے کر آئے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی وہ نہیں کر سکی جو وہ سوچتی تھی، اس کام کو ہم نے کیا ہے۔ اور اسی طرح ہمارے ملک میں ماہی گیروں کا مطالبہ تھا کہ ہمارے لئے ایک علیحدہ وزارت ہونی چاہئے، ہماری حکومت نے اس بار بجٹ میں کہا ہے، ماہی گیروں کے لئے بھی علیحدہ وزارت کا انتظام کرنے کا۔ اسی طرح، ہمارے تاجروں کا ملک کی سرگرمیوں میں، معاشی ترقی میں خاص کردار ہے۔ لیکن انکا کوئی پرسان حال نہیں تھا، کسی کو انکی فکر نہیں تھی، حکومت نے اس محکمہ کو تبدیل کرکے انڈسٹری اور داخلی تجارت کو فروغ دینے کے لئے محکمہ (ڈی آئی پی پی) کے ساتھ منسلک کر دیا ہے تاکہ حکومت ہند کا ایک ایسا محکمہ بھی ہو جو تاجروں کا خیال رکھے۔

خانہ بدوش طبقہ۔ یہ ایک ایسی جماعت ہے جو میرے آنے کے بعد نہیں آئی بلکہ صدیوں سے گھوم رہے ہیں، یہ آپ کی حکومت کے دوران بھی تھے، آپ غریبوں کے نعرے لگاتے تھے، لیکن اس خانہ بدوش برادری کے لئے، سانپ پکڑنے والے ان لوگوں کو غیر ملکی مہمانوں کی تفریح کے لئے حاضر کر دیتے تھے۔ لیکن آپ کو ان کی فکر کرنے کا وقت نہیں ملا۔ پہلی بار، ہم نے اس برادری کی فلاح و بہبود کے لئے ایک بورڈ بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ تاکہ اس طبقہ کو بھی اسکیموں کا فائدہ ملے اور میرا تجربہ ہے۔ جب میں گجرات میں تھا۔ میں خانہ بدوش برادری کے لوگوں کے مکان فراہمی کے لئے کام کر رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ ان کے بچے بھی تعلیم حاصل کریں تو وہ یہ کہنے لگے کہ صاحب ہمارا تو گھر ہی نہیں ہے، ہم رہیں گے کہاں؟ ہم اسکول کیا جائیں گے؟ جب میں نے انہیں ایک گھر دیا، آج میں فخر کے ساتھ کہتا ہوں کہ ان کے بچے کمپیوٹر چلا رہے ہیں اور وقار کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر ہم ان معاشروں کی طاقت کو پہچانیں تو ہم ان معاشروں بہتری کے لئے کام کر سکتے ہیں۔

میڈم اسپیکر، بیرون ملک کے سلسلے میں ہماری سشما جی نے کئی بار بہت سی باتیں کہی ہیں، اس لئے میں تفصیل میں نہیں جاتا ہوں۔ لیکن ایک بات صحیح ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ آج ہندوستان عالمی سطح پر سنا جاتا ہے۔ دنیا کو پہلے اس بارے میں سوچنا ہوگا

کہ ہندوستان کی کی سوچ کیا ہے۔ آج اگر دنیا میں کوئی بھی فیصلہ لیا جاتا ہے تو اس فیصلے سے پہلے۔ آپ پیرس معاہدے کو دیکھ لیں، پیرس معاہدے کو حتمی شکل دینے سے پہلے دنیا کی بڑی بڑی شخصیتیں ٹیلیفون پر ہندوستان سے بات کرتی تھیں کہ وہ فلاں الفاظ کو رکھیں کہ نہیں رکھیں۔ یعنی ہندوستان نے آج اپنی جگہ بنالی ہے۔ فلسطین اور اسرائیل کے مابین کشیدگی ہوگی، لیکن فلسطین اور اسرائیل دونوں ہی ہمارے دوست ہوسکتے ہیں۔ سعودی عرب اور ایران کے مابین تناؤ ہوگا، لیکن سعودی عرب اور ایران دونوں ہی ہمارے دوست ہوسکتے ہیں۔ اس طرح ہم نے آج دنیا بھر میں خارجی ممالک میں مقیم اپنی ہندوستانی برادری کی اہمیت کو قبول کیا ہے، اور مجھے خوشی ہے کہ میری کوششوں کے بعد تمام سیاسی جماعتوں نے بھی بیرون ملک مقیم ہندوستانیوں کی طرف نگاہ ڈالی ہے۔ اور میں اسے اچھا سمجھتا ہوں اور بیرون ملک مقیم ہندوستانی ہمارے ملک کی ایک بہت بڑی طاقت ہیں۔ ہم نے اسے پہچان لیا ہے اور آج ہم اس کا تجربہ کر رہے ہیں۔ وہ ہر شعبے میں ہمارا پیغام کو پہنچا رہے ہیں۔ اور مجھے خوشی ہے کہ بنارس میں منعقد غیر مقیم ہندوستانیوں کی تقریب میں آج تک کی سب سے زیادہ نمائندگی رہی اور یہ خوشی کی بات ہے۔

کمبھ کو آج دنیا میں ایک ورثے کے طور پر قبول کیا گیا ہے، لیکن ہم ایسی ذہنی بیماری میں پھنس گئے تھے کہ جب کمبھ کی بات آتی تھی تو ہم بھاگ جاتے تھے تاکہ فرقہ واریت کے داغ نہ لگ جائے۔ لیکن آج دنیا کے تمام نمائندے کمبھ میلے میں آرہے ہیں۔عالمی سفارتخانوں کے سبھی لوگ کمبھ گئے اور اپنے ملک کا پرچم نصب کرکے آئے۔ یہ ہندوستان کی طاقت ہے۔ یہ ہندوستان کی نرم طاقت ہے۔ ہم نے پہلے اس کو نظر انداز کیا تھا، اب ہم ان چیزوں پر بھی زور دے رہے ہیں۔ اور اس طرح ہم کامیابی کے ساتھ اس سمت میں بڑھ رہے ہیں۔

آپ نے جتنے بھی خیالات پیش کیے ہونگے، جتنی بھی تنقید کی ہوگی، حقائق کی کمی کے باوجود بھی بول دیے ہونگے، ریکارڈ میں بھی چلا جائے گا۔ لیکن آج میں، اسپیکر صاحبہ، آپ کے توسط سے ایوان کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہم 2014 میں جس منزل کی طرف گامزن ہوئے تھے، ملک کے ان خوابوں کو پورا کرنے کا جو ہم نے عزم کیا ہے اسکو پورا کرنے کے لئے ہم دن رات کوشاں ہیں، دیش جن بیماریوں میں پھنسا ہوا ہے اس سے اسکو باہر نکالنے کا کام، دیش جن خوابوں کا تعاقب کر رہا ہے، ان خوابوں کے ساتھ منصوبہ بند طریقے سے آگے بڑھنے کا کام، ملکی وسائل کا زیادہ سے زیادہ استعمال، لمحہ بہ لمحہ ملک کی ترقی کے لئے کام آئے، پائی پائی ملک کی بہتری کیلئے کام آئے۔ اس کے لئے ہم نے مستقل جدوجہد کی ہے۔ ہم کرتے رہے ہیں، ہم کرتے رہیں گے اور میں اہل وطن کو یقین دلاتا ہوں۔

میں نے 2018 میں عدم اعتماد کی تحریک کے وقت بھی اور 2018 کی اعتماد کی تجویز کے بعد بھی میں نے دیکھا کہ میری آواز اور میرا گلا گھونٹنے کی بہت کوشش کی گئی تھی۔ ڈیڑھ ، پونے دو گھنٹے تک نعروں کے بیچ خدا کے فضل سے میں نے اپنی بات کو دیش اور دنیا کے سامنے رکھا اور اس وقت میں نے آپ کے لئے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا تھا اور میں آج بھی ان نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں کہ آپ دوبارہ اتنی تیاری کریں، اتنی تیاری کریں کہ 2023 میں آپ کو دوبارہ عدم اعتماد کی تحریک پیش کرنے کا موقع ملے، اور اسی غرور کا نتیجہ ہے جو 400 سے 40 ہو گئے اور خدمت کے جذبے کا نتیجہ ہے کہ 2 سے یہاں آکر بیٹھ گئے، دوسے باہر آکر ہم یہاں بیٹھ گئے اور آپ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ ارے، آپ کو ایک ملاوٹی دنیا میں جینا پڑ رہا ہے۔ آپ کو لمبی چوڑی بات کرنا زیب نہیں دیگا اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ملک آگے بڑھا ہے جیسا کہ کھڑگے جی بتا رہے تھے۔ کھڑگے جی ایک سینئر ممبر ہیں انکی مشق کے لئے اگر ہو سکے تو، 1947 میں جو ممالک آزاد ہوئے، انہوں نے 2014 تک کتنی ترقی کی اور 1947 میں آزاد ہوئے ہندوستان نے کتنی ترقی کی ہے۔ یہ لیکھا جوکھا لوگے تو آپ کو پتہ چل جائے گا اور آپ کی ناکامیاں ہر قدم پر نظر آئیں گی۔ اسی عرصے میں دنیا کے باقی ممالک نے دنیا کی بڑی بڑی ناکامیوں پر قابو پالیا ہے۔ ہمارے پاس امکانات تھے، آپ کی رفتار میں دم نہیں تھا، آپ کے پاس کوئی پالیسی نہیں تھی، آپ کے پاس وژن نہیں تھا اور اسی وجہ سے 5-15 اداروں کا نام لے کر آپ گیت گاتے رہتے ہیں۔ اگر آپ نے بھی یہی رفتار برقرار رکھی ہوتی، ملک کو مسائل سے آزاد کر دیا ہوتا، آپ کسانوں کو پانی پہنچا دیا ہوتا، آپ لوگوں کے گھروں میں بجلی پہونچا دی ہوتی، ہاں ہم نے 55 مہینے میں کر دیا ہے۔ ہم کر کے رہنے والے ہیں۔

آخر میں، میں کہنا چاہتا ہوں کہ آج صبح بسونا کے کچھ قول کھڑگے صاحب پڑھ رہے تھے۔ کھڑگے صاحب، آپ تو کرناٹک سے ہیں، آپ نے اتنے سالوں بعد کیوں پڑھا؟ اگر یہی پچیس، تیس سال پہلے پڑھا ہوتا تو پھر جس غلط راستے پر آپ لوگ چلے گئے، نہیں جاتے۔ جو غلط کام پر چلے گئے، نہیں جاتے۔ میں چاہوں گا کہ بسونا کا یہ قول جسکو آج آپ نے پڑھا، ہر کانگریسی کے گھر میں آویزاں کر کے رکھئے اور جہاں جہاں آپکی حکومتوں کو موقع ملا ہے، وہاں پر تو اسے جلی حروف میں لکھا کر رکھیں تاکہ یہ بیماریاں جو آپ کے یہاں پھل پھول چکی ہیں، تھوڑے لوگ خوف زدہ ہونے لگیں اور اس لئے بھی مودی کی تصویر وہاں مت رکھنا ورنہ بیچارے ڈر جائیں گے کہ مصیبت آئے گی۔ جی ہاں، آپ فکر نہ کریں۔ ملک کو لوٹنے والوں کو مودی ڈرا کر رہے گا، ملک نے مجھے انہی لوگوں کے لئے بٹھایا ہے۔ جنہوں نے ملک کو لوٹا ہے، جنہوں نے ملک کو تباہ کیا ہے انکو ڈرنا ہی ہو گا، انکو ڈرنا ہی ہو گا۔ اور اسی لئے تو زندگی کھپائی ہے ، ایسے لوگوں کے خلاف لڑنے کے لئے زندگی کھپائی ہے۔ اس ملک میں چور، لٹیرے اور بدمعاشوں کا ڈر بالکل ختم ہو گیا تھا۔ اسی کی وجہ سے ملک برباد ہوا ہے۔ ملک نے مجھے ان کے لئے خوف پیدا کرنے کے لئے یہاں

بیٹھایا ہے۔ اور اس لئے ہم اس کام کو آگے بڑھانے والے ہیں ۔ اسپیکر صاحبہ ، آخر میں ایک بات کہہ کر میں اپنی بات ختم کروں گا:

سورج جائے گا بھی تو کہاں
اسے یہیں رہنا ہو گا
یہیں ہماری سانسوں میں
ہماری رگوں میں
ہمارے ارادوں میں
ہماری رت جگوں میں
تم اداس مت ہو
تم اداس مت ہو
اب میں کسی بھی سورج کو نہیں ڈوبنے دوں گا
اب میں کسی بھی سورج کو نہیں ڈوبنے دوں گا

بہت بہت شکریہ !

پارلیمنٹ میں شری اٹل بہاری واجپئی کی تصویر کی نقاب کشائی کی تقریب میں **وزیر اعظم شری نریندر مودی** کا خطاب

۱۲ فروری، ۲۰۱۹

پارلیمنٹ میں شری اٹل بہاری واجپئی کی تصویر کی نقاب کشائی کی تقریب میں وزیر اعظم کا خطاب

12 فروری 2019

عزب مآب صدر جمہوریہ، نائب صدر جمہوریہ، اسپیکر محترمہ، غلام نبی جی، نریندر سنگھ جی، اٹل جی کے اہل خانہ اور اٹل جی سے محبت کرنے والے جملہ حضرات!

پارلیمنٹ کے مرکزی ہال میں اٹل جی اب اس نئی شکل میں ہمیں آشیرواد بھی دیتے رہیں گے اور ہمیں ترغیب بھی دیتے رہیں گے۔ اٹل جی کی زندگی کی آفاقیت کے بارے میں بہت سی باتیں کہی جاسکتی ہیں اور ایک بھی بات دوسرے سے کم نہیں ہوسکتی۔ گھنٹوں تک کہا جاسکتا ہے پھر بھی پورا نہیں ہوسکتا اور کم الفاظ میں کہنے کے بعد بھی شاید اس عظیم شخصیت کی پہچان بھی کی جاسکتی ہے۔ ایسی شخصیات بہت کم ہوتی ہیں۔ اتنے سال پارلیمنٹ کے گلیارے میں زندگی گزارنے کے بعد بھی دہائیوں تک اقتدار سے دور رہتے ہوئے عوام الناس کی پاکیزگی سے خلوص سے خدمت کرتے رہنا، عام لوگوں کی آواز بلند کرتے رہنا اور نجی زندگی کے مفاد کے لئے نہ کبھی راستہ بدلنا، یہ اپنے آپ میں عوامی زندگی میں ہم جیسے کئی کارکنوں کے لئے بہت کچھ سیکھنے جیسا ہے۔

سیاست میں اتار چڑھاؤ آتے ہیں، ہار جیت آتی ہے۔ لیکن آئنڈیل اور نظریات سے کبھی سمجھوتہ نہ کرتے ہوئے ہدف کی جانب چلتے رہنا اور کبھی نہ کبھی اس کا صحیح نتیجہ ملتا ہے، یہ ہم نے اٹل جی کی زندگی میں دیکھا ہے۔ ان کی تقریروں کا بڑا ذکر ہوتا ہے، لیکن شاید مستقبل میں کوئی نفسیاتی نقطہ نظر سے ریسرچ کرنے والا شخص اگر ان کا بڑی گہرائی سے تجزیہ کرے گا تو جتنی طاقت ان کی تقریر میں تھی شاید اس سے کئی گنا طاقت ان کی خاموشی میں تھی۔ وہ عوامی جلسے میں بھی دو چار بات بولنے کے بعد جب خاموش ہو جاتے تھے تو یہ بڑا غضب تھا کہ لاکھوں کی بھیڑ کے آخری شخص کو بھی اس خاموش میں سے پیغام مل جاتا تھا۔ یہ کون تھی ان کی کمیونیکیشن اسکل بھی شاید اس دور میں خاموشی کی کمیونیکیشن اسکل۔ کب بولنا ہے اور کب خاموش رہنا ہے، کہ یہ جو طاقت تھی وہ بے مثال تھی۔ اس طرح سے وہ اپنی مستی میں رہتے تھے۔ کبھی ساتھ میں سفر کرنے کا موقع ملا تو دیکھتے تھے کہ وہ آنکھیں بند کرکے ہی رہتے تھے، زیادہ بات نہیں کرتے تھے، یہ ان کی فطرت میں تھا۔ لیکن چھوٹی سی بات بھی تھی، جنگ کرنا، جو ان کی خصوصیت تھی۔ کتنا ہی ہماری پارٹی میٹنگ میں کبھی ماحول گرمایا بھی ہو تو ایسے ہی چھوٹی سی بات رکھ دیتے تھے، ایک دم سے ہلکا پھلکا ماحول بنا دیتے تھے۔ یعنی ایک طرح سے حالات کو سادھ لیا تھا انہوں نے، اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ ایسی شخصیت جمہوریت کی جو سب سے بڑی طاقت ہوتی ہے، اس طاقت کے لئے جمہوریت میں کوئی دشمن نہیں ہوتا، جمہوریت میں مسابقت ہوتی ہے، اپوزیشن

ہوتا ہے۔ احترام اور لحاظ اسی جذبے کے ساتھ بنائے رکھنا یہ ہماری نئی نسل کے لئے سب کچھ سیکھنے جیسا ہے۔ہم سب کو سیکھنے جیساہے کہ ہم کس طرح سے حریف کو بھی شدید ترین تنقید کو بھی احترام کے ساتھ اس شخصیت کی طرف دیکھتے رہیں۔ یہ اٹل جی سے سیکھنے کی بات ہے۔

آج اٹل جی کو خراج عقیدت پیش کرنے کا یہ موقع ہے۔ میں میری طرف سے ایوان کے میرے سبھی ساتھیوں کی طرف سے قابل احترام اٹل جی کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں۔

۱۶ویں لوک سبھا کی آخری نشست میں

وزیراعظم شری نریندر مودی کا خطاب

۱۳ فروری، ۲۰۱۹

16ویں لوک سبھا کی آخری نشست میں وزیر اعظم کا خطاب

13 فروری 2019

عزت مآب اسپیکر صاحبہ، میں ایوان کے سبھی ارکان کی طرف سے اور اپنی طرف سے اس سولہویں لوک سبھا کی پوری مدت کے دوران اسپیکر کی حیثیت سے جس تحمل کے ساتھ، جس توازن کے ساتھ اور ہر پل مسکراتے ہوئے آپ نے اس ایوان کو چلایا، اسکے لئے آپ بہت بہت مبارکباد کی مستحق ہیں۔ دیوی اہلیہ بائی کی زندگی، انکی تعلیمات کا آپ کے ذہن پر بڑا اثر رہا ہے اور ان سے حاصل کی ہوئی تعلیم کو، ان سے ملے ہوئے اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی آپ نے بھرپور کوشش کی ہے۔ انہیں اصولوں کی بنیاد پر بائیں جانب اور دائیں جانب بیٹھے ہوئے لوگوں کے درمیان توازن قائم رکھتے ہوئے آپ نے کچھ سخت فیصلے بھی لیے۔ لیکن یہ فیصلے انہیں اصولوں اور قدروں کی بنیاد پر لیے گئے اور لوک سبھا کی عظیم روایت کو قائم رکھنے کے لئے وہ ہمیشہ موزوں رہیں گے ایسا میرا یقین ہے۔

آپ نے جس اسپیکر ریسرچ انیشیٹو کی شروعات کی ہے، میں سمجھتا ہوں یہ اپنے آپ میں نئے ممبران کے لئے ایک نہایت مخلصانہ قدم ہے۔ اس نے مباحثے کو، اسکے مواد اور معلومات کو مزید بہتر بنانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔

اسپیکر صاحبہ، 2014 میں میں بھی ان اراکین پارلیمنٹ میں سے ایک تھا جو پہلی مرتبہ منتخب ہو کر آئے تھے۔ نہ تو میں پارلیمنٹ کے نقشے سے واقف تھا، نہ یہ کہ کس گلی سے کہاں جاتے ہیں وہ بھی پتا نہیں تھا، بالکل نیا تھا اور ہر چیز کو بڑی جستجو سے دیکھتا تھا، یہ کیا ہے، یہاں کیا ہے، ایسے سب دیکھ رہا تھا۔ لیکن جب میں یہاں بیٹھا تو ایسے ہی دیکھ رہا تھا یہ بٹن کس چیز کے ہیں، کیا ہیں، سمجھنے کی کوشش کرتا تھا تو میں نے یہاں ایک پلیٹ دیکھا۔ اس پلیٹ پر، کیونکہ مجھے یہ پتا تھا کہ مجھ سے پہلے تیرہ وزراء اعظم نے اس جگہ پر رہ کر اپنی ذمہ داری نبھایا ہے۔ لیکن میں نے پلیٹ دیکھا، ان میں سے صرف تین ہی وزراء اعظم کے نام ہیں۔ ایسا کیوں ہوا ہوگا، کیا دلیل رہی ہوگی۔ لبرل خیالات کے حامل دانشور حضرات جو روز ہی نصیحت دیتے رہتے ہیں وہ اس نکتے پر ضرور غور کریں گے اور اس ضمن میں ہماری رہنمائی بھی فرمائیں گے۔ یعنی ہر چیز میرے لئے نئی تھی اور مجھے ہر چیز کو جاننے کا بڑا اشتیاق تھا۔

قریب تین دہائیوں کے بعد ایک مکمل اکثریت والی حکومت کی تشکیل ہوئی ہے اور آزادی کے بعد پہلی بار یہ کانگریس کی حکومت نہیں ہے۔ ایسی ہی ایک سرکار اٹل جی کی قیادت میں بھی بنی تھی مگر وہ ایک مخلوط حکومت تھی لیکن یہ ہماری سرکار مکمل اکثریت والی سرکار ہے جو 2014 میں وجود میں آئی ہے اور جس کا کانگریس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ سولہویں لوک سبھا نے 17 اجلاس کیا جس میں سے 8 اجلاس میں صد فیصد کام انجام پایا۔ اوسط طور پر ہم نے 80 فیصد کام کو انجام دیا۔ پارلیمانی امور کے وزیر کا کام بڑی ذمہ داری کا ہے۔ آجکل اس وزارت کی ذمہ داری تومر صاحب دیکھ رہے ہیں۔ شروعات میں یہ قلمدان ونکئیا نائیڈو صاحب کے پاس تھا جنھوں نے اسکی ذمہ داری کو بڑی خوبی سے نبھایا۔ اب وہ نائب صدر جمہوریہ ہیں اور ایوان بالا کے چیرمین کی حیثیت سے بہت اہم رول نبھا رہے ہیں۔ یقیناً ہمیں آننت کمار جی کی بہت یاد آرہی ہے جو ہمارے بڑے خوش مزاج رفیق تھے لیکن میں ان تمام لوگوں کو مبارکباد دیتا ہوں جنھوں نے انتھک کام کیا۔ سولہویں لوک سبھا کو سب سے زیادہ خواتین ممبران ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس لوک سبھا میں 44 خواتین منتخب ہو کر آئیں اور اس ایوان میں ہمیں انکی رہنمائی، اور مباحثے میں انکی شرکت کا اعتراف کرنا چاہیے۔ سبھی خواتین ممبران کو ہم سلام کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ کابینہ میں سب سے زیادہ خواتین ممبران شامل کی گیئں اور یہ بھی پہلی بار ایسا ہوا کہ دو خواتین ممبران کو وزیر دفاع اور وزیر خارجی امور کی حیثیت سے تحفظ سے متعلق کابینہ کمیٹی میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہ بھی ہمارے لئے باعث افتخار و مسرت ہے کہ پہلی بار اسپیکر کے منصب پر ایک خاتون فائز ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ ہماری سکریٹری جنرل بھی ایک خاتون ہیں۔ لوک سبھا کی سکریٹری جنرل اور انکی پوری ٹیم کے ساتھ ساتھ پارلیمنٹ کمپلیکس میں ڈیوٹی پر تعینات سبھی لوگ شاباشی کے مستحق ہیں۔ میں ان سبھی کو مبارکباد دیتا ہوں اور ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس ایوان میں اس کا کوئی یہ مطلب نہ نکالے کہ میں یہاں اپنی حکومت کی حصولیابیوں کو بتانے کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ لیکن جو کام اس ایوان نے کیے ہیں اگر پانچ سال کی اس کی کارکردگی کو دیکھیں تو اس میں ہم سب کی حصہ داری رہی ہے۔ حزب اختلاف کے لوگوں نے بھی اس کو طاقت بخشا ہے اور اقتدار کے لوگوں نے بھی اسکو تقویت دیا ہے لہذا سبھی ساتھیوں کا اس میں باوقار حصہ رہا ہے۔ ہمارے لئے گزرے ساڑھے چار برسوں میں، اس مدت کار میں ہم سب کے لئے یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ آج ہمارا ملک دنیا کی چھٹی معیشیت بن گیا ہے۔ اس مدت کار کا یہ ایک افتخار ہے اور اس میں ہم سب کی حصہ داری رہی ہے۔ پالیسی سازی کا کام یہیں ہوا ہے اور پانچ ٹرلین ڈالر کی معیشیت بننے کی سمت میں ہم اس دروازے پر دستک دینے کی تیاری میں ہیں۔ اتنی تیزی سے ہم گامزن ہیں۔ اسکے لئے بھی اس ایوان کی سرگرمیوں کا بہت بڑا رول رہا ہے۔

آج بھارت کی خود اعتمادی میں بہت اضافہ ہوا ہے اور اس خود اعتمادی میں بہت آگے بڑھنے کی بڑی طاقت ہوتی ہے۔ جیتنے کی طاقت ہوتی ہے اس خود اعتمادی میں۔ اس اعتماد سے بحرانوں سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ ملتا ہے۔ آج ملک خود اعتمادی سے لبریز ہے۔ اس ایوان نے جس اجتماعیت کے ساتھ جس سرعت کے ساتھ ان فیصلہ کن سرگرمیوں کو آگے بڑھایا ہے اس نے اس اعتماد سازی میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

آج دنیا کے تمام اعلی درجے کے ادارے، عالمی سطح کی تنظیمیں بھارت کے روشن مستقبل کے ضمن میں بغیر کسی تامل کے ، ایک آواز میں اپنی امید کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور ہمارے ملک کے لئے فطری طور پر ایک ایسی مدت رہی ہے کہ بھارت ڈیجیٹل دنیا میں اپنی ایک پہچان بنا چکا ہے اور متعدد کامیابیوں سے ہمکنار ہو چکا ہے۔

توانائی کے شعبے میں اور توانائی بچت کے شعبے میں بھارت ایک اہم ملک بن چکا ہے۔ آج دنیا عالمی حرارت پر چرچہ کر رہی ہے۔ اس گلوبل وارمنگ کے دور میں اس دیش نے انٹر نیشنل سولر الائنس کی رہنمائی کی۔ اور جس طرح سے یہ ملک پیٹرولیم مصنوعات ممالک کی تنظیم کی طاقت بنا ہے وہ دن دور نہیں جب بھارت کے اس فیصلے کا اثر آنے والی دہائیوں میں نظر آئے گا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ انٹر نیشنل سولر الائنس، گلوبل وارمنگ کے خلاف جنگ، ماحولیاتی تحفظ کی فکر، دنیا کو ایک متبادل فراہم کرنے کا انتظام یہ سب کرنے میں اس مدت کار نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔

فضائی دنیا میں بھارت نے اپنا ایک خاص مقام بنایا ہے۔ سب سے زیادہ سٹیلائٹ لانچ کرنے کا کام بھی اسی مدت کار میں انجام دیا گیا ہے۔ دنیا بھر میں بھارت ایک لانچنگ پیڈ کے لئے ایک ڈیسٹینیشن بن گیا ہے۔ وہ اقتصادی سرگرمی کا بھی ایک مرکز بنتا جا رہا ہے۔ میک ان انڈیا کی سمت میں، مینوفیکچرنگ سیکٹر میں بھارت آج خود مختاری کے ساتھ بڑی تیزی سے آگے بڑھتا جا رہا ہے۔

عالمی سطح پر آج بھارت کو بڑی سنجیدگی سے سنا جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی لوگوں کو یہ بھرم ہوتا ہے کہ یہ سب مودی کی وجہ سے یا سشما جی کی وجہ سے ہے۔ ان کے دور اقتدار میں بھارت کا وقار دنیا میں بڑھ گیا ہے، دنیا بھر میں ہماری واہ واہی ہو رہی ہے۔ تو بھلے وہ کہتے ہونگے مگر حقیقت کچھ اور ہے اور یہ حقیقت ہے مکمل اکثریت والی حکومت۔ دنیا مکمل اکثریت والی حکومت کو تسلیم کرتی ہے۔ 30 برسوں کی یہ مدت عالمی نقطہء نظر سے اس ملک کے لئے بہت خسارے کا دور رہا ہے۔ تیس برسوں کے بعد 2014 میں ایک ایسا مرحلہ آیا جب کہ اسکے لیڈر کے پاس مکمل اکثریت تھی اور ایسا لیڈر جب دنیا کے دوسرے رہنماؤں سے ملتا ہے تو

انہیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس کو مینڈیٹ حاصل ہے اور اس کی اپنی ایک طاقت ہے۔اس بار میں نے پانچوں سال یہ تجربہ کیا ہے کہ عالمی سطح پر اس ملک کا اپنا ایک مقام بنا ہے۔اور اسکا سہرا پورا پورا نہ مودی کے سر کو جاتا ہے اور نہ سشما جی کے سر کو بلکہ اسکا سہرا 2014 میں اس ملک کے سوا سو کروڑ عوام کے ذریعے لیے گئے اس فیصلے کو جاتا ہے۔اسی طرح اس مدت کار میں بیرونی ملکوں کی مختلف تنظیموں میں بھارت کو جگہ ملی ہے۔اسے بیرونی ممالک میں سنا گیا۔اب ہم دیکھیں کہ بنگلہ دیش کے ساتھ اراضی تنازعہ کو اسی ایوان میں متفقہ طور سے کیسے حل کیا گیا۔یہ بہت بڑا کام ہوا ہے۔بھارت کے تقسیم کے بعد سے ہی بنگلہ دیش کا تنازعہ معاملہ ایک بحران کی شکل میں چلا آیا ہے لیکن اسکا حل بھی اسی ایوان نے نکالا ہے۔اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہماری خصوصیت رہی ہے کہ ہم نے مل جل کر اس کام کو انجام دیا ہے اور دنیا کو اتفاق رائے کا ایک بہت بڑا اور زبردست پیغام دیا ہے۔اور اس کے لئے میں ایوان کا خاص طور سے دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔سبھی پارٹیوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔اسی طرح سے ہماری خارجہ پالیسی کا ایک اہم پہلو اجاگر ہوا ہے۔دنیا میں انسانی حقوق اور انسانی اقدار جیسے کسی ایک خطے کی اجارہ داری ہو اور دوسرے لوگوں کا اس سے کوئی سروکار نہیں ہو اور ہمیں ایسے پیش کیا گیا جیسے ہم اسکے مخالف ہیں اور ایسا ہی ہمارا امیج بن گیا جبکہ انسانیت اور تمام انسان کے ایک کنبہ ہونے کے نظریہ کے ہم حامی رہے ہیں۔لیکن نہ جانے کیوں ایسا امیج بن گیا۔لیکن گذشتہ پانچ برسوں میں ہم نے دیکھا چاہے نیپال میں زلزلہ آیا ہو، مالدیپ میں پانی کا بحران آیا ہو، فیجی میں طوفان کی مصیبت آئی ہو، شری لنکا میں اچانک طوفان کا قہر آیا ہو، بنگلہ دیش کے اندر میانمار کے لوگوں کی وجہ سے مصیبت کھڑی ہو۔ہمارے لوگ بیرونی ممالک میں پھنسے ہوئے تھے، یمن میں پھنسے ہوئے ہزاروں لوگوں کو واپس لانے کا کام ہو یا پھر نیپال میں پھنسے 80 لوگوں کو محفوظ ملک واپس لایا گیا۔انسانیت کے کام میں بھارت نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔یوگا پوری دنیا میں فخر کا موضوع بن گیا ہے۔دنیا میں اور اقوام متحدہ میں اب تک جتنی قراردادیں منظور ہوئی ہیں ان میں سے سب سے سرعت کے ساتھ اور سب سے زیادہ حمایت کے ساتھ جو قراردادیں منظور ہوئی ہیں وہ یوگا سے متعلق تھیں۔اقوام متحدہ کے اندر بابا صاحب امبیڈکر اور مہاتما گاندھی کا یوم پیدائش منایا جارہا ہے۔دنیا کے تمام ممالک میں بابا صاحب امبیڈکر کی ایک سو پچیسویں سالگرہ منائی گئی۔مہاتما گاندھی کی 150 ویں سالگرہ منائی گئی۔کوئی تصور نہیں کر سکتا کہ 'ویشنو جن تو تینے کہئے' جو ہم لوگوں کی رگوں میں ہے، آج گاندھی جی کی 150 ویں سالگرہ کے موقع پر دنیا بھر کے 150 ملکوں کے مشہور گلوکاروں نے ویشنو جن کو اسکی اصلی شکل میں گا کر مہاتما گاندھی کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے۔یعنی دنیا میں ایک سافٹ پاور کو کیسے لے جایا جا سکتا ہے اسکی ایک نظیر ہم آج ہم محسوس کر رہے ہیں۔26 جنوری کو ہم نے دیکھا ہوگا کہ کس طرح سے اس بار کی تقریب میں گاندھی جی کو مرکز میں رکھ کر متعدد صوبوں نے جھانکیاں نکالیں اور گاندھی جی کو ایک انوکھے طریقے سے پیش کیا یعنی 150 ویں سالگرہ اور گاندھی جی کو اس طریقے سے یاد کرنا۔ہم نے اس ایوان میں اور اسی دوران

یوم آئین بھی منایا۔ ہم نے اس ایوان میں اس دوران باباصاحب کی 150 ویں سالگرہ کے موقع پر انکو خصوصی طور سے یاد کیا۔ ہم نے اس ایوان میں اسی مدت کار میں اقوام متحدہ کے پائدار ترقی کے ہدف کے لئے وقت دیا۔ ہم نے پائدار ترقی کے ہدف پر چرچہ کیا۔ یہ ساری نئی روایتیں اس ایوان کی اسی مدت کار میں آپ کی نگرانی میں ممکن ہو پائیں اور اس لئے ایوان کے سبھی ممبران آپکی راہنمائی کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ تقریبا 219 بل اس ایوان میں پیش کیے گئے اور 203 بل پاس ہوئے۔ اور آج اس ایوان میں جو ممبران موجود ہیں، سولہویں لوک سبھا سے متعلق، اپنی زندگی کے متعلق جب کسی کو بتائیں گے یا جب وہ انتخابات کے موقع سے عوام کے درمیان جائیں گے، تب بھی بتائیں گے اور انتخابات کے بعد بھی اگر ان کو کچھ لکھنے کی عادت ہو گی اور اگر اپنی سوانح لکھیں گے تو اس بات کو ضرور لکھیں گے کہ انہوں نے سولہویں لوک سبھا کے رکن کی حیثیت سے اس مدت کار میں کالے دھن اور بدعنوانی کے خلاف سخت قانون بنانے کا کام کیا تھا۔ اس ملک میں ایسے قانون جو پہلے کبھی نہیں بن پاتے تھے وہ اس ایوان نے بنائے تھے۔ اور بیرون ملکوں میں جمع کالے دھن کے خلاف ایک بڑا قانون بنانے کا کام یہیں پر ہوا۔ دیوالیہ کمپنیوں سے متعلق IBC کا قانون اسی ایوان نے بنایا۔ بینامی جائداد سے متعلق قانون کو بھی اسی ایوان نے بنایا۔ معاشی جرم کرنے والے بھگوڑوں کے خلاف قانون کو بھی اسی ایوان نے بنایا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان پانچ سالوں میں، اس ایوان نے کالا دھن اور بدعنوانی کے خلاف جنگ میں درکار قانون کا انتظام کیا ہے۔ بیرون ملک بھی موثر قانونی فریم ورک تشکیل دیا ہے۔ یہ ایک طویل سفر طے کرے گا۔ لہذا، میں یقین کرتا ہوں کہ نہ صرف موجودہ نسل بلکہ آئندہ نسلیں بھی اس اگست ہاؤس اور آپ کی قابل قیادت کا شکر گزار ہوں گی۔

میڈم، اس ایوان نے آدھی رات کو دونوں ایوانوں کی مشترکہ نشست کی اور جی ایس ٹی بل منظور کیا۔ کریڈٹ لینے کی کوشش کیے بغیر، حکومت کے سابق وزیر خزانہ اور اس وقت کے صدر نے جی ایس ٹی کو پاس کیا تاکہ ہر شخص کو اس کا حق مل جائے۔ میں اس کوشش میں تھا کہ اس معاملے میں بھی 'سب کا ساتھ، سب کا وکاس' کو یقینی بنایا جائے۔ اسی طرح، اسی ایوان نے آدھار بل کو منظور کیا جس میں ایک بہت بڑی قانونی طاقت ہے۔ آدھار دنیا کے لئے منفرد ہے۔ دنیا جاننے کی خواہشمند ہے کہ یہ ملک اس طرح کا مشکل کام کیسے کر سکتا ہے۔ اس ایوان نے اس مدت کے دوران آدھار ایکٹ لا کر واقعی ایک اچھا کام کیا ہے۔ میڈم، ملک کو آزادی ملی، لیکن صرف خدا ہی جانتا ہے کہ ہمیں دشمن کی املاک سے متعلق فیصلہ لینے سے کس چیز نے روک دیا؟

انیمی پر اپرٹیز بل کو منظور کر کے 1947 میں لگنے والے زخموں کو شفا بخش ٹچ دیا گیا۔ اس ایوان نے سماجی انصاف کی سمت میں معاشرے پر دیر پا اثرات چھوڑے ہیں۔ بغیر کسی تلخی کے اعلی طبقے کے غریب لوگوں کے لئے ریزرویشن کی فراہمی کی سب سے بڑی طاقت یہ ہے کہ ہمارے ذہن میں کسی بھی قسم کی الجھن اور شک کے بغیر معاشرے کے پچھڑے افراد کو اہمیت دی گئی ہے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے یہ قانون پاس کیا گیا۔ دونوں ایوانوں کے تمام ممبران اس کے لئے تعریف کے مستحق ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ 10 فی صد ریزرویشن ایک بڑی کامیابی ہے۔ اسی طرح کمیشن برائے اوبی سی سے متعلق معاملہ یا ایس ٹی / ایس سی ایکٹ میں سپریم کورٹ کے بعد پیدا ہونے والی غلط فہمی کو دور کیا گیا۔

یہاں تک کہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک حیرت زدہ ہیں کہ ہندوستان نے زچگی کی چھٹی کو 12 ہفتوں سے بڑھا کر 26 ہفتوں تک کر دیا ہے؟ دنیا ہندوستان کو ایک دور اندیش ملک کی حیثیت سے دیکھ رہی ہے۔ یہ اسی ایوان نے کیا تھا۔ پارلیمنٹ قانون کو نافذ کرتی ہے، لیکن ملک اور دنیا اس مدت کو یاد رکھے گی جو ایوان عام طور پر قانون کو نافذ کرتا ہے اس نے بہت سارے قوانین کو بھی منسوخ کر دیا۔ 1400 سے زیادہ قوانین جو جنگل کے قانون کے مانند تھے، ان کو ختم کرتے ہوئے ایوان کے اراکین نے حل تلاش کرنے میں ایک اچھی شروعات کی ہے۔ 1400 قوانین کے خاتمے کے بعد میں کہتا ہوں کہ یہ ایک اچھی شروعات ہے۔ ابھی بھی بہت ساری چیزیں باقی ہیں اور اس کے لئے ملائم سنگھ جی نے اپنے دعاؤں کا یقین دلایا ہے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ ہم ابھی بھی اپنے ملک کو وہاں نہیں لے جا سکے جہاں ہم اسے لے جانا چاہتے تھے۔ تمام ممبران پارلیمنٹ پر یہ ایک داغ ہے کہ ہم اپنی تنخواہوں کا فیصلہ خود کرتے ہیں۔ ہم جتنا چاہتے ہیں اس میں اضافہ کرتے ہیں اور ملک کی پرواہ نہیں کرتے اور جس دن ممبران پارلیمنٹ کی تنخواہ بڑھا دی جاتی ہے، ہر حلقے سے تعلق رکھنے والے افراد ہم پر تبصرہ کرتے اور طعنہ دیتے ہیں اور یہ گذشتہ 50 سالوں سے کیا جا رہا ہے۔ پہلی بار تمام ممبروں کو اس طرح کی تنقید سے بچنے کا کوئی راستہ ملا ہے۔ پہلی بار اس طرح کی آئینی فراہمی عمل میں آئی ہے جس کے تحت ممبر کی تنخواہ اسی وقت بڑھے گی جب دوسرے لوگوں کی تنخواہوں میں اضافہ ہو گا۔ اب صرف ممبران پارلیمنٹ ہی اس کے لئے ذمہ دار نہیں ٹھہرائے جائیں گے اور اب وہ اس طرح کی تنقید سے بچ گئے ہیں۔ لیکن اس طرح کے اچھے فیصلے کو رجسٹرڈ ہونا چاہئے تھا، جس کی تعریف کی جانی چاہئے تھی، کیونکہ اس نے ممبروں کو زیادتیوں سے آزاد کیا ہے جس کا وہ برسوں سے سامنا کر رہے تھے۔ ہمارے ساتھی جتیندر جی نے واقعتا ہمارے لئے اچھا کھانا پیش کیا لیکن ہم تنقید سنتے تھے کہ کینٹین میں قیمتیں بہت کم ہیں اور اس کے باہر مہنگا پڑتا ہے۔ ممبران پارلیمنٹ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

ہم نے یہاں بہت کم قیمت پر کھانا پیش کرنے سے چھٹکارا پانے کی سمت میں آگے بڑھے ہیں۔ حالانکہ اس سے شاید آپ کی جیبوں پر کچھ گرانی گزرے لیکن مجھے امید ہے کہ کہ آنے والے وقت میں ہم پوری طاقت حاصل کر کے اسے مکمل طور پر انجام دیں گے۔

اسی طرح، یہ ایوان یقینی طور پر بہت سی چیزوں سے لطف اندوز ہو گا۔ ہم کبھی کبھی یہ سنتے تھے کہ زلزلہ آئے گا لیکن پانچ سال کی مدت پوری ہونے پر ہے لیکن زلزلہ نہیں آیا۔ کچھ مواقع پر بڑی بڑی باتیں کیں اور بڑے لوگوں نے بڑی بڑی باتیں کیں لیکن جمہوریت اور لوک سبھا کا وقار اتنا اونچا ہے کہ اسے زلزلے کا سامنا کرنا پڑا اور کچھ بھی اس کے قد کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔

یہ جمہوریت کی طاقت اور اس ایوان کی طاقت ہے۔ کئی مرتبہ تلخی بھری باتیں سننے کو ملیں، کبھی کبھی یہاں سے اور کبھی کبھی وہاں سے اور کبھی کبھی ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے تھے جو استعمال نہیں ہونے چاہئے تھے۔ اس ایوان میں، خواہ اس کی طرف سے ہو یا اس طرف سے، ایوان کے قائد کی حیثیت سے میں "مچامی دوکدم" کہنا چاہتا ہوں۔ جین پریوشن تہوار میں "مچامی دوکدم" ایک ایسی دنیا ہے جو 'معافی' کے لئے بہت بڑا پیغام دے رہی ہے اور میں اس جذبات کو پہنچا رہا ہوں۔ میں مالیکارجن جی سے خیالات کا تبادلہ کرتا تھا۔ بہتر ہوتا اگر وہ آج اپنا گلا صاف کر لیتے، تو ہم آج کچھ حاصل کر لیتے۔ کبھی کبھی، جب میں ان کو سننے سے رہ جاتا تھا، میں بعد میں تفصیلات کو دیکھتا تھا اور یہ ضروری بھی تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ان کے تبصرے میری سوچ کے عمل کو تحریک دینے میں مدد کرتے تھے۔ ایک طرح سے، میری تقریروں کو اس چیز سے نکتے ملتے تھے۔ اس کے لئے، میں کھرگے صاحب کا بے حد مشکور ہوں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ زیادہ دن اور پورا وقت بیٹھنا ضروری ہے۔ کسی موقع پر ہم دیکھتے تھے کہ اڈوانی جی پورے وقت ایوان میں بیٹھے رہتے تھے۔ میں یہ بھی مشاہدہ کرتا ہوں کہ کھڑگے جی پورے وقت کے لئے بیٹھے ہیں۔

یہ وہ چیز ہے جسے ہمارے ممبروں کو ان سے سیکھنا چاہئے۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے کہ وہ عوامی نمائندے کی حیثیت سے تقریبا 50 سال مکمل کرنے جارہے ہیں۔ عوامی نمائندے کی حیثیت سے اپنے فرائض کو مکمل طور پر نبھانے پر میں انہیں احترام کے ساتھ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ جب میں پہلی بار یہاں آیا تھا، میں نے بہت سی نئی چیزیں سیکھ لیں جو مجھے معلوم نہیں تھیں۔ مجھے پہلی بار، 'گلے ملنا' اور 'گلے پڑنا' کے درمیان فرق معلوم ہوا۔ پہلی بار، میں نے لوگوں کو اس ایوان میں اپنی آنکھوں سے اشارے کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے آنکھوں سے اشارے کرنے کا یہ کھیل دیکھا اور اس ملک کے میڈیا نے ایسے لمحوں سے لطف اٹھایا۔ ایوان کے وقار کو برقرار رکھنا ہر ممبر کی ذمہ داری ہے اور ہم نے پوری کوشش کی ہے۔ اس بار، میں نے اپنے ساتھی

ممبروں کی صلاحیتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ ایک دن، جب میں صدر جمہوریہ کے خطاب پر بول رہا تھا، تو میں نے اس ایوان میں ایسا زوردار قہقہہ سنا جو تفریحی صنعت کے لوگوں کو ہی زیب دیتا ہے۔ اسے یوٹیوب پر ظاہر کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ اچھے فنکار بھی ایسی ہنسی نہیں کر پائیں گے جو میں نے یہاں سنا ہے۔ ٹی ڈی پی سے تعلق رکھنے والے شری نرمالو شیوا پرساد جی یہاں نہیں ہیں، وہ عجیب وغریب لباس پہنتے تھے۔ یہ لباس تمام ممبروں کی توجہ اپنی طرف راغب کرتا تھا۔ ہم نے یہ کام اس طرح کی ہنسی خوشی کے درمیان پورا کیا ہے۔ مجھ جیسے نئے ممبر نے آپ سب سے بہت ساری چیزیں سیکھی ہیں۔ آپ کے تعاون سے، اگرچہ میں نیا ممبر تھا، مجھے کبھی بھی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ میں اپنی پہلی مدت کار کے آغاز پر مجھے دی گئی قیادت اور راہنمائی کے لئے تمام ساتھی ممبروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں خاص طور پر ملائم سنگھ جی کا شکر گزار ہوں جن کا پیار میرے لئے بہت قیمتی ہے۔ ان کا پیار ہم سب کے لئے قابل قدر ہے۔ تمام سینئر کا پیار قابل قدر ہے۔ ایک بار پھر، میں آپ کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں ایوان کے کام کاج سے منسلک تمام عملے کا بھی دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے تمام ممبروں کی دیکھ بھال کی ہے۔ انہوں نے وہ تمام ضروری انتظامات کئے جو اس ایوان کو بہتر طریقے سے چلانے کے لئے ضروری تھا۔ میں تمام اراکین سے نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں کہ ہم ایک صحت مند جمہوری روایت کے لئے عوام سے رجوع کرنے جا رہے ہیں، اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ ہم اس صحت مند روایت کو آگے بڑھائیں، ایک منصفانہ الیکشن لڑیں اور ایک صحت مند جمہوری روایت بنانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ ان خواہشات کے ساتھ، میں اپنی تقریر کا اختتام کرتا ہوں۔

میں، ایک بار پھر، اس ایوان کے تمام ممبروں کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ شکریہ!

شری اوم برلا کے لوک سبھا اسپیکر منتخب ہونے پر

وزیر اعظم شری نریندر مودی کی استقبالیہ تقریر

۱۹ جون، ۲۰۱۹

شری اوم برلا کے لوک سبھا اسپیکر منتخب ہونے پر وزیر اعظم کی استقبالیہ تقریر

19 جون 2019

محترم اسپیکر صاحب ، اس ایوان کے سبھی ارکان کے لئے یہ انتہائی فخر کا موقع ہے کہ ہم سب آپ کو اس باوقار عہدے پر فائز ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ اس ایوان میں سبھی پرانے ارکان آپ سے اچھی طرح متعارف ہیں ۔ ممبر اسمبلی کے طور پر بھی راجستھان میں آپ نے جو سرگرم کردار ادا کیا ہے، اس سے بھی سیاسی زندگی سے وابستہ لوگ متعارف ہیں۔

ہم سب کے لئے یہ فخر کی بات ہے کہ اسپیکر کے عہدے پر آج ایک ایسے شخص کا ہم خیر مقدم کر رہے ہیں ، اتفاق رائے سے ان کو منظوری دے رہے ہیں ، جو عوامی زندگی میں طالب علم کے دور سے طلبا کی تنظیموں سے وابستہ ہیں ۔ یونیورسٹی کی طلبا کی سرگرمیوں کی قیادت کرتے ہوئے زندگی کا زیادہ تر اچھا دور کسی بھی طرح کے بریک کے بغیر متحد معاشرتی زندگی کی کسی نہ کسی سرگرمی سے وابستہ رہا۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے کارکن کے روپ میں بھی طلبا کی تحریک سے نکل کر نوجوان مورچہ سنگھٹن میں قریب 15 سال تک ضلع میں ریاست میں اور قومی سطح پر کام کیا۔ مجھے سالوں تک تنظیم کا کام کرنے موقع ملا۔ اس کی وجہ سے میرے ساتھی کے روپ میں بھی ہم دونوں کو ساتھ میں کام کرنے کا موقع ملا اور کوٹہ وہ سرزمین ہے ، جو ایک طرح سے آج کل تعلیم کا کاشی بن گیا ہے ، جن کے بھی دل دماغ میں کیریئر کی ترجیح ہے ، وہ کوٹہ کو پسند کرتے ہیں ۔ کوٹہ میں رہے گا، کوٹہ میں پڑھے گا، کوٹہ سے اپنی زندگی بناتا ہے ۔ راجستھان کا ایک چھوٹا سا شہر آج ایک قسم کا چھوٹا بھارت بن گیا ہے۔ اور کوٹہ کی یہ تبدیلی جس قیادت کے تحت ہوئی ہے ، جسکے تعاون سے ہوئی ہے، جس کی پہل سے ہوئی ہے، وہ نام ہے جناب اوم برلا جی۔

عام طور پر سیاسی زندگی میں ہم لوگوں کی ایک شبیہہ بن جاتی ہے کہ ہم 24 گھنٹے سیاست کرتے ہیں ، اٹھا پٹخ کرتے ہیں، توتو میں میں کرتے ہیں ، کون ہارے کون جیتے اسی میں لگے رہتے ہیں لیکن اس کے علاوہ ایک سچائی ہوتی ہے، جو کبھی کبھی اجاگر نہیں ہوتی ۔ ماضی میں ملک کو تجربہ ہوا ہے کہ سیاسی زندگی میں جتنی زیادہ خدمت خلق کا تناسب رہتا ہے ، سماج میں مقبولیت زیادہ ملتی ہے۔ ہارڈ کور سیاست کا زمانہ قریب قریب چلا جا رہا ہے۔ اوم برلا صاحب وہ شخصیت ہیں، جو عوامی نمائندے کے طور پر سیاست سے وابستہ ہونا فطری تھا۔ لیکن ان کی پوری کارکردگی خدمت خلق کا ہی مرکز رہی ۔ عوامی زندگی میں کہیں پر بھی دکھ اگر ان کو نظر آیا تو پہلے پہنچنے والے اشخاص میں سے رہے۔ مجھے برابر یاد ہے جب گجرات میں

بھیانک زلزلہ آیا۔ بہت لمبے عرصے تک وہ کچھ میں رہے، اپنے علاقے کے نوجوان ساتھیوں کو لے کر آئے۔ کسی مقامی بندوبست کا استعمال نہ کرتے ہوئے، خود اپنے انتظامات کاجو بھی دستیاب تھا،ان کی بنیاد پر انہوں نے لمبے عرصے تک خدمت کا کام انجام دیا۔جب کیدارناتھ کا حادثہ ہواتووہ پھراتراکھنڈ میں نظر آئے ۔وہاں بھی اپنی ٹولی لے کر سماج کی خدمت کے کام میں لگ گئے اور اپنے کوٹہ میں بھی اگر کسی کے پاس سردی کے موسم میں کمبل نہیں ہے تورات بھر کوٹہ کی گلیوں میں نکلنا ، عوامی شراکت داری سے گرم کمبل وغیرہ جمع کرنا اور ان کو پہنچانا۔ انہوں نے ایک عزم کیا تھا کہ سماجی زندگی میں ہم سبھی ارکان پارلیمنٹ کے لئے کبھی کبھی وہ جذبہ دیتاہے۔ان کاایک عزم تھاکہ کوٹہ میں کوئی بھوکا نہیں سوئے گااور وہ ایک 'پرسادم' نام کی اسکیم چلاتے تھے، آج بھی چل رہی ہے۔اس پرسادم اسکیم کے تحت عوامی شراکت داری سے بھوکے لوگوں کو ڈھونڈ کر ان کو کھانا کھلانا یہ ان کا مستقل کام بن گیا۔اسی طرح سے غریب ہے،دکھی ہے ،اگر کپڑے نہیں ہیں پورے،تو انہوں نے پریدھان اسکیم بنائی ۔اس پریدھان تحریک کی بنیاد پر وہ عوامی شراکت دار سے سماجی ہمدردی سے وابستہ رہ کر، اگر کسی کے پاس جوتے نہیں ہیں توعوامی شراکت داری سے جوتے اکٹھا کرنا، گرمی کے موسم میں اس کوجوتے پہنادینا، اگر کوئی بیمار ہے، کہیں خون عطیہ دینے کا کام ضروری ہے،کسی اسپتال میں اور خدمات انجام دینی ہیں۔ ایک طرح انہوں نے اپنی سیاست کا مرکز عوامی تحریک سے زیادہ عوامی خدمت کو بنایا اور ایسی ایک حساس شخصیت جب اسپیکر کے عہدے پر ہم سب کو ڈسپلن میں بھی رکھیں گے۔ہمارے اندر جذبہ بھی پیدا کریں گے اور اس کے ذریعہ یہ ایوان ملک کو اچھے سے اچھا کچھ دے پائے ، ایک کیٹالیٹک ایجنٹ کی شکل میں ، ایک عہدے دار کے ذمہ داری کے روپ میں اور سالوں کی سماجی ہمدردی والی زندگی جینے کے سبب مجھے یقین ہے کہ وہ عمدہ طریقے سے کاموں کو کرپائیں گے۔

ایوان میں بھی ہم نے دیکھا ہے،وہ مسکراتے ہیں تو بھی بڑے ہلکے سے مسکراتے ہیں،وہ بولتے ہیں تو بھی بڑے ہلکے سے بولتے ہیں اور اس لئے ایوان میں مجھے کبھی کبھی ڈر لگتا ہے کہ ان کی جو عاجزی ہے ، انکساری ہے ، کہیں اس کا کوئی غلط استعمال نہ کرلے۔ لیکن آج کل تو، پہلے ایسا ہوتا تھا کہ شاید لوک سبھا کے اسپیکر کو مشکلات زیادہ رہتی تھیں۔راجیہ سبھا کے چیئر مین کو کم رہتی تھیں۔ لیکن اب الٹا ہوگیا ہے۔ ہم جب پچھلے اجلاس کو یاد کریں گے تو ہر کسی کے منہ سے یہ بات نکلے گی کہ ہماری جو اسپیکر محترمہ تھیں، ہمیشہ ہنستے رہنا ،خوش خصال رہنا اور ڈانٹنا بھی ہے توڈانٹنے کے بعد ہنس پڑنا، لیکن انہوں نے عمدہ طریقے سے ایک نئی روایت کو تشکیل دیا۔اس ایوان کی طرف سے ،برسر اقتدار پارٹی کی طرف سے ،ایوان میں تشریف فرما

سبھی ذمہ دار وزرا کی کونسل کی طرف سے اسپیکر محترم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے کام کو آسان بنانے ہم جو بھی رول ہمارے ذمہ ہوگا اس کو 100 فیصد پورا کرنے کی کوشش کریں گے اور آپ کا حق برقرار رہے گا کہ اس بینچ کی طرف سے بھی اگر اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے ، انتظامات میں رکاوٹ پیدا کی جاتی ہے تو آپ کا پورا حق ہوگا کہ ہم کو بھی ، ہماری سطح کے لوگوں کو بھی آپ اتنی ہی شدت سے کہیں ، ہم اس کا خیر مقدم کریں گے ، کیونکہ ایوان کا وقار برقرار رکھنا ہم سب کا تعاون رہنا ، یہ ضروری ہے اور مجھے یقین ہے کہ پہلے تو تین چار سال تو اچھے گزرتے تھے ،انتخابات کے سال میں تھوڑی گڑبڑ تو ہوتی تھی، لیکن اب جب ہر تین چار مہینے کے بعد کوئی ایک چناؤ نظر آتا ہے تو لگتا ہے کہ یہیں سے کچھ پیغام دیں گے ، تو ایسی صورت میں آپ کو بھی ذرا تناؤ زیادہ رہنے والا ہے ، لیکن پھر بھی اچھا مباحثہ ہو ،عمدہ تذکرہ ہو ، سبھی موضوعات پر تذکرہ ہو ، مل جل کر فیصلہ ہو،اس میں آپ کو پوری طرح یہ ایوان بھی تعاون کرے گا۔ایسی ایک امید کے ساتھ میری طرف سے ، ایوان کی طرف سے ، برسر اقتدار پارٹی کی طرف سے آپ کو بہت بہت نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر 'شکریہ کی تحریک' پر وزیر اعظم شری نریندر مودی کا جواب

۲۵ جون، ۲۰۱۹

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

25جون2019

محترم اسپیکر صاحب، 17 ویں لوک سبھا کی تشکیل کے بعد میں یہاں صدر کے خطاب پر شکریہ کی تحریک کی حمایت کرنے کے لئے، شکریہ ادا کرنے لئے حاضر ہوا ہوں۔

صدر جمہوریہ نے اپنی تقریر میں، ہم ہندوستان کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں، کیسے لے جانا چاہتے ہیں، ہندوستان کے عام آدمی کی امیدوں اور آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے ہم کن چیزوں کو ترجیح دینا چاہتے ہیں، کن چیزوں پر ہم زور دینا چاہتے ہیں، انہوں نے اس کا ایک خاکہ کھینچنے کی کوشش کی ہے۔ ملک کے عوام نے جن امیدوں اور امنگوں کے ساتھ ہمیں یہاں منتخب کر کے بھیجا ہے، صدر جمہوریہ کی تقریر، اس کی بازگشت ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے ان کی تقریر کے لئے اظہار ممنونیت اس ملک کے عوام کے تئیں بھی اظہار تشکر ہے۔ ایک مضبوط، محفوظ، خوشحال، کثیر جہت، ہمارے ملک کی بہت ساری عظیم ہستیوں نے ایسے ہی ملک کا خواب دیکھا ہے۔ اس کی تکمیل کے عزم سے، ہم سب تیز رفتار سے، زیادہ شدت کے ساتھ مل کر آگے بڑھیں، یہ وقت کی ضرورت ہے، یہی ملک کی توقع ہے۔ اور آج کے اس عالمی ماحول میں ہندوستان کو اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔ ہم اس مزاج کے ساتھ آگے بڑھیں، ہم سب مل کر آگے بڑھیں – میں سمجھتا ہوں کہ ہم ملک کی امنگوں کو پورا کرنے میں آنے والے ہر چیلنج، ہر رکاوٹ کو پار سکتے ہیں۔

اس بحث میں تقریباً 60 معزز ممبران پارلیمنٹ نے حصہ لیا۔ پہلی بار آئے ہوئے لوگوں نے اپنی بات کو بہت اچھے انداز سے اپنی بات کو رکھنے کی کوشش کی، بحث کو معنی خیز بنانے کی کوشش کی۔ تجربہ کار ممبران نے بھی اپنے اپنے طریقے سے اس بحث کو آگے بڑھایا۔ جناب ادھیر رنجن چودھری جی، جناب ٹی آر بالو جی، جناب دھانیدھی مارن جی، جناب سوگت رائے جی، جے دیو جی، محترمہ مہوا موئیترا جی، پی وی مدھن ریڈی جی، ونایک راؤت جی، راجیو رنجن سنگھ جی، پناکی مشرا جی، شری ناما ناگیشور راؤ جی، جناب محمد اعظم خان صاحب، جناب اسدالدین اویسی صاحب، شری پرتاپ چندر شارنگی جی، ڈاکٹر حنا گاوت سمیت دیگر سبھی ممبران کا اس بحث کو معنی خیز بنانے کے لئے میں دل کی گہرائی سے بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ بات صحیح ہے کہ ہم سب انسان ہیں، 30 دنوں میں جو دل و دماغ پر نقش ہوتا ہے، جو اثر ہوتا ہے اس کا نکلنا ذرا مشکل ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے، انتخابی تقاریر کا کچھ اثر یہاں نظر آرہا تھا، وہی باتیں یہاں بھی سننے کو مل رہی تھیں۔ لیکن شاید یہ قدرت کا قانون ہے، اسپیکر صاحب،

میں آپ کو بھی اس باوقار عہدے پر فائز ہو کر، جس طرح آپ نے اس ایوان کو چلایا، سبھوں کو اعتماد میں لے کر جس طرح آپ نے اس چرچہ کو آگے بڑھایا، آپ اس عہدے پر نئے ہیں، اور جب آپ نئے ہوتے ہیں تو کچھ لوگوں کا جی چاہتا ہے کہ شروع میں ہی آپ کو پریشانی میں ڈال دیں۔ لیکن ان تمام تر حالات کے باوجود آپ نے یہ ان ساری چیزوں کو بہت اچھے طریقے سے انجام دیا، اس کے لئے بھی میں آپ کو بہت بہت مبارکباد دیتا ہوں اور نئے اسپیکر کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے پورے ایوان کے تئیں اظہار تشکر کرتا ہوں۔ معزز اسپیکر صاحب، کئی دہائیوں بعد ملک نے ایک مضبوط مینڈیٹ دیا ہے۔ایک حکومت کو دوبارہ لائے ہیں ۔ پہلے سے زیادہ طاقت دے کر لائے ہیں۔ آج کے عام ماحول میں، ہندوستان جیسی متحرک جمہوریت میں، ہر ہندوستانی کے لئے فخر کی بات ہے کہ ہمارا ووٹر کتنا باخبر ہے، وہ اپنے سے زیادہ اپنے ملک سے کتنا پیار کرتا ہے، اپنے سے زیادہ کتنا اپنے ملک کے لئے وہ فیصلے کرتا ہے۔ اس الیکشن میں صاف صاف یہ نظر آیا ہے۔ اور اس لئے ملک کے رائے دہندگان بہت بہت مبارکباد کے حقدار ہیں۔

مجھے اس بات کا اطمینان ہے ، میری پوری ٹیم کو اطمینان ہے کہ 2014 میں جب ہم بالکل نئے تھے ، ہم اس ملک کے لئے بھی ناآشنا تھے، لیکن ان حالات سے نکلنے کے لئے ، ملک نے اسے بطور تجربہ استعمال کیا- چلو بھائی جو بھی ہیں، اُن سے تو نجات پائیں گے ۔اور ہمیں موقع دیا۔ لیکن 2019 کا مینڈیٹ، ہر کسوٹی پر پرکھنے کے بعد، ہر ترازو پر تولنے کے بعد، ہر لمحہ کو عوام نے بڑی باریکی سے دیکھا ہے، پرکھا ہے، جانچا ہے، اور پھر اس بنیاد پر سمجھا ہے اور تب جاکر دوبارہ ہمیں اقتدار میں بٹھایا ہے۔ یہ جمہوریت کی بہت بڑی طاقت ہے۔ چاہے جیتنے والا ہو، ہارنے والا ہو، چاہے میدان میں تھا یا میدان سے باہر تھا، ہر کسی کے لئے اس فتح کو حکومت کی پانچ سال کی سخت محنت، حکومت کی پانچ سال عوام کی بھلائی کے لئے وقف، مکمل طور پر 'سروجن ہِتائے، سروجن سکھائے' ان پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے کی کامیاب کوشش۔ عوام نے ایک بار پھر ان کو منظوری دے کر ملک کی خدمت کے لئے دوبارہ بٹھایا ہے۔

معزز اسپیکر صاحب، ایک شخص کی حیثیت سے زندگی میں اس سے زیادہ اطمینان کی بات اور کیا ہوگی جب جنتا جناردن، جو ایشور کا ایک روپ ہوتی ہے، وہ آپ کے کام کو منظور کرتی ہے۔یہ صرف انتخابات کی فتح اور شکست اور اسکے اعداد وشمار کا کھیل نہیں ہے۔یہ زندگی کے اس یقین کا کھیل ہے جہاں عہد کیا ہوتا ہے، لگن کیا ہوتی ہے، عوام کے لئے جینا ، عوام کے لئے جوجھنا، عوام کے لئے کھپنا، یہ کیا ہوتا ہے، یہ پانچ سالوں کے لگاتار ، مسلسل اور انتھک تپسیا کا جب پھل ملتا ہے تو اس کا اطمینان ایک روحانیت کا احساس دلاتا ہے۔ اور اس لئے، کون فتح یاب ہوا اور کون ناکام ہوا، اس دائرے میں ان انتخابات کو دیکھنا میری

سوچ کا حصہ نہیں ہو سکتا ہے۔ میں اس سے آگے سوچتا ہوں۔ اور اس لئے 130 کروڑ اہل وطن، ان کے خواب، ان کی امیدیں، انکی امنگیں میری نگاہوں میں رہتی ہیں۔

معزز اسپیکر صاحب، جب ملک کے عوام نے 2014 میں موقع دیا، تو مجھے پہلی بار سینٹرل ہال میں بیان دینے کا موقع ملا تھا تو میں نے بلا تکلف یہ بات کہی تھی کہ میری حکومت غریبوں کے لئے وقف ہے۔ آج، اس پانچ سال کی مدت کار کے بعد، میں بڑے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، اور جس اطمینان کا اظہار عوام نے ای وی ایم کے بٹن کو دبا کر بھی کیا ہے۔ جب بحث کا آغاز ہوا، جناب پرتاپ شرنگی جی نے جو پہلی بار ایوان میں آئے ہیں اور قبائلی معاشرے سے میری بہن ڈاکٹر حنا گاوت جی نے جس طرح سے موضوع کو پیش کیا، جس باریکی سے چیزوں کو رکھا، میں سمجھتا ہوں اس کے بعد، میں کچھ بھی نہ بولوں، تو بھی بات پہنچ چکی ہے۔

معزز اسپیکر صاحب، ہمارے ملک کی تمام عظیم ہستیاں، جنہوں نے عوامی زندگی میں رہنمائی کی ہے، انہوں نے ایک بات ہمیشہ کہی ہے۔ انہوں نے انتیوڈیا کے بارے میں کہا، آخری قطار میں بیٹھے ہوئے انسان کی بھلائی کی بات کہی۔ چاہے وہ قابل احترام باپو جی ہوں، چاہے بابا صاحب امبیڈکر جی ہوں، لوہیا جی ہوں یا دین دیال جی۔ ہر کسی نے اسی بات کو کہا ہے۔ پچھلے پانچ سالوں کی مدت کار میں، ہمارے ذہن میں یہی احساس رہا۔ جس کا کوئی نہیں، اس کے لئے صرف حکومت ہی ہوتی ہے۔ ہم نے ملک کے آزاد ہونے کے بعد دانستہ یا غیر دانستہ طور پر ایک ایسا کلچر قبول کر لیا، یا تو ہم نے اس میں اضافہ کرنے پر اور زور دے دیا، اور میں اس لفظ پر زور دے کر کہتا ہوں، میں کسی پر الزام نہیں عائد کر رہا ہوں۔ ہم نے جانے انجانے میں ایک ایسے کلچر کو فروغ دیا جس میں ملک کے عام آدمی کو اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے نظام کے ساتھ جوجھنا پڑتا ہے، جد وجہد کرنی پڑتی ہے، اسے لڑنا پڑتا ہے۔ کیا عام انسان کے حق کی چیزیں اس نظام کے تحت آسانی سے انہیں ملنی چاہئیں کہ نہیں ملنی چاہئیں؟ جس کے وہ حقدار ہیں۔ کیا انھیں نہیں ملنا چاہئے؟ اور ملے یا نہ ملے، وہ شکایت کرے یا نہ کرے۔ ہم نے مان لیا تھا کہ یہ تو ایسا ہی چلتا ہے۔

میں جانتا ہوں، ان چیزوں کو بدلنے میں کتنی محنت لگتی ہے۔ ریاستوں کو بھی ساتھ لے کر چلنے میں کتنی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور 70 سال کی بیماریوں کو پانچ سال میں ٹھیک کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن میں اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے اس سمت کو پکڑا۔ مشکلات کے باوجود ہم نے اس سمت کو نہیں چھوڑا نہیں ہے۔ نہ مُڑے اور نہ سُست پڑے۔ ہم اس مقصد کے لئے چلتے رہے اور یہ ملک دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی اچھی طرح کر سکتا ہے۔ اور اس نے بیت الخلا کو صرف چار دیواری نہیں سمجھا، گھر میں چولہا پہنچا تو صرف کھانا ڈھنگ سے پکا، اتنا ہی نہیں سمجھا، اس ہر انتظام کے پیچھے اس نے اسکے مقصد کو سمجھا کہ آخر کار

حکومت اسے کیوں کر رہی ہے ؟ میں نے تو چولہا مانگا نہیں تھا، میں نے تو بغیر بجلی کے کنکشن کے ہی اپنی زندگی گزار دی تھی، وہ کیوں کر رہے ہیں؟ پہلے سوال اٹھتا تھا کہ کیوں نہیں کرتے ہیں؟ آج اس کے دل میں ایک یقین پیدا ہوا کہ وہ کیوں کر رہے ہیں۔ کیوں نہیں کرتے ہیں سے لے کر کیوں کرتے ہیں، یہ سفر بہت طویل تھا۔ لیکن وہ اعتماد سے بھرا ہوا تھا، اس نے اپنائیت کو اجاگر کر دیا۔ اور جو آج ملک میں ایک نئی صلاحیت کا احساس کرا رہا ہے اور ہم اسی احساس کو آگے لے جانے کی سمت میں ہم کوشش کر رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ جس طرح سے ایک فلاحی ریاست کی حیثیت سے ملک غربت کے ساتھ جدوجہد کر رہا ہے، ان اسکیموں کے تحت زندگی کی آسانی کے لئے جو بھی ایک عام انسان کی ضرورت ہوتی ہے، اسکی تکمیل ہونی چاہئے، لیکن ملک کو بھی مزید آگے بڑھنا چاہئے۔ غریبوں کی فلاح و بہبود، غریبوں کی ترقی، غریبوں کو بااختیار بنانا، لیکن ساتھ ہی جدید ہندوستان کو بھی مضبوطی سے آگے بڑھنا چاہئے۔ لہذا ترقی کے دھارے کو اس راستے پر چلایا جانا چاہئے، جہاں ایک طرف توجہ فلاح و بہبود پر ہو، عام انسان کی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بہت زیادہ کوشش کرنی چاہئے، اور دوسری طرف وہ راستہ بھی ہموار ہو جس سے جدید انفراسٹرکچر بنے، ملک کو جدید بنانے کے منصوبوں پر عمل درآمد ہو۔ اور ہم نے ان دونوں طرف زور دیا اور ہائی ویز ہوں یا آئی ویز ہوں یا واٹر ویز، ریل ہو یا سڑک ہو، اُڑان یوجنا سے ہوائی جہاز کا انتظام ہو، اسٹارٹ اپ ہو، انوویشن ہو، ٹنکرنگ لیب سے لے کر چندرائن تک کے سفر کا تصور ہو - ان ساری چیزوں کو ایک جدید ہندوستان اور ان متعدد چیلنجوں سے لڑنے کے لئے ہمیں آگے بڑھنا ہے۔

یہاں بہت اچھی باتیں بتائی گئیں۔ کچھ تیکھی باتیں بھی بتائی گئیں۔ بیشتر انتخابی اجلاس کے عکس والی باتیں بھی بتائی گئیں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا ایک ایجنڈا ہوتا ہے، اس کے لئے مجھے کچھ کہنا بھی نہیں ہے، لیکن یہاں کہا گیا کہ ہمارے قد کوئی کم نہیں کر سکتا ہے۔ ایسی غلطی ہم نہیں کر سکتے ہیں۔ ہم کسی کی لکیر چھوٹی کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے ہیں، ہم اپنی لکیر کو لمبی کرنے کے لئے اپنی زندگی کھپا دیتے ہیں۔ اور آپ کی اونچائی آپ کو مبارک ہو، اس لئے کہ آپ اتنے اونچے چلے گئے ہیں، اتنے اونچے چلے گئے ہیں کہ زمین دِکھنا بند ہو گئی ہے۔ آپ اتنے اونچے چلے گئے ہیں کہ آپ جڑوں سے اُکھڑ چکے ہیں۔ آپ اتنا اونچے چلے گئے ہیں کہ زمین پر جو کچھ ہے آپ حقیر نظر آتا ہے۔ اور اس لئے آپ کا اور اونچا ہونا میرے لئے نہایت اطمینان کی بات ہے اور میری یہ تمنا ہے کہ آپ اور اونچے بڑھیں۔ ہمارا آپ کی اونچائی کے معاملے میں کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا خواب اونچا ہونے کا ہے ہی نہیں۔ ہمارا خواب جڑوں سے جڑنے کا ہے۔ ہمارا خواب جڑوں کی گہرائی سے جڑنے کا ہے۔ ہمارا خواب، ہمارا راستہ جڑوں سے ہی طاقت حاصل کر کے ملک کو مزید طاقت دینا، یہ ہمارا راستہ ہے۔ اور اس طرح جس مقابلہ میں ہم نہیں ہیں، اس مقابلہ میں ہم

آپ کو اپنی نیک خواہشات پیش کرتے رہیں گے کہ آپ اور بلندی، اور بلندی اور بلندی پر جایئے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ بحث بار بار آتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ کچھ لوگوں کا کچھ لوگوں کے ساتھ اچھی انسیت ہوتی ہے، کہ اگر ان کا نام نہیں آتا ہے تو وہ پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، گویا نام کے نہ آنے سے بھی توہین ہو گئی۔ ایسا محسوس ہو سکتا ہے۔ ہونا نہیں چاہئے لیکن ہوتا ہے۔

لیکن میں چیلنج کرتا ہوں کہ 2004 سے پہلے ملک میں اٹل بہاری واجپائی جی کی حکومت تھی۔ 2004 سے 2014 تک حکومت میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے سرکاری پروگرام میں ایک بار بھی، ایک بار بھی اٹل جی کی حکومت کی تعریف کی ہو، ان کے اچھے کاموں کا ذکر کیا ہو تو ضرور اسے ایوان کی میز پر رکھیں۔ اتنا ہی نہیں، اٹل جی کو چھوڑو، نرسمہاراؤ کی حکومت کی تعریف کی ہو، وہ رکھیں۔ اتنا ہی نہیں، یہاں تک کہ ان کی ابھی کی تقریر میں ایک بار بھی ڈاکٹر من موہن سنگھ جی کا نام بولے ہوتے تو مجھے بتایئے۔ اور وہ بڑے بڑے لوگ، میں ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں، میں تو عام آدمی ہوں۔ لیکن لال قلعہ پر سے شاید، تصدیق کرنی چاہئے، شاید میں پہلا وزیر اعظم ہوں جس نے دوبار یہ کہا ہے کہ آزادی سے لے کر کے اب تک، مرکز اور ریاست کی تمام حکومتوں نے ملک کو آگے لے جانے میں اپنا اپنا تعاون پیش کیا ہے۔

میں نے اس ایوان میں بھی کئی بار کہا ہے، آج میں دوبارہ کہتا ہوں، ہم وہ لوگ نہیں ہیں۔ اور اس طرح بار بار کہنا۔ ہاں، ان سے ایک ہی نام کی توقع کی جاتی ہے، وہ ایک الگ بات ہے۔ لیکن میں ایک مثال پیش کرتا ہوں- ہم لوگوں کا کردار کیا ہے، ہمارا کردار کیا ہے، ہماری سوچ کیا ہے؟ آپ کی معلومات کے لئے، تب ہی آپ کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ سب کو نہیں ہوتی ہے۔

گجرات میں مجھے ایک طویل عرصہ تک وزیر اعلی کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا۔ گجرات کے 50 سال مکمل ہوئے تھے۔ گولڈن جوبلی سال تھا۔ اس گولڈن جوبلی سال سے متعلق بہت سے پروگرام منعقد کئے گئے، سب کو ساتھ لے کر کے کیے گئے۔ لیکن میں آپ کو ایک اہم کام کے بارے میں آج یہاں بتانا چاہتا ہوں۔ میں نے حکومت کو آگاہ کیا کہ 50 سال میں گورنر صاحب کی جو تقریریں ہوئی ہیں، ان تقاریر کو مرتب کر کے اس سے ایک کتاب نکالی جائے اور اسے تاریخ کا ریکارڈ بننا چاہئے۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ 50 سال تک گورنر کی تقریر سے کس کی تقریر کا مطلب تھا؟

اس وقت کی حکومتوں کی ایک طریقے سے واہ واہی کہو یا اس وقت کی حکومتوں کے کام کاج کا اس میں لیکھا جو کھا تھا۔ ہماری پارٹی کی حکومتیں نہیں تھیں۔ لیکن یہ ہماری سوچ کا حصہ ہے کہ جو بھی نظام حکومت میں شامل ہیں، جس نے ملک کو آگے لے جانے میں اپنا کردار ادا کیا ہے، اور وہ مکمل طور پر مثبت تھا۔

تھیں اور آج بھی دستیاب ہیں، جاکر کے دیکھئے۔ اور اس لئے یہ کہنا کہ ہم ان تمام کاموں کو بالکل شمار نہیں کرتے جو ملک میں پہلے ہو چکے ہیں۔ اور بار بار ہم کو سناتے رہنا، یہ سنانے کا انہیں کو حق ہے جنہوں نے کبھی کسی کو قبول کیا ہو۔ ورنہ ملک کو لگتا تھا کہ انکی مدت کار میں نرسمہاراؤ کو بھارت رتن ملتا، ان کے دور اقتدار میں پہلی مدت کار کے بعد ڈاکٹر منموہن سنگھ جی کو بھارت رتن ملتا۔ لیکن کنبے کے باہر کے لوگوں کو کچھ نہیں ملتا ہے جی۔ یہ ہم ہیں، ہماری سوچ ہے۔ پرنب دا کس پارٹی سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے اپنی پوری زندگی کس پارٹی کے لئے صرف کر دی، اس بنیاد پر ہم فیصلہ نہیں کرتے ہیں، ان کا ملک کے لئے تعاون تھا، بھارت رتن کا فیصلہ ہم لے سکتے ہیں۔ اور اس لئے مہربانی کر کے.... یہ کہنے کے بعد مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے، میں اس سے لطف اندوز نہیں ہو رہا ہوں، لیکن بار بار یہ ہم کو سنایا جاتا ہے۔ اب بس، اور آگے نہیں۔ آج میں ریکارڈ پر اس لئے رکھنا چاہتا ہوں کہ برائے مہربانی بار بار مت بولیے۔ ہم کسی کے تعاون سے انکار نہیں کرتے ہیں۔ اور جب ہم کہتے ہیں کہ سوا سو کروڑ اہل وطن نے ملک کو آگے بڑھایا ہے، تو اس سوا سو کروڑ اہل وطن میں سبھی آتے ہیں۔ اور اسلئے برائے کرم موضوع کو اتنا چھوٹا نہ بنا دیں۔

معزز اسپیکر صاحب، جب آپ نے ہر چیز میں کل بڑے بڑے نعرے لگوائے- کس نے کیا؟ کس نے کیا؟ کس نے کیا؟ آج 25 جون ہے صاحب! بہت سے لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ 25 جون کیا ہے؟ اگل بغل سے پوچھنا پڑتا ہے۔ 25 جون کی وہ رات، ملک کی روح کو کچل دیا گیا تھا۔ بھارت میں جمہوریت آئین کے صفحات سے پیدا نہیں ہوئی ہے، بھارت میں جمہوریت صدیوں سے ہماری روح ہے، اس روح کو کچل دیا گیا تھا۔ ملک کے میڈیا کو دبوچ دیا گیا تھا۔ ملک کی عظیم شخصیتوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے قید کر دیا گیا تھا۔ پورے ہندوستان کو جیل خانہ بنا دیا گیا تھا- اور صرف اس وجہ سے کہ کوئی اقتدار سے محروم نہیں ہو جائے۔ عدلیہ کا فیصلہ تھا۔ عدلیہ کی توہین کیسے کی جاتی ہے اس کی وہ جیتی جاگتی مثال ہے۔ آج 25 جون کو، ہم اپنی جمہوریت کے تئیں ایک بار پھر اپنا ایثار، اپنی وابستگی اور اپنے عہد کو اور مضبوطی کے ساتھ وقف کرنا ہوگا۔ آئین کی باتیں بتانا اور آئین کو کچلنے کا گناہ کرنا، کوئی بھی ان چیزوں کو فراموش نہیں کر سکتا ہے، اور جو جو بھی اس وقت اس گناہ میں شریک تھے، یہ داغ کبھی مٹنے والا نہیں ہے۔ اور اس بات کو بار بار یاد کرنے کی بھی ضرورت ہے، تاکہ ملک میں کوئی دوسرا ایسا پیدا نہ ہو جس کو اس گناہ کی راہ پر جانے کی خواہش ہو جائے۔ اس لئے یاد کرنا ضروری ہے، کسی کو برا بھلا کہنے کے لئے نہیں۔

جمہوریت کے تئیں اعتماد کی اہمیت کیا ہے یہ سمجھنے کے لئے بھی جمہوریت پر کس طرح سے حملہ ہوا تھا۔ یہ یاد کرانا ضروری ہوتا ہے، کسی کو برا بھلا کہنے کے لئے نہیں ہوتا ہے۔ اس وقت، جب میڈیا کو مقفل کر دیا گیا تھا، ہر کسی کو لگتا تھا کہ آج شام پولیس آکر اسے پکڑ لے گی۔ ایسے ماحول میں، میرے ملک کے شہریوں کی صلاحیت دیکھئے، ان کی طاقت دیکھئے، ذات، پنت، فرقہ سب سے

اوپر اٹھ کر کے ملک نے اس وقت انتخابات میں نتیجہ دیا تھا اور جمہوریت کے لئے ووٹ دیا تھا اور جمہوریت کو پھر سے بحال کیا تھا۔ یہ میرے ملک کے ووٹرز کی طاقت ہے۔ اس بار پھر ایک بار ذات پات، پنت، فرقہ، زبان سب سے اوپر اٹھ کر صرف اور صرف ملک کے تابناک مستقبل کے لئے ایک بار پھر ووٹ دیا ہے۔

معزز اسپیکر صاحب، صدر جمہوریہ نے اپنی تقریر میں دو اہم مواقع کا ذکر کیا ہے۔ ایک گاندھی 150 اور دوسرا- آزادی 75۔ ایک شخص کی زندگی ہو، کنبے کی زندگی ہو، معاشرے کی زندگی ہو۔ کچھ تاریخیں ایسی ہوتی ہیں جو ایک نیا جذبہ پیدا کرتی ہیں، زندگی میں روح بھرنے کا موقع بن جاتی ہیں، عزائم کو پورا کرنے کے لئے خود سپردگی کے جذبے سے مربوط کر دیتی ہیں۔ بھارت کی زندگی میں بھی آج ہمارے پاس قابل احترام باپو سے بڑی کوئی شخصیت نہیں ہے جس سے ہم تحریک حاصل کریں۔ آج ہمارے پاس آزادی کی خاطر مر مٹنے والے جانبازوں سے بڑی کوئی یادیں نہیں ہیں۔ یہ موقع ہمیں نہیں کھونا چاہئے۔

ملک کی آزادی کے لئے انہوں نے اپنی زندگی صرف کر دی۔ ان کو عقیدت سے یاد کرتے ہوئے، جنہوں نے اذیتوں کو برداشت کیا، جنھوں نے اپنی جوانی ماں بھارتی کے لئے نچھاور کر دی۔ ان کو عقیدت سے یاد کرتے ہوئے اور ملک میں آزادی کے لئے عوامی تحریک کی کامیابی کے ساتھ راہنمائی کرنے والے قابل احترام باپو کو یاد کرتے ہوئے، ان تاریخوں کو ایک موقع بنا کر کے ہم ملک میں ایک بار پھر سے روح پھونک سکتے ہیں۔ اور یہ حکومت کا ایجنڈا نہیں ہو سکتا ہے، یہ کسی پارٹی کا ایجنڈا نہیں ہو سکتا ہے، یہ پورے ملک کا ایجنڈا ہوتا ہے۔ اس میں پارٹیاں نہیں ہوتی ہیں، صرف اور صرف ملک ہوتا ہے۔ صدر محترم نے اس بات کو کہا ہے۔ ہمارے لئے یہ عہد کا لمحہ ہے۔ انتخابات کے میدان میں تو، تو، میں، میں جو کرنا ہے، کر لیجئے۔ لیکن ایک موقع ہے، ہمیں اسکو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ آزادی سے قبل ملک کے لئے مرنے کا مزاج تھا۔ آج آزادی کے 75 پر ملک کے لئے جینے کا مزاج بنانے کا ہمیں موقع ملا ہے۔

میں اس ایوان میں موجود تمام عوامی نمائندوں سے گزارش کرتا ہوں۔ میں ملک کے عوامی زندگی کی رہنمائی کرنے والے لوگوں سے گزارش کرتا ہوں کہ جو محترم صدر جمہوریہ نے جو ہمیں حکم دیا ہے، جو ہم سے توقع کی ہے، اس توقع کو پورا کرنے کے لئے ہم آگے آئیں اور ان دو اہم موقعوں کو نئے بھارت کی تعمیر کے لئے، عام لوگوں کو جوڑنے کے لئے ہم کس طرح سے آگے لا سکتے ہیں، ہم کوشش کریں۔ ہندوستان میں بہت طویل غلامی کا دور رہا ہے، لیکن اس غلامی کے دور میں کوئی بھی دور ایسا نہیں تھا جب آزادی کی صدا کسی نہ کسی کونے سے نہ اٹھی ہو، ایثار اور قربانی کی روایت نہ چلی ہو۔ 1857 میں ایک منظم گروپ نمودار ہوا

،اس میں مہاتما گاندھی کا ایک بہت بڑا رول تھا۔ انہوں نے ملک کے عام آدمی کو آزادی کا سپاہی بنا دیا۔ اگر وہ جھاڑو لگاتا ہے، تو بھی آزادی کے لئے،، وہ بچوں کو تعلیم دیتا ہے، تو بھی آزادی کے لئے، وہ کھادی کے کپڑے پہنتا ہے، تو بھی آزادی کے لئے۔ یہ قابل احترام باپو نے کیا۔ پورے ہندوستان میں ایک ماحول بنا دیا۔ اور 1942 کے بھارت چھوڑو تحریک میں ملک کا ہر شخص شامل ہو گیا۔ 1942-47 جنگ آزادی کا ایک اہم موڑ ہے۔ کیا ہم گاندھی 150 اور آزادی 75 کو اس 1942 کے اسی جذبے سے سرشار ہو کر ملک کو بحرانوں سے نجات دلانا، ملک کو مسائل سے نجات دلانا، اپنے حقوق سے اوپر اٹھ کر اب فرائض پر زور دینا، ملک کو اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے تحریک دینا۔ کیا ہم اس کے لئے آگے آسکتے ہیں؟

میں مانتا ہوں کہ محترم صدر جمہوریہ نے اس موضوع کو ہمارے سامنے بہت اہم انداز میں پیش کیا ہے۔ اور لوگوں کو حیرت ہوتی تھی جب آزادی کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ مذاق بھی اڑایا جاتا تھا- کیسے چلاؤ گے؟ کیا چلاؤ گے؟ لیکن آزادی کے دیوانوں کے اندر ایک للک تھی۔ آزادی کے لئے مرنے والوں کا ایک مزاج تھا، آزادی کے لئے، آزاد بھارت کے لئے جینے والوں کا مزاج پیدا کرنا، اس قیادت میں یہ صلاحیت موجود ہے۔ میں چاروں طرف ہاتھ گھما کر کے کہہ رہا ہوں۔ میں صرف اپنے لئے نہیں کہہ رہا ہوں، نہ میں اس طرف کہہ رہا ہوں۔ ہم سب مل کر کے یہ کام کریں گے اور شاید مجھے فوری طور پر فائدہ ہو گا- یہ میری سوچ کا دائرہ نہیں ہوتا ہے، چھوٹا سوچنا مجھے پسند نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے میں کبھی کبھی محسوس کرتا ہوں کہ سوا سو کروڑ اہل وطن کے خوابوں کو اگر جینا ہے تو پھر چھوٹا دیکھنے اور سوچنے کا مجھے حق بھی نہیں ہے۔

جب حوصلہ بنا لیا اونچی اڑان کا

پھر دیکھنا فضول ہے قد آسمان کا

اس مزاج کے ساتھ، ہم نے آگے کے لئے ایک نئے حوصلے، نئے بلند خیالات کے ساتھ۔ اس حکومت کو تو ابھی تین ہفتے ہی ہوئے ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں ایک کہاوت ہے، پُتر کے لچھن پالن میں۔ کس طرح تین ہفتوں میں۔ ہمارا بھی جی کرتا تھا کہ کہیں جائیں، مالائیں پہنیں، نعرے لگوائیں۔ لیکن ہم نے اس راستے کا انتخاب نہیں کیا۔ ہمیں بھی لگتا تھا، ارے، اتنے انتخابات، چھ مہینے سے دوڑ رہے تھے، چلو، کچھ دن ہم بھی آرام کر لیں۔ لیکن وہ راستہ ہمیں پسند نہیں ہے۔ ہمارا راستہ وہ نہیں ہے، ہم تو ملک کے لئے جینے کے لئے آئے ہیں۔ تین ہفتے کے اندر اندر کتنے اہم فیصلے لیے اس حکومت نے۔ متحرک وقت کے ایک ایک لمحے کا استعمال

کر کے ملک کو آگے کیسے لایا جائے، چھوٹے کسان ہوں، چھوٹے دکاندار ہوں، کھیت مزدور ہوں، ان کو ساٹھ سال کے بعد، انکے پنشن کا فیصلہ لیا۔

ہماری وزیر اعظم کسان سمردھی یوجنا۔ ہم نے وعدہ کیا تھا کہ تمام کسانوں کو اس کے دائرے میں لاکر اسکا فائدہ دیا جائے گا۔ دے دیا گیا۔ فوجی جوانوں کے بچوں کو جو وظیفہ ملتا ہے، اس میں اضافہ کیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ سماج کے تحفظ میں مصروف ہمارے پولیس اہلکار، ان کے بچوں کو بھی یہ فائدہ حاصل ہو، اس کا ایک بہت بڑا فیصلہ لیا۔ ہم نے اس پارلیمنٹ کے اندر انسانی حقوق سے متعلق انتہائی اہم قوانین لانے کے لئے تمام ضروری تیاری مکمل کر لی ہے۔ 2022 کے خوابوں کو پورا کرنا، وزرائے اعلیٰ کی میٹنگ بلانا، آل پارٹی میٹنگ بلانا اور تمام پارٹیوں کے صدور کی میٹنگ بلانا۔ یہ سب کچھ تین ہفتوں کے اندر جتنا بھی، سب کو ساتھ لے کر جتنے بھی کام ہو سکتے تھے، یکے بعد دیگرے ایسے تمام کاموں کو کیا۔ اگر میں سب کو شمار کروں تو شاید روزانہ کے تین کام نکل آئیں گے۔ اور اس لئے محترم اسپیکر صاحب، صدر محترم نے اپنی تقریر میں ذکر کیا ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ سابقہ حکومتوں نے کوئی کام نہیں کیا ہے۔ یہاں بحث ہو رہی تھی، یہ ڈیم بنا، وہ ڈیم بنا، فلاں ڈیم بنا، بہت ساری باتیں ہوئیں۔ اچھا ہوتا بابا صاحب امبیڈکر کے نام کا ذکر ہوتا۔ ہندوستان میں پانی کے حوالے سے جتنے بھی اقدامات اٹھائے گئے ہیں، وہ سارا کام بابا صاحب امبیڈکر کی قیادت میں کیا گیا۔ لیکن کیا ہے کہ ایک حد کے بعد بہت اونچائی پر جانے پر نظر نہیں آتا ہے۔ وسطی آبی گزر گاہوں، آب پاشی، نیوی گیشن، اور بابا صاحب پانی کے سلسلے میں کہتے تھے۔ میرے خیال میں بابا صاحب کے یہ احکامات ہم سب کے لئے کارآمد ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ "انسان کو پانی کی کمی سے زیادہ پریشانی ہوتی ہے، نہ کہ اس کی زیادتی سے"۔ میں سمجھتا ہوں کہ بابا صاحب نے اس تشویش کا اظہار کیا تھا۔ اس تشویش کا ادراک کرتے ہوئے ہمیں کچھ نہ کچھ سوچنا ہو گا۔

یہاں بہت سارے ڈیم کی بات ہوئی، اس میں سردار سروور ڈیم کی بھی بات آئی۔ لہذا، میں کچھ وقت لینا چاہتا ہوں معزز اسپیکر صاحب۔ کیونکہ کبھی کیا ہوتا ہے کہ ایسے بھرم پھیلائے جاتے ہیں۔ اچھا، ان کا ایکو سسٹم ایسا ہے کہ انکو بھی اسی کو آگے بڑھانے میں مزہ آتا ہے۔ حقیقت کو کبھی اجاگر ہونے نہیں دیتے۔ میرے آج بولنے کے بعد بھی حقیقت سامنے آئے گی، اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ یہ یہیں رہ جائے گی۔ لیکن پھر بھی مجھے اپنا فرض ادا کرنے کا اطمینان ہو گا۔ یہ سردار سروور ڈیم، پنڈت نہرو نے اسکی بنیاد 1961 میں رکھی تھی۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے اسکا خواب دیکھا تھا، لیکن اس کی بنیاد 1961 میں رکھی گئی تھی۔ اور کئی دہائیوں تک کوئی منظوری نہیں۔ پتھر نصب کر دیا گیا تھا بغیر منظوری کے۔ اور اس وقت جو 6 ہزار کروڑ کا منصوبہ تھا۔ اسکی تکمیل تک یہ 60-70 ہزار کروڑ تک جا پہنچا۔

وقت بھی اسکو روکنے کی کوشش ہوئی۔1986-1987 میں 6 ہزار کروڑ کا خرچہ 62 ہزار تک پہنچا، ہم نے آکر کے اسے مکمل کیا، مجھے بھوک ہڑتال پر بیٹھنا پڑا تھا۔ یوپی اے حکومت کے خلاف مجھے بھوک ہڑتال پر جانا پڑا تھا۔ وزیر اعلیٰ تھا، کیوں کہ ساری چیزیں روک دی گئیں تھیں۔ اور تب جاکر کے یہ منصوبہ ابھی میں نے اسے مکمل کیا۔ ابھی وزیر اعظم بننے کے پہلے پندرہ دنوں میں نے ان تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کا کام کیا تھا۔ آج تقریباً 4 کروڑ افراد پانی حاصل کر رہے ہیں۔ سات مہانگروں کو، 107 بلدیات اور 9 ہزار گاؤں کو پینے کا صاف پانی مل رہا ہے۔ پانی کی تکلیف کیا ہوتی ہے وہ راجستھان اور گجرات کے عوام زیادہ جانتے ہیں۔ لہذا اس بار ہم نے پانی کی علیحدہ وزارت تشکیل دی ہے۔ ہمیں پانی کے بحران کو سنجیدگی سے لینا ہوگا۔ اور اس سیزن میں بھی ہمیں پانی کے جمع کرنے پر زیادہ تاکید دینا چاہئے۔ اور میں تمام معزز ممبران پارلیمنٹ سے گزارش کرتا ہوں، میں غیر سرکاری تنظیموں سے گزارش کرتا ہوں، کہ ہمیں ملک میں پانی کی اہمیت بڑھانے میں کس طرح اپنا تعاون پیش کرنا چاہئے اور حکومت کے دائرہ سے باہر رہ کر کے کریں۔ پانی کو بچانا ہے۔ اس کام کو کر کے ہم عام آدمی کی زندگی کو بچانے میں مدد کر سکتے ہیں۔ اور پانی کا بحران دو لوگوں کو سب سے زیادہ متاثر کرتا ہے، غریب اور خاص کر ہماری ماؤں بہنوں کو۔

ہمارے سماجوادی دوستوں کا کیا ہوا، مجھے معلوم نہیں ہے۔ لیکن لوہیا جی بڑی عاجزی سے کہتے تھے کہ ملک کی خواتین کے دو مسائل ہیں، پانی اور پائخانہ۔ لوہیا جی لگاتار کہتے تھے کہ ان مسائل سے ماؤں، بہنوں آزاد کرو۔ ہم نے بیت الخلاء بنا کر ماؤں بہنوں کا احترام کرنے کے لئے، لوہیا جی کے خواب کو پورا کرنے کے لئے سخت محنت کی ہے، اور "ہر گھر کو جل" اس منتر کو لے کر آگے بڑھنا ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ مشکل کام ہے، یہ ایک بہت بڑا کام ہے، ہو سکتا ہے کہ کوئی اسے ترازو میں تول کر کے ہمیں فیل بھی کر دیں، کہ مودی کو 100 میں سے 70 نمبر نہیں ملیں گے، 50 ملیں گے۔ جو بھی ہوگا لیکن کسی کو تو ہاتھ لینا ہوگا۔ ہم نے لگایا ہے۔ ہم نے جل شکتی وزارت کی بات کی ہے۔ پانی کا تحفظ ایک دوسری ذمہ داری ہے۔ یہ دنیا میں ثابت ہے کہ مائکرو آبپاشی گنے کی کاشت میں بہت معاون ہے۔ کسانوں کو کون سمجھائے گا، مائیکرو آبپاشی کے لئے کون سمجھائے گا۔ حکومت کا منصوبہ ہے، پیسے مل سکتے ہیں، پانی کی بچت کی ایک بڑی وجہ ہو سکتی ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی طرف ہمیں توجہ دینی ہے۔ بوند بوند پانی بچا کر ملک کو کیسے آگے لے جانا ہے۔

زراعت ہمارے ملک کی معیشت کی ریڑھ ہے۔ ہماری دیہی معیشت کی ریڑھ ہے، لیکن ہمیں پرانے طریقوں سے باہر آنا ہوگا۔ کیسے ان کی لاگت کم ہو، زیرو بجٹنگ کھیتی کے جو تجربات کئے جا رہے ہیں، اس میں کامیابی مل رہی ہے۔ پیداوار میں کوئی کمی نہیں آتی ہے۔ مجموعی صحت کی دیکھ بھال کے آج کے دور میں معیار میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہم سب کو کسی بھی پروگرام کو

سرکاری پروگرام سمجھے بغیر، سیاست سے اوپر اٹھ کر، اس ملک کے کسانوں کی بھلائی کے لئے، ملکر کے چلنا ہو گا۔ ہمیں کسانوں کا ہاتھ تھامنا ہے۔ کارپوریٹ جگت کا زراعت کے شعبے میں کوئی سرمایہ کاری نہیں ہے۔ ہمیں ان کو اس طرف راغب کرنا ہو گا، انکے لئے کچھ نئے اصول وضوابط وضع کرنے ہوں گے۔ ورنہ کوئی ٹریکٹر بنانا کر یہ مان لیتا ہے کہ اس نے سرمایہ کاری کر دی ہے۔ ہمیں براہ راست فوڈ پروسیسنگ میں، گوداموں کو بنانے میں، کولڈ اسٹوریج بنانے میں کارپوریٹ دنیا کی سرمایہ کاری، وقت کی ضرورت ہے۔ اور ہمیں اس پر زور دے کر کام کرنا چاہئے۔ کسانوں کو اے پی اوز کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کر کے، ان کے لئے بیج سے لے کر بازار تک کا انتظام ہونا چاہئے، جس کی وجہ سے ہمارے زراعت کے شعبے میں برآمد ایک بہت بڑا موقع ہے، اسکے بڑے امکانات موجود ہے۔ ہمیں ان شعبوں پر زور دینا ہو گا۔ پچھلی بار جب ہم نے 2014 میں دالوں کی قیمتیں دیکھیں، ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ لیکن ملک کے کسان کا مزاج دیکھئے، جب میں نے ایک معمولی سی درخواست کی تھی کہ آپ دالوں کے لئے آگے آیئے اور میرے ملک کے کسانوں نے دالوں کی ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بہت زیادہ کام کیا۔ دالیں ہوئیں۔ اب ہمیں ملک کے کسانوں کو تلہن کے لئے ترغیب دینی چاہیے اور ملک کو ایک قطرہ بھی تیل، خوردنی تیل کی درآمد نہ کرنا پڑے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم ملک کے کسان کو راغب کر سکتے ہیں اور اس کو جوڑ سکتے ہیں۔ ان چیزوں کو لے کر کے مستقبل کے نصب العین کے ساتھ، دیہی معیشت، کسان کی طاقت اور ملک کی ضرورت کو جوڑ کر کے ہم کام کر سکتے ہیں، ہم اس سمت میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔

معزز اسپیکر صاحب، یہ سچ ہے کہ اعداد و شمار کو ہر طرح سے تنقید کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کیا اس ملک کا خواب جب آپ کے زمانے میں کچھ ہو تو بہت مزے کی بات ہے، لیکن اگر یہ کسی اور کے زمانے میں ہو تو بہت برا! اسی ایوان میں جب ہم معیشت میں 11 یا 13 نمبر پر پہنچے تھے تو بڑے جوش اور امنگ کے ساتھ بینچ کو تھپ تھپایا جا رہا تھا اور اس چیز کو ایک بہت بڑی کامیابی کے طور پر ظاہر کیا گیا تھا جب 11 یا 13 پر پہنچے تھے، لیکن جب 6 پر پہنچے تو ایسا لگ رہا تھا کہ ایسا کیا ہو گیا بھائی، ارے، ملک وہی ہے، ہم بھی ملک کے لوگ ہیں، 11 پر جانے کے بعد مزہ آتا ہے، تو 6 پر تو اور آنا چاہئے۔ کب تک، کب تک اتنا اونچا رہیں گے کہ نیچے دکھائی نہیں دے۔ اور اس لئے پانچ کھرب ڈالر کی معیشت کا ہم سب کا خواب کیوں نہیں ہونا چاہئے؟ ہم سب مل کر ملک کو پانچ ٹریلین تک لے جائیں گے۔ اس میں کس کا نقصان ہونے والا ہے؟ سب کو فائدہ ہونے والا ہے۔ اور میں مانتا ہوں کہ اس کے لئے ہم سب کو محنت کرنی چاہئے اور اسی سمت میں آگے جانا چاہئے۔ ایک خواب لے کر کے چلنا چاہئے۔ اور مجھے یقین ہے۔ میک ان انڈیا۔ مذاق بہت اڑا لیا۔ لیکن کیا کوئی اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ ملک میں میک ان انڈیا ہونا چاہئے۔

معززاسپیکر صاحب، میں کسی پر تنقید کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ مجھے کرنے کے لئے بہت کام ہے۔ لیکن ملک کو کچھ چیزوں کے بارے میں اطلاع دینا ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کو دوسو، سوا دوسو سال کا جنگی اسلحہ بنانے کا تجربہ ہے۔ دوسو، سوا دوسو سال۔ اور جب یہ ملک آزاد ہوا تو اس ملک میں 18 ایسی فیکٹریاں تھیں جو اسلحے بناتی تھیں۔ اور جب ملک آزاد ہوا اس وقت چین اسلحہ سازی کے شعبے میں صفر پر تھا، صفر۔ اسے نہ تو کوئی تجربہ تھا اور نہ ہی کوئی فیکٹری تھی۔ آج چین اپنی دفاعی مصنوعات دنیا کو برآمد کرتا ہے اور ہم دنیا کے سب سے بڑے درآمد کنندہ ہیں۔ ہمیں ملک کو اس حقیقت سے نکالنا ہے۔ میک ان انڈیا کا مذاق اڑا کر آپ کیا کرلیں گے جی، شاید آپ کو رات کو اچھی نیند آجائے گی، لیکن دیش کا تو بھلا نہیں ہوگا۔ اور اس لئے، ہاں اس کو اور اچھا کیسے کریں۔

محترم اسپیکر صاحب، میں آپ کا بے حد مشکور ہوں اور مجھے موقع دینے کے لئے ایوان کا بھی شکر گزار ہوں۔ بھارت دنیا کی پہلی پانچ معیشتوں میں کیسے داخل ہوگا۔ برآمد میں بھارت کو کیسے فروغ دیں، ہمارے نوجوان اسٹارٹ اپ کی دنیا میں بہت کچھ کر رہے ہیں۔ جئے جوان، جئے کسان، جئے وگیان اور اب جئے انوسندھان۔ ہم ملک میں ان چیزوں پر کیسے زور دیں۔ اور ہم اپنے نوجوانوں کو روزگار بھی فراہم کریں۔ ہمارے ملک میں سیاحت کے بہت امکانات موجود ہیں، لیکن ہم نے ہی اپنے ملک کے بارے میں اتنا احساس کمتری پیدا کرلیا ہے۔ اور اسی وجہ سے، ہم دنیا کے لوگوں کو ہندوستان پر فخر کرنے کی طرف راغب کرنے میں پیچھے رہ گئے ہیں۔

صفائی کی مہم نے ایک طاقت دی ہے۔ ہم سیاحت پر زور دے سکتے ہیں۔ اور بھارت میں روزگار کے امکانات بڑھ سکتے ہیں۔ اور ہم سیاحت کے ذریعہ دنیا میں بھارت کی ایک نئی شناخت پیدا کرسکتے ہیں۔ ہمیں ان چیزوں کو آگے بڑھانا ہے۔ آنے والے دنوں میں ملک کو جدید انفراسٹرکچر کی طرف لے جانا ہے۔ 100 لاکھ کروڑ روپے، یہ بھی کم پڑجائیں گے، اتنی، ملک کو ضرورت ہے۔ لیکن ہمیں اتنے بڑے خواب کے ساتھ آگے بڑھنا ہے اور دنیا بھر سے جو بھی انتظامات ہوسکتے ہیں، ہمیں ان تمام انتظامات کو استعمال کرنا ہے۔ اور ان ساری چیزوں کے پیچھے ہمارا خواب نیا بھارت ہے، ہمارا خواب جدید بھارت ہے، اور ہمارے خواب میں زندگی کی آسانیاں ہیں، ایک عام انسان کی زندگی میں آسانیاں، اسے اپنے خوابوں کو سچ کرنے کے لئے اسے سارے مواقع ملنے چاہئیں۔ اس طرح کے انتظامات تیار کرنا اور انہیں باتوں کو لے کرکے، اور چاہے گاؤں ہو یا شہر ہو، ہر ایک کے لئے یکساں مواقع لے کرکے ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ آج دنیا میں ہم آبادیاتی ڈویڈنٹ کی بات کرتے ہیں، آج ملک میں نوجوانوں کی طاقت ہے۔ لیکن کیا ہم اپنے جوانوں کو دنیا کی ضرورت کے مطابق تیار کر پا رہے ہیں؟ ہمیں بہت کچھ کرنے کی ضرورت

ہے۔ اسکل ڈویلپمنٹ کی بات ہو تو، ہمیں اس کے پیمانے کو بھی بڑھانا پڑے گا اور ہمیں ہر دائرہ کار پر قبضہ کرنا پڑے گا۔ اور ہم جدیدیت کی سمت کیسے لے جائیں، محترم صدر جمہوریہ نے اس بات کو آگے بڑھایا ہے۔ حکومت نے ایک مارکیٹ کے لئے جی-ایم کا انتظام کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جہاں بھی آپ کی ریاستی حکومتیں ہوں، جس پارٹی سے بھی آپ تعلق رکھتے ہو، ملک جی-ایم پورٹل کا استعمال کریں۔ بہت بڑی رقم بچائی جاسکتی ہے اور بہت سے لوگوں کی مدد کی جاسکتی ہے۔ اور چھوٹے سے چھوٹے لوگ بھی اپنی مصنوعات حکومت کی دہلیز تک لے جاسکتے ہیں۔ ہمیں اس سمت کام کرنا چاہئے۔ یہ میری درخواست ہے۔

بدعنوانی کے خلاف ہماری جنگ جاری رہے گی۔ ہمیں کوسا جارہا ہے کہ ہم نے فلاں کو جیل میں کیوں نہیں ڈالا! یہ ایمرجنسی نہیں ہے کہ سرکار کسی کو جیل میں ڈال دے، یہ جمہوریت ہے۔ یہ کام عدلیہ کا ہے۔ ہم قانون سے چلنے والے لوگ ہیں۔ اور اگر کسی کو ضمانت ملتی ہے تو مزے کرے، اس می کیا مضائقہ ہے۔ انتقامی جذبے کے تحت کام نہیں ہونا چاہئے، لیکن بدعنوانی کے خلاف ہماری جنگ جاری رہے گی۔ جتنا نے، ایشور نے ہمیں عقل و طاقت دی ہے، لیکن جو بھی کریں گے، ایمانداری سے کریں گے، کسی کے تیئں حقارت کی وجہ سے نہیں کریں گے اور ملک نے ہمیں اتنا دیا ہے... اتنا دیا ہے، ہمیں غلط راستے پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹکنالوجی کا استعمال بہت بڑے پیمانے پر ہو سکتا ہے۔

معزز اسپیکر صاحب، دہشت گردی کے تعلق سے ملک میں اختلاف کیوں ہونا چاہئے۔ یہ انسانیت کے لئے ایک بہت بڑا بحران ہے اور یہ انسانیت کے لئے ایک چیلنج ہے، انسانیت میں یقین رکھنے والے تمام لوگوں کو یکجا ہو کر اس کے خلاف لڑنا ہو گا۔

ہم خواتین کو بااختیار بنانے کی بات کریں۔ کانگریس کو کئی بار اچھے مواقع ملے، لیکن پتہ نہیں کیوں، اتنے اونچے ہیں کہ چیزیں نظر نہیں آتیں، چھپ جاتی ہیں۔ 50 کی دہائی میں، یکساں سول کوڈ کے بارے میں بات ہو رہی تھی، کانگریس کے پاس موقع تھا، لیکن کانگریس نے اسے کھو دیا۔ اور ہندو کوڈ بل لا کر اس نے اپنی گاڑی چلالی۔ اسکے 35 سال بعد کانگریس کو ایک اور موقع ملا شاہ بانوں کیس میں، سپریم کورٹ نے پوری مدد کی تھی، اور ملک میں صنفی مساوات کے لئے اچھے ماحول کا امکان بنا تھا، لیکن اس اونچائی نے نیچے کی چیزوں کو دیکھنے سے انکار کر دیا اور اسے کھو دیا گیا۔ آج 35 سال بعد، ایک بار پھر کانگریس کے پاس موقع آیا ہے۔ ہم بل لے کر کے آئے ہیں، یہ ملک کی خواتین کے وقار کا، اس کو کسی بھی فرقے سے جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میں چاہوں گا کہ کانگریس پارٹی، خاص طور سے ایک بات جو اس وقت شاہ بانو کے حوالے سے چل رہی تھی۔ اس سارے معاملے میں جو وزیر تھے، انہوں نے ایک ٹی وی انٹرویو میں جو بات کہی، وہ چونکانے والی ہے۔ میرے پاس اس کی تصدیق کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ میں نے جو سنا ہے وہ بتاتا ہوں۔ اس وقت کے کانگریس کے وزرا کے منہ سے کیا باتیں نکلتی تھیں، وہ انہوں نے کہی ہیں۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ جب شاہ بانوں کا مسئلہ چل رہا تھا تب کانگریس کے کسی وزیر نے کہا تھا کہ مسلمانوں کی ترقی کی ذمہ داری کانگریس کی نہیں ہے۔ دیکھئے، سنجیدہ بات ہے۔ مسلمانوں کی ترقی کی ذمہ داری کانگریس کی نہیں ہے۔ اگر وہ گٹر میں پڑے رہنا چاہتے ہیں تو انھیں رہنے دو۔ ہمارے ملک کے شہری ہیں، ان کو آگے لے جانے کے لئے۔ مل جائے گا، مل جائے گا، یوٹیوب کا لنک بھیج دوں گا۔

معزز اسپیکر صاحب ، میں زیادہ وقت نہیں لیتا ہوں، لیکن جو صدر محترم نے گاندھی نے جو 150 اور آزادی 75 کی جو بات کہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں ہمارے ملک میں کسی نہ کسی وجہ سے حقوق پر ہی مرکوز رہیں ساری باتیں۔ ہر کوئی حقوق سے منسلک ہوتا رہا، حقوق کی فکر کرتا رہا۔ یہ ایک ایسا موقع ہے کہ ہم ملک کو ایک دم سے تبدیل کر کے حقوق سے فرائض کی طرف لے چلیں۔ اور عوامی نمائندوں کا بھی یہ کام ہے ، عوامی شعور کو بیدار کرنا ، عوامی نمائندے کا کام ہے کہ ایسے وقت میں رہنمائی کریں۔ اور یہ موضوع ایسا نہیں ہے جس کو میں کہہ رہا ہوں۔ ہم میں سے ہر کسی نے سنا بھی ہے کہ فرض کی کیا طاقت ہوتی ہے۔

مہاتما گاندھی کہا کرتے تھے کہ ہر حق کے ساتھ ایک فرض بھی منسلک ہوتا ہے۔ لوہیا جی کہا کرتے تھے ، فرض کو ادا کرتے وقت نفع نقصان نہیں دیکھا جاتا۔ اور میں اس قول کو ذرا تفصیل سے بتانا چاہتا ہوں۔ بہت پرانی بات ہے جو ایک قول ہے: " دنیا کو بھارت کا ایک بڑا اسبق یہ ہے کہ یہاں سب سے پہلے فرائض آتے ہیں اور انہیں فرائض سے حقوق نکلتے ہیں۔ آج کی جدید مادیت۔ پسند دنیا میں جہاں ہر طرف تنازعات دیکھنے کو ملتے ہیں، ہر کوئی اپنے حقوق اور سہولت کے بارے میں بات کرتا ہے، شاید ہی کوئی فرائض کی بات کرتا ہو، یہی تنازعہ کی وجہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حقوق اور سہولیات کے لئے ہی ہم لڑائی لڑتے ہیں لیکن ایسا کرتے ہوئے اگر ہم اپنے فرائض کو فراموش کر دیں تو یہ حقوق اور سہولیات بھی ہمارے پاس نہیں رہ پائیں گی"۔ میرے خیال میں یہ ایک واضح فلسفہ ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ جس عظیم شخصیت نے یہ بات کہی ہے، اس کے بعد اس کو فراموش کر دیا گیا ہے۔ اس عظیم شخصیت کو پھر سے یاد کرتے ہوئے اس بات کو آگے لے جاسکتے ہیں کیا؟ اور وہ عظیم انسان تھے جنہوں نے کہا تھا، 14 جولائی 1951 کو، جب انتخابات سے قبل کانگریس کے پہلے منشور کا اعلان کیا جارہا تھا۔ اس اعلان کے وقت ، یہ پیراگراف پنڈت نہرو جی نے بولا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ پنڈت نہرو جی نے جو خواب 1951 میں دیکھا تھا، اس خواب کو پورا کرنے کے لئے ، ملک کو

فرائض کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے، پنڈت جی کی اس خواہش کو سمجھ کر کے ملک کو فرض کی راہ پر گامزن کرنے کی خاطر، ہم آگے بڑھ سکتے ہیں کیا؟ ہم سب مل کر کے طے کریں اور ہم آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ ہمارے ملک کا تجربہ ایسا ہے کہ جب مہاتما گاندھی نے ملک کے نوجوانوں سے کہا تھا کتابیں چھوڑو، آزادی کے لئے چلو، لوگ نکل پڑے تھے۔ گاندھی جی نے کہا تھا کہ بدیشی چھوڑ، سودیشی اپناؤ، لوگ چل پڑے تھے۔ لال بہادر شاستری نے کہا تھا، ایک وقت کا کھانا چھوڑ دو۔ اناج پیدا کرو، ملک نے کر دکھایا۔ مجھ جیسے چھوٹے آدمی نے کہا گیس سبسڈی چھوڑ دو، لوگوں نے چھوڑ دیا۔ مطلب یہ کہ ملک تیار ہے۔ آیئے، ہم سب مل کر ایک نئے بھارت بنانے کے لئے، جدید ہندوستان کی تعمیر کے لئے، سیاست کی سرحدوں سے بھی بالاتر ملک ہوتا ہے، پارٹی سے بڑا ملک ہوتا ہے۔ ملک کے کروڑوں عوام کی جو امیدیں اور امنگیں ہیں، ان کی تکمیل کے لئے محترم صدر جمہوریہ نے ہمیں جو رہنمائی فرمائی ہے، جو ہدایت دی ہے۔ صدر محترم کا استقبال کرتے ہوئے، ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم نہ صرف ان کی تقریر کا شکریہ ادا کریں بلکہ اس خطبہ کی روح کو جی کر کے اور قومی مفاد میں کچھ کر کے صحیح معنوں میں ان کا شکریہ ادا کریں۔ اسی ایک توقع کے ساتھ، میں ان تمام معزز ممبران کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی تقریر کا اختتام کرتا ہوں جنہوں نے اس بحث کو تقویت بخشی ہے۔

محترم اسپیکر صاحب، آپ کا بھی بہت بہت شکریہ۔

راجیہ سبھا کے ۲۵۰ویں اجلاس پر

وزیراعظم شری نریندر مودی کی تقریر

۱۸نومبر، ۲۰۱۹

راجیہ سبھا کے 250ویں اجلاس پر وزیر اعظم کی تقریر

18نومبر 2019

عالیجناب چیئر مین صاحب اور قابل احترام ایوان، میں آپ کے توسط سے اس 250 ویں اجلاس میں یہاں موجود تمام اراکین پارلیمنٹ کو بہت بہت مبارک باد دیتا ہوں، لیکن اس 250 ویں اجلاس کے درمیان یہ جو سفر رہا ہے، اب تک جن جن لوگوں نے اپنا اہم تعاون دیا ہے، وہ سبھی مبارکباد کے مستحق ہیں، میں انہیں بھی احترام کے ساتھ یاد کرتا ہوں۔

چیئر مین جی، آپ جب بہت آرٹیکولیٹ طریقے سے دو الگ الگ واقعات کو جوڑ کرکے ابھی پیش کر رہے تھے، مجھے یقین ہے کہ ملک میں جو لوگ لکھنے کے شوقین ہیں، وہ ضرور اس پر اب غور کریں گے، لکھیں گے کہ 250 واں اجلاس ، یہ اپنے آپ میں گزرا ہوا وقت جیسا نہیں ہے بلکہ ایک نظریاتی سفر بھی رہا ہے۔ جیسا آپ نے کہا کہ کبھی ایک بل ایسا آیا تھا، ایک بالکل الگ سا، نیا بل اس طرح سے آیا۔ وقت بدلتا گیا، حالات بدلتے گئے اور اس ایوان نے بدلے ہوئے حالات کو قبول کرتے ہوئے اپنے کو ڈھالنے کی کوشش کی۔ میں سمجھتا ہوں یہ بہت بڑی چیز ہے اور اس کے لئے ایوان کے سبھی اراکین جنہوں نے اس وقت تک کام کیا، مبارک باد کے مستحق ہیں، ورنہ کسی کو لگ سکتا ہے کہ بھئی 20 سال پہلے میں نے تو یہ اسٹینڈ لیا تھا اب میں اپنا اسٹینڈ کیسے بدل سکتا ہوں۔ لیکن آپ نے جس طرح سے آرٹیکولیٹ کر کے اس بات کو پیش کیا، وہ ہمارے نظریاتی سفر کی عکاسی کرتا ہے، بھارت کی ترقی کے سفر کی عکاسی کرتا ہے اور عالمی ماحول میں بھارت کس طرح سے نئی نئی باتوں کو لیڈ کرنے کی قوت رکھتا ہے، اس کی بھی اس میں عکاسی ہے۔ اور یہ کام اس ایوان سے ہوا ہے، اس لئے ایوان اپنے آپ میں فخر کا احساس کرتا ہے۔

میرے لئے خوش قسمتی کا باعث ہے کہ آج اس اہم موقع کا میں گواہ ہوں اور اس میں شریک ہونے کا مجھے موقع ملا ہے۔ یہ صاف کہہ سکتے ہیں ہم کہ کبھی بحث چل رہی تھی آئین سازوں کے درمیان کہ ایوان ایک ہو یا دو ہوں، لیکن تجربہ کہتا ہے کہ آئین سازوں نے جو نظام دیا، وہ کتنا مناسب رہا ہے اور کتنا بہترین تعاون کیا ہے۔ اگر ایوان زیریں زمین سے جڑا ہوا ہے تو ایوان بالا دور تک دیکھ سکتا ہے۔ اور اس طرح سے ہندوستان کی ترقی کے سفر میں ایوان زیریں سے زمین سے جڑی ہوئی اس وقت کی چیزوں کی اگر عکاسی ہوتی ہے تو یہاں بیٹھے ہوئے معززین سے کیونکہ وہ اوپر ہیں، اوپر والا ذرا دور کا دیکھ سکتا ہے، تو دور کی نظر کا بھی تجربہ اس میں شامل ہے۔ ان دونوں کا کمبی نیشن ان ہمارے دونوں ایوانوں میں ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے۔

اس ایوان نے کئی تاریخی لمحے دیکھے ہیں۔ تاریخ رقم کی ہے اور رقم ہوتی ہوئی تاریخ کو دیکھا بھی ہے اور ضرورت پڑنے پر اس تاریخ کو موڑنے میں بھی اس ایوان نے بہت بڑی کامیابی پائی ہے۔ اسی طرح سے اس ملک کی معزز ہستیوں نے اس ایوان کی قیادت کی ہے، اس ایوان میں شرکت کی ہے اور اس کی وجہ سے ہمارے ملک کی اس ترقی کے سفر کو اور آزادی کے بعد کی بہت سی چیزیں گڑھنی تھیں۔ اب تو 50-60 سال کے بعد بہت سی چیزوں نے شیپ لے لی ہے، لیکن وہ شروعاتی دور میں فیئر آف انّون سے ہمیں گزرنا پڑتا تھا۔ اس وقت جس میچیوریٹی کے ساتھ سب نے قیادت کی ہے، یہ اپنے آپ میں بہت بڑی بات ہے۔

محترم چیئرمین جی، یہ ایوان کی بڑی خصوصیت ہے اور دو پہلو خاص ہیں، ایک تو اس کا وجود پرمانینٹ کہیں یا ایٹرنل کہیں، اور دوسرا ہے تنوع یا ڈائیورسٹی۔ اس کی مستقل حیثیت ہے، یہ ایٹرنل اس لئے ہے کہ لوک سبھا تو تحلیل ہوتی ہے، اس کا جنم ہوا نہ اب تک کبھی تحلیل ہوئی ہے نہ تحلیل ہونا ہے، یعنی یہ ایٹرنل ہے۔ لوگ آئیں گے، جائیں گے لیکن یہ نظام ایٹرنل رہتا ہے۔ یہ اپنی اس کی ایک خاصیت ہے۔ اور دوسرا ہے تنوع، کیونکہ یہاں ریاستوں کی نمائندگی ترجیح ہے۔ ایک طرح سے بھارت کے فیڈرل اسٹرکچر کی روح یہاں پر ہر لمحے ہماری حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ بھارت کا تنوع، بھارت کا کثرت میں وحدت کا جو فارمولہ ہے، اس کی سب سے بڑی طاقت اس ایوان میں نظر آتی ہے اور وہ وقت وقت پر یہ رفلیکٹ بھی ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح سے ان گونا گونیت کے ساتھ ہم جب آگے بڑھتے ہیں تب، اس ایوان کا ایک اور فائدہ بھی ہے کہ ہر کسی کے لئے انتخابی میدان عبور کرنا بہت آسان نہیں ہوتا ہے، لیکن ملک کے مفاد میں ان کی افادیت کم نہیں ہوتی ہے۔ ان کا تجربہ، ان کی صلاحیت اتنی ہی بیش قیمت ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے کہ جہاں اس طرح کی صلاحیت کے حامل معززین، الگ الگ علاقوں کے تجربہ کار لوگ، ان کا فائدہ ملک کی سیاسی زندگی کو، ملک کی پالیسی سازی کے اندر ان کا بہت بڑا فائدہ ملتا ہے اور وقت وقت پر ملا بھی ہے۔ سائنس داں ہوں، کھیل دنیا کے لوگ ہوں، آرٹ کی دنیا کے لوگ ہوں، قلم کے دھنی ہوں، ایسے متعدد معزز شخصیات کا فائدہ جن کے لئے انتخابی میدان سے نکل کر آنا بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن اس نظام کی وجہ سے ہماری ان دانشورانہ صلاحیتوں کی بھی ایک رچنیس ہمیں اس سے حاصل ہوئی ہے۔ اور اس 250 ویں اجلاس میں ہمیں اسکا مشاہدہ ہوا۔ اور میں مانتا ہوں اس کی سب سے بڑی مثال بابا صاحب امبیڈکر خود ہیں۔ کیونکہ کسی نہ کسی وجہ سے ان کو لوک سبھا میں پہنچنے نہیں دیا گیا۔ لیکن یہی تو راجیہ سبھا تھی جہاں بابا صاحب امبیڈکر کی وجہ سے ملک کو بہت فائدہ حاصل ہوا اور اس لئے ہم اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ یہ ایوان ہے جہاں سے ملک کو بابا صاحب امبیڈکر جیسے کئی عظیم ہستیوں کا ہمیں بہت فائدہ ملا۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک طویل عرصہ ایسا تھا کہ جہاں اپوزیشن جیسا کچھ خاص نہیں تھا، مخالفت کا جذبہ بھی بہت کم تھا- ایسا ایک بہت بڑا عرصہ رہا ہے۔ اور اس وقت نظام حکومت میں جو لوگ

بیٹھے تھے ان کی وہ ایک خوش قسمتی رہی کہ ان کو اس کا بہت بڑا موقع بھی ملا، جو آج نہیں ہے۔ آج ڈگر ڈگر پر جدوجہد کرنی پڑتی ہے، ڈگر ڈگر پر مخالفت کا جذبہ ظاہر رہتا ہے۔ لیکن اس وقت جبکہ مخالف طبقہ نہ کے برابر تھا، اس ایوان میں ایسے بہت ہی تجربہ کار اور دانشور شخصیات بیٹھی تھیں کہ انہوں نے نظام حکومت میں کبھی بھی منفی جذبات نہیں آنے دیئے۔ حکومت میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو صحیح سمت میں جانے کے لئے حوصلہ افزائی کرنے کے مشکل کام، اسی ایوان میں ہوئے ہیں۔ یہ ایک یعنی کتنی بڑی خدمت ہوئی ہے، اس پر ہم فخر کر سکتے ہیں اور یہ ہم سب کے لئے یادگار ہے۔

محترم چیئر مین صاحب، ہمارے پہلے نائب صدر ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن جی نے اس ایوان کے سلسلے میں جو بات کہی تھی، میں اسے آپ کے سامنے پیش کرنا چاہوں گا۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن جی نے کہا تھا، اسی کرسی پر بیٹھ کر انہوں نے کہا تھا اور وہ آج بھی اتنا ہی موزوں ہے۔ اور آپ جناب پرنب مکھر جی کی بات کا ذکر کرتے ہوں یا خود اپنا درد بیان کرتے ہوں، یہ ساری باتیں اس میں ہیں اور اس وقت رادھا کرشنن جی نے کہا تھا ہمارے خیال، ہمارا رویہ، اور ہماری سوچ ہی دو ایوانوں والے ہمارے پارلیمانی نظام کے جواز کو ثابت کرے گا۔ آئین کا حصہ بنے اس دو ایوان والے نظام کا امتحان ہمارے کاموں سے ہوگا۔ ہم پہلی بار اپنے پارلیمانی نظام میں دو ایوانوں کی شروعات کر رہے ہیں۔ ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ ہم اپنی سوچ، قوت اور سمجھ سے ملک کے سامنے اس نظام کا جواز پیش کریں۔

250 سیشن کے سفر کے بعد، تجربہ کے اتنا کامل ہونے کے بعد حال کی جانب آنے والی نسلوں کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے کہ ڈاکٹر رادھا کرشنن جی نے جو توقع کی تھی، کہیں ہم اس سے نیچے تو نہیں جا رہے ہیں، کیا ہم ان کی توقعات کو پورا کر رہے ہیں، یا بدلتے ہوئے زمانے میں ہم ان کی توقعات کو بھی اور اچھا ویلیو ایڈیشن کر رہے ہیں، یہ سوچنے کا وقت ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ایوان کی موجودہ نسل بھی اور آنے والی نسل بھی ڈاکٹر رادھا کرشنن جی کی توقعات کو مکمل کرنے کے لئے مسلسل کوشش کرتی رہے گی اور اس آنے والے دنوں میں ملک کو اگر اب، جیسا ابھی محترم چیئر مین جی نے کہا، اگر ہم گزشتہ 250 سیشن کا جائزہ لیں تو کئی اہم تاریخی بل یہاں پاس ہوئے ہیں جو ایک قسم سے ملک کے قانون بنے، ملک کی زندگی کو چلانے کی بنیاد بنے ہیں۔ اور میں بھی گزشتہ اگر پانچ سال کا حساب کتاب دیکھوں تو میرے لئے بڑے خوش قسمتی کی بات ہے کہ ایسے کئی اہم واقعات کا گواہ بننے کا موقع مجھے بھی ملا ہے۔ طرح طرح کے ہر کسی کے خیال کو سننے کا مجھے موقع ملا ہے اور بہت سی چیزوں کو نئے سرے سے دیکھنے کا موقع اسی ایوان سے ملا ہے۔ اور اس سے میں خود مستفید ہوا ہوں اور میں سب کا شکر گزار بھی ہوں اور ہم چیزوں کو اگر سیکھیں، سمجھیں تو

بہت کچھ ملتا ہے اور وہ میں نے یہاں محسوس کیا ہے۔ تو میرے لئے آپ سب کے درمیان کبھی کبھی آکر سننے کا موقع ملتا ہے، وہ اپنے آپ میں ایک خوش قسمتی ہے۔

اگر ہم گزشتہ پانچ سال کی طرف دیکھیں، یہی ایوان ہے جس نے تین طلاق کا قانون ہو گا کہ نہیں ہو گا، ہر ایک کو لگتا تھا یہیں پر پھنس جائے گا، لیکن اسی ایوان کی میچیوریٹی ہے کہ اس نے ایک بہت بڑا اہم وومین امپاورمینٹ کا کام اسی ایوان میں کیا گیا۔ ہمارے ملک میں ریزرویشن کی مخالفت کر کے ہر لمحے جدوجہد کے بیج بویا گئے ہیں۔ اس میں سے کشیدگی پیدا کرنے کی ہر ممکنہ کوشش بھی کی گئی ہے۔ لیکن یہ فخر کی بات ہے کہ اسی ایوان نے عام طبقے کے غریب خاندان کا دس فیصد ریزرویشن کا فیصلہ کیا، لیکن ملک میں کہیں کشیدگی نہیں ہوئی، مخالفت کا جذبہ پیدا نہیں ہوا، رضامندی کا اظہار ہوا، یہ بھی اسی ایوان کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔

اس طرح سے ہم جانتے ہیں جی ایس ٹی طویل عرصے سے جو بھی کوئی، حکومت میں جس کی ذمہ داری ہے، ہر ایک نے محنت کی۔ کمیاں ہیں، نہیں ہیں، سدھرنی چاہئے، نہیں سدھرنی چاہئے۔ یہ ساری ڈیبیٹ چلتی رہی لیکن 'ون نیشن ون سسٹم' کی طرف اسی ایوان نے اتفاق رائے قائم کر کے ملک کو جہت دینے کا کام کیا۔ اور اسی کی وجہ سے ایک نئے اعتماد کے ساتھ دنیا میں ہم اپنی بات رکھ پا رہے ہیں۔

ملک کے اتحاد اور سالمیت - اسی ایوان میں 1964 میں جو وعدے کئے گئے تھے کہ ایک سال کے اندر اندر اس کام کو کر دیا جائے گا، جو نہیں ہو پایا تھا؛ وہ دفعہ 370 اور 35 (A) اسی ایوان میں اور ملک کو سمت دینے کا کام اس ایوان میں پہلے کیا بعد میں لوک سبھا نے کیا ہے اور اس وجہ سے یہ ایوان اپنے آپ میں ملک کے اتحاد - سالمیت کے لئے اتنے اہم فیصلے کے اندر اتنا جو کردار ادا کیا ہے، وہ اپنے آپ میں۔ اور یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ اس ایوان اس کے لئے جس بات کو یاد کرے گا کہ آئین کے اندر دفعہ 370 آئی، اس کو انٹروڈیوس کرنے والے مسٹر این گوپالا سوامی، وہ اس ایوان کے پہلے لیڈر تھے، فرسٹ لیڈر تھے وہ، تو انہوں نے اس کو رکھا تھا اور اسی ایوان نے اسے نکالنے کا کام بھی بڑے فخر کے ساتھ کر کے - وہ ایک واقعہ اب ایک تاریخ بن چکا ہے، لیکن یہیں پر ہوا ہے۔

ہمارے آئین سازوں نے ہمیں جو ذمہ داری دی ہے، ہماری ترجیح ہے فلاحی ریاست، لیکن اس کے ساتھ ایک ذمہ داری ہے۔ ریاستوں کی بہبود۔ یعنی بھارت ایک فلاحی ریاست کے طور پر کام کرے لیکن اسکے ساتھ ہی ہم لوگوں کی ذمہ داری ہے۔

ریاستوں کو بھی بہبود کے لئے کام کرنا ہے۔ اور یہ دونوں مل کر، ریاست اور مرکز مل کر ہی ملک کو آگے بڑھا سکتے ہیں اور اس کام کو کرنے میں اس ایوان نے کیونکہ یہ ریاست کی ریپریزینٹیشن پوری طاقت کے ساتھ کرتے ہیں، بہت بڑا کردار ادا کیا ہے اور ہماری آئینی اداروں کو طاقت دینے کا بھی ہم نے کام کیا ہے۔ ہمارا وفاقی ڈھانچہ، ہمارے ملک کی ترقی کے لئے اہم شرط ہے اور ریاستی اور مرکزی حکومتیں مل کر کام کریں، تبھی ترقی ممکن ہوتی ہے۔

راجیہ سبھا اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ ملک میں مرکزی اور ریاستی حکومتیں حریف نہیں ہیں۔ لیکن ہم شریک بن کر، شریک بن کر کے ملک کو آگے لے جانے کا کام کرتے ہیں۔ یہاں جن خیالات کا تبادلہ ہوتا ہے، اس کا جو عرق ہے، جو یہاں کے نمائندے اپنی ریاست میں لے جاتے ہیں، اپنی ریاست کی حکومتوں کو بتاتے ہیں۔ ریاست کی حکومتوں کو اس کے ساتھ شامل ہونے کے لئے حوصلہ افزائی کرنے کا کام جانے انجانے بھی محتاط طور پر ہمیں کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ملک کی ترقی اور ریاستوں کی ترقی۔ یہ دو مختلف چیزیں نہیں ہیں۔ ریاست کی ترقی کے بغیر ملک کی ترقی ممکن نہیں ہے اور ملک کی ترقی کا نقشہ ریاستوں کی ترقی کے برعکس ہو گا، تو بھی ریاستیں ترقی نہیں کر پائیں گی اور ان چیزوں کی یہ ایوان سے سب سے زیادہ عکاسی کرتا ہے، پوری زندگی کے ساتھ کے ساتھ عکاسی کرتا ہے۔ بہت سی پالیسیاں مرکزی حکومت بناتی ہے۔ ان پالیسیوں میں ریاستوں کی توقعات، ریاستوں کی حیثیت، ریاستوں کا تجربہ، ریاستوں کی روزمرہ کی مشکلات - ان باتوں کو حکومت کی پالیسی سازی میں بہت درست طریقے سے کوئی لا سکتا ہے تو یہ ایوان لا سکتا ہے، اس ایوان کے رکن لا سکتے ہیں۔ اور اسی کا فائدہ فیڈرل اسٹرکچر کو بھی ملتا ہے۔ تمام کام ایک ساتھ ہونے والے نہیں ہیں، کچھ کام اس پانچ سال میں ہوں گے تو کچھ اگلے پانچ سال میں ہوں گے، لیکن سمت طے ہوتی ہے اور وہ کام یہاں سے ہو رہا ہے، یہ اپنے آپ میں اہم کام ہے۔

معزز چیئر مین صاحب، 2003 میں جب اس ایوان کے 200 سال مکمل ہوئے تھے تب اس وقت بھی ایک اجلاس ہوا تھا اور اس وقت بھی این ڈی اے کی حکومت تھی اور اٹل بہاری واجپئی بھی وزیر اعظم تھے۔ ایوان کے اس 200 ویں اجلاس کے وقت معزز اٹل جی کو تقریر تھی وہ بہت ہی دلچسپ تھی۔ ان کی بات کرنے کا اپنا ایک انداز تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہماری پارلیمانی جمہوریت کی طاقت کو بڑھانے کے لئے ایک سیکنڈ چیمبر موجود ہے اور انہوں نے یہ بھی انتباہ کیا تھا کہ سیکنڈ ہاؤس کو کوئی سیکنڈری ہاؤس بنانے کی غلطی نہ کرے۔ یہ انتباہ اٹل جی نے کیا تھا کہ سیکنڈ ہاؤس کو کبھی بھی سیکنڈری ہاؤس کی غلطی نہ کریں۔

اٹل جی کی ان باتوں کو جب میں پڑھ رہا تھا تو مجھے بھی ایسا محسوس ہوا کہ اس کو آج کے تناظر میں کچھ نئے طریقے سے پیش کرنا ہے تو میں کہوں گا کہ راجیہ سبھا سیکنڈ ہاؤس ہے، سیکنڈری ہاؤس کبھی نہیں ہے اور بھارت کی ترقی کے لئے اسے سیکورٹی ہاؤس بنے رہنا چاہئے۔

جب ہمارے پارلیمانی نظام کے 75 سال مکمل ہوئے تب اٹل جی کی تقریر ہوئی تھی۔ پارلیمانی نظام کے 50 سال اور انہوں نے اپنی تقریر کے شاعرانہ رنگ سے ایک بات بتائی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ ایک ندی کا بہاؤ اسی وقت تک اچھا رہتا ہے جب تک کہ اس کے کنارے مستحکم ہوتے ہیں اور انہوں نے کہا تھا کہ بھارت پارلیمانی بہاؤ ہے وہ ہمارا جمہوری عمل ہے۔ ایک کنارہ لوک سبھا ہے اور دوسرا کنارا راجیہ سبھا ہے۔ یہ دونوں مستحکم رہیں گے تبھی جمہوری روایات کا بہاؤ ٹھیک ڈھنگ سے آگے بڑھے گا۔ یہ بات معزز اٹل جی نے اس وقت کہی تھی۔

یہ بات یقینی ہے کہ بھارت ایک وفاقی ڈھانچہ ہے، تنوع سے بھرا پڑا ہے۔ تب یہ بھی لازمی شرط ہے کہ قومی نقطہ نظر سے اوجھل نہیں ہونا ہے۔ قومی نقطہ نظر کو ہمیشہ مرکز میں رکھنا ہو گا۔ لیکن ہمیں قومی نقطہ نظر کے ساتھ علاقائی مفاد ہے اس میں توازن بھی بہت ٹھیک ڈھنگ سے قائم کرنا ہو گا تبھی ہم اس جذبے کو، اس توازن کے ذریعہ آگے بڑھا پائیں گے۔ یہ کام سب سے اچھے ڈھنگ سے ہو سکتا ہے تو اس ایوان میں ہو سکتا ہے۔ یہاں کے معزز اراکین کے ذریعہ ہو سکتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ کام کرنے کی ہم مسلسل کوشش کر رہے ہیں۔

راجیہ ایک قسم سے چیک اینڈ بیلنس کے اصول کے لئے بہت ہی اہم ہے۔ لیکن چیکنگ اور کلوزنگ اس کے درمیان فرق قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ بیلنس اور بلانگ کے درمیان ہمیں توازن برقرار رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک قسم سے ہمارے متعدد عظیم رہنماؤں نے یہ بات بار بار کہی ہے کہ بھئی! ایوان بحث ومباحثہ کے لئے ہونا چاہئے، بات چیت کے لئے ہونا چاہئے، غور وفکر کے لئے ہونا چاہئے، تلخ سے تلخ لہجہ میں بات چیت ہو، اس سے کوئی نقصان ہونے والا نہیں ہے لیکن ضرورت ہے کہ روکاوٹوں کے بجائے ہم بات چیت کا راستہ اپنائیں۔

میں آج، ہو سکتا ہے کہ میں آج جن لوگوں کا ذکر کر رہا ہوں ان کے علاوہ بھی لوگ ہوں گے۔ لیکن میں 2 پارٹیوں کا آج ذکر کرنا چاہوں گا۔ ایک این سی پی اور دوسری بی جے ڈی ہے اور کسی کا نام چھوٹ جائے مجھے معاف کرنا، میں 2 پارٹیوں کا ذکر کر رہا ہوں، ان دونوں پارٹیوں کی خصوصیت دیکھی ہے۔ انہوں نے خود ڈسپلن طے کیا ہے کہ ہم ویل میں نہیں جائیں گے اور میں دیکھ رہا

ہوں کہ ایک بار بھی ان کے ایک بھی ممبر نے یہ اصول نہیں توڑا ہے ہم سبھی سیاسی پارٹیوں کو یہ سیکھنا ہو گا۔ ہماری پارٹی سمیت سب کو یہ سیکھنا ہو گا کہ اس اصول کی پابندی کرنے کے باوجود بھی این سی پی کی ترقی کی راہ میں کوئی روکاوٹ آئی ہے اور نہ بی جے ڈی کی سیاسی ترقی کے سفر میں کوئی روکاوٹ آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ویل میں نہ جا کر بھی لوگوں کے دل جیت سکتے ہیں۔ لوگوں کا اعتماد حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ٹریزی بنچ سمیت ہم لوگوں نے جو ایسے اعلی روایت انہوں نے قائم کی ہے اس سے ان کا کوئی سیاسی نقصان نہیں ہوا ہے۔ کیوں نہ ہم ان سے کچھ سیکھیں۔ ہمارے سامنے وہ موجود ہے۔ میں چاہوں گا کہ ہم بھی وہاں بیٹھیں تو ہم نے بھی وہ کام کیا ہے۔ اس لئے میں ان ایوان کے لئے کہہ رہا ہوں کہ ہم این سی پی، بی جے ڈی دونوں نے جو یہ اعلی طریقے قائم کئے ہیں اور جو ڈسپلن فولو کیا ہے۔ اس پر کبھی نہ کبھی بات چیت بھی ہونی چاہئے۔ اس کے لئے ان کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج جب ایوان کا 250 واں اجلاس چل رہا ہے تو ایسے اچھے واقعات کا ذکر ہونا چاہئے۔ لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔

مجھے یقین ہے کہ ایوان کے وقار کے لئے جس کی بھی ضرورت ہے اسے کرنے میں سب کو اپنا کردار ادا کرتے رہنا چاہئے۔ ہم سب کوشش کریں گے کہ اس 250 ویں اجلاس میں ہم سب یہ عہد کریں جس سے آپ لوگوں کو کم سے کم زحمت ہو۔ آپ کے جذبات کا آپ جیسا چاہتے ہیں ویسا ہو۔ اس ایوان کی کارروائی کو آپ کے ساتھ سارے ڈسپلن کو فولو کرنے کی کوشش کریں۔

اس عہد کے ساتھ میں پھر اہم ترین پڑاؤں پر آپ سب کو نیک خواہشات پیش کرتا ہوں اور جنہوں نے یہاں تک پہنچایا ہے میں ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔

بہت بہت شکریہ!

70ویں یوم آئین پر پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں

وزیراعظم شری نریندر مودی کا خطاب

۲۶نومبر، ۲۰۱۹

70ویں یوم آئین پر پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں وزیر اعظم کا خطاب

26 نومبر 2019

عزت مآب صدر جمہوریہ جی، قابل احترام نائب صدر جمہوریہ جی، قابل احترام اسپیکر صاحب، جناب پرہلاد جی اور سبھی قابل احترام عوامی نمائندگان۔

کچھ دن اور کچھ مواقع ایسے ہوتے ہیں جو ماضی کے ساتھ ہمارے رشتوں کو مضبوطی دیتے ہیں۔ ہمیں بہتر مستقبل میں اور اس سمت میں کام کرنے کے لئے تحریک دیتے ہیں۔ آج یہ 26 نومبر کا دن تاریخی دن ہے۔ 70 سال پہلے ہم نے باقاعدہ طور پر ایک نئی شکل کے ساتھ آئین کو اپنایا تھا لیکن ساتھ ساتھ 26 نومبر درد بھی پہنچاتا ہے جب بھارت کی عظیم روایات، ہزاروں سال کی ثقافتی وراثت، وسودھیو کٹمبکم کے خیال کو لے کر جینے والی اس عظیم روایت کو آج ہی کے دن 26 نومبر کو ممبئی میں دہشت گردانہ منصوبوں نے چھلنی کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں آج ان سبھی روحوں کو سلام کرتا ہوں۔ سات دہائی قبل اسی سینٹرل ہال میں اتنی ہی پاکیزہ آوازیں گونجی تھیں۔ آئین کی ایک ایک دفعہ پر باریکی سے گہری بحث ہوئی، دلائل آئے، حقائق آئے، خیالات آئے، عقیدت کی بحث ہوئی، یقین کی بحث ہوئی، خوابوں کی بحث ہوئی، عزائم کی بحث ہوئی، ایک طرح سے یہ ایوان یہ جگہ علم کا مہاکنمبھ اور جہاں پر ہندوستان کے ہر کونے کے خوابوں کو الفاظ میں مڑھنے کی ایک بھرپور کوشش ہوئی تھی۔ ڈاکٹر راجیندر پرسا، ڈاکٹر بھیم راؤ صاحب امبیڈکر، سردار ولبھ بھائی پٹیل، پنڈت نہرو، آچاریہ سکرانی جی، مولانا آزاد، پروشوتم داس ٹنڈن، سچیتا کرپلانی، ہنسامہتہ، ایل ڈی کرشنا سوامی ائیر، این گوپالا سوامی اینگر، جان متھائی جیسے بے شمار ایسی عظیم شخصیتیں ہیں، جنھوں نے بلاواسطہ اور بالواسطہ تعاون دیکر یہ عظیم وراثت ہمیں سپرد کی۔ آج کے اس موقع پر میں ان سبھی عظیم شخصیتوں کو یاد کرتا ہوں اور احترام کے ساتھ انھیں سلام کرتا ہوں۔

آج اپنی بات کی شروعات میں آپ سبھی کو باباصاحب امبیڈکر نے 25 نومبر، 1949 کو آئین کو قبول کرنے سے ایک دن قبل اپنی آخری تقریر میں جو باتیں کہیں تھیں، اس کا ضرور ذکر کرنا چاہوں گا۔ باباصاحب نے ملک کو یاد دلایا تھا کہ ہندوستان پہلی بار 1947 میں آزاد ہوا ہے، یا پھر 26 جنوری، 1950 کو جمہوریہ بنا، ایسا نہیں ہے۔ ہندوستان پہلے بھی آزاد تھا اور ہمارے یہاں متعدد جمہوریتیں بھی تھیں اور انھوں نے آگے اس درد کا اظہار کیا تھا کہ اپنی غلطیوں سے ہم نے ماضی میں آزادی کھوئی ہے اور جمہوری کردار بھی گنوایا ہے۔ ایسے میں باباصاحب نے ملک کو متنبہ کرتے ہوئے پوچھا تھا کہ ہمیں آزادی بھی مل گئی، جمہوریہ بھی ہوگئے،

لیکن کیا ہم اس کو بنائے رکھ سکتے ہیں۔ کیا ماضی سے ہم سبق لے سکتے ہیں۔ آج اگر باباصاحب ہوتے تو ان سے زیادہ خوشی شاید ہی کسی کو ہوتی۔ کیونکہ ہندوستان نے اتنے برسوں میں نہ صرف ان کے سوالوں کا جواب دیا ہے بلکہ اپنی آزادی کو، جمہوریت کو مزید خوشحال اور طاقتور بنایا ہے اوراس لئے آج کے اس موقع پر میں آپ سبھی کو گذشتہ سات دہائیوں میں آئین کی روح کو برقرار رکھنے والی مقننہ ، عاملہ اور عدلیہ کے سبھی ساتھیوں کو وقار کے ساتھ یاد کرتا ہوں ، سلام کرتا ہوں ۔ میں خاص طور پر130 کروڑ ہندوستانیوں کے سامنے سر جھکاتا ہوں جنھوں نے ہندوستان کی جمہوریت کے تئیں اپنے بھروسے کو کبھی کم نہیں ہونے دیا۔ ہمارے آئین کو ہمیشہ ایک مقدس کتاب مانا، رہنماروشنی مانا۔

آئین کے 70 سال ہمارے لئے خوشی، عروج اور نتائج کا ملا جلا تاثر لے کر آئے ہیں۔ خوشی یہ ہے کہ آئین کی روح اٹل اور غیر متزلزل رہی ہے۔ اگر کبھی کچھ اس طرح کی کوششیں بھی ہوئی ہیں تو اہل وطن نے مل کر ان کو ناکام بنایا ہے۔ آئین پر آنچ نہیں آنے دی ۔ آج اس بات کو ہم ضرور درج کرتے ہیں کہ ہمارے آئین کی مضبوطی کے سبب ہی ایک بھارت ، سریشٹھ بھارت کی طرف ہم بڑھ پائے ہیں ۔ ہماری تمام اصلاحات مل جل کر آئین کے دائرے میں رہ کر کی گئی ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ یہ عظیم اور رنگارنگی سے پر ہندوستان ترقی کے لئے ، سنہرے مستقبل کے لئے ، نئے ہندوستان کے لئے بھی ہمارے سامنے صرف اور صرف آئین ، آئین کی مریادائیں ، آئین کی روح یہی واحد طریقہ ہے ۔ ہمارا آئین ہمارے لئے سب سے بڑی اور مقدس کتاب ہے ۔ ایک ایسی کتاب جس میں ہماری زندگی کی، ہمارے سماج کی، ہماری روایات، ہمارے عقائد، ہمارے سلوک، ہمارے اخلاق ان سب کو اس میں سمویا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مختلف چیلنجوں کا حل بھی ہے۔ ہمارا آئین اتنا وسیع اس لئے ہے کیونکہ اس میں ہم نے باہری روشنی کے لئے اپنی کھڑکیاں کھول رکھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اندر کی جو روشنی ہے اس کو بھی اور زیادہ روشن کرنے کا موقع بھی دیا ہے۔

آج اس موقع پر جب ہم کہیں گے تو ایک بات جو میں نے 2014 میں لال قلعہ کی فصیل سے کہی تھی آج اسی کو دوہراؤں گا۔ آئین کے بارے میں اگر آسان لفظوں میں کچھ کہنا ہو تا میں، ''ڈگنٹی فار انڈین اینڈ یونٹی فار انڈیا'' کہوں گا۔ ان ہیں دو الفاظ میں ہمارے آئین میں پیش کیا گیا ہے ۔ شہری کی ڈگنٹی کو اوپر رکھا گیا ہے اور پورے ہندوستان کے اتحاد اور سالمیت کو برقرار رکھا گیا ہے۔ ہمارا آئین، دنیا کی جمہوریت کی سب سے بڑی حصولیابی ہے۔ یہ نہ صرف حقوق کے تئیں مستعد ہے بلکہ ہماری ذمہ داریوں کے تئیں ہمیں بیدار بھی کرتا ہے۔ ایک نقطہ نظر سے ہمارا آئین دنیا میں سب سے زیادہ سیکولر ہے۔ ہمیں کیا کرنا ہے، کتنے بڑے خواب دیکھنے ہیں اور کہاں تک پہنچا ہے، اس کے لئے کسی بھی قسم کی بندش نہیں ہے۔ آئین میں ہی اختیارات کی بات کہی

گئی ہے۔ آئین میں ہی ذمہ داریوں کی امید بھی مضمر ہے۔ کیا ہمیں بطور ایک فرد کے، ایک کنبے کے طور پر، ایک سماج کے طور پر، اپنی ذمہ داریوں کے تئیں اتنے ہی سنجیدہ ہیں جتنا کہ ہمارا آئین، ہمارا ملک، ہمارے شہریوں کے خواب ہم سے امید رکھتے ہیں۔ راجندر بابو نے کہا تھا جسے کانسٹی ٹیوشن میں تحریر نہیں کیا گیا ہے اس کو ہمیں کنوینشن کے ذریعہ قائم کرنا ہوگا اور یہی ہندوستان کی خصوصیت بھی ہے۔ گذشتہ دہائیوں کے دوران ہم نے اپنے اختیارات پر زور دیا ہے۔ اس کی ضرورت بھی تھی اور درست بھی تھا کیونکہ سماج میں ایسا نظام بن گیا ہے جس کی وجہ سماج کے بڑے طبقے اختیارات سے محروم رکھا گیا ہے۔ اختیارات سے روشناس کرائے بغیر اس بڑے طبقے کو مساوات، برابری اور انصاف کا احساس دلا پانا ممکن نہیں تھا۔ آج وقت کا مطالبہ ہے کہ جب ہمیں اختیارات کے ساتھ ہی ایک شہری کے طور پر اپنے کاموں، اپنی ذمہ داریوں کا جائزہ لینا ہوگا کیونکہ ذمہ داریوں کی ادائے گی کے بغیر ہم اپنے اختیارات محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

اختیارات اور ذمہ داریوں کا ایک اٹوٹ رشتہ ہے اور اس رشتے کو مہاتما گاندھی جی نے خاص طور سے بہت ہی اچھے سے سمجھایا تھا۔ آج جب ملک باپو کی 150 ویں جینتی منا رہا ہے تو ان کی باتیں موضوع ترین سمجھی جاتی ہیں۔ وہ کہتے تھے right is duty well performed۔ انھوں نے ایک جگہ لکھا بھی تھا کہ میں نے اپنی ان پڑھ لیکن سمجھدار ماں سے سیکھا ہے کہ سبھی اختیارات آپ کے ذریعہ پوری سچائی اور سنجیدگی سے نبھائی گئی اپنی ذمہ داریوں سے ہی آتے ہیں۔ گذشتہ صدی کی ابتدائی دہائیوں میں جب پوری دنیا اختیارات کے بارے میں باتیں کر رہی تھی تب گاندھی جی ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا تھا کہ آیئے ہم لوگ شہریوں کی ذمہ داریوں یعنی duties of citizens کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔ 1947 میں یونیسکو کے ڈائرکٹر جنرل، ڈاکٹر جولین ہسکلے نے دنیا کے 60 بڑی شخصیتوں، بڑی ہستیوں کو ایک مراسلہ ارسال کیا تھا اور ان سے رہنمائی کا مطالبہ کیا تھا۔ اس مراسلے میں انھوں نے دریافت کیا تھا کہ حقوق انسانی کا عالمی چارٹر بنانا ہے تو اس کی بنیاد کیا ہوگی۔ اس سلسلے میں انھوں نے دنیا کی ان عظیم ہستیوں سے آرا طلب کی تھیں۔ مہاتما گاندھی سے بھی ان کی رائے پوچھی گئی تھی۔ لیکن کے ہر کسی نے جو باتیں کہیں مہاتما گاندھی کا نظریہ ان سے کچھ مختلف تھا۔ مہاتما گاندھی نے اپنے جواب میں کہا تھا کہ ہم اپنی زندگی کا حق اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں جب بطور ایک شہری اپنی ذمہ داریاں پوری طرح نبھائیں یعنی ایک طرح سے ذمہ داریوں میں ہی اختیارات کا تحفظ ہے اس کی وکالت مہاتما گاندھی نے اس وقت بھی کی تھی جب ہم ذمہ داریوں کی بات کرتے ہیں۔ کاموں کی بات بھی کرتے ہیں تو یہ بہت ہی معمولی ذمہ داریاں ہیں جن کی ادائے گی سے ایک ملک کے طور پر ہمارا عزم ظاہر ہوتا ہے۔ ہمیں یہ بھی واضح طور پر اس بات پر توجہ دینی ہوگی کہ ذمہ داریوں اور خدمت میں ہم کبھی کبھی خدمت کو ہی ذمہ داری سمجھ لیتے ہیں۔ خدمت کا جذبہ، سنسکار ہر سماج

کے لئے بہت ہی اہمیت رکھتا ہے لیکن خدمت کے جذبے سے بھی کارروائی کچھ اور ہے اور اس پر کبھی کبھی ہماری نظر نہیں جاتی۔ آپ سڑک پر چل رہے ہیں، کسی شخص کو کسی کی مدد کی ضرورت ہے، آپ اس کی مدد کرتے ہیں، تو وہ ایک طرح خدمت کا جذبہ ہے۔ خدمت کا یہ جذبہ کسی بھی سماج کو، انسانیت کو بہت مستحکم کرتا ہے لیکن ذمہ داری کا جذبہ اس سے تھوڑا مختلف ہے۔ سڑک پر کسی کو تکلیف ہوئی، آپ نے مدد کی اچھی بات ہے، اگر میں نے ٹریفک کے ضابطوں پر عمل کیا ہے اور کبھی کسی کو تکلیف نہ ہو ایسے نظام کا میں حصہ بنا رہا تو یہ میری ذمہ داری ہے۔ آپ جو کچھ بھی کر رہے ہیں اس کے ساتھ ایک سوال جوڑ کر ہم دیکھتے ہیں کہ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں، اس سے میرا ملک مضبوط ہوتا ہے یا نہیں۔ کنبے کے افراد کے ناطے ہم ہر وہ چیز کرتے ہیں جس سے ہمارے خاندان کی طاقت بڑھے اسی طرح شہری کے ناطے ہم وہ کام کریں جس سے ہمارے ملک کی طاقت بڑھے اور ہمارا ملک طاقتور ہو۔

ایک شہری جب اپنے بچے کو اسکول بھیجتا ہے، تو ماں باپ اپنا فرض نبھاتے ہیں، لیکن وہ ماں باپ پوری بیداری سے اپنے بچے سے مادری زبان سیکھنے کی توقع رکھتے ہیں تو وہ ایک شہری کا فرض نبھاتے ہیں۔ ملک کی خدمت کا فرض نبھاتے ہیں اور اس لئے ایک شخص کی یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہوتی ہیں، اگر بوند بوند پانی بچاتا ہے تو وہ اپنا شہری فرض بھی نبھاتا ہے۔ اگر ٹیکہ کار سامنے سے جاکر ٹیکہ کاری کا کام پورا کرلیتا ہے، کسی کو گھر آکر یاد نہیں کرانا پڑتا ہے، تو وہ اپنا فرض نبھاتا ہے۔ ووٹ دینے کے لئے سمجھانا نہ پڑے، ووٹ دینے کے لئے جاتا ہے وہ اپنا فرض نبھاتا ہے۔ وقت پر ٹیکس دینا ہے، دیتا ہے وہ اپنا فرض نبھاتا ہے۔ ایسے کئی فرائض ہوتے ہیں جو ایک شہری کے طور پر آسان انتظام کے طور پر اسے ہم فروغ دیں، ثقافت کے طور پر ہم اسے فروغ دیں تو ہمیں ملک کو آگے لے جانے میں بہت بڑی آسانی ہوتی ہے۔ یہ سوال جب تک ملک کے ہر ایک شہری کے ذہن میں نہیں ہوں گے، ہمارے شہری فرائض کہیں نہ کہیں کمزور ہوتے چلے جائیں گے اور وہ کسی نہ کسی طور پر کسی دوسرے کے حق کو نقصان کو پہنچاتے ہیں، اس لئے دوسرے کے حقوق کی فکر کے لئے بھی اپنے فرائض پر زور دینا ہم لوگوں کا فرض بنتا ہے اور عوامی نمائندے کے ناطے ہماری ذمہ داری کچھ اور زیادہ ہوتی ہے، دوہری ہوتی ہے۔ ہمارے سامنے آئینی اقدار کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ خود کو بھی ایک نمونے کے طور پر پیش کرنا ہے۔ ہمارا یہ فرض بن جاتا ہے اور ہمیں سماج میں تبدیلی لانے کے لئے اس فرض کو بھی نبھانا ہی ہوگا۔ ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ اپنے ہر پروگرام میں، اپنی ہر بات چیت میں ہم فرائض پر دھیان دیں۔ عوام کے ساتھ بات چیت کرتے وقت فرائض کی بات کرنا نہ بھولیں۔ ہمارا آئین ہم ہندوستان کے لوگوں سے شروع ہوتا ہے۔ ہم ہندوستان کے لوگ ہی اس کی طاقت ہیں۔ ہم ہی اس کی ترغیب ہیں اور ہم ہی اس کا مقصد ہیں۔

میں جو کچھ ہوں وہ سماج کے لئے ہوں، ملک کے لئے ہوں۔ فریضے کا یہی احساس ترغیب کا ذریعہ ہے۔ میں آپ سبھی سے اپیل کرتا ہوں کہ ہم سب اس قوت ارادی کے ساتھ مل کر ہندوستان کے ایک ذمہ دار شہری کے طور پر اپنے فرائض پر عمل کریں۔ آیئے ہم اپنی جمہوریت کو اپنے فرائض سے نئی ثقافت کی طرف لے کر کے جائیں۔ آیئے ہم سب ملک کے شہری بنیں، نیک شہری بنیں۔ میری خواہش ہے کہ یہ یوم دستور ہمارے آئین کے اصولوں کو برقرار رکھنے اور ملک کی تعمیر میں تعاون دینے کی ہماری عہد بستگی کو مستحکم کرے ۔ ہمارے آئین سازوں نے جو خواب دیکھا تھا اسے پورا کرنے کی ہمیں طاقت دے اور یہی وہ مقدس جگہ ہے، جہاں یہ غور وخوض ہوا تھا۔ یہاں پر اس کی گونج ہے۔ یہ گونج ہمیں ضرور آشیر واد دے گی، یہ گونج ہمیں ضرور ترغیب دے گی، یہ گونج ہمیں ضرور طاقت دے گی، یہ گونج ہمیں ضرور سمت دے گی۔ اسی ایک احساس کے ساتھ میں ایک بار پھر آج یوم دستور کے مقدس موقع پر بابا صاحب امبیڈکر کو سلام کرتا ہوں، آئین سازوں کو سلام کرتا ہوں اور ملک کے باشندوں کے تئیں اپنی نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں۔

2020

شری نریندر مودی کسان کریڈٹ کارڈ یوجنا کے مستفید کے ساتھ۔

"ملک کے کسانوں کا اعتماد ملک کی اصل طاقت ہے۔"

لوک سبھا میں 'شری رام جنم بھومی تیرتھ شیتر ٹرسٹ' کے قیام پر وزیر اعظم شری نریندر مودی کی تقریر

۵ فروری، ۲۰۲۰

لوک سبھا میں 'شری رام جنم بھومی تیرتھ شیتر ٹرسٹ' کے قیام پر وزیر اعظم کی تقریر

5 فروری 2020

عالیجناب اسپیکر صاحب، آج میں آپ کے درمیان ملک کے لئے بہت ہی اہم اور تاریخی موضوع پر معلومات دینے کے لئے خاص طور پر موجود ہوں۔ یہ موضوع کروڑوں ہم وطنوں کی طرح ہی میرے دل کے بھی قریب ہے اور اس پر بات کرنا میں اپنی بہت بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہوں۔ یہ موضوع رام جنم بھومی سے جڑا ہوا ہے۔ یہ موضوع اجودھیا میں شری رام کی جائے پیدائش پر بھگوان شری رام کے عظیم الشان مندر کی تعمیر سے جڑا ہوا ہے۔ عالیجناب صدر، 9 نومبر 2019 کو میں کرتارپور صاحب کوریڈور کے افتتاح کیلئے پنجاب میں تھا، گرونانک دیو جی کا 550 واں پرکاش پرو تھا، بہت ہی مقدس ماحول تھا اسی مقدس ماحول میں مجھے ملک کی عدالت عظمی کی طرف سے رام جنم بھومی معاملے پر دیے گئے تاریخی فیصلے کے بارے میں پتہ چلا تھا۔ اس فیصلے میں قابل احترام سپریم کورٹ نے کہا تھا کہ سری رام جنم بھومی کے متنازعہ مقام کے اندرونی اور بیرونی صحن پر رام للابراجمان کی ہی ملکیت ہے۔ سپریم کورٹ نے اپنے حکم میں یہ بھی کہا تھا کہ مرکز اور ریاستی حکومت آپس میں مشاورت کر کے سنی سینٹرل وقف بورڈ کو 5 ایکڑ زمین مختص کریں۔

عالیجناب صدر محترم، مجھے آج اس ایوان کو، پورے ملک کو یہ بتاتے ہوئے بہت ہی خوشی ہو رہی ہے کہ آج صبح مرکزی کابینہ کی میٹنگ میں سپریم کورٹ کے احکامات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس سمت میں اہم فیصلے لئے گئے ہیں۔ میری حکومت نے سپریم کورٹ کی ہدایت کے مطابق شری رام جنم بھومی پر بھگوان شری رام کے عظیم الشان مندر کی تعمیر کے لئے اور اس سے متعلق دیگر معاملات کے لئے ایک وسیع منصوبہ تیار کیا ہے۔ سپریم کورٹ کے احکامات کے مطابق ایک خود مختار ٹرسٹ شری رام جنم بھومی تیرتھ چھیتر، ٹرسٹ کا نام ہو گا۔ شری رام جنم بھومی تیرتھ چھیتر کی تشکیل کرنے کی تجویز منظور کی گئی ہے۔ یہ ٹرسٹ اجودھیا میں بھگوان شری رام کی جائے پیدائش پر عظیم الشان اور مقدس شری رام مندر کی تعمیر اور اس سے متعلقہ معاملت پر فیصلے کرنے کے لئے مکمل طور پر آزاد ہو گا۔

عالیجناب صدر محترم، معزز سپریم کورٹ کے حکم کے مطابق تفصیلی غور وخوض اور مشاورت کے بعد اجودھیا میں 5 ایکڑ زمین سنی وقف بورڈ کو مختص کرنے کی درخواست اتر پردیش کی حکومت سے کی گئی ہے۔ اس پر ریاستی حکومت نے بھی اپنی رضامندی دے دی ہے۔ معزز صدر، بھارت کی روح میں، بھارت کے آدرشوں میں، بھارت کی اقدار میں بھگوان شری رام کی

اہمیت اور اجودھیا کی تاریخیت سے اجودھیا دھام کی پاکیزگی سے ہم سبھی بخوبی واقف ہیں۔ اجودھیا میں بھگوان شری رام کے عظیم الشان مندر کی تعمیر میں حال اور مستقبل میں رام للا کے درشن کرنے کے لئے آنے والے عقیدت مندروں کی تعداد اور ان کے جذبات کو ذہن میں رکھتے ہوئے حکومت کی طرف سے ایک اور اہم فیصلہ کیا گیا ہے۔ میری حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ اجودھیا قانون کے تحت تحویل میں لی گئی کل اراضی جو تقریباً67.703 ایکڑ ہے اور جس میں اندرونی اور بیرونی صحن بھی شامل ہے اسے نو تشکیل شدہ شری رام جنم اراضی تیرتھ چھیتر کو منتقل کی جائے۔

معزز صدر، نومبر کو رام جنم بھومی پر فیصلہ آنے کے بعد تمام ہم وطنوں نے اپنے جمہوری نظام پر پورا اعتماد ظاہر کرتے ہوئے بہت ہی بالغ نظری کا ثبوت پیش کیا تھا۔ میں آج ایوان میں اپنے ہم وطنوں کی اس بالغ نظری کی بیحد تعریف کرتا ہوں۔

معزز صدر، ہماری ثقافت، ہماری روایتیں، ہمیں واسودھیو کٹم بکم اور سروے بھونتو سکھن: کا درشن دیتی ہیں۔ اسی جذبے کے ساتھ آگے بڑھنے کی ترغیب بھی دیتی ہیں۔ ہندوستان میں ہر فرقے کے لوگ چاہے وہ ہندو ہوں، مسلمان ہوں، سکھ ہوں، عیسائی ہوں، بودھ، پارسی اور جین ہوں، ہم سبھی وسیع خاندان کے رکن ہیں۔ اس خاندان کے ہر رکن کی ترقی ہو، وہ خوش رہے، صحت مند رہے، خوشحال بنے، ملک کی ترقی ہو، اسی جذبے کے ساتھ میری حکومت سب کا ساتھ، سب کا وکاس، سب کا وشواس کے منتر پر چل رہی ہے۔ آیئے اس تاریخی لمحے میں ہم سبھی اراکین مل کر اجودھیا میں شری رام کے خستہ حال مندر کی جگہ عظیم الشان رام مندر کی تعمیر کے لئے ایک آواز میں اپنی حمایت کا اظہار کریں۔

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر 'شکریہ کی تحریک' پر وزیر اعظم شری نریندر مودی کا جواب

۶ فروری، ۲۰۲۰

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

6 فروری 2020

عزت مآب اسپیکر صاحب، میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریہ کی تحریک پر صدر جمہوریہ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ عزت مآب صدر جمہوریہ نے نئے بھارت کا نقش راہ اپنے خطبے میں پیش کیا ہے۔ 21ویں صدی کی تیسری دہائی کا محترم صدر جمہوریہ کا یہ اظہار خیال اس دہائی کے لیے ہم سب کو سمت فراہم کرنے والا ہے، جذبہ دینے والا ہے اور ملک کے کروڑوں عوام میں اعتماد پیدا کرنے والا یہ خطبہ ہے۔ اس مباحثے میں ایوان کے سبھی تجربے کار معزز ارکان نے بہت ہی اچھے ڈھنگ سے اپنی اپنی باتیں پیش کی ہیں۔ اپنے اپنے خیالات رکھے ہیں۔ مباحثے کو جامع بنانے کی ہر کسی نے اپنے طریقے سے کوشش کی ہے۔ محترم جناب ادھیر رنجن چودھری، پروفیسر سوگت رائے جی، ڈاکٹر ششی تھرور، جناباویسی صاحب، دانش علی صاحب، رام کرپال یادو جی، پی پی چودھری ، پینا کی مشرا جی، اکھلیش یادو جی، ونائیک راوت جی، کئی نام ہیں، میں سب کے نام لوں تو وقت بہت لگ جائے گا، لیکن میں ضرور کہوں گا کہ ہر ایک نے اپنے اپنے طریقے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ لیکن ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ حکومت کو ان سارے کاموں کی اتنی جلدی کیا ہے؟ سب چیزیں ایک ساتھ کیوں کر رہے ہیں؟ ایسے احساسات کا اظہار کیا گیا۔ میں شروعات میں جناب سرویشور دیال جی کی ایک نظم کو اجاگر کرنا چاہوں گا اور وہی شاید ہماری اقدار بھی ہے، ہماری حکومت کا رویہ بھی ہے اور اسی جذبے کے سبب ہم لگے بندھے طریقے سے ہٹ کر تیز رفتار کے ساتھ آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جناب سرویشور دیال صاحب نے اپنی نظم میں لکھا ہے کہ:

لیک پر وے چلیں جن کے

چرن دربل اور ہارے ہیں

ہمیں تو جو ہماری یاترا سے بنے

ایسے انرمت پتھ ہی پیارے ہیں

معزز اسپیکر صاحب، لوگوں نے صرف ایک سرکار بدلی ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ انہوں نے سروکار بھی بدلنے کی امید ظاہر کی ہے۔ ایک نئی سوچ کے ساتھ کام کرنے کی خواہش کے سبب ہی ہمیں یہاں آکر خدمت کرنے کا موقع مل رہا ہے، لیکن اگر ہم بھی اسی طریقے سے چلتے، جس طریقے سے آپ لوگ چلتے تھے، اس راستے سے چلتے، جس راستے کی آپ کو عادت ہو گئی تھی، تو شاید 70 سال کے بعد بھی اس ملک میں سے آرٹیکل 370 نہیں ہٹتا۔ آپ ہی کے طور طریقے سے چلتے تو مسلم بہنوں کو تین طلاق کی تلوار آج بھی ڈراتی رہتی، اگر آپ ہی کے راستے چلتے تو نابالغ سے ریپ کے معاملے میں پھانسی کی سزا کا قانون نہیں بنتا، اگر آپ ہی کی سوچ کے ساتھ چلتے تو رام جنم بھومی آج بھی اختلافات میں گھری رہتی، اگر آپ ہی کی سوچ ہوتی تو کرتار پور راہ داری کبھی نہیں بنتی۔ اگر آپ ہی کے طریقے ہوتے، آپ ہی کا راستہ ہوتا تو بھارت بنگلہ دیش سرحد تنازع کبھی نہ سلجھتا۔

معزز اسپیکر صاحب، جب معزز ممبر ادھیر جی کو دیکھتا ہوں، انکو سنتا ہوں تو سب سے پہلے کرن رجیجو کو مبارکباد دیتا ہوں، کیونکہ انہوں نے جو فٹ انڈیا موومنٹ چلائی ہے، ادھیر جی اس فٹ انڈیا موومنٹ کو بہت اچھے طریقے سے مشتہر کرتے ہیں۔ وہ تقریر بھی کرتے ہیں اور تقریر کے ساتھ ساتھ کسرت بھی کرتے ہیں، اسلئے فٹ انڈیا موومنٹ کو طاقت دینے کے لیے اور اس کی تشہیر کرنے کے لیے میں معزز ممبر کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محترم اسپیکر صاحب، کوئی اس بات سے انکار تو نہیں کر سکتا ہے کہ ملک چنوتیوں سے لوہا لینے کے لیے ہر لمحہ کوشش کرتا رہا ہے، کبھی کبھی چنوتیوں کی طرف نہ دیکھنے کی عادت بھی ملک نے دیکھی ہے۔ چنوتیوں کو چننے کی سکت نہیں، ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے۔ لیکن آج دنیا کی بھارت سے جو امیدیں وابستہ ہیں، ہم اگر چنوتیوں کو چنوتی نہیں دیتے، اگر ہم ہمت نہیں دکھاتے اور اگر ہم سب کو ساتھ لے کر آگے چلنے کی رفتار نہیں بڑھاتے تو شاید ملک کو بہت سے مسائل سے لمبے عرصے تک جوجھنا پڑتا۔ محترم اسپیکر صاحب، اگر کانگریس کے راستے ہم چلتے تو 50 سال کے بعد بھی دشمن کی جائیداد کے قانون کا انتظار ملک کو کرتے رہنا پڑتا۔ 35 سال بعد بھی جدید ترین لڑاکو طیارے کا انتظار ملک کو کرتے رہنا پڑتا۔ 28 سال کے بعد بھی بے نامی جائیداد قانون لاگو نہیں ہوتا اور 20 سال بعد بھی چیف آف ڈیفنس کا تقرر نہیں ہو پاتا۔ محترم اسپیکر صاحب، ہماری سرکار تیز رفتار کی وجہ سے اور ہمارا مقصد ہے ہم ایک نئی لکیر بنا کر پرانے راستے سے ہٹ کر چلنا چاہتے ہیں اور اس لیے ہم اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ آزادی کے 70 سال بعد اب ملک طویل انتظار کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور نا ہی ایسا ہونا چاہیے اور اس لیے ہماری کوشش ہے کہ رفتار بھی بڑھے، سطح بھی بڑھے۔ عزم بھی ہو اور فیصلہ بھی ہو۔ حساسیت بھی ہو اور حل بھی ہو۔ ہم نے جس تیز رفتار سے کام کیا ہے اور اس تیز رفتار سے کام کا نتیجہ ہے کہ ملک کے عوام نے پانچ سال میں دیکھا اور دیکھنے کے بعد اسی تیز رفتار سے آگے بڑھنے کے لیے زیادہ طاقت کے

ساتھ ہمیں پھر سے خدمت کرنے کا موقع دیا۔ اگر یہ تیز رفتار نہ ہوتی تو 37 کروڑ لوگوں کے بینک کھاتے اتنے کم وقت میں نہیں کھلتے، اگر تیز رفتار نہ ہوتی تو 11 کروڑ لوگوں کے گھروں میں بیت الخلا کا کام پورا نہیں ہوتا، اگر رفتار تیز نہیں ہوتی تو 13 کروڑ کنبوں میں گیس کا چولہا نہیں جلتا، اگر رفتار تیز نہ ہوتی تو 2 کروڑ نئے گھر نہیں بنتے غریبوں کے لیے، اگر رفتار تیز نہ ہوتی تو طویل عرصے سے اٹکے ہوئے دلی کی 1700 سے زیادہ غیر قانونی کالونیاں 40 لاکھ سے زیادہ لوگوں کی زندگی، جو معلق تھی، وہ کام پورا نہیں ہوتا۔ آج انہیں اپنے گھر کا حق بھی مل گیا ہے۔

عزت مآب اسپیکر صاحب، یہاں پر شمال مشرق کا بھی تذکرہ ہوا ہے، شمال مشرق کو کتنی دہائیوں تک انتظار کرنا پڑا۔ وہاں پر سیاسی بساط بدلنے کی سکت ہو، ایسی صورت حال نہیں ہے اور اسی لیے سیاسی میزان سے جب فیصلے ہوتے رہے تو ہمیشہ ہی اس خطے کی امیدیں محرومی کا شکار رہیں۔ ہمارے لیے شمال مشرق ووٹ کے میزان سے تولنے والا علاقہ نہیں ہے، بھارت کی یکجہتی اور سالمیت کے ساتھ دور دراز علاقوں میں بیٹھے ہوئے بھارت کے شہریوں کے لیے اور ان کی طاقت کا ہندوستان کی ترقی کے لیے بہترین استعمال ہو، طاقت اگر کام آئے تو ملک کو آگے بڑھانے میں کام آئے۔ ہم اس عقیدت کے ساتھ وہاں کے ایک ایک شہری کے تئیں لامتناہی اعتماد کے ساتھ آگے بڑھنے کی ہماری کوشش رہی ہے۔ اور اسی کے سبب شمال مشرق میں پچھلے پانچ برسوں میں جو کبھی ان کو دلی دور لگتی تھی، آج دلی ان کے دروازے پر جا کر کھڑی ہوگئی ہے۔ لگا تار وزیر شمال مشرق کا دورہ کرتے رہے ہیں، رات رات بھر وہاں رکتے رہے، چھوٹے چھوٹے علاقے میں جاتے رہے، ٹیئر- 2، ٹیئر-3 کے علاقوں میں سالوں سال گئے، لوگوں سے بات چیت کی، ان میں لگا تار اعتماد پیدا کیا اور ترقی کی جو ضرورت ہوتی ہے، اکیسویں صدی سے متعلق چاہے بجلی کی بات ہو، چاہے ریل کی بات ہو، چاہے ہوائی اڈے کی بات ہو، خواہ موبائل کنکٹی ویٹی کی بات ہو، یہ سب کرنے کی ہم نے کوشش کی ہے۔ اور وہ یقین کتنا بڑا نتیجہ دیتا ہے جو اس حکومت کی مدت کار میں دیکھا جا رہا ہے۔

یہاں پر بوڈو کا ذکر ہوا اور یہ کہا گیا کہ کیا یہ کوئی پہلی بار ہوا ہے۔ ہم نے بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ پہلی بار ہوا ہے، ہم تو یہی کہہ رہے ہیں کہ تجربے تو بہت ہوئے ہیں اور ابھی بھی تجربے ہو رہے ہیں۔ لیکن ۔۔۔ لیکن۔۔۔ جو کچھ بھی ہوا سیاسی ترازو سے لیکھا جوکھا کر کے کیا گیا ہے۔ جو بھی کیا گیا آدھے ادھورے من سے کیا گیا ہے جو بھی کیا گیا ایک طرح سے خانہ پُری کی گئی اور اس کی وجہ سے سمجھوتے کاغذ پر تو ہو گئے، فوٹو بھی چھپ گئی واہ واہی بھی ہوگئی. بڑے فخر کے ساتھ آج اسی کی چرچہ بھی ہو رہی ہے۔ لیکن کاغذ پر کئے گئے سمجھوتے سے اتنے برسوں کے بعد بوڈو سمجھوتے کے مسئلے کا حل نہیں نکلا۔ 4 ہزار سے زیادہ بے قصور لوگ موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ مختلف قسم کے اکٹارشن، پچاسو قسم کے امراض جو سماجی اور زندگی کو خطرے میں ڈالیں

ایسے ہوتے چلے گئے۔ اس بار جو سمجھوتہ ہوا ہے وہ ایک طرح سے نارتھ ایسٹ کے لئے بھی اور ملک میں ان لوگوں کو نصیحت دینے والے واقعات ہیں جو ہتھیار اور تشدد میں یقین رکھتے ہیں ۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہماری ذرا وہ کوشش نہیں ہے تاکہ ہماری بات بار بار اجاگر ہو، پھیلے، لیکن ہم محنت کریں گے، کوشش کریں گے۔ لیکن اس بار کے سمجھوتے کی ایک خصوصیت ہے، سبھی مسلح گروپ ایک ساتھ آئے ہیں، سارے ہتھیار اور سارے انڈر گراؤنڈ لوگ سرینڈر کئے ہیں اور دوسرا اس سمجھوتے کے ایگریمنٹ میں لکھا ہے کہ اس کے بعد بوڈو مسئلے سے جڑا ہوا کوئی بھی مطالبہ باقی نہیں ہے۔ نارتھ ایسٹ میں جہاں سب سے پہلے سورج تو ضرور نکلتا ہے، لیکن صبح نہیں آتی تھی۔ سورج تو آجاتا تھا، اندھیرا نہیں چھنٹتا تھا۔ آج میں کہہ سکتا ہوں کہ آج نئی صبح بھی آئی ہے، نیا سویرا بھی آیا ہے، نیا اجالا بھی آیا ہے۔ اور وہ روشنی، جب آپ اپنے چشمے بدلو گے تب دکھائی دے گی۔ میں آپ کا بہت بہت ممنون ہوں کیونکہ آپ بولنے کے بیچ بیچ میں آپ مجھے آرام دے رہے ہیں۔ کل یہاں سوامی وویکا نند جی کے کندھوں سے بندوقیں چلائیں گئیں۔ آپ نے اس کو ریکارڈ سے ہٹا دیا ہے اس لئے میں ذکر تو نہیں کروں گا، لیکن مجھے ایک پرانی چھوٹی سی کہانی یاد آتی ہے ۔

ایک بار کچھ لوگ ریل میں سفر کررہے تھے اور جب ریل میں سفر کررہے تھے تو ریل جیسے رفتار پکڑتی ہے تو پٹری میں سے آواز آتی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں، ہم سب کا تجربہ ہے۔ تو وہاں بیٹھے ہوئے ایک سنت مہاتما تھے، انہوں نے کہا کہ دیکھو پٹری میں سے کیسی آواز آرہی ہے۔ یہ بے جان پٹری بھی ہمیں کہہ رہی ہے کہ پربھو کردے بیڑا پار، بولے، دیکھو، یہی آواز آرہی ہے، پربھو کردے بیڑا پار۔ تو دوسرے سنت نے کہا، نہیں یار، میں نے سنا مجھے تو سنائی دے رہا ہے کہ پربھو تیری لیلا اپرمپار، پربھو تیری لیلا اپرمپار۔ وہاں ایک مولوی جی بیٹھے تھے، انہوں نے کہا کہ مجھے تو سنائی دے رہا ہے دوسرا، سنتوں نے کہا آپ کو کیا سنائی دے رہا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے سنائی دے رہا ہے یا اللہ تیری رحمت، یا اللہ تیری رحمت۔ تو وہاں ایک پہلوان بیٹھے تھے انہوں نے کہا مجھے بھی سنائی دے رہا ہے ، تو پہلوان نے کہا کہ مجھے بھی سنائی دے رہا ہے، کھا ربڑی کر کسرت، کھا ربڑی کر کسرت۔

کل جو وویکا نند جی کے نام سے کہا گیا جیسی من کی کیفیت ہوتی ہے انسان ویسا ہی سنتا ہے، وہی دیکھتا ہے۔ آپ کو یہ دیکھنے کے لئے اتنی دور نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ بہت کچھ پاس میں موجود ہے۔ صدر محترم، یہاں کسانوں کے بارے میں بھی بات چیت ہوئی ہے۔ بہت سے اہم کام اور بہت سے نئے طریقے سے نئے نظریے کے ساتھ گزشتہ دنوں کئے گئے ہیں اور عزت مآب راشٹرپتی جی نے اپنے خطاب میں اس کا ذکر بھی کیا ہے لیکن جس طرح سے یہاں چرچہ کرنے کی کوشش ہوئی ہے میں نہیں

نہیں جانتا کہ وہ لاعلمی کی وجہ سے ہے یا جان بوجھ کر کر رہے ہیں۔ کیونکہ کچھ چیزیں ایسی ہیں اگر ہمیں اسکی معلومات ہوتی تو شاید ہم ایسانہ کرتے۔

ہم جانتے ہیں کہ ڈیڑھ گنا ایم ایس پی کرنے کا معاملہ کتنی لمبی مدت سے اٹکاہوا تھا۔ یہ ہمارے وقت کا نہیں تھا، پہلے کا تھا لیکن یہ کسانوں کے تیئں ہماری ذمہ داری تھی اسلئے اس کام کو بھی ہم نے پورا کر دیا ہے۔ میں حیران ہوں ۔ آبپاشی کی اسکیمیں 20 -20 سال سے 90-80 فیصد تک پیسہ خرچ کرنے کے باوجود پڑی ہوئیں تھیں ، کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ فوٹو نکلوادی، بس کام ہو گیا۔

ہم کو ایسی 99 اسکیموں کو ہاتھ لگانا پڑا ، ایک لاکھ کروڑ روپے سے زیادہ خرچ کر کے ان کو منطقی انجام تک لے گئے اور اب کسانوں کو اس کا فائدہ ملنا شروع ہو گیا ہے۔ پردھان منتری فصل بیمہ یوجنا کے تحت اس نظام سے کسانوں میں لگاتار اعتماد پیدا ہوا ہے۔ کسانوں کی طرف سے قریب 13 ہزار کروڑ روپے کا پریمیم آیا۔ لیکن قدرتی آفات کی وجہ سے جو نقصان ہوا اسکے تحت قریب 56 ہزار کروڑ روپے کسانوں کو بیمہ یوجنا سے حاصل ہوئے ہیں۔ کسان کی آمدنی میں اضافہ ہو یہ ہماری اولیت ہے۔ کھیتی کی لاگت کم ہو، یہ ہماری اولیت ہے۔ اور پہلے ایم ایس پی کے نام پر کیا ہوتا تھا، ہمارے ملک میں پہلے سات لاکھ ٹن دال اور تلہن خریدی گئی۔ ہماری مدت کار میں یہ سولا کھ ٹن ہوئی۔ 7 اور 100 کا فرق تو سمجھ میں آئے گا۔

ای-نام (ای۔این ۔اے۔ایم) اسکیم ہے۔ آج ڈیجیٹل ورلڈ ہے ۔ ہمارا کسان موبائل فون سے دنیا کے دام دیکھ رہا ہے، سمجھ رہا ہے۔ ای-نام اسکیم کے توسط سے کسان اپنا مال بازار میں بیچ سکتے ہیں۔ اور مجھے خوشی ہے کہ گاؤں کے قریب پونے دو کروڑ کسان اس نظام سے جڑ چکے ہیں اور قریب قریب ایک لاکھ کروڑ روپے کا کاروبار کسانوں نے اپنی پیداوار کا اس ای-نام اسکیم سے کیا ہے۔ ہم نے کسان کریڈٹ کارڈ کی توسیع کی، اس کے ساتھ ساتھ متعدد متعلقہ سرگرمی جیسے مویشی پروری ہو، ماہی پروری ہو، مرغی پالن ہو، شمسی توانائی کی طرف جانے کی کوشش ہو۔ سولر پمپ کی بات ہو۔ ایسی نئی بہت سی چیزیں جوڑی ہیں جس کی وجہ سے آج اس کی معاشی حالت میں بہت بڑی تبدیلی آئی ہے۔

ہمارے آنے سے پہلے زراعت کی وزارت کا بجٹ 27 ہزار کروڑ روپے کا تھا۔ اب یہ بڑھ کر پانچ سال کی مدت میں 2014 میں پانچ گنا یعنی 27 ہزار کروڑ روپے سے بڑھ کر کے ڈیڑھ لاکھ کروڑ تک ہم نے پہنچایا ہے۔ پی ایم کسان سمّان یوجنا، کسانوں کے کھاتے میں سیدھے پیسے جاتے ہیں۔ اب تک تقریباً 45 ہزار کروڑ روپے کسان کے کھاتے میں منتقل ہو چکے ہیں۔ کوئی بچولیہ نہیں

ہے، کوئی فائلوں کا جھنجھٹ نہیں۔ ایک کلک دبایا، پیسے پہنچ گئے۔ لیکن میں ضرور یہاں محترم ارکان سے اصرار کروں گا کہ سیاست کرتے رہیئے۔ کرنی بھی چاہیئے۔ میں جانتا ہوں لیکن کیا ہم سیاست کرنے کے لئے کسانوں کے مفاد کے ساتھ کھلواڑ کریں گے۔ میں ان محترم ارکان سے اس بارے میں گزارش کروں گا کہ اپنی ریاست میں دیکھیں جو کسانوں کے نام پر بڑھ چڑھ کر بول رہے ہیں۔ وہ ذرا جا کر دیکھیں کہ ان کی ریاست کے کسانوں کو پی ایم سمّان ندھی ملے اس کے لئے وہ حکومت کسانوں کی فہرست کیوں نہیں دے رہی ہے۔ اس اسکیم کے ساتھ کیوں نہیں جڑ رہی ہے۔ نقصان کس کا ہوا، کس کا نقصان ہوا، اس ریاست کے کسانوں کا ہوا۔ یہاں کوئی بھی ایسا ممبر نہیں ہوگا کہ جو شاید دبی زبان میں جو کھل کر کے شاید نہ بول پائے، کئی جگہوں پر بہت کچھ ہوتا ہے۔ لیکن ان کو پتہ ہوگا اسی طرح سے میں محترم ارکان سے کہوں گا جنہوں نے بہت کچھ کہا ہے، ان ریاستوں کو دیکھئے ذرا آپ جہاں کسانوں کو وعدے کر، کر کے بہت بڑی بڑی باتیں کر، کر کے انکے ووٹ بٹور لئے، حلف لے لیا۔ اقتدار سنگھاسن پالیا۔ لیکن کسانوں کے وعدے پورے نہیں کئے گئے، کم سے کم یہاں بیٹھے ہوئے محترم ارکان ان ریاستوں کے بھی نمائندے ہوں گے تو وہ ضرور ان ریاستوں کو کہیں کہ کسانوں کو ان کا حق دینے میں کوتاہی نہ برتیں۔

صدر محترم، جب آل پارٹی میٹنگ ہوئی تھی تب میں نے تفصیل سے سب کے سامنے ایک گزارش بھی کی تھی، اور اپنے خیالات بھی رکھے تھے اس کے بعد ایوان کے آغاز میں میڈیا کے لوگوں سے جب میں بات کر رہا تھا، تب بھی میں نے کہا تھا کہ اس بار پوری طرح معیشت، اقتصادی معاملے، ملک کی اقتصادی صورتحال، ان سارے موضوعات کو ہم اس اجلاس کے حوالے کریں، ہمارے پاس جتنا بھی شعور ہے، جتنی بھی صلاحیت ہے، جتنی بھی ٹیلنٹ ہے، سب کا نچوڑ ہم اس اجلاس میں، دونوں ایوانوں میں ہم لے کر کے آئے ہیں۔ کیونکہ دیش-دنیا کی آج جو اقتصادی صورتحال ہے اس کا فائدہ اٹھانے کے لئے بھارت کون سے قدم اٹھائے، کون سی سمت کو اختیار کرے جس سے ملک کو فائدہ ہو۔ میں چاہوں گا یہ اجلاس ابھی بھی وقت ہے۔ بریک کے بعد بھی جب ملیں گے تب بھی پوری طاقت سے میں ارکان سے گزارش کرتا ہوں کہ ہم اقتصادی موضوعات پر گہرائی سے بولیں، جامعیت سے بولیں اور اچھی نئی تجاویز کے ساتھ بولیں۔ تاکہ ملک دنیا کے اندر جو مواقع پیدا ہوئے ہیں ہم ان کا فائدہ اٹھانے کے لئے پوری طاقت سے آگے بڑھیں، میں دعوت دیتا ہو سب کو۔ ہاں، میں مانتا ہوں کہ اقتصادی موضوعات پر اہم باتیں ہم سبھی کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ اور اس ذمہ داری میں ہم پرانی باتوں کو بھول نہیں سکتے ہیں۔ کیونکہ آج ہم کہاں ہیں اس کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب ہمیں یہ معلوم ہو کہ ہم کل کہاں تھے۔ یہ بات صحیح ہے لیکن ہمارے محترم ارکان یہ کہتے ہیں یہ کیوں نہیں ہوا، یہ کب ہوگا، یہ کیسے ہوگا کب تک کریں گے۔ تو کچھ لوگوں کو لگتا ہے کہ آپ تنقید کرتے

ہیں۔ میں نہیں مانتا کہ آپ تنقید کرتے ہیں مجھے خوشی ہے کہ آپ مجھے سمجھ پائے ہیں۔ کیونکہ آپ کو یقین ہے کہ کرے گا تو یہی کرے گا... اور اب اس لئے میں آپ کی ان باتوں کو تنقید نہیں مانتا ہوں۔ میں انکو رہنمائی مانتا ہوں، ترغیب مانتا ہوں، اور اس لئے میں ان ساری باتوں کا خیر مقدم کرتا ہوں اور تسلیم کرنے کی کوشش بھی کرتا ہوں۔ اور اس لئے اس قسم کی جتنی باتیں بتائی گئی ہیں اسکے لئے تو میں خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیونکہ کیوں نہیں ہوا کب ہو گا، کیسے ہو گا یہ اچھی باتیں ہیں۔ ملک کے لئے ہم سوچتے ہیں۔ لیکن پرانی باتوں کے بغیر آج کی بات کو سمجھنا تھوڑا مشکل ہوتا ہے۔

اب ہم جانتے ہیں کہ ہمارا پہلے کا کیسا دور تھا۔ بدعنوانی پر اکثر بحث ہوتی تھی۔ ہر اخبار کی ہیڈ لائن، ایوان میں بھی کرپشن پر ہی لڑائی چلتی تھی، تب بھی یہی بولا جاتا تھا۔ انپروفیشنل بینکنگ کو کون بھول سکتا ہے۔ کمزور بنیادی ڈھانچے کی پالیسی کو کون بھول سکتا ہے۔ وسائل کی بندر بانٹ۔ مائی گاڈ، کیا کر کے دکھا دیا تھا۔ ان تمام صورتوں سے باہر نکلنے کے لئے ہم نے مسائل کے حل تلاش کرنے کے لئے طویل مدتی مقصد کے ساتھ مقررہ سمت پکڑ کر کے، مقررہ نشانہ پکڑ کر کے اس کو پورا کرنے کی ہم نے مسلسل کوشش کی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج معیشت میں فسکل ڈیفسٹ بنی رہی ہے، مہنگائی قابو میں رہی ہے۔ اور میکرو معیشت کا استحکام بھی برقرار رہا ہے۔

میں آپ کا ممنون ہوں کیونکہ آپ نے مجھ پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ یہ بھی کام ہم ہی کریں گے۔ ہاں ایک کام نہیں کریں گے، نہ ہونے دیں گے۔ وہ ہے آپ کی بے روزگاری نہیں ہٹنے دیں گے۔

جی ایس ٹی کا بہت اہم فیصلہ ہو، کارپوریٹ ٹیکس کم کرنے کی بات ہو، آئی بی سی لانے کی بات ہو، ایف ڈی آئی کو لبرلائز کرنے کی بات ہو، بینکوں میں دوبارہ سرمایہ کرنے کی بات ہو جو بھی وقتاً فوقتاً ضرورت رہی اور جو بھی طویل مدتی مضبوطی کے لئے ضرورت ہے۔ وہ سارے قدم ہماری سرکار نے اٹھائے ہیں اور اس کے فائدے بھی آنے شروع ہوگئے ہیں اور وہ اصلاحات جن کی چرچہ ہمیشہ ہوئی ہے آپ کے یہاں بھی جو پنڈت لوگ تھے، وہ یہی کہتے رہتے تھے لیکن کر نہیں پاتے تھے۔ ماہرین اقتصادیات بھی جن باتوں کی باتیں کرتے تھے، آج ایک کے بعد ایک اسے نافذ کرنے کا کام ہماری حکومت کر رہی ہے۔ سرمایہ کاروں کا بھروسہ بڑھے، معیشت کو مضبوطی ملے اس کو لے کر کے بھی ہم نے کئی اہم فیصلے کئے ہیں۔ جنوری 2019 سے 2020 کے دوران چھ بار جی ایس ٹی ریونیو کلیکشن ایک لاکھ کروڑ سے زیادہ رہا ہے۔ اگر میں ایف ڈی آئی کی بات کروں تو 2018 اپریل سے ستمبر تک ایف ڈی آئی 22 بلین ڈالر تھا۔ آج اسی مدت میں یہ ایف ڈی آئی 26 بلین ڈالر پار کر گیا ہے۔ اس بات

کا ثبوت ہے کہ غیر ملکی سرمایہ کاروں کا ہندستان پر اعتماد بڑھا ہے۔ ہندستان کی معیشت پر اعتماد بڑھا ہے۔ اور ہندستان کے اقتصادی شعبے میں بہت زیادہ مواقع ہیں۔ یہ خیال بنا ہے تب جا کر کے لوگ آتے ہیں۔ اور غلط افواہیں پھیلانے کے باوجود لوگ باہر نکل کر کے آرہے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑی بات ہے۔

محترم اسپیکر صاحب، ہمارا ویژن زیادہ سرمایہ کاری، بہتر بنیادی ڈھانچہ، زیادہ ویلیو ایڈیشن اور زیادہ سے زیادہ روز گار کے مواقع پیدا کرنے پر ہے۔ محترم اسپیکر صاحب، میں کسانوں سے بہت کچھ سیکھتا ہوں۔ کسان سخت گرمی میں بھی کھیت جوت کر کے تیار رکھتا ہے لیکن اس وقت وہ بیج نہیں بوتا ہے۔ صحیح وقت پر بیج بوتا ہے اور ابھی جو پچھلے دس منٹ سے چل رہا ہے وہ میرا کھیت جوتنے کا کام چل رہا ہے اب برابر آپ کے دماغ میں جگہ ہو گئی ہے ۔ اب میں ایک ایک کر کے بیج ڈالوں گا۔

صدر محترم، مدرا یوجنا، اسٹارٹ اپ انڈیا، اسٹینڈ اپ انڈیا، ان اسکیموں نے ملک میں خود کے روز گار کو بہت بڑی طاقت دی ہے۔ اتنا ہی نہیں اس ملک میں کروڑوں لوگ پہلی بار مدرا یوجنا لے کر خود روزی روٹی کمانے لگے۔ دوسرے لوگوں کو بھی روز گار دینے کا کام کر رہے ہیں ۔ اتنا ہی نہیں، پہلی بار جن کو مدرا یوجنا کے تحت بینکوں سے پیسہ ملا ہے اس میں سے 70 فی صد ہماری مائیں اور بہنیں ہیں جو اقتصادی سرگرمی کے شعبے میں نہیں تھیں وہ آج کہیں نہ کہیں معیشت کو فروغ دینے میں تعاون کر رہی ہیں۔ 28 ہزار سے زیادہ اسٹارٹ اپ کو منظوری دی گئی ہے ، آج خوشی کی بات ہے ٹیئر 2 سٹی میں یعنی ہمارے ملک کا نوجوان نئے عزائم کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ مدرا یوجنا کے تحت 22 کروڑ سے زیادہ قرض منظور ہوئے ہیں اور کروڑوں نوجوانوں نے روز گار پایا ہے۔

ادھیر رنجن جی ایسا کرتے ہیں، آپ ایک وقت طے کیجئے۔ آپ کو جتنا کہنا ہے، میں دوبارہ بیٹھ جاؤں گا، کیونکہ یہ سب لوگ پیچھے ہنس رہے ہیں۔ آپکی عظمت کو جھٹکا لگے، اچھا نہیں ہے۔ اس دیش کی ستر سال کی سیاست ایسی رہی ہے کہ کوئی کانگریسی سیلف سفیشینٹ نہیں ہو سکتا، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

عالمی بینک کے صنعت کاری سے متعلق اعداد و شمار کو دیکھئے اس میں ہندستان کا دنیا کے اندر تیسرا مقام ہے۔ ستمبر 2017 سے نومبر 2019 کے درمیان ای پی ایف او پیرول ڈاٹا میں 1 کروڑ 39 لاکھ نئے سبسکرائبرس آئے ہیں ۔ بغیر روز گار کے کوئی پیسے جمع نہیں کرتا ہے۔ میں نے کانگریس کے ایک نیتا کا کل مینیفسٹو سنا، انہوں نے اعلان کیا ہے کہ چھ مہینے میں مودی کو ڈنڈے ماریں گے۔ اور یہ بات صحیح ہے کہ یہ کام ذرا مشکل ہے تو تیاری کے لئے چھ مہینے تو لگتے ہی ہیں۔ تو چھ مہینے کا وقت تو اچھا

ہے ،لیکن میں نے بھی طے کیاہے روز صبح سورج نمسکار کی تعداد بڑھادوں گا۔تا کہ اب تک قریب 20سال سے جس طرح کی گندی گالیاں سن رہاہوں اور اپنے آپ کو گالی پروف بنادیاہے ،چھ مہینے ایسے سورج نمسکار کروں گا ایسے سورج نمسکار کروں گا جو میری پیٹھ کو بھی ہر ڈنڈے جھیلنے کی طاقت والا بنا دے۔تو میں ممنون ہوں کہ پہلے سے اعلان کر دیا گیاہے کہ مجھے یہ چھ مہینے کسرت بڑھانے کاوقت ملے گا۔

محترم اسپیکر صاحب،میں 30-40منٹ سے بول رہاہوں لیکن کرنٹ پہنچتے پہنچتے دیر لگ گئی۔ بہت سی ٹیوب لائٹ کا ایسا ہی ہوتاہے۔انڈسٹری اور ڈیجیٹل معیشت کروڑوں نئے جابس کے لئے مواقع لے کر آتی ہے۔ اسکل ڈیولپمنٹ ، نئی اسکلڈ ورک فورس کو تیار کرنا ،لیبر ریفارم ،پارلیمنٹ کے اندر پہلے ایک تجویز تو آگے بڑھائی ہے اور بھی کچھ تجاویز ہیں مجھے یقین ہے کہ یہ ایوان اس کو بھی تقویت دے گا تا کہ ملک میں روز گار کے مواقع میں کوئی رکاوٹ نہ آئے،ہم پچھلی صدی کی سوچ کے ساتھ آگے نہیں بڑھ سکتے ہیں۔ہم کو بدلی ہوئی عالمی صورتحال میں نئی سوچ کے ساتھ،ان تمام تبدیلیوں کے لئے آگے آنا ہو گا۔ اور ایوان کے تمام معزز ارکان سے گذارش کرتاہوں کہ لیبر سے متعلق اصلاح کاجو کام ہے،جو سبھی مزدور یونین کے ساتھ ملکر طے ہوا تھا، اس کو جتنا جلدی آگے بڑھائیں گے روز گار کے نئے مواقع کے لئے آسانی ملے گی۔ اور میں یہ یقین کرتاہوں۔پانچ ٹریلین ڈالر کی اکونومی،کاروبار کرنے میں آسانی،زندگی گزارنے میں آسانی،یہ سب ایسے نہیں ہوتے ہیں۔ صدر محترم،یہ بات صحیح ہے کہ ہم آنے والے دنوں میں 16 کروڑ کا بنیادی ڈھانچہ کا مشن لے کر کے آگے چل رہے ہیں۔ لیکن پچھلے مدت کار میں بھی آپ نے دیکھا ہوگا کہ طاقت دینے کے لئے، مضبوطی دینے کے لئے بنیادی ڈھانچے کی بہت اہمیت ہوتی ہے اور جتنا زیادہ استحکام انفرااسٹکچر کو دیتے ہیں وہ معیشت کو آگے لے جاتاہے اور روز گار کو بھی بڑھاتاہے۔ نئی نئی صنعتوں کو بھی موقع دیتاہے اور اس لئے ہم نے بنیادی ڈھانچے کے پورے کام میں ایک نئی رفتار دی ہے، ورنہ پہلے بنیادی ڈھانچے کا مطلب ہوتا تھا سیمنٹ کنکریٹ کے جنگلوں کی بات، بنیادی ڈھانچے کا مطلب ہوتا تھاٹینڈر کا عمل ، پہلے بنیادی ڈھانچہ کا مطلب ہوتا تھا بچولیئے ،یہی سب بنیادی ڈھانچے کی بات آتی تھی تولوگوں کو یہی لگتا تھا کہ کچھ بو آتی تھی۔

آج ہم نے شفافیت کے ساتھ 21ویں صدی میں جدید بھارت بنانے کے لئے جس انفرااسٹرکچر کا تصور کر سکتے ہیں اس پر زور دیاہے۔اور ہماری زمین ہمارے لئے انفرااسٹرکچر ہے، صرف ایک سیمنٹ اور کنکریٹ کا کھیل نہیں ہے۔ میں مانتاہوں کہ انفرااسٹرکچر ایک مستقبل لے کر آتاہے۔کرگل سے کنیاکماری اور کچھ سے کوہیما اسکو اگر جوڑنے کا کام کرنے کی طاقت ہوتی ہے تو انفرااسٹرکچر میں ہوتی ہے۔ تمناؤں اور حصولیابی کو جوڑنے کاکام انفرااسٹرکچر کرتاہے۔لوگوں اور ان کے خوابوں کو پرواز دینے کی

طاقت اگر کہیں پر ہے تو انفراسٹرکچر میں ہوتی ہے۔ لوگوں کی تخلیقی صلاحیت کو صارفین سے جوڑنے کا کام انفراسٹرکچر کی وجہ سے ہی ممکن ہو سکتا ہے. ایک بچے کو اسکول سے جوڑنے کا کام چھوٹا ہی کیوں نہ ہو انفراسٹرکچر کرتا ہے. ایک کسان کو مارکیٹ سے جوڑنے کا م انفراسٹرکچر کرتا ہے. ایک بزنس مین کو اس کے صارفین کے ساتھ جوڑنے کا کام انفراسٹرکچر کرتا ہے. آلودگی پر قابو پاکر صحتمند زندگی سے جوڑنے کا کام انففراسٹکچر کرتا ہے۔لوگوں کو لوگوں سے جوڑنے کا کام بھی انفراسٹرکچر کرتا ہے. ایک غریب حاملہ ماں کو بھی ہسپتال سے جوڑنے کا کام انفراسٹرکچر کرتا ہے. اور اس وجہ سے آبپاشی سے لے کر صنعت تک سوشل انفراسٹرکچر سے لے کر رورل انفراسٹرکچر تک، روڈز سے لے کر پورٹ تک اور ایئرویز سے لے کر واٹر ویز تک ہم نے کئی ایسے اقدامات کئے۔ گذشتہ 5 سال میں ملک نے دیکھا ہے. اور لوگوں نے جب دیکھا ہے تبھی تو یہاں بٹھایا ہے جی، یہی تو انفراسٹرکچر ہے جو یہاں پہنچاتا ہے۔

محترم صدر، میں ایک مثال دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں انفراسٹرکچر کے میدان میں کس طرح کام ہوتا تھا۔ یہ صرف ہمارا دہلی کا ہی معاملہ لے لیجئے۔ یہ دلی میں ٹریفک، آب وہوا، اور ہزاروں ٹرک دہلی کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ یوپی اے حکومت کا عزم تھا کہ 2009 تک یہ دہلی کے اطراف جو پیری یفیرل ایکسپریس وے ہے، اسے مکمل کرے گی۔2014 میں ہم آئے۔اس وقت تک کاغذ پر ہی وہ لکیریں بن کر وہ پڑا ہوا تھا۔اور 2014 کے بعد مشن موڈ میں ہم نے کام لیا اور آج پیری فیرل ایکسپریس وے کا کام ہو گیا۔ 40 ہزار سے زیادہ ٹرک آج یہاں دہلی میں نہیں آتے سیدھے باہر سے جاتے ہیں اور دہلی کو آلودگی سے بچانے میں ایک اہم قدم یہ بھی ہے۔لیکن انفراسٹرکچر کی اہمیت کیا ہوتی ہے۔ 2009 تک مکمل کرنے کا خواب 2014 تک کاغذ کی لکیر بنکر کے پڑا رہا، یہ فرق ہے۔اسکو سمجھنے کے لئے تھوڑا سا ٹائم لگے گا۔

محترم صدر، کچھ اور موضوعات کو میں ذرا واضح کرنا چاہتا ہوں۔ ششی تھرور جی، آپکو نیند آتی ہوگی، لیکن پھر بھی کیونکہ کچھ لوگوں نے ذرا بار بار یہاں پر آئین بچانے کی باتیں کی ہیں۔اور میں بھی مانتا ہوں کہ آئین بچانے کی بات کانگریس کو دن میں 100 بار بولنی چاہئے۔کانگریس کے لئے منتر ہونا چاہئے۔100 بار آئین محفوظ کریں، آئین بچاؤ، یہ ضروری ہے، کیونکہ آئین کے ساتھ کب کیا ہوا، اگر آئین کی عظمت سمجھتے تو آئین کے ساتھ یہ نہ ہوا ہوتا۔اور اس وجہ سے جتنی بار آپ آئین بولیں گے ہو سکتا ہے کچھ چیزیں آپ کو آپ کی غلطیوں کا احساس کروادیں گی۔ آپ کے ارادوں کا احساس کروادیں گی اور آپ کو سچ میں آئین اس ملک میں انمول ہے اس کی طاقت کا تجربہ کرائیں گی۔

محترم صدر، یہ وہی لوگ ہیں۔ کیا آپ کو ایمر جنسی میں آئین بچانے کا کام یاد نہیں آیا تھا۔ یہی لوگ ہیں جو آئین بچانے کے لئے ان کو بار بار بولنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ عدلیہ سے عدالتی جائزہ کا حق چھیننے کا گناہ انہوں نے کیا ہے، جن لوگوں نے لوگوں سے جینے کا قانون چھیننے کی بات کہی تھی۔ ان لوگوں کو آئین بار بار بولنا بھی پڑے گا، پڑھنا بھی پڑے گا۔ جو لوگ سب سے زیادہ بار آئین کے اندر تبدیلی کرنے کی تجویز لائے ان لوگوں کو آئین بچانے کی بات بولے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ در جنوں بار ریاستی حکومتوں کو برخاست کر دیا ہے۔ لوگوں کی چنی ہوئی حکومتوں کو برخاست کر دیا ہے۔ ان کے لئے آئین بچانا یہ بول بول کر ان اقدار کو زندگی میں اتارنے کی ضرورت ہے۔

کابینہ نے ایک قرارداد منظور کی ہے. جمہوریت اور آئین سے بنی ہوئی کابینہ نے ایک قرارداد منظور کی ہے۔ اس تجویز کو پریس کانفرنس میں پھاڑ دینا ان لوگوں کے لئے آئین بچانے کی تعلیم لینا بہت ضروری ہے۔ اور اس وجہ سے ان لوگوں کو بار بار آئین بچاو کا منتر بولنا بہت ضروری ہے۔ پی ایم اور پی ایم او کے اوپر نیشنل ایڈوائزری کونسل! ریموٹ کنٹرول سے حکومت چلانے کا طریقہ کرنے والوں کو آئین کی عظمت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

صدر محترم، آئین کی وکالت کے نام پر دہلی اور ملک میں کیا کیا ہو رہا ہے، وہ ملک اچھی طرح دیکھ رہا ہے، سمجھ بھی رہا ہے اور ملک کی خاموشی بھی کبھی نہ کبھی تو رنگ لائے گی۔

عدالت عظمی، وہ آئین کے لئے سیدھا سیدھا ایک اہم حصہ ہے۔ ملک کی عدالت عظمی بار بار کہہ رہی ہے کہ تحریک ایسے نہ ہو جو عام آدمی کو تکلیف دے، تحریک ایسے نہ ہو، جو تشدد کے راستے پر چل پڑے۔ آئین بچانے کی بات والا وقت، لیکن یہی بائیں بازو والے لوگ، یہی کانگریس کے لوگ، یہی ووٹ بینک کی سیاست کرنے والے لوگ وہاں جا-جا کر اکسا رہے ہیں۔ اشتعال انگیز باتیں کر رہے ہیں۔

صدر محترم، ایک شاعر نے کہا ہے:

خوب پردہ ہے، کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں!

پبلک سب جانتی ہے، سب سمجھتی ہے۔

صدر محترم، گزشتہ دنوں جو زبانیں بولی گئیں، جس قسم کے بیان دیے گئے ہیں وہ اس کا ذکر آج ایوان کے بڑے بڑے لیڈر بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں اس کا بہت بڑا افسوس ہے۔ مغربی بنگال کے متاثر لوگ یہاں بیٹھے ہیں، اگر وہ وہاں کیا چل رہا ہے اس کا کچا چٹھا کھول دیں گے نا تو دادا کو تکلیف ہو گی۔ بے قصور لوگوں کو کس طرح سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔

صدر محترم، کانگریس کے وقت میں آئین کی کیا پوزیشن تھی، لوگوں کے حقوق کی صورت حال کیا تھی، یہ میں ذرا ان سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر آئین اتنا اہم ہے، جو ہم مانتے ہیں، اگر آپ مانتے ہوتے تو جموں وکشمیر میں ہندوستان کا آئین نافذ کرنے سے آپ کو کس نے روکا تھا؟ اسی آئین کے دیے حقوق سے جموں وکشمیر کے میرے بھائیوں بہنوں کو محروم رکھنے کا گناہ کس نے کیا تھا؟ اور ششی جی آپ تو جموں وکشمیر کے داماد رہے ہیں، ارے ان بیٹیوں کی فکر کرتے، آپ آئین کی بات کرتے ہو اور اس وجہ سے صدر محترم، ایک معزز ممبر پارلیمنٹ نے کہا کہ جموں وکشمیر نے اپنی شناخت کھوئی ہے، کسی نے کہا، کسی کی نظر میں تو جموں وکشمیر کا مطلب زمین ہی تھا۔

صدر محترم، کشمیر میں جن کو صرف زمین نظر آتی ہے نا، ان کو اس ملک کا کچھ اندازہ ہے؟ اور وہ ان کے دانشورانہ غربت کا تعارف کرواتا ہے۔ کشمیر بھارت کے سر کا تاج ہے۔

صدر محترم، کشمیر کی شناخت بم، بندوق اور علیحدگی پسندی بنا دی گئی تھی۔ جو لوگ شناخت کی بات کرتے ہیں، جنوری، 1990 کی وہ کالی رات، اسی دن کچھ لوگوں نے کشمیر کی شناخت کو دفنا دیا تھا۔ کشمیر کی شناخت صوفی روایت ہے، کشمیر کی شناخت تمام عقیدوں کے ساتھ یکساں رویہ ہے۔ کشمیر کے نمائندے ماں لال دیڑ، نند رشی، سید بلبل شاہ، میر سید علی ہمدانی، یہ کشمیر کی شناخت ہے۔

صدر محترم، کچھ لوگ کہتے ہیں آرٹیکل 370 ہٹانے کے بعد آگ لگ جائے گی، کیسی پیشن گوئی کرنے والے لوگ ہیں؟ یہ کہ آگ لگ جائے گی 370 ہٹانے کے بعد۔ اور آج جو لوگ بولتے ہیں، میں ان کو کہنا چاہتا ہوں، کچھ لوگ کہتے ہیں کچھ لیڈر جیل میں ہیں۔ یہ ایوان آئین کی حفاظت کرنے والا ایوان ہے، یہ آئین کو وقف ایوان ہے، یہ آئین کے اوپر فخر کرنے والا ایوان ہے، یہ آئین کے لئے ذمہ داری نبھانے والے اراکین سے بھرا ہوا ایوان ہے۔ میں تمام معزز اراکین کی روح کو آج چھونے کی کوشش کرنا چاہتا ہوں۔

صدر محترم، محبوبہ مفتی جی نے 5 اگست کو کیا کہا تھا، اور آئین کو وقف لوگ ذرا توجہ سے سنیں، محبوبہ مفتی جی نے کہا تھا کہ بھارت نے، یہ الفاظ بڑے سنجیدہ ہیں، انہوں نے کہا تھا کہ بھارت نے کشمیر کے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ ہم نے جس ملک کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا تھا، اس نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہم نے 1947 میں غلط فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ آئین کو ماننے والے لوگ اس قسم کی زبان کو قبول کر سکتے ہیں کیا؟ ان کی وکالت کرتے ہو؟ ان کی حمایت کرتے ہو؟ اسی طرح سے جناب عمر عبداللہ جی نے کہا تھا، انہوں نے کہا تھا کہ آرٹیکل 370 کا ہٹانا ایسا زلزلہ لے آئے گا کہ کشمیر بھارت سے الگ ہو جائے گا۔

صدر محترم، فاروق عبداللہ جی نے کہا تھا کہ 370 کا ہٹایا جانا کشمیر کے لوگوں کی آزادی کی راہ ہموار کرے گا۔ اگر 370 ہٹائی گئی تو بھارت کا جھنڈا لہرانے والا کشمیر میں کوئی نہیں بچے گا۔ کیا اس زبان کو، اس جذبے کو ہندوستان کے آئین کو وقف کوئی بھی شخص قبول کر سکتا ہے، کیا اس کا اتفاق ہو سکتا ہے؟ میں یہ بات ان کے لئے کہہ رہا ہوں جن کے پاس روح ہے۔

صدر محترم، یہ وہ لوگ ہیں جن کو کشمیر کے عوام پر اعتماد نہیں ہے اور اس وجہ سے ایسی زبان بولتے ہیں. ہم وہ ہیں جن کو کشمیر کے عوام پر بھروسہ ہے۔ ہم نے بھروسہ کیا، ہم نے کشمیر کے عوام پر بھروسہ کیا اور آرٹیکل 370 کو ہٹایا. اور آج تیز رفتار سے ترقی بھی کر رہے ہیں. اور اس ملک کے کسی بھی علاقے کے حالات خراب کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی چاہے وہ کشمیر ہو، چاہے نارتھ ایسٹ ہو، چاہے کیرل ہو، کوئی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی. ہمارے وزیر بھی گزشتہ دنوں مسلسل جموں کشمیر کا دورہ کر رہے ہیں، عوام کے ساتھ بات چیت کر رہے ہیں. عوام کے ساتھ بات چیت کرکے وہاں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں۔

صدر محترم، میں آج اس ایوان سے جموں و کشمیر کے روشن مستقبل کے لئے جموں و کشمیر کی ترقی کے لئے، جموں و کشمیر کے لوگوں کی امید و توقعات کو پورا کرنے کے لئے ہم پابند عہد ہیں۔ ہم آئین کو وقف لوگ سب کے سب پابند عہد ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ میں لداخ کے بارے میں بھی کہنا چاہوں گا۔

صدر محترم، ہمارے ملک میں سکم ایک ایسا صوبہ ہے جس نے اپنے آپ کو ایک ارگینک اسٹیٹ کے طور پر اس نے اپنی شناخت بنائی ہے. اور ایک طرح سے ملک کی کئی ریاستوں کو سکم جیسی چھوٹی ریاست نے ترغیب دی ہے۔ سکم کے کسان، سکم کے شہری اس کے لئے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ لداخ میں مانتا ہوں لداخ کے بارے میں میرے ذہن میں بہت صاف تصویر ہے۔ اور اس طرح ہم چاہتے ہیں کہ لداخ جس طرح سے ہمارے پڑوس میں بھوٹان کی تعریف ہوتی ہے، آب و ہوا کو لے کر، کاربن

نیوٹرل ملک کے طور پر دنیامیں اس کی شناخت بنی ہے۔ ہم اہل وطن یہ عزم کرتے ہیں اور ہم سب کو عزم کرناچاہئے کہ ہم لداخ کو بھی ایک کاربن نیوٹرل یونٹ کے طور پر فروغ دے کر ملک کے لئے ایک شناخت بنائیں گے۔ اور اس کا فائدہ آنے والی نسلوں کو ایک ماڈل کے طور پر مل جائے گا، ایسا مجھے پورا یقین ہے۔ اور میں جب لداخ جاؤں گا، ان کو ان کے ساتھ رہ کر میں اس کا ایک ڈیزائن بنانے کی سمت میں آگے بڑھ رہاہوں۔

صدر محترم، یہاں پر جو ایک قانون ایوان نے منظور کیا، جو ترمیم دونوں ایوانوں میں منظور ہوئی، جو نوٹی فائی ہو گیا، اس سلسلے میں بھی کچھ نہ کچھ کوششیں ہو رہی ہیں CAA لانے کی۔ کچھ لوگ کہہ رہے ہیں CAA لانے کی اتنی جلدی کیا تھی؟ کچھ معزز اراکین نے یہ کہا کہ یہ حکومت امتیازی سلوک کر رہی ہے، یہ حکومت ہندو اور مسلم کر رہی ہے۔ کچھ نے کہا کہ ہم ملک کے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں، بہت کچھ کہا گیا اور یہاں سے باہر بہت کچھ بولا جاتا ہے۔ خیالی خوف پیدا کرنے کے لئے پوری طاقت لگادی گئی ہے۔ اور وہ لوگ بول رہے ہیں جو ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے والوں کے بغل میں کھڑے ہو کر فوٹو کھچواتے ہیں۔ دہائیوں سے پاکستان یہی زبان بولتا آیاہے، پاکستان یہی باتیں کر رہاہے۔

بھارت کے مسلمانوں کو بھڑکانے کے لئے پاکستان نے کوئی کسر چھوڑی نہیں۔ بھارت کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے پاکستان نے ہر کھیل کھیلے ہیں، ہر رنگ دکھائے ہیں۔ اور اب ان کی بات چلتی نہیں ہے، پاکستان کی بات بڑھ نہیں پارہی ہے۔ میں حیران ہوں کہ جن کو ہندوستان کے عوام نے اقتدار کے تخت سے گھر بھیج دیا، وہ آج اس کام کو کر رہے ہیں جو کبھی یہ ملک سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہمیں یاد دلایاجارہاہے کہ انڈیا کا نعرہ دینے والے، جے ہند کا نعرہ دینے والے ہمارے مسلم ہی تھے۔ دقت یہی ہے کہ کانگریس اور اس کی نظر میں یہ لوگ ہمیشہ ہی صرف اور صرف مسلم تھے۔ ہمارے لئے، ہماری نظر میں وہ بھارتیہ ہیں، ہندوستانی ہیں۔ صدر محترم، میری خوش قسمتی ہے کہ بچپن میں خان عبدالغفار خان جی کے چرن چھونے کا مجھے موقع ملا تھا۔ میں اسے اپنے لئے فخر کی بات مانتاہوں۔

صدر محترم، خان عبدالغفار خان ہوں، اشفاق اللہ خان ہوں، بیگم حضرت محل ہوں، ویر شہید عبدالکریم ہوں یا سابق راشٹرپتی جناب اے پی جے عبدالکلام ہوں، سب کے سب ہماری نظر میں ہندوستانی ہیں۔ صدر محترم، کانگریس اور اس کی طرح جماعتیں جس دن بھارت کو بھارت کی نظر سے دیکھنا شروع کر دینگے، انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا، میں کانگریس کا اور ان کے ایکو سسٹم کا بھی بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے سی اے اے کو لے کر کے شور شرابہ مچار کھاہواہے۔ اگر یہ مخالفت نہیں

کرتے، یہ اتنا شور شرابہ نہیں کرتے تو شاید ان کا اصلی روپ ملک کو پتہ ہی نہیں چلتا۔ یہ ملک نے دیکھ لیا ہے کہ پارٹی کے لئے کون ہے اور ملک کے لئے کون ہے۔ اور میں چاہتا ہوں، جب بحث نکل پڑی ہے تو بات دور تک چلی جائے گی۔

صدر محترم، وزیر اعظم بننے کی خواہش کسی کی بھی ہو سکتی ہے اور اس میں کچھ برا بھی نہیں ہے۔ لیکن کسی کو وزیر اعظم بننا تھا، اس ہندوستان پر ایک لکیر کھینچی گئی اور ملک کو تقسیم کر دیا گیا۔ تقسیم کے بعد جس طرح پاکستان میں ہندوؤں، سکھوں اور دیگر اقلیتوں پر جو ظلم ہوا، زور زبردستی ہوئی اسکا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ میں کانگریس کے ساتھیوں سے ذرا پوچھنا چاہتا ہوں، کیا آپ نے کبھی بھوپندر کمار دت کا نام سنا ہے؟ کانگریس کے لئے جاننا بہت ضروری ہے اور جو یہاں نہیں ہیں ان کو بھی جاننا ضروری ہے۔

بھوپندر کمار دت ایک وقت میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں تھے، اس کے رکن تھے۔ جنگ آزادی کے دوران 23 سال انہوں نے جیل میں گزارے تھے۔ وہ ایک ایسے عظیم انسان تھے جنہوں نے انصاف کے لئے 78 دن جیل کے اندر بھوک ہڑتال کی تھی اور یہ بھی ان کے نام ایک ریکارڈ ہے۔ تقسیم کے بعد بھوپندر کمار دت پاکستان میں ہی رک گئے تھے۔ وہاں کی آئین ساز اسمبلی کے وہ رکن بھی تھے۔ جب آئین کا کام چل ہی رہا تھا، ابھی تو آئین کا کام چل ہی رہا تھا، آغاز ہی ہوا تھا اور اس وقت بھوپندر کمار دت نے اسی آئین ساز اسمبلی میں جو کہا تھا، اسے آج میں دہرانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ جو لوگ ہم پر الزام لگا رہے ہیں ان کیلئے یہ سمجھنا بہت ضروری ہے۔ بھوپندر کمار دت نے کہا تھا: " جہاں تک پاکستان کے اس طرف کی بات ہے تو پھر اقلیتیں یہاں عملی طور سے ختم ہو چکی ہیں۔ جو لوگ ابھی یہاں رہنے کے لئے باقی ہیں وہ مشرقی بنگال کے لگ بھگ ایک کروڑ لوگ ہیں اور یہ لوگ سخت مایوسی کے عالم میں رہ رہے ہیں"۔ یہ بھوپندر کمار دت نے تقسیم کے فوراً بعد وہاں کی آئین ساز اسمبلی میں یہ الفاظ کہے تھے۔ یہ حالت تھی آزادی کے آغاز کے دنوں سے ہی اقلیتوں کی، وہاں کے اقلیتوں کی۔ اس کے بعد پاکستان میں صورت حال اتنی خراب ہو گئی کہ بھوپندر دت کو بھارت آکر پناہ لینی پڑی اور بعد میں ان کا انتقال بھی یہیں بھارت ماں کی گود میں ہوا۔

صدر محترم، تب کے پاکستان میں ایک اور بڑے مجاہد آزادی رک گئے تھے، جو گیندر ناتھ منڈل۔ وہ معاشرے کے بہت ہی مظلوم، استحصال کا شکار، کچلے ہوئے سماج کی نمائندگی کرتے تھے۔ انہیں پاکستان کا پہلا وزیر قانون بھی بنایا گیا تھا. 9 اکتوبر، 1950 - اب آزادی کے اور بٹوارے کے دو تین سال ہوئے تھے. 9 اکتوبر، 1950 کو انہوں نے اپنا استعفی دے دیا تھا۔ ان کے استعفی کے ایک پیراگراف استعفی میں جو لکھا تھا اس کو میں کوٹ کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے لکھا تھا۔

میں یہ ضرور کہوں گا ہندوؤں کو پاکستان سے بھگانے کی پالیسی مغربی پاکستان میں پوری طرح کامیاب ہو چکی ہے اور مشرقی پاکستان میں مکمل ہونے کے قریب ہے۔ انہوں نے مزید کہا تھا: " پاکستان نے مسلم لیگ کو اطمینان وتحفظ کا مکمل احساس نہیں دیا ہے۔ اب وہ ہندو دانشوروں سے جان چھڑانا چاہتے ہیں تاکہ پاکستان کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی کسی بھی طرح ان سے متاثر نہ ہو"۔ یہ منڈل جی نے اپنے استعفی میں لکھا تھا۔ انہیں بھی آخر کار بھارت ہی آنا پڑا اور ان کا انتقال بھی بھارت ماں کی گود میں ہوا۔ اتنے دہائیوں کے بعد بھی پاکستان کی سوچ نہیں بدلی۔ وہاں آج بھی اقلیتوں پر ظلم ہو رہے ہیں۔ ابھی ابھی ننکانہ صاحب کے ساتھ کیا ہوا، وہ سارے ملک اور دنیا نے دیکھا ہے۔ اور یہ ایسا ہی نہیں ہے کہ صرف ہندو اور سکھوں کے ساتھ ہوتا ہے، اور بھی اقلیتوں کے ساتھ ایسا ہی ظلم وہاں ہوتا ہے۔ عیسائیوں کو بھی ایسی ہی تکلیف جھیلنی پڑتی ہے۔

ایوان میں بحث کے درمیان گاندھی جی کے بیان کو لے کر کے بھی بات کہی گئی۔ کہا گیا کہ سی اے اے پر حکومت جو کہہ رہی ہے، وہ گاندھی جی کا منشا نہیں تھی۔ ٹھیک ہے، کانگریس جیسی پارٹیوں نے تو گاندھی جی کی باتوں کو دہائیوں پہلے چھوڑ دیا تھا۔ آپ نے تو گاندھی جی کو چھوڑ دیا ہے اور اس لیے میں اور نہ ملک آپ سے کوئی توقع کرتا ہے، لیکن جس کی بنیاد پر کانگریس کی روزی روٹی چل رہی ہے، میں آج ان کی بات کرنا چاہتا ہوں۔

1950 میں نہرو لیاقت معاہدہ ہوا۔ بھارت اور پاکستان میں رہنے والے اقلیتوں کی حفاظت کو لے کر کے یہ معاہدہ ہوا۔ معاہدے کی بنیاد تھی کہ پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں ہوگا۔ پاکستان میں رہنے والے جو لوگ ہیں، اس میں جو مذہبی اقلیت ہیں، جس کی بات ہم بول رہے ہیں، اس کے بارے میں نہرو اور لیاقت کے درمیان میں ایک معاہدہ ہوا تھا۔ اب کانگریس کو جواب دینا ہوگا، نہرو جیسے اتنے بڑے سیکولر، نہرو جیسے اتنے بڑے عظیم مفکر، اتنے بڑے ویژنری اور آپ کے لئے تو سب کچھ۔ انہوں نے اس وقت وہاں کی اقلیت کے بجائے 'سارے شہری' لفظ استعمال کیوں نہیں کیا؟ اگر اتنے ہی عظیم تھے، اتنے ہی لبرل تھے تو کیوں نہیں کیا بھائی، کوئی تو سبب ہوگا۔ لیکن اس حقیقت کو آپ کب تک جھٹھلاؤ گے۔ بھائیو اور بہنو، محترم صدر اور معزز ارکان، یہ اس وقت کی بات ہے، یہ میں اس وقت کی بات بتا رہا ہوں۔ نہرو جی معاہدے میں پاکستان کی اقلیتوں، اس بات پر کس طرح مان گئے، ضرور کچھ نہ کچھ وجہ ہوگی۔ جو بات ہم بتا رہے ہیں آج، وہی بات اس وقت نہرو جی نے بتائی تھی۔

نہرو جی نے لکھا تھا: آپ کو ہندو پناہ گزینوں اور مسلم مہاجرین، ان کے درمیان فرق کرنا ہی ہو گا۔ اور ملک کو ان پناہ گزینوں کی ذمہ داری لینی ہی پڑے گی۔ اس وقت آسام کے وزیر اعلی کو اس وقت کے ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت نہرو جی کا لکھا ہوا خط ہے۔ نہرو لیاقت معاہدے کے بعد چند ماہ کے اندر ہی نہرو جی کا اسی پارلیمنٹ کے فلور پر 5 نومبر، 1950 کو نہرو جی نے کہا تھا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو متاثر لوگ بھارت میں بسنے کے لئے آئے ہیں، یہ شہریت ملنے کے حقدار ہیں اور اگر اس کے لئے قانون موزوں نہیں ہے تو قانون میں تبدیلی کی جانی چاہئے۔

لوک سبھا میں، 1963، میں اسی ایوان میں اور اسی جگہ سے، 1963 میں کالنگ اٹینشن کی تحریک لائی گئی۔ اس وقت وزیر اعظم نہرو، وزیر خارجہ کے طور پر بھی ذمہ داری سنبھال رہے تھے۔ موشن کا جواب دینے کے لئے وزیر مملکت برائے خارجہ جناب دنیش جی جب بول رہے تھے تو آخر میں وزیر اعظم نہرو جی نے بیچ میں انہیں ٹوکتے ہوئے کہا تھا اور انہوں نے جو کہا تھا، میں کوٹ کرتا ہوں – "مشرقی پاکستان میں وہاں کی اتھارٹی ہندوؤں پر زبردست دباؤ بنا رہی ہے"، یہ پنڈت جی کا بیان ہے۔ پاکستان کے حالات کو دیکھتے ہوئے، گاندھی جی نہیں، نہرو جی کا بھی جذبہ یہی رہا تھا۔ اتنے سارے دستاویزات ہیں، خطوط ہیں، اسٹینڈنگ کمیٹی کی رپورٹ ہے، سبھی اسی طرح کے قانون کی وکالت کرتے رہے ہیں۔

میں نے اس ایوان میں حقائق کی بنیاد پر، اب میں کانگریس سے خاص طور پر پوچھنا چاہتا ہوں اور ان کے ایکو سسٹم بھی یہ میرے سوال کو سمجھے گا۔ جو یہ ساری باتیں میں نے بتائیں، کیا پنڈت نہرو جی کمیونل تھے؟ میں ذرا جاننا چاہتا ہوں. کیا پنڈت نہرو جی ہندو مسلم میں امتیاز کیا کرتے تھے؟ کیا پنڈت نہرو جی ہندو راشٹر بنانا چاہتے تھے؟

صدر محترم، کانگریس کی دقت یہ ہے وہ باتیں بناتی ہے، جھوٹے وعدے کرتی ہے اور کئی دہائیوں تک وہ وعدوں کو ٹالتی رہتی ہے۔ آج ہماری حکومت اپنے قوم کے معماروں کے جذبات پر چلتے ہوئے فیصلے لے رہی ہے تو کانگریس کو دقت ہو رہی ہے۔ اور میں پھر سے واضح کرنا چاہتا ہوں، اس ایوان کے ذریعے، اس ملک کے 130 کروڑ شہریوں کو، بڑی ذمہ داری کے ساتھ آئین کی اقدار کو سمجھتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں، آئین کے تئیں سپردگی کے جذبے سے کہنا چاہتا ہوں، ملک کے 130 کروڑ شہریوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ سی اے اے کے اس ایکٹ سے ہندوستان کے کسی بھی شہری پر کسی بھی قسم کا کوئی اثر ہونے والا نہیں ہے۔ چاہے وہ ہندو ہو، مسلمان ہو، سکھ ہو، عیسائی ہو، کسی پر نہیں ہونے والا ہے۔ اس سے بھارت کی اقلیت کو کوئی نقصان ہونے والا نہیں ہے۔ پھر بھی جن لوگوں کو ملک کے عوام نے مسترد کر دیا ہے، وہ لوگ ووٹ بینک کی سیاست کرنے کے لئے یہ کھیل کھیل رہے ہیں۔ اور

میں ذرا پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں کانگریس کے لوگوں سے خاص طور پر پوچھنا چاہتا ہوں جو اقلیت کے نام پر اپنی سیاسی روٹیاں سیکتے رہتے ہیں، کیا کانگریس کو 84 کے دہلی کے فسادات یاد ہیں، کیا وہ اقلیت نہیں تھے؟ ہمارے سکھ بھائیوں کے گلے میں ٹائر باندھ کر کے انہیں جلا دیا تھا۔ اتنا ہی نہیں، سکھ فسادات کے ملزمان کو جیل میں تک بھیجنے کا کام آپ نے نہیں کیا. اتنا ہی نہیں، آج جن پر الزام لگے ہوئے، سکھ فسادات کو بھڑکانے کے جن پر الزام لگے ہیں، آج آپ انکو وزیر اعلی بنا دیتے ہو۔ سکھ فسادات کے ملزمان کو سزا دلانے میں ان ہماری بیوہ ماووں کو تین تین دہائی تک انصاف کے لئے انتظار کرنا پڑا ہے۔ کیا وہ اقلیت نہیں تھی؟ کیا اقلیت کے لئے دو دو ترازوں ہوں گے؟ کیا یہی آپ کے طریقے ہوں گے؟

صدر محترم، کانگریس پارٹی جس نے اتنے سالوں تک ملک پر راج کیا، آج وہ ملک کی بدقسمتی ہے کہ جس کے پاس ایک ذمہ دار اپوزیشن کے طور پر ملک کی توقعات تھیں، وہ آج غلط راستے پر چل پڑے ہیں۔ یہ راستہ آپ کے لئے بھی مصیبت پیدا کرنے والا ہے، ملک کو بھی بحران میں ڈالنے والا ہے۔ اور یہ انتباہ میں اس لیے دے رہا ہوں، ہم سب کو ملک کی فکر ہونی چاہیے، ملک کے روشن مستقبل کی فکر ہونی چاہئے۔

آپ سوچئے، اگر راجستھان کی اسمبلی کوئی فیصلہ کرے، کوئی انتظام کھڑا کرے اور راجستھان میں وہ کوئی ماننے کو تیار نہ ہو، جلسے جلوس نکالیں، تشدد کریں، آتش زنی کریں، آپ کی حکومت ہے- کیا صورت بنے گی؟ مدھیہ پردیش آپ وہاں بیٹھے ہیں. مدھیہ پردیش کی اسمبلی کوئی فیصلہ کرے اور وہاں کے عوام اس کے خلاف اسی طرح سے نکل پڑے، کیا ملک ایسے چل سکتا ہے کیا؟ آپ نے اتنا غلط کیا ہے اسی لیے تو وہاں بیٹھنا پڑا ہے۔ یہ آپ کے ہی کارناموں کا نتیجہ ہے کہ عوام نے آپ کو وہاں بٹھایا ہے۔ اور اس وجہ سے جمہوری طریقے سے ملک میں ہر ایک کو اپنی بات بتانے کا حق ہے۔ لیکن جھوٹ اور افواہیں پھیلا کر، لوگوں کو گمراہ کر کے ہم کوئی ملک کا بھلا نہیں کر پائیں گے۔

اور اس لئے میں آج آئین کی باتیں کرنے والوں کو خاص طور پر درخواست کرتا ہوں کہ آیئے آئین کا احترام کریں۔ آیئے، مل بیٹھ کر کے ملک چلائیں، آیئے، ملک کو آگے لے جائیں، 5 ٹریلین ڈالر اکنامی کے لئے ایک عزم لے کر کے ہم چلیں، آیئے، ملک کے 15 کروڑ خاندان، جن کے پینے کا صاف پانی نہیں مل رہا ہے، وہ پہنچانے کا عزم کریں۔

آیئے، ملک کے ہر غریب کو پکا گھر دینے کے کام کو ہم مل کر کے آگے بڑھائیں تاکہ ان کو پکا گھر ملے، آیئے، ملک کے کسان ہوں، ماہی گیر ہوں، مویشی پالنے والے ہوں، ان کی آمدنی بڑھانے کے لئے ہم کاموں کو کامیابی کے ساتھ آگے بڑھائیں، آیئے، ہر پنچایت کو براڈ بینڈ کنیکٹی ویٹی دیں، آیئے، ایک بھارت شریشٹھ بھارت بنانے کا عزم لے کر کے ہم آگے بڑھیں۔

صدر محترم، بھارت کے روشن مستقبل کے لئے ہم مل بیٹھ کر آگے چلیں اسی ایک جذبے کے ساتھ میں عزت مآب صدر جمہوریہ ہند کا بہت بہت شکریہادا کرتے ہوئے میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ آپ کا بھی میں خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر 'شکریہ کی تحریک' پر وزیر اعظم شری نریندر مودی کا جواب

۶ فروری، ۲۰۲۰

راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

6 فروری 2020

معزز چیئر مین صاحب، محترم صدر جمہوریہ کے خطاب سے مشترکہ اجلاس کو جو درس حاصل ہوا ہے، ان کا جو خطاب ہے، وہ 130 کروڑ ہندوستانیوں کی خواہشات اور توقعات کی عکاسی کرتا ہے۔ میں اس ایوان میں معزز صدر جمہوریہ کے خطاب پر حمایت کے لئے آپ کے درمیان حاضر ہوں۔

45 سے زیادہ معزز اراکین نے اس خطاب پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ سینئرز کا ہاؤس ہے، تجربہ کار عظیم شخصیات کا ہاؤس ہے۔ بحث و مباحثہ کو جامع کرنے کی ہر کسی کی کوشش رہی ہے۔ جناب غلام نبی جی، جناب نند شرما، بھوپندر یادو جی، سدھاشو ترویدی جی، سدھاکر شیکھر جی، رام چندر پرساد جی، رام گوپال جی، ستیش چندر مشرا جی، سنجے راوت جی، سوپنداس جی، پرسنا آچاریہ جی، اے۔ نونیت جی، ایسے تمام معزز اراکین نے اپنے خیالات پیش کیے۔

جب میں آپ کی تمام تقریروں کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا، تو کئی نئی باتیں ابھر کر سامنے آئیں۔ یہ ایوان اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ ایک طرح سے پچھلا اجلاس بہت ہی پروڈکٹیو رہا اور تمام معزز اراکین کے تعاون کی وجہ سے یہ ممکن ہوا۔ اس کے لئے ایوان کے تمام معزز اراکین مبارکباد کے مستحق ہیں۔

لیکن یہ تجربہ کار اور سینئر معززین کا ہاؤس ہے، اس لئے فطری بات ہے کہ ملک کو ان سے بہت ساری توقعات وابستہ تھیں، ٹریژری بینچ پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی بہت سی توقعات تھیں اور مجھے خود بھی ان سے کافی توقعات تھیں کہ آپ کی کوشش سے بہت اچھی باتیں ملک کے کام کے لئے ملیں گی، اچھی رہنمائی مجھ جیسے نئے لوگوں کو حاصل ہو گی۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ جو نئی دہائی میں میری جو توقعات تھیں، اس میں مجھے مایوسی ملی ہے۔

ایسا لگ رہا ہے کہ آپ جہاں ٹھہر گئے ہیں وہاں سے آگے بڑھنے کا نام ہی نہیں لیتے، وہیں رکے ہوئے ہیں۔ اور کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ پیچھے جا رہے ہیں۔ اچھا ہوتا بدحواسی اور مایوسی کا ماحول بنائے بغیر، نئی امنگ، نئے خیال، نئی توانائی، کے ساتھ آپ سب سے ملک کو راہ ملتی، حکومت کو رہنمائی حاصل ہوتی۔ لیکن شاید ٹھہراؤ کو ہی آپ نے اپنا مقدر بنا لیا ہے۔ اور اس میں مجھے کاکا ہاتھرسی کا ایک مزاحیہ شعر یاد آتا ہے۔

بڑے اچھے ڈھنگ سے انہوں نے کہا تھا :

پرکرتی بدلی چھن چھن دیکھو،
بدل رہے انو، کن کن دیکھو
تم نشکریئے سے پڑے ہوئے ہو
بھاگیہ واد پر اڑے ہوئے ہو
چھوڑو متر! پرانی ڈفلی
جیون میں پریورتن لاؤ
پرمپرا سے اونچے اٹھ کر
کچھ تو اسٹینڈرڈ بناؤ

معزز چیئرمین صاحب،

بحث کا آغاز کرتے ہوئے جب غلام نبی جی بات بتارہے تھے، کچھ غصہ بھی تھا، حکومت کی کئی باتوں پر تنقید کی کوشش بھی کی جارہی تھی، لیکن وہ بہت حقیقی موضوع ہے۔ لیکن جب انہوں نے کچھ باتیں ایسی کہیں جو بے میل تھیں۔ اب جیسے انہوں نے کہا کہ جموں وکشمیر کا فیصلہ ایوان میں بغیر بحث کے ہوا۔ ملک نے ٹی وی پر پورے دن بھر بحث دیکھا ہے، سنا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ 2 بجے تک کچھ لوگ ویل میں تھے لیکن باہر سے جب خبریں آنے لگیں تو سب سمجھ گئے کہ بھئی اب ذراواپس جانا ہی بہتر ہے۔ ملک نے دیکھا ہے، وسیع بحث ہوئی ہے، تفصیل سے بحث ہوئی ہے اور تفصیل سے بحث ہونے کے بعد فیصلہ کیا گیا ہے اور ایوان نے فیصلہ کیا ہے۔ معزز اراکین نے اپنے ووٹ دے کر فیصلہ کیا ہے۔

لیکن جب یہ بات ہم کو سناتے ہیں تو یہ بھی یاد رکھیں، اور آزاد صاحب میں آپ کی یادداشت کو ذرا تازہ کرانا چاہتا ہوں۔ پرانے کارنامے اتنا جلدی لوگ بھولتے نہیں ہیں۔ جب تلنگانہ بنا تو اس وقت اس ایوان کا حال کیا تھا۔ دروازے بند کر دیے گئے تھے، ٹی وی کا ٹیلی کاسٹ بند کر دیا گیا تھا۔ بحث کی تو کوئی جگہ ہی نہیں بچی تھی اور جس حالت میں وہ منظور کیا گیا تھا وہ کوئی بھول نہیں سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں آپ نصیحت دیں، آپ سینئر ہیں، لیکن پھر بھی سچائی کو بھی قبول کرنا ہوگا۔

دہائیوں کے بعد آپ کو ایک نئی ریاست بنانے کا موقع ملا تھا۔ امنگ، جوش کے ساتھ سب کو ساتھ لے کر کے آپ یہ کام کر سکتے تھے۔ لیکن آنند جی کہہ رہے تھے کہ ریاستوں کو پوچھا، فلانے سے پوچھا، ڈھکانے سے پوچھا، بہت کچھ کہہ رہے تھے۔ ارے کم سے کم آندھرا-تلنگانہ والوں کو تو پوچھ لیتے کہ ان کی کیا خواہش تھی۔ لیکن آپ نے جو کیا وہ تاریخ ہے اور اس وقت، اس وقت کے وزیر اعظم محترم منموہن سنگھ جی نے لوک سبھا میں ایک بات کہی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کو ہمیں آج یاد کرنا چاہئے۔

انہوں نے کہا تھا: "تلنگانہ کے مسئلہ پر احتجاج کر کے بھارت کی جمہوریت کو ضرر پہنچایا جارہا ہے"۔ اٹل جی کی سرکار نے اترا کھنڈ بنایا، جھارکھنڈ بنایا، چھتیس گڑھ بنایا، پورے احترام کے ساتھ، امن وآشتی کے ساتھ، ہم آہنگی کے ساتھ۔ اور آج یہ تینوں ریاستیں اپنے اپنے طریقے سے ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ جموں وکشمیر اور لداخ کے تعلق سے جو بھی فیصلے لئے گئے، اس پر پوری بحث ہوئی اور طویل بحث کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔

یہاں پر جموں کشمیر کی صورت حال پر کچھ اعداد وشمار پیش کئے گئے ہیں۔ کچھ اعداد وشمار میرے پاس بھی ہیں۔ مجھے بھی لگتا ہے کہ اس ایوان کے سامنے مجھے بھی وہ تفصیل بتا دینی چاہیے۔ 20 جون، 2018- وہاں کی حکومت جانے کے بعد نیا نظام بنا۔ گورنر رول لگا تھا، اس کے بعد صدر راج آیا اور 370 ہٹانے کا بھی فیصلہ ہوا۔ اور اس کے بعد میں کہنا چاہوں گا پہلی بار وہاں کے غریب عام طبقے کو ریزرویشن کا فائدہ ملا۔ جموں وکشمیر میں پہلی بار پہاڑی بولنے والے لوگوں کو ریزرویشن کا فائدہ ملا۔ جموں وکشمیر میں پہلی بار خواتین کو یہ حق ملا کہ وہ اگر ریاست کے باہر شادی کرتی ہیں تو ان کی جائیداد چھینی نہیں جائے گی۔ پہلی بار آزادی کے بعد وہاں بلاک ڈیولپمنٹ کونسل کے الیکشن ہوئے۔ پہلی بار جموں وکشمیر میں ریرا کا قانون نافذ ہوا۔ پہلی بار جموں وکشمیر میں اسٹارٹ اپ پالیسی ،ٹریڈ اینڈ ایکسپورٹ پالیسی، لاجسٹک پالیسی بنی بھی اور لاگو بھی ہو گئی۔ پہلی بار، اور یہ تو ملک کو حیرت ہوگی کہ پہلی بار جموں وکشمیر میں اینٹی کرپشن بیورو کا قیام عمل میں آیا۔ پہلی بار جموں وکشمیر میں علیحدگی پسندوں کو سرحد پار سے ہو رہی فنڈنگ کو کنٹرول کیا گیا۔ پہلی بار جموں وکشمیر میں علیحدگی پسندوں کے مان منول کی روایت ختم ہوگئی۔ پہلی بار جموں وکشمیر میں دہشت گردی اور دہشت گردوں کے خلاف وہاں جموں وکشمیر پولیس اور سیکورٹی فورس مل کر فیصلہ کن کارروائی کر رہے ہیں۔ پہلی بار جموں وکشمیر کے پولیس اہلکاروں کو ان مراعات کا فائدہ ملا ہے جو دیگر مرکزی ملازمین کو دہائیوں سے ملتی رہی ہیں۔ پہلی بار اب جموں وکشمیر کے پولیس اہلکار ایل ٹی سی لے کر کنیا کماری، نارتھ ایسٹ یا انڈومان نکور گھومنے جاسکتے ہیں۔ محترم چیئرمین صاحب، گورنر رول کے بعد 18 ماہ میں وہاں 4400 سے زائد سرپنچوں اور 35 ہزار سے زیادہ پنچوں کے لئے پرامن انتخابات ہوئے۔ 18 مہینوں میں جموں وکشمیر میں

2.5 لاکھ بیت الخلاء تعمیر ہوئے، 18 مہینوں میں جموں وکشمیر میں 3 لاکھ 30 ہزار گھروں میں بجلی کا کنکشن دیا گیا۔ 18 مہینوں میں جموں وکشمیر میں 3.5 لاکھ سے زیادہ لوگوں کو ایوشمان اسکیم کے گولڈ کارڈ دیے جا چکے ہیں۔ صرف 18 مہینوں میں جموں وکشمیر میں وہاں ڈیڑھ لاکھ معمر افراد، خواتین اور معذوروں کو پنشن کی اسکیم میں شامل کیا گیا ہے۔ آزاد صاحب نے یہ بھی کہا کہ ترقی تو پہلے بھی ہوتی تھی۔ ہم نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ لیکن ترقی کس طرح ہوتی تھی، میں اس کی ضرور ایک مثال دینا چاہوں گا۔ پی ایم آواس یوجنا کے تحت مارچ 2018 تک صرف ساڑھے تین ہزار مکان بنے تھے، 2 سال سے بھی کم وقت میں اسی اسکیم کے تحت 24 ہزار سے زیادہ مکان تعمیر کئے گئے ہیں۔ ابھی کنکٹی وٹی کو بہتر بنانے، اسکولوں کی حالت بہتر بنانے، اسپتالوں کی جدید کاری، آبپاشی کی حالت کو بہتر بنانے، سیاحت کے فروغ کے لئے پی ایم پیکج سمیت دیگر متعدد اسکیموں کو تیزی سے آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ محترم وائیکو جی، ان کا ایک اسٹائل ہے، وہ ہمیشہ جذباتی رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ 5 اگست 2019 جموں وکشمیر کے لئے سیاہ دن ہے۔ وائیکو جی، یہ بلیک ڈے نہیں ہے، یہ دہشت گردی اور علیحدگی پسندوں کو فروغ دینے والوں کے لئے بلیک ڈے ثابت ہو چکا ہے۔ وہاں کے لاکھوں خاندانوں کے لئے ایک نیا اعتماد، ایک نئی امید کی کرن آج نظر آ رہی ہے۔

محترم چیئرمین جی، یہاں پر نارتھ ایسٹ کی بھی بحث ہوئی ہے۔ آزاد صاحب کہہ رہے ہیں کہ نارتھ ایسٹ جل رہا ہے۔ اگر جلتا ہوتا تو سب سے پہلے آپ نے اپنے ایم پیز کا وفد وہاں بھیجا ہوتا اور پریس کانفرنس تو ضرور کی ہوتی، تصویر بھی نکلوائی ہوتی۔ اور اس وجہ سے مجھے لگتا ہے کہ آزاد صاحب کی معلومات 2014 کے پہلے کی ہیں۔ اور اس لئے میں اپ ڈیٹ کرنا چاہوں گا کہ نارتھ ایسٹ بے مثال امن کے ساتھ آج بھارت کی ترقی کے سفر کا ایک پہلا پارٹنر بنا ہے۔ 40-40،50-50 سال سے نارتھ ایسٹ میں جو پرتشدد تحریکیں چلتی تھیں، بلاکیڈ چلتے تھے اور ہر کوئی جانتا ہے کہ کتنی بڑی تشویش کی بات تھی۔ لیکن آج یہ تحریک ختم ہو چکی ہے، بلاکیڈ بند ہوئے ہیں اور امن کی راہ پر پورا نارتھ ایسٹ آگے بڑھ رہا ہے۔

میں ایک بات کا ذکر ضرور کرنا چاہوں گا۔ تقریباً 30-25 سال سے بروقبیلے کے مسائل سے آپ بھی واقف ہیں، ہم بھی واقف ہیں۔ تقریباً 30 ہزار لوگ بے یقینی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اتنے چھوٹے سے کمرے میں، وہ بھی ایک چھوٹا سا ہٹ بنایا ہوا ٹیمپریری۔ جس میں 100-100 لوگوں کو رہنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ تین تین دہائی سے ایسا ہی چل رہا تھا، اذیتیں کم نہیں ہیں۔ اور گناہ کچھ نہیں تھا ان کا۔ اب مزہ دیکھئے، نارتھ ایسٹ میں اکثر و بیشتر آپ ہی کی پارٹی کی حکومتیں تھیں۔ ابھی تریپورہ میں آپ کی ساتھی پارٹی کی حکومت تھی، آپ کے دوست تھے، عزیز دوست۔ آپ نے چاہا ہوتا تو میزورم حکومت آپ کے پاس

تھی، تریپورہ میں آپ کے دوست بیٹھے تھے، مرکز میں آپ بیٹھے تھے۔ اگر آپ چاہتے تو برو قبیلے کے مسئلہ کا خوشگوار حل نکال سکتے تھے۔ لیکن آج، اتنے سالوں کے بعد اس مسئلہ کو حل کرنے اور مستقل حل کرنے میں ہم کامیاب ہوئے ہیں۔

میں کبھی سوچتا ہوں کہ اتنا بڑا مسئلے پر اتنی بے حسی کیوں تھی؟ لیکن اب مجھے سمجھ میں آنے لگا ہے کہ اس بے حسی کی وجہ یہ تھی کہ برو قبیلے کے جو لوگ اپنے گھر سے، گاؤں سے بچھڑ گئے تھے، ان کو برباد کر دیا گیا تھا، ان کا درد تو لا محدود تھا، لیکن ووٹ بہت محدود تھا۔ اور یہ ووٹ کا ہی کھیل تھا جس کی وجہ سے ان کے لا محدود درد کو ہم کبھی محسوس نہیں کر پائے اور ان کا مسئلہ ہم حل نہیں کر پائے۔ یہ ہماری پرانی تاریخ ہے، ہم نہ بھولیں۔

ہماری سوچ مختلف ہے، ہم سب کا ساتھ سب کو وکاس۔ سب کا وشواس، اس منتر کے ساتھ پوری ذمہ داری اور سنجیدگی کے ساتھ، جو بھی ہم سے بن سکے، ہم مسائل کو حل کرنے میں مصروف ہیں۔ اور ہم ان کی تکلیف کو سمجھتے ہیں۔ آج ملک بڑا فخر کر سکتا ہے کہ 29 ہزار لوگوں کو اپنا گھر ملے گا، اپنی ایک شناخت بنے گی، اپنی ایک جگہ ملے گی۔ وہ اپنے خواب بن پائیں گے، اپنے بچوں کے مستقبل کا وہ فیصلہ کر پائیں گے۔ اور اس وجہ سے برو قبیلے کے تئیں، اور یہ پورے نارتھ ایسٹ کے مسائل کے حل کے راستے ہیں۔

میں بوڈو کے سلسلے میں تفصیل سے کہنا نہیں چاہتا، لیکن وہ بھی اپنے آپ میں ایک بہت اہم کام ہوا ہے۔ اور اس کی خاص بات ہے کہ سبھی مسلح گروپ، سبھی تشدد کے راستے پر گئے ہوئے گروپ، ایک ساتھ آئے۔ اور سب نے معاہدہ میں لکھا ہے کہ اس کے بعد بوڈو تحریک کے تمام مطالبات ختم ہو گئے ہیں، کوئی باقی نہیں ہے، یہ معاہدہ میں لکھا ہے۔

جناب سکھیندو شیکھر جی سمیت کئی ساتھیوں نے یہاں اقتصادی موضوعات پر بحث کی ہے۔ جب آل پارٹی میٹنگ ہوئی تھی تب بھی میں نے سب سے اپیل کی تھی کہ یہ سیشن پورا کا پورا ہمیں اقتصادی موضوعات پر بحث کے لئے وقف کر دینا چاہئے۔ شدید بحث ہونی چاہئے۔ تمام پہلو واضح طور پر سامنے آنے چاہئیں۔ اور جو بھی ٹیلنٹ ہم لوگوں کے قریب ہے، یہاں ہو، وہاں ہو، کوئی الگ بات ہے۔ لیکن ہم مل کر ایسی نئی چیزیں بتائیں، ایسی نئی چیزیں تلاش کریں، نئے راستے ڈیولپ کریں اور آج جو عالمی اقتصادی صورت حال ہے، اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ بھارت کیسے اٹھا سکتا ہے، بھارت اپنی جڑیں کس طرح مضبوط کر سکتا ہے، بھارت کس طرح اپنے اقتصادی مفادات میں توسیع کر سکتا ہے، اس پر ہم سنجیدگی سے غور وخوض کریں، یہ میں نے آل

پارٹی میٹنگ میں سب کے سامنے رکویسٹ کی تھی۔ اور میں چاہوں گا اس سیشن کو پوری طرح سے ملک کے اقتصادی موضوعات کے لئے وقف کرنا چاہئے۔

بجٹ پر بحث ہونی ہے۔ اس پر مزید تفصیل سے ہم گفتگو کریں گے ار اس سے امرت ہی نکلے گا۔ کچھ چھینٹا کشی ہو جائے گی، تو تو، میں میں ہو جائے گی، کچھ الزام تراشیاں ہو جائیں گی، پھر بھی میں سمجھتا ہوں اس غور و خوض سے امرت ہی نکلے گا اور اس بات کی میں سب کو دوبارہ دعوت دیتا ہوں کہ معیشت پر، اقتصادی صورتحال پر، اقتصادی پالیسیوں پر، اقتصادی حالات پر اور ڈاکٹر منموہن جی جیسی تجربہ کار شخصیت ہمارے درمیان میں ہے، اس کا ضرور ملک کو فائدہ ملے گا۔ اور ہمیں کرنا چاہئے، ہمارا دماغ اس معاملے میں کھلا ہوا ہے۔

لیکن یہاں جو معیشت کے سلسلے میں بحث ہوئی ہے، اس سے ملک کو مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور مایوسی پھیلا کر کچھ پانے والے بھی نہیں ہیں۔ آج بھی ملک کی معیشت کے جو بنیادی اصول ہیں، پیمانے ہیں، ان تمام پیمانوں میں آج بھی ملک کی معیشت مضبوط ہے اور آگے جانے کی پوری طاقت رکھتی ہے۔ انہرینٹ کوالٹی اس کے اندر ہے۔ اور کوئی بھی ملک چھوٹی سوچ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اب ملک کی نوجوان نسل ہم سے یہ امید رکھتی ہے کہ ہم بڑا سوچیں، دور کا سوچیں، زیادہ سوچیں اور زیادہ طاقت سے آگے بڑھیں۔ اسی بنیادی منتر کے ساتھ 5 ٹریلین ڈالر کی اکنامی کے لئے ہم ملک کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں گے، شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔ مایوس ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔ پہلے ہی دن ہم کہہ دیں، نہیں نہیں یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ ارے بھئی جو ممکن نہیں ہے تو پھر کیا ممکن ہے وہی کرنا ہے کیا۔ ہر بار ہم کو اتنا ہی کرنا ہے، کوئی دو قدم چلتا ہے، اتنا ہی چلنا چاہئے کیا۔ ارے کبھی تو پانچ قدم کے لئے ہمت کریں، کبھی تو سات قدم کے لئے ہمت کریں، کبھی تو میرے ساتھ آیئے۔

یہ مایوسی ملک کا بھلا کبھی نہیں کرتی، اور اس وجہ سے 5 ٹریلین ڈالر کی اکنامی کی بات کرنے کا خوشگوار نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جو مخالفت کرتے ہیں، انہیں بھی 5 ٹریلین ڈالر کی بات کرنی پڑتی ہے۔ ہر کسی کو بنیاد 5 ٹریلین ڈالر اکنامی بنانا پڑ رہا ہے۔ یہ تو بہت بڑی تبدیلی ہے۔ ورنہ ہم ایسے ہی معاملے میں کھیلتے رہتے تھے۔ اب دنیا کے سامنے کھیلنے کا ایک کینوس تو کھڑا کر دیا ہے۔ ذہنیت تو بدلی ہے ہم نے۔ اور اس خواب کو پورا کرنے کے لئے گاؤں اور شہر میں انفراسٹرکچر ہو، ایم ایس ایم ای ہو، ٹیکسٹائل کا شعبہ ہو، جہاں روزگار کے امکانات ہیں۔ ٹیکنالوجی کا فروغ ہو، اسٹارٹ اپ کو بڑھاوا ملے۔ سیاحت ایک بہت بڑا موقع ہے۔ ہمیں جتنا گزشتہ 70 سال میں ٹورازم کو، بھارت کو جس طرح سے برانڈ کرنا چاہئے تھا، کسی نہ کسی وجہ سے ہم وہ مس کر گئے ہیں۔ آج بھی موقع ہے اور

آج بھارت کو ہندوستان کی نظر سے سیاحت کو ڈیولپ کرنا چاہئے، مغربی نظر سے بھارت کے سیاحت کو ہم ڈیولپ نہیں کر سکتے۔ دنیابھارت کو دیکھنے آنی چاہئے۔ ورنہ اس کو ہنسی کھلی کی دنیا دیکھنی ہے تو دنیا میں بہت دکھاتے ہیں، وہ وہاں چلے جاتے ہیں۔میک ان انڈیاپر ہم نے زور دیاہے، اس کی کامیابی نظر آرہی ہے۔ غیر ملکی سرمایہ کاری کے اعداد و شمار آپ کو دیکھ ہوں گے۔

ٹیکس اسٹرکچر کے تعلق سے سارے پروسیس کو آسان بنانے کے لئے ہم نے مسلسل کوششیں کی ہیں۔ اور دنیا میں بھی ایز آف ڈوئنگ بزنس رینکنگ کی بات ہو یابھارت میں ایز آف لیونگ کا موضوع ہو، ہم نے ایک ساتھ دونوں کو۔بینکنگ سیکٹر میں مجھے برابر یاد ہے جب میں گجرات میں تھا تو بہت سے بڑے دانشور جو ایک آرٹیکل لکھتے تھے، وہ کہتے تھے ہمارے ملک میں بینکوں کا مرجر ہوناچاہئے۔ اور اگر یہ ہو جائے تو بہت بڑا ریفارم تصور کیا جائے گا۔ ایسا ہم نے کئی بار پڑھاہے۔ یہ حکومت ہے جس نے بہت سے بینکوں کا مرجر کر دیا، آسانی سے کر دیا۔ اور آج طاقت ور بینکوں کا سیکٹر تیار ہو گیا ہے جو آنے والے دنوں میں ملک کی فنانشیل ریڑھ کو مضبوطی دے گا، رفتار دے گا۔

آج مینوفیکچرنگ کے سیکٹر میں ایک نیا نقطہ نظر بھی دیکھنا ہو گا کہ جو بینکوں میں پیسے پھنسے، کیا وجہ تھی۔ میں نے پچھلی حکومت کے وقت پر تفصیل سے کہا تھا اور میں بار بار کسی کو بھی نیچا دکھانے کی کوشش نہیں کرتا ہوں۔ ملک کے سامنے جو سچ رکھنا چاہئے، رکھ کر کے میں آگے بڑھنے میں ہی اپنا ذہن لگاتا ہوں۔ ایسی چیزوں میں اپنا وقت بیکار میں گنواتا نہیں ہوں، ورنہ کہنے کے لئے بہت کچھ ہے۔

ایک موضوع ایسا زیر بحث آیا کہ جی ایس ٹی میں بار بار تبدیلی آئی۔اس کو اچھا مانیں یابرا مانیں۔ میں حیران ہوں، بھارت کے فیڈرل اسٹرکچر کی ایک بہت بڑی اچیومنٹ ہے جی ایس ٹی کی تخلیق۔ اب ریاستوں کے جذبات کا اس میں اظہار ہوتا ہے۔ کانگریسی حکومت والی ریاستوں کی جانب سے بھی وہاں یہ بات آتی ہے۔ کیا ہم یہ کہہ کر بند کر دیں کہ نہیں ہم نے جو کیا وہ فائنل ہے، ساری عقل ایشور نے ہم کو ہی دی ہے ؟ کوئی اصلاح نہیں ہو گی، ایسا کریں گے کیا؟ ایسا ہمارا خیال نہیں ہے، ہمارا خیال ہے کے وقت کے مطابق جہاں تبدیلیاں ضروری ہیں، وہاں کرنی چاہئیں۔ اتنا بڑا ملک ہے، اتنے بڑے موضوعات ہیں۔ جب ریاستوں کے بجٹ آتے ہیں، تو سیل ٹیکس میں آپ نے دیکھا ہو گا کہ بجٹ مکمل ہوتے ہوتے سیل ٹیکس ہو یا دیگر ٹیکسز ہوں، کوئی بات آتی ہے اور بعد میں آخر میں ریاست کو ان میں تبدیلی بھی لانی پڑتی ہے۔ اب وہ موضوع ریاستوں سے ہٹ کر ایک ہو گیا ہے تو ذرا زیادہ لگتا ہے۔

دیکھئے، میں سمجھتا ہوں کہ یہاں کہا گیا ہے کہ جی ایس ٹی بہت آسان ہونا چاہئے، ایسا ہونا چاہیے تھا، ویسا ہونا چاہیے تھا۔ میں ذرا پوچھنا چاہتا ہوں اگر اتنا ہی علم آپ کے پاس تھا، اتنا ہی آسان بنانے کا کلیئر ویژن تھا تو اس کو لٹکائے کیوں رکھا تھا بھائی۔ جی ہاں، یہ بھرم مت پھیلایئے۔

میں بتاتا ہوں، میں سناتا ہوں، آج آپ کو سننا چاہئے۔ پرنب دا جب وزیر خزانہ تھے تب گجرات آئے تھے، ہماری تفصیل سے بات ہوئی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ دادا یہ ٹکنالوجی پر مبنی نظام ہے۔اس سلسلے میں کیا ہوا ہے۔ اس کے بغیر تو چل ہی نہیں سکتا ہے۔ تو دادا نے کہا، ٹھہرو بھائی، تمہارا سوال: انہوں نے اپنے سیکریٹری کو بلایا۔ اور انہوں نے کہا، دیکھو بھائی، یہ مودی جی کیا کہہ رہے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ دیکھئے بھائی یہ تو ٹکنالوجی پر مبنی نظام ہے تو ٹیکنالوجی کے بغیر آگے بڑھنا نہیں ہے۔ تو انہوں نے کہا، نہیں، ابھی ابھی ہم نے فیصلہ کیا ہے اور ہم کسی کمپنی کو ہائر کریں گے اور ہم کرنے والے ہیں۔ میں اس وقت کی بات کر رہا ہوں جب مجھے جی ایس ٹی کے بارے میں بتانے آئے تھے، تب بھی یہ نظام نہیں تھا۔ دوسری بات، تب میں نے کہی تھی کہ آپ کو جی ایس ٹی کامیاب کرنے کے لئے جو مینوفیکچرنگ اسٹیٹ ہیں ان کی مشکلات کو آپ کو ایڈریس کرنا ہوگا۔ تمل ناڈو ہے، کرناٹک ہے، گجرات ہے، مہاراشٹر ہے۔ کل ملا کر یہی مینوفیکچرنگ اسٹیٹس ہیں۔ جو صارف ریاست ہے، جو کنزیومر اسٹیٹ ہیں ان کے لئے اتنی مشکل نہیں ہے۔ اور میں آج بڑے فخر سے کہتا ہوں کہ جب ارون جیٹلی وزیر خزانہ تھے انہوں نے ان باتوں کو ایڈریس کیا، اس کا حل نکالا۔ اس کے بعد جی ایس ٹی میں پورا ملک ساتھ چلا ہے۔ اور اس وجہ سے میں نے وزیر اعلی کے ناطے جو مسئلے اٹھائے تھے، وزیر اعظم کے ناطے ان مسائل کو حل کیا ہے۔ اور سلجھا کر جی ایس ٹی کا راستہ ہموار کیا ہے۔ اتنا ہی نہیں، اگر ہم تبدیلی کی بات کرتے ہیں تو کبھی کہتے ہیں کہ بھئی بار بار تبدیلی کیوں؟ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری عظیم شخصیات نے اتنا بڑا اعظیم آئین دیا، اس میں بھی انہوں نے بہتری کی گنجائش رکھی ہے۔ ہر نظام میں بہتری کا ہمیشہ خیر مقدم ہونا چاہئے اور ہم ملک کے مفاد میں ہر نئی اور اچھی تجاویز کا خیر مقدم کرنے والے خیالات کو لے کر چلتے ہیں۔

محترم چیئرمین صاحب، بھارت کی معیشت میں ایک ہی چیز ہے جو اب بھی بہت واضح نہیں ہے، جس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ملک میں یہ جو بڑی تبدیلی آ رہی ہے اس میں ہمارے ٹیئر- 2، ٹیئر- 3 سٹی بہت تیزی سے پرو ایکٹیولی تعاون کر رہے ہیں۔ آپ اسپورٹس میں دیکھئے ٹیئر- 2، ٹیئر- 3 سٹی کے بچے آگے آ رہے ہیں۔ آپ تعلیم میں دیکھئے ٹیئر- 2، ٹیئر- 3 سٹی کے بچے آگے آ رہے ہیں۔ اسٹارٹ اپ دیکھئے، ٹیئر- 2، ٹیئر- 3 سٹی میں سب سے زیادہ اسٹارٹ اپ میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور اس لئے ہمارے ملک کا جو پر جوش نوجوان ہے، جو تام جھام کے بوجھ میں دبا ہوا نہیں ہے، وہ ایک بڑی نئی طاقت کے ساتھ ابھر رہا

ہے اور ان چھوٹے شہر، چھوٹے قصبے، اس معیشتوں میں کچھ نہ کچھ پیش رفت آئی ہے، اس سمت میں بہت قریب سے کام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہمارے ملک میں ڈیجیٹل ٹرانجکشن، اسی ایوان میں ڈیجیٹل ٹرانجکشن کے اوپر تقریر کرنے والے بھی اپنی تقریر نکال کر پڑھیں گے تو ان کو حیرت ہوگی کہ میں نے ایسا بولا تھا؟ کچھ لوگوں نے تو موبائل کا مذاق اڑایا تھا۔ ان لوگوں نے ڈیجیٹل بینکنگ، بلنگ کا نظام، یعنی میں حیران ہوگیا کہ آج چھوٹی چھوٹی جگہوں پر ڈیجیٹل ٹرانجکشن سب سے زیادہ دیکھنے کو مل رہی ہے اور جدید انفراسٹرکچر کی تعمیر میں بھی ٹیئر- 2، ٹیئر- 3 سٹی آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہمارے ریلوے، ہمارے ہائی وے، ہمارے ہوائی اڈے، اس کی پوری سیریز-اب دیکھئے ہوابازی کی اسکیم، ابھی ابھی پرسوں 250واں روٹ لانچ ہوگیا۔ دو سو پچاس روٹ ہندوستان کے اندر، کتنی تیزی سے ہمارے ہوائی سفر کا نظام بدل رہا ہے۔ اور آنے والے دنوں میں اس میں مزید اضافہ ہوگا۔ ہم نے گزشتہ پانچ برسوں کے دوران، ہمارے پاس آپریشنل 65 ایئرپورٹ تھے، آج ہم نے 100 کا ہندسہ پار کر لیا ہے۔ 65 آپریشنل سے 100 آپریشنل کر دیئے ہیں۔ اور یہ سارے اس نئے نئے علاقوں کی طاقت کو بڑھانے والے ہیں۔

اسی طرح سے ہم نے گزشتہ پانچ سال میں صرف حکومت ہی نہیں بدلی، ہم نے سوچ بھی بدلی ہے، ہم نے کام کرنے کا طریقہ بھی بدلا ہے۔ ہم نے اپروچ بھی بدلی ہے۔ اب ڈیجیٹل انڈیا کی بات کریں۔ براڈ بینڈ کنکٹی وٹی، اب براڈ بینڈ کنکٹی وٹی کی بات آئے تو پہلے کام شروع تو ہوا، اسکیم بنی، لیکن اس کی اسکیم کا طریقہ اور سوچ کی اتنی حد رہی کہ صرف 59 گرام پنچایت تک براڈ بینڈ کنکٹی وٹی پہنچی۔ آج پانچ سال میں سوا لاکھ سے زیادہ دیہات میں براڈ بینڈ کنکٹی وٹی پہنچ گئی ہے۔ اور صرف براڈ بینڈ پہنچنا ہی نہیں، پبلک اسکول، گاؤں اور دوسرے دفتروں تک اور سب سے بڑی بات کامن سروس سینٹر، اس کو بھی شروع کیا گیا ہے۔ 2014 میں جب ہم آئے، پھر ہمارے ملک میں 80 ہزار کامن سروس سینٹر تھے۔ آج ان کی تعداد بڑھ کر 3 لاکھ 65 ہزار کامن سروس سینٹر کی ہوگئی ہے اور گاؤں کا نوجوان اسے چلا رہا ہے۔ اور گاؤں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے وہ پوری طرح ٹیکنالوجی کی خدمات دے رہا ہے۔ 12 لاکھ سے زیادہ دیہی نوجوان اپنے ہی گاؤں میں رہ رہے ہیں۔ شام کو ماں باپ کی بھی مدد کرتے ہیں، کھیت کا بھی کبھی کام لیتے ہیں۔ 12 لاکھ دیہی نوجوان اس روزگار کے اندر نئے جڑ گئے ہیں۔

اس ملک کو فخر ہوگا اور ہونا چاہئے۔ ہم نے حکومت پر تنقید کرنے کے لئے ڈیجیٹل ٹرانزیکشن وغیرہ کا مذاق اڑایا تھا، بھیم ایپ ان دنوں دنیا کا فائنانشیل ڈیجیٹل ٹرانزیکشن کے لئے بہت ہی ہی طاقت ور اور محفوظ پلیٹ فارم کے طور پر اسے تسلیم کیا جا رہا

ہے۔ دنیا کے کئی ملک اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے براہ راست رابطہ کر رہے ہیں۔ یہ ملک کے لئے فخر کی بات ہے، یہ کوئی نریندر مودی نے نہیں بنایا ہے۔ ہمارے ملک کے نوجوانوں کی ذہنی صلاحیت کا نتیجہ ہے کہ آج ڈیجیٹل ٹرانزیکشن کے لئے ایک بہترین سے بہترین پلیٹ فارم ہمارے پاس ہے۔ اور اسی جنوری مہینے میں، چیئرمین صاحب، اسی جنوری مہینے میں بھیم ایپ سے موبائل فون سے منی ٹرانزیکشن 2 لاکھ 16 ہزار کروڑ روپے ہوا ہے، یکم جنوری میں۔ یعنی ہمارا ملک کس طرح تبدیلی کو قبول کر رہا ہے۔

روپے کارڈ- روپے کارڈ کا آغاز آپ لوگوں کو معلوم ہے۔ بہت کم تعداد میں، ہزاروں کی تعداد میں کچھ روپے کارڈ تھے اور کہتے ہیں کہ شاید یہ ڈیبٹ کارڈ وغیرہ کی دنیا میں پوائنٹ 6 فیصد ہمارا کنٹری بیوشن رہا ہے۔ آج یہ تعاون تقریباً 50 فیصد تک پہنچا ہے۔ آج پورے ڈیبٹ کارڈ بین الاقوامی سطح پر متعدد ممالک میں اس کو قبول کرنے کی رفتار تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ بھارت کا روپے کارڈ اپنی ایک جگہ بنا رہا ہے، جو کہ ہم سب کے لئے فخر کی بات ہے۔

معزز چیئرمین صاحب، اس طرح حکومت کا اپروچ ایک اور بھی موضوع ہے جیسے جن جیون مشن، ہم نے بنیادی مسائل کے حل کے لئے صد فیصد کی سمت میں جانے کی کوشش کی ہے۔ ٹوائلیٹ- صد فیصد گھر- صد فیصد بجلی- صد فیصد گاؤں میں بجلی صد فیصد۔

ہم ایک ایک چیز سے ملک کو دشواریوں سے آزادی دلانے کے اپروچ کے ساتھ چل رہے ہیں۔ ہم نے گھروں میں صاف ستھرا پانی پہنچانے کا بڑا بیڑا اٹھایا ہے، اور یہ مشن، جس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بھلے ہی مرکزی حکومت کا مشن ہے، اس پر رقم مرکزی حکومت خرچ کرنے والی ہے۔ اس معاملے میں ڈرائیونگ فورس مرکزی حکومت ہوگی لیکن حقیقت میں عمل درآمد واضح طور پر ہم کہہ سکتے ہیں، فیڈرلزم کی مائیکرو یونٹ یعنی ہمارا گاؤں، گاؤں کے بلدیاتی ادارے، وہ خود اسے طے کریں گے، وہ ہی اس کی اسکیم بنائیں گے اور ان کے ذریعہ گھر گھر پانی پہنچانے کا نظام قائم ہوگا۔ اس اسکیم کو بھی ہم آگے بڑھا رہے ہیں۔ ہماری کوآپریٹو فیڈرلزم کی ایک بہترین مثال 100 سے زیادہ توقعاتی اضلاع ہیں۔ ہمارے ملک میں ووٹ بینک کی سیاست کے لئے اعلیٰ- پسماندہ بہت کچھ کیا گیا لیکن اس ملک کے علاقے بھی پسماندہ رہ گئے۔ ان کی طرف اگر ہم نے دھیان دینے کی ضرورت کی جس میں ہم کافی لیٹ ہو گئے۔ میں نے پڑھا کہ کئی ایسے پیرامیٹرس ہیں جس میں کئی ریاستوں کے کچھ اضلاع پوری طرح پسماندہ ہیں۔ اگر ہم اس کو بھی ٹھیک کر لیں تو ملک کا ایوریج بہت حد تک سدھر جائے گا اور کبھی کبھی تو ایسا ضلع کہ جہاں افسر بھی ریٹائر ہونے والا ہو اسے

ایسے ہی رکھے گا۔یعنی توانائی سے بھرپور اور اقبال مند افسروں کو کوئی وہاں چھوڑ تا بھی نہیں تھا۔ ان کو لگتا تھا کہ یہ تو گیا۔ ہم نے اس کو بدلا ہے۔ توقعاتی 100 سے زیادہ اضلاع کی نشاندہی کی ہے، الگ الگ ریاستوں کے اضلاع ہیں اور ریاستوں سے بھی کہا ہے کہ آپ بھی اپنے یہاں پچاس ایسے توقعاتی بلاکوں کی نشاندہی کیجئے اور خصوصی توجہ دے کر ان کے انتظامی نظام، گورننس میں بدلاؤ لایئے اور اسمیں تبدیلی لانے کی کوشش کیجئے۔

آج تجربہ آیا ہے کہ ضلع سطح پر بھی، یہ توقعاتی اضلاع ایک کو آپریٹیو فیڈرلزم کو نافذ کرنے والی ایجنسی کی شکل میں ایک بہت ہی خوش آئند تجربے کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں اور ایک طرح سے ضلع کے افسروں کے درمیان جو مسابقت چلتی ہے آن لائن، ہر کوئی کوشش کرتا ہے کہ وہ ضلع ٹیکہ کاری میں آگے نکل گیا ہے، میں بھی اس ہفتے کام کروں گا، میں ٹیکہ کاری میں آگے نکلوں گا۔یعنی ایک طرح سے لوگوں کی سہولتوں میں اضافہ کرنے کے لئے ایک اچھا کام وہاں ہو رہا ہے۔

ہم نے آیوشمان بھارت میں بھی، کیونکہ یہ ضلع ایسا ہے جہاں طبی خدمات بھی اسی طرح کی ہے۔ اس بات کو اہم نے ترجیح دی ہے کہ وہاں صحت کے شعبے کو ترجیح دی جائے تاکہ وہ علاقہ آگے بڑھ سکے۔ آگے توقعاتی اضلاع کے لوگوں میں ہمارے آدیواسی بھائی بہن ہوں، ہمارے دویانگ ہوں، حکومت پوری حساسیت کے ساتھ کام کرنے کی سمت میں کوشش کر رہی ہے۔

گذشتہ پانچ برسوں سے ہی ملک کے سبھی آدیواسی مجاہدین آزادی کو نوازنے کا کام کیا جا رہا ہے۔ ملک بھر میں آدیواسیوں نے ملک کی آزادی کے لئے جو تعاون دیا ہے اس کو لے کر کے میوزیم بنے، ریسرچ ادارے بنے اور ملک کو بنانے بچانے میں ا نکا کتنا بڑا رول تھا وہ ایک ترغیب کا باعث بنے گا، ملک کو جوڑنے کا بھی سبب بنے گا اور اس کے لئے بھی کام ہو رہا ہے۔

ہمارے آدیواسی بچوں میں کئی ہونہار بچے ہوتے ہیں۔ ان کو مواقع نہیں ملتے ہیں، کھیل کود ہو، تعلیم ہو، اگر ان کو موقع ملے تو وہ اچھا کر سکتے ہیں۔ ہم نے ایکلوواسکولوں کے ذریعے عمدہ قسم کے اسکولوں کی تعمیر کر کے ایسے ہونہار بچوں کو موقع دینے کی سمت میں بہت بڑا کام کیا ہے۔

آدیواسی بچوں کے ساتھ ساتھ تقریباً 30 ہزار خود امدادی گروپ انہی علاقوں میں اور ون-دھن جو جنگلوں کی پیداوار ہے ان کیلئے بھی ایم ایس پی، اس پر زور دے کر کے ہم نے آگے بڑھانے کی سمت میں کام کیا ہے۔ خواتین کو بااختیار بنانے کے شعبے میں بھی صدر موصوف کے خطبے میں ان چیزوں کا بہت اختصار میں ذکر ہے۔ لیکن ہم نے ملک کی تاریخ میں پہلی بار فوجی اسکولوں میں بیٹیوں کے لئے داخلے کو منظوری دے دی ہے۔ ملیٹری پولیس میں خواتین کی تقرری کا کام جاری ہے۔

ملک میں خواتین کے تحفظ کے نقطہ نظر سے 600 سے زیادہ ون اسٹاپ سینٹر بنائے جا چکے ہیں۔ ملک کے ہر اسکول میں چھٹی کلاس سے بارہویں کلاس تک کی طالبات کو سیلف ڈیفینس کی ٹریننگ بھی دی جا رہی ہے۔ جنسی جرائم کرنے والوں کی پہچان کرنے کے لئے ایک قومی ڈیٹا بیس تیار کیا گیا ہے جس میں ایسے لوگوں پر نظر رکھنی ہوگی۔ اس کے علاوہ انسانوں کی اسمگلنگ کے خلاف بھی ایک یونٹ قائم کرنے کا بھی ہم نے منصوبہ بنایا ہے۔

بچوں کے خلاف جنسی تشدد کے سنگین معاملات سے نمٹنے کے لئے پوسکو قانون میں ترمیم کرکے اس کے تحت آنے والے جرائم کا دائرہ بھی ہم نے بڑھایا ہے تاکہ ان جرائم کو ہم سزا کے دائرے میں لاسکیں۔ ایسے معاملات میں انصاف تیزی سے ملے اس کے لئے ملک بھر میں ایک ہزار سے زیادہ فاسٹ ٹریک کورٹ بنائے جائیں گے۔

قابل احترام چیئرمین صاحب، ایوان میں سی اے اے پر کوئی بحث ہوئی ہے۔ یہاں بار بار یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ملک کے مختلف حصوں میں مظاہرے کے نام پر انارکی پھیلائی گئی، جو تشدد ہوا اسی کو تحریک چلانے کا حق مان لیا گیا ہے۔ بار بار آئین کی دہائی دی گئی اور اس کے نام پر غیر جمہوری سرگرمی کو کور کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ مجھے کانگریس کی مجبوری سمجھ آتی ہے۔ لیکن کیرل کے بائیں بازو کے ہمارے جو دوست ہیں، ان کو ذرا سمجھنا چاہئے، ان کو پتہ ہونا چاہئے۔ یہاں آنے سے پہلے کیرل کے وزیر اعلیٰ، انہوں نے کہا ہے کہ کیرل میں جو مظاہرے ہو رہے ہیں، ان میں انتہا پسند گروپوں کا ہاتھ ہونے کی بات انہوں نے اسمبلی میں کہی ہے۔ یہی نہیں انہوں نے سخت کارروائی کا انتباہ بھی دیا ہے۔ جس لاقانونیت سے آپ کیرل میں پریشان ہیں ،اس کی حمایت آپ دلی میں یا ملک کے دیگر حصوں میں کیسے کرسکتے ہیں۔

شہریت ترمیمی قانون کو لے کر جو کچھ بھی کہا جا رہا ہے اور جس بات کی تشہیر کی جا رہی ہے، اس کو لے کر سبھی ساتھیوں کو خود سے سوال پوچھنا چاہئے۔ کیا ملک کو غلط اطلاع دینا، گمراہ کرنا، اس رجحان کو ہم سب کو روکنا چاہئے کہ نہیں روکنا چاہئے۔ کیا یہ ہم سب کا فرض ہے کہ نہیں، کیا ہمیں ایسی مہم کا حصہ بن جانا چاہئے؟ اب مان لیجئے کسی کا سیاسی بھلا ہونے والا نہیں ہے، مان کے چلئے۔ اس لئے یہ راستہ صحیح نہیں ہے، مل بیٹھ کر کے ذرا سوچیں کہ ہم صحیح راستے پر جا رہے ہیں کیا۔ اور یہ کیسا دوہرا کردار ہے؟ آپ 24 گھنٹے اقلیتوں کی دہائی دیتے ہیں، بہت شاندار الفاظ کا استعمال کر کے کہہ رہے ہیں، آنند جی کو ابھی میں سن رہا تھا۔ لیکن ماضی کی غلطیوں کے سبب پڑوس میں جو اقلیت بن گئے، ان کے خلاف جو چل رہا ہے، اس کا درد آپ کو کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ ملک کی توقع ہے کہ اس حساس معاملے پر لوگوں کو ڈرانے کی بجائے صحیح جانکاری دی جائے۔ یہ ہم سب کا فرض ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ

اپوزیشن کے متعدد ساتھی ان دنوں بہت پُر جوش ہو گئے ہیں جو کبھی خاموش تھے آج کل پر جوش ہیں۔ چیئر مین صاحب کا اثر ہے۔ لیکن میں آج چاہتا ہوں کہ یہ ایوان بڑے سینئر لوگوں کا ہے تو کچھ عظیم شخصیتوں کی باتیں میں آج ذرا آپ کو پڑھ کر بتانا چاہتا ہوں:

"یہ ایوان اس رائے کا حامل ہے کہ پاکستان کے مشرقی ونگ میں بسنے والی اقلیتی برادریوں کی جان، مال اور عزت کے عدم تحفظ اور پاکستان کے اس حصے میں ان سے ہونے والے تمام انسانی حقوق کے عمومی انکار کے پیش نظر، حکومت ہند کو مشرقی پاکستان سے ہندوستانی یونین میں اقلیتی طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کی نقل مکانی میں نرمی پر پابندیوں کے علاوہ عالمی رائے عامہ کو شامل کرنے کے لئے اقدامات پر بھی غور کرنا چاہئے"۔ یہ ایوان میں کہی گئی بات ہے۔ اب آپ کو لگے گا یہ کوئی جن سنگھ کے لیڈر ہی بول سکتے ہیں، یہ تو کون بول سکتا ہے ایسی باتیں۔ اس وقت تو بی جے پی تھی اور نہ ہی جن سنگھ۔ تو انہوں نے سوچا ہو گا جن سنگھ والا بول سکتا ہے۔ لیکن یہ بیان کسی بی جے پی یا جن سنگھ کے لیڈر کا نہیں ہے۔

اسی عظیم شخصیت کا ایک دوسرا جملہ میں بتانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا ہے–" جہاں تک مشرقی پاکستان کا تعلق ہے، اس کا یہ فیصلہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سے غیر مسلم جتنے ہیں سب نکال دیئے جائیں۔ وہ ایک اسلامی ریاست ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے ناطے وہ یہ سوچا ہے کہ یہاں اس نام کو ماننے والے ہی رہ سکتے ہیں اور غیر مسلم لوگ نہیں رہ سکتے ہیں۔ لہذا ہندو نکالے جا رہے ہیں، عیسائی نکالے جا رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تقریباً 37 ہزار سے زیادہ عیسائی آج وہاں سے ہندوستان میں آ گئے ہیں۔ بدھسٹ بھی وہاں سے نکالے جا رہے ہیں"۔

یہ بھی کسی جن سنگھ یا بی جے پی کے لیڈر کا جملہ نہیں ہے۔ اور ایوان کو میں بتانا چاہوں گا کہ یہ الفاظ اس عظیم شخص کے ہیں جو ملک کے مقبول وزرائے اعظم میں سے ایک رہے ہیں، وہ قابل احترام لال بہادر شاستری جی کے جملے ہیں۔ اب آپ ان کو بھی کمیونل کہہ دیں گے۔ آپ ان کو بھی ہندو اور مسلم میں تقسیم کرنے والا کہہ دیں گے۔ یہ بیان لال بہادر شاستری جی نے پارلیمنٹ میں تین اپریل 1964 کو دیا تھا۔ نہرو جی اس وقت وزیر اعظم تھے۔ تب مذہبی زیادتی کی وجہ سے بھارت آ رہے پناہ گزینوں پر پارلیمنٹ میں بحث ہو رہی تھی۔ اسی درمیان شاستری جی نے یہ بات کہی تھی۔

جناب چیئر مین صاحب، اب میں ایوان کو ایک اور بیان کے بارے میں بتاتا ہوں۔ اور یہ خاص کر کے میرے سماجوادی دوستوں کو خاص طور سے منسوب کر رہا ہوں۔ کیونکہ شاید یہی ہے جہاں سے ترغیب مل سکتی ہے۔ ذرا دھیان سے سنیں۔

"ہندوستان کا مسلمان جیئے اور پاکستان کا ہندو جیئے۔ میں اس بات کو بالکل ٹھکراتا ہوں کہ پاکستان کے ہندو، پاکستان کے شہری ہیں اس لئے ہمیں ان کی پرواہ نہیں کرنی ہے۔ پاکستان کا ہندو چاہے کہیں کا شہری ہو، لیکن اس کی حفاظت کرنا ہمارا اتنا ہی فرض ہے جتنا ہندوستان کے ہندو یا مسلمان کا"۔ یہ کس نے کہا تھا۔ یہ بھی کسی جن سنگھ ،بی جے پی والے کا نہیں ہے۔ یہ جناب رام منوہر لوہیا جی کی بات ہے۔ ہمارے سماجوادی دوستو، ہمیں مانیں یا نہ مانیں، لیکن کم سے کم لوہیا جی کو آپ مسترد کرنے کا کام نہ کریں، یہی میری ان سے درخواست ہے۔

جناب چیئرمین صاحب، میں اس ایوان میں شاستری جی کا ایک اور بیان پڑھنا چاہتا ہوں۔ یہ بیان انہوں نے پناہ گزینوں پر ریاستی حکومتوں کے رول کے بارے میں دیا تھا۔ آج ووٹ بینک کی سیاست کی وجہ سے ریاستوں کے اندر اسمبلیوں میں قرار داد منظور کر کے جس طرح کا کھیل کھیلا جارہا ہے، لال بہادر شاستری جی کی اس تقریر کو سن لیجئے آپ۔ آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ کہاں جارہے تھے، کہاں تھے، کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو؟

چیئرمین صاحب، لال بہادر شاستری جی نے کہا تھا۔ "ہماری تمام ریاستی حکومت نے اس کو یعنی پناہ گزینوں کے سیٹلمینٹ کو قومی سوال کی شکل میں مانا ہے۔ اس کے لئے ہم ان کو مبارکباد دیتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے ہمیں بڑی خوشی ہوتی ہے۔ کیا بہار اور کیا اڈیشہ، کیا مدھیہ پردیش اور کیا اتر پردیش، یا مہاراشٹر یا آندھر، سبھی صوبوں نے، سبھی ریاستوں نے بھارت سرکار کو لکھا ہے کہ وہ ان کو اپنے یہاں بسانے کے لئے تیار ہیں۔ کسی نے کہا ہے پچاس ہزار آدمی، کسی نے کہا ہے پندرہ ہزار فیملیز، کسی نے کہا دس ہزار فیملیز بسانے کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہیں"۔

شاستری جی کا یہ بیان تب کا ہے جب 1964 میں ملک میں زیادہ تر کانگریس کی ہی حکومت ہوا کرتی تھی۔ آج مگر یہ ہم اچھا کام ہی کر رہے ہیں، اور آپ روڑے اٹکا رہے ہیں کیونکہ آپ کی ووٹ بینک کی سیاست ہے۔

جناب چیئرمین صاحب، میں ایک اور مثال دینا چاہتا ہوں۔ 25 نومبر 1947 کو، ملک آزاد ہونے کے کچھ ہی مہینوں میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ایک قرارداد منظور کی تھی۔ 25 نومبر 1947 کی کانگریس ورکنگ کمیٹی کی قرار داد کیا کہتی ہے۔

"کانگریس مزید پابند عہد ہے کہ وہ ان غیر مسلموں کو جو پاکستان سے سرحد پار کر کے ہندوستان آئے ہیں یا اپنی جان اور آبرو بچانے کے لئے ایسا کر سکتے ہیں، کو پورا تحفظ فراہم کرے۔" یہ غیر مسلموں کیلئے آپ آج جو زبان بول رہے ہیں۔

جناب چیئر مین صاحب، میں نہیں مانتا ہوں کہ 25 نومبر 1947 کو کانگریس فرقہ پرست تھی، میں نہیں مانتا ہوں اور آج اچانک سیکولر ہو گئی، ایسا بھی میں نہیں مانتا ہوں۔ 25 نومبر 1947 آپ نے نن- مسلمس لکھنے کے بجائے آپ لکھ سکتے تھے کہ پاکستان سے آنے والے سب لوگوں کو، کیونکہ نہیں لکھا ایسا، ؟کیوں نن- مسلمس لکھا؟ تقسیم کے بعد جو ہندو پاکستان میں رہ گئے تھے، ان میں سے زیادہ تر ہمارے دلت بھائی بہن اور ان لوگوں کو بابا صاحب امبیڈکر نے کہا تھا:"- میں ان تمام شیڈیول کاسٹ کے لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں جو پاکستان کے اندر محصور ہو گئے ہیں، وہ ہندوستان آجائیں"۔ بابا صاحب امبیڈکر نے بھی یہی پیغام دیا تھا۔ یہ سارے بیان جن عظیم ہستیوں کے ہیں، وہ اس ملک کے معمار ہیں، کیا وہ سبھی کمیونل تھے؟ کانگریس اور اس کے ساتھی ملک کے معماروں کو بھی ووٹ بینک کی سیاست کے سبب بھولنے لگے ہیں۔ یہ ملک کے لئے تشویش کی بات ہے۔

جناب چیئر مین صاحب، 1997 میں یہاں متعدد ساتھی موجود ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ایوان میں بھی کوئی ہو۔ یہ وہ سال تھا جب سے اس وقت کی حکومت کی ہدایات میں ہندو اور سکھوں کا استعمال شروع ہوا۔ پہلے نہیں ہوتا تھا، جوڑا گیا ہے اسکو۔ 2011 میں اس میں پاکستان سے آنے والے عیسائی اور بدھسٹ الفاظ کے زمرے کو بھی بنایا گیا۔ یہ سب 2011 میں ہوا ہے۔ سال 2003 میں لوک سبھا میں شہریت ترمیمی بل پیش کیا گیا۔ شہریت ترمیمی بل 2003 پر پارلیمنٹ کی جس قائمہ کمیٹی نے بحث کی اور پھر اسے آگے بڑھایا، اس کمیٹی میں کانگریس کے متعدد اراکین آج بھی یہاں ہیں۔ جو اس کمیٹی میں تھے اور پارلیمنٹ کی قائمہ کمیٹی کی اس رپورٹ میں کہا گیا ہے:"پڑوسی ملکوں سے آرہے اقلیتوں کو دو حصوں میں دیکھا جائے۔ ایک جو مذہبی زیادتی کی وجہ سے آتے ہیں اور دوسرا وہ جو غیر قانونی مائیگرینٹ جو شہری بدامنی کی وجہ سے آتے ہیں"۔ اس کمیٹی کی رپورٹ ہے۔ آج جب یہ سرکار یہی بات کر رہی ہے تو اس پر 17 سال بعد ہنگامہ کیوں ہو رہا ہے۔

چیئر مین صاحب، 28 فروری 2004 کو مرکزی حکومت نے راجستھان کے وزیر اعلیٰ کی درخواست پر راجستھان کے دو اضلاع اور گجرات کے چار اضلاع کے کلکٹروں کو یہ حق دیا کہ وہ پاکستان سے آئی اقلیتی ہندو برادری کے لوگوں کو بھارتی شہریت دے سکیں۔ یہ ضابطہ 2005 اور 2006 میں بھی نافذ رہا۔ 2005 اور 2006 میں آپ ہی تھے۔ تب آئین کی بنیادی روح کو کوئی خطرہ نہیں ہوا تھا، اس کے خلاف نہیں تھا۔

جناب چیئر مین صاحب اگر آپ مردم شماری بھی دیکھیں گے تو ملک آزاد ہونے کے بعد پہلی دہائی میں کچھ سوال ہوں گے، دوسری دہائی میں کچھ سوال نکال دیئے ہوں گے، کچھ جوڑے ہوں گے۔ جیسی جیسی ضرورت رہتی ہے، ہر چیز میں یہ گورنینس کا

موضوع ہے، چھوٹی موٹی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ہم افواہیں پھیلانے کا کام نہ کریں۔ ہمارے ملک میں پہلے مادری زبان کا اتنا بڑا بحران کبھی نہیں تھا۔ آج سورت کے اندر اڈیشہ سے مائیگریٹ ہو کر کے بہت بڑی تعداد میں لوگ آئے ہیں اور گجرات سرکار یہ کہے کہ ہم اڑیہ اسکول نہیں چلائیں گے، تو کب تک چلے گا یہ سب؟ میں مانتا ہوں کہ حکومت کے پاس جانکاری ہونی چاہئے کہ کون، کون سی مادری زبان بولتا ہے، اس کے والد کون سی زبان بولتے تھے؟ تب جا کر کے سورت میں اڑیہ اسکول شروع کیا جا سکتا ہے۔ پہلے مائیگریشن نہیں ہوتا تھا، آج جب مائیگریشن ہوتا ہے تب یہ ضروری ہوتا ہے۔

جناب چیئرمین صاحب، پہلے ہمارے ملک میں مائیگریشن بہت کم تعداد میں ہوتا تھا۔ وقت رہتے رہتے شہروں کے تئیں لگاؤ بڑھنا، شہروں کی ترقی ہونا، لوگوں کی توقعات بدلنا، تو گذشتہ 40-30 سال میں ہم مسلسل دیکھ رہے ہیں کہ مائیگریشن نظر آتا ہے۔ اب یہ مائیگریشن کا میں بھی، آج جب تک کن اضلاع سے زیادہ مائیگریشن ہوتا ہے، کون ضلع چھوڑ کر جا رہے ہیں، اس کی جانکاری کے بغیر اس ضلعے کی ترقی کو آپ ترجیح نہیں دے سکتے۔ آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ ان پر غور کرو۔ آپ اتنی افواہیں پھیلا رہے ہو، لوگوں کو گمراہ کر رہے ہو، آپ بھی تو 2010 میں این پی آر لائے تھے۔ ہم 2014ء سے یہاں بیٹھے ہیں، کیا اس این پی آر کو لے کر کے کسی کے لئے سوالیہ نشان ہم نے کھڑا کیا؟ کیا ریکارڈ تو ہمارے پاس ہے۔ آپ کے این پی آر کا ریکارڈ ہمارے پاس ہے۔ آپ کے وقت کا این پی آر کا ریکارڈ ہے۔ اس ملک کے کسی بھی شہری کو اُس این پی آر کی بنیاد پر جبر کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔

اتنا ہی نہیں، صدر محترم، یو پی اے کے اُس وقت کے وزیر داخلہ نے این پی آر کے افتتاح کے موقع پر ہر عام باشندہ، یوزوول ریزیڈنٹ کے این پی آر میں ایز ولمنٹ کی ضرورت پر خصوصی زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ ہر کسی کو اس کوشش کا حصہ بننا چاہیئے۔ انہوں نے با قاعدہ میڈیا سے بھی اپیل کی تھی کہ میڈیا این پی آر کی تشہیر کرے، لوگوں کو ایجوکیٹ کرے، لوگ این پی آر سے جڑیں، تو اس وقت کے وزیر داخلہ نے عوامی طور پر اپیل کی تھی۔

یو پی اے نے 2010ء میں این پی آر نافذ کروایا، 2011ء میں این پی آر کے لئے بایو میٹرک ڈیٹا بھی جمع کرنا شروع کیا۔ آپ جب 2014ء میں سرکار سے گئے، اس وقت تک این پی آر کے تحت کروڑوں شہریوں کی تصویر اسکین کر کے ریکارڈ مینٹین کرنے کا کام پورا کر لیا گیا تھا اور بایو میٹرک ڈیٹا کلیکشن کا کام تیزی پر تھا۔ یہ آپ کی مدت کار کی میں بات کر رہا ہوں۔ آج جب ہم نے اپنے آپ کے ذریعے تیار ان این پی آر ریکارڈس کو 2015ء میں اپ ڈیٹ کیا اور ان این پی آر ریکارڈس کے ذریعے

سے پردھان منتری جن دھن یوجنا کے فوائد کی راست منتقلی جیسی حکومت کی اسکیموں میں ،جو چھوٹ گئے مستفیدین تھے،ان کو شامل کرنے کے لئے آپ کے ذریعے تیار کیا گیا، این پی آر کے ریکارڈ کا مثبت استعمال ہم نے کیا اور غریبوں کو فائدہ پہنچایا۔ لیکن آج سیاسی ماحول بنا کر آپ این پی آر کی مخالفت کر رہے ہیں اور کروڑوں غریبوں کو حکومت کی ان عوامی فلاح و بہبود والی اسکیموں کا حصہ بننے سے روکنے کا پاپ کر رہے ہیں۔ اپنے سیاسی مفاد کے لئے، جو بھی یہ کر رہے ہیں، ان کی مخالف سے انکی محدود ذہنیت آشکار ہو رہی ہے۔

2020 کی مردم شماری کے ساتھ ساتھ ہم این پی آر ریکارڈ کو اپ ڈیٹ کرنا چاہتے ہیں تا کہ غریبوں کے لئے چلائی جا رہی یہ اسکیمیں اور زیادہ موثر طریقے سے اور ایمانداری کے ساتھ ان تک پہنچ سکیں لیکن چونکہ اب آپ اپوزیشن میں ہیں، تو آپ ہی کے ذریعے شروع کیا گیا این پی آر آپ ہی کو برا دکھائی دینے لگا ہے۔ سبھی ریاستوں نے ،صدر محترم، سبھی ریاستوں نے این پی آر کو با قاعدہ گزٹ نوٹفکیشن جاری کر کے منظوری دی ہے۔ اب کچھ ریاستوں نے اچانک یوٹرن لے لیا ہے اور اس میں رخنہ ڈال رہے ہیں اور جان بوجھ کر اس کی اہمیت اور غریبوں کے لئے اس کے فائدوں کی ان دیکھی کر رہے ہیں۔ جن کاموں کو آپ نے 70 برسوں میں نہیں کیا، انہیں اپوزیشن میں بیٹھ کر اس طرح کی باتیں کر کے انہیں زیب نہیں دیتا۔

لیکن جس کام کو با قاعدہ آپ لائے ، آگے بڑھایا، میڈیا میں تشہیر کرائی، اب اسے ہی اچھوت بتا کر اس کی مخالفت کرنے میں مصروف ہو گئے ہو۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کے بیانئے صرف اور صرف ووٹ بینک کی سیاست سے طے ہوتے ہیں۔ اگر نازبرداری کا سوال ہو تو ترقی اور تقسیم میں سے آپ ڈنکے کی چوٹ پر تقسیم کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

ایسے مفاد پرستانہ مخالفت سے کسی بھی پارٹی کو فائدہ یا نقصان تو ہو سکتا ہے لیکن اس سے ملک کو نقصان یقینی طور پر ہوتا ہے۔ ملک میں بے اعتمادی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے ۔اس لئے میری درخواست رہے گی کہ ہم سچ کو ، صحیح صورت حال کو ہی عوام کے درمیان لے جائیں۔

اس دہائی میں دنیا کی بھارت سے بہت توقعات ہیں اور بھارتیوں کو ہم سے بہت ساری توقعات ہیں۔ ان توقعات کی تکمیل کے لئے ہم سبھی کی کوشش 130 کروڑ بھارتیوں کی توقعات کے مطابق ہونی چاہئیں۔ یہ تبھی ممکن ہے، جب قومی مفاد کے سبھی معاملات میں یہ ایوان سنگچھ دھووم ، سنود دھووم یعنی ساتھ چلو ،ایک سُر میں آگے بڑھے ، اس عہد سے چلتے ہیں، مباحثہ ہو، تبادلۂ خیال ہو اور پھر فیصلہ ہو۔

جناب دگ وجے سنگھ جی نے یہاں ایک نظم سنائی تو مجھے بھی ایک نظم یاد آگئی:

میرے پاس کوئی مکان نہیں، صرف کھلی جگہ ہے
سچائی مہربانی، خواہش اور خوابوں سے بھری ہوئی
میرے ملک کو ترقی یافتہ اور عظیم دیکھنے کی خواہش،
آس پاس خوشی اور امن دیکھنے کے خواب

مجھے بھارت کے عظیم سپوت، سابق صدر ڈاکٹر اے پی جے کلام کی یہ لائنیں اچھی لگیں، مجھے یہ اچھا لگا اور آپ کو آپ کی پسند کی لائنیں اچھی لگیں۔ وہ کہاوت بھی آپ نے خوب سنی ہوگی: جاکی رہی بھاونا جیسی، پربھو مورت دیکھی تن تیسی۔ اب یہ آپ کو کرنا ہے کہ اپنی پسند بدلیں یا پھر 21ویں صدی میں 20ویں صدی کے نوسٹیلجیا کو لے کر جیتے رہیں۔

یہ نیا بھارت آگے بڑھ چلا ہے۔ یہ فرائض کی راہ پر بڑھ چلا ہے اور فرض میں ہی سارے حقوق کا خلاصہ ہے، یہ تو مہاتما گاندھی جی کا پیغام ہے۔ آیئے، ہم گاندھی جی کے بتائے فرض کی راہ پر آگے بڑھتے ہوئے، ایک خوشحال، اہل اور پُر عزم نئے بھارت کی تعمیر میں جٹ جائیں۔ ہم سبھی کی اجتماعی کوششوں سے ہی بھارت کی ہر خواہش، ہر عہد کی تکمیل ہوگی۔ ایک بار پھر صدر محترم کا اور آپ سبھی اراکین کا میں دِل سے بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں اور میں اس جذبے کے ساتھ کہ ملک کی وحدت اور سالمیت کو ترجیح دیتے ہوئے، بھارت کے آئین کی اعلیٰ قدروں کو احترام کرتے ہوئے ہم سب مل کر چلیں، ملک کو آگے بڑھانے کے لئے ہم اپنا تعاون دیں، اسی جذبے کے ساتھ میں پھر ایک بار صدر محترم کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس بحث کو باوقار بنانے والے سبھی قابل احترام اراکین کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بہت بہت شکریہ!

شری ہری ونش نارائن سنگھ کے راجیہ سبھا کے ڈپٹی چیئرمین منتخب ہونے پر وزیراعظم شری نریندر مودی کی تقریر

۱۴ستمبر، ۲۰۲۰

شری ہری ونش نارائن سنگھ کے راجیہ سبھا کے ڈپٹی چیئر مین منتخب ہونے پر وزیر اعظم کی تقریر

14 ستمبر، 2020

محترم چیر مین صاحب،

میں جناب ہری ونش جی کو دوسری بار اس ایوان کا ڈپٹی چیئر مین منتخب کئے جانے پر پورے ایوان اور تمام اہل وطن کی طرف سے بہت بہت مبارکباد دیتا ہوں۔

سماجی کاموں اور صحافت کی دنیا میں ہری ونش جی نے جس طرح اپنی ایماندار شناخت بنائی ہے اس وجہ سے میرے من میں ہمیشہ ان کے لئے بہت احترام رہا ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ ہری ونش جی کے لئے جو احترام اور اپنا پن میرے من میں ہے، انہیں قریب سے جاننے والے لوگوں کے من میں ہے، وہی اپنا پن اور احترام آج ایوان کے ہر ممبر کے من بھی ہے۔ یہ جذبہ، یہ اپنا پن ہری ونش جی کا اپنا کمایا ہوا سرمایہ ہے۔ ان کا کام کرنے کا جو طریقہ ہے، جس طرح ایوان کی کارروائی وہ چلاتے ہیں، اس کے پیش نظر یہ فطری بھی ہے۔ایوان میں غیر جانبدارانہ طریقے سے ادا کیا گیا آپ کارول جمہوریت کو مضبوط کرتا ہے۔

جناب چیئر مین اس بار یہ ایوان اپنی تاریخ میں سب سے الگ اور مشکل حالات میں چلایا جارہا ہے۔ کورونا کی وجہ سے جیسی صورتحال ہے اس میں یہ ایوان کام کرے، ملک کے لئے ضروری ذمہ داریاں پوری کرے، یہ ہم سب کا فرض ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم سب تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے اور تمام رہنما خطوط پر عمل کرتے ہوئے اپنے فرائض سرانجام دیں گے۔

راجیہ سبھا کے ارکان، چیئر مین جی، اب ڈپٹی چیئر مین جی کو ایوان کی کارروائی کو آسانی سے چلانے میں جتنا تعاون کریں گے، اتنا ہی وقت کا اچھا استعمال ہوگا اور سب محفوظ رہیں گے۔

جناب چیئر مین، پارلیمنٹ کے ایوان بالا کی جس ذمہ داری کے لئے ہم سب نے ہری ونش جی پر اعتماد ظاہر کیا تھا۔ ہری ونش جی نے اسے ہر سطح پر پورا کیا ہے۔ میں نے پچھلی بار اپنے خطاب میں کہا تھا، مجھے پورا یقین ہے کہ جیسے ہری سب کے ہوتے ہیں، اسی

طرح ایوان کے ہری بھی حکمراں جماعت اور اپوزیشن سب کے رہیں گے۔ ایوان کے ہمارے ہری، ہری ونش جی، اس پار اور اس پار یکساں طور پر سبھی کے رہے، کوئی امتیازی سلوک نہیں، کوئی حکمراں جماعت اور اپوزیشن نہیں۔

میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ایوان کے اس میدان میں کھلاڑیوں سے زیادہ امپائر پریشان رہتے ہیں۔ ارکان پارلیمنٹ کو قواعد میں کھیلنے کے لئے مجبور کرنا ایک بہت ہی مشکل کام ہے۔ مجھے تو یقین تھا کہ امپائری اچھی کریں گے، لیکن جو لوگ ہری ونش جی سے ناواقف تھے، ہری ونش جی نے اپنی فیصلہ کن طاقت اور اپنے فیصلوں سے ان سب کا اعتماد جیت لیا۔

جناب چیئرمین صاحب، ہری ونش جی نے اپنی ذمہ داری کو کتنی کامیابی سے پورا کیا ہے، یہ دو سال اس کے گواہ ہیں۔ ایوان میں جس گہرائی سے بڑے بڑے بلوں پر پوری بحث کرائی، اتنی ہی تیزی سے بل پاس کرانے کے لئے ہری ونش جی کئی کئی گھنٹوں تک لگاتار بیٹھے رہے، ایوان کو صلاحیت کے ساتھ چلاتے رہے۔ اس دوران ملک کے مستقبل کو، ملک کی سمت کو بدلنے والے کئی تاریخی بل اس ایوان میں پاس ہوئے۔ پچھلے سال ہی اس ایوان نے دس سال میں سب سے زیادہ پرودکٹی وٹی کا ریکارڈ قائم کیا۔ وہ بھی اس وقت جب پچھلا سال لوک سبھا کے انتخابات کا سال تھا۔

یہ ہر ممبر کے لئے فخر کی بات ہے کہ ایوان میں پروڈکٹیویٹی کے ساتھ ساتھ پازیٹیویٹی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ یہاں سبھی کھل کر اپنی بات رکھ پائے، ایوان کا کام کاج نہیں رکے، التوا نہ ہو، اس کے لئے مسلسل کوششیں کی گئی ہیں۔ اس سے ایوان کے وقار میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ پارلیمنٹ کے ایوان بالا سے یہی توقع آئین سازوں نے کی تھی۔ جمہوریت کی سرزمین بہار سے جے پی اور کرپوری ٹھاکر کی سرزمین سے، باپو کے چمپارن کی سرزمین سے، جب کوئی جمہوریت کا علمبردار آگے آکر ذمہ داریوں کو سنبھالتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے جیسا ہری ونش جی نے کر کے دکھایا ہے۔

جب آپ ہری ونش جی کے قریبی لوگوں سے بات چیت کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ کیوں اس قدر زمین سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان کے گاؤں میں نیم کے پیڑ کے نیچے اسکول لگتا تھا، جہاں انہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ زمین پر بیٹھ کر زمین کو سمجھنا، زمین سے جڑنے کی تعلیم انہیں وہیں سے ملی تھی۔

ہم سبھی بخوبی جانتے ہیں کہ ہری ونش جی جے پرکاش جی کے ہی گاؤں سیتاب دیارا سے آتے ہیں۔ یہی گاؤں جے پرکاش جی کی جائے پیدائش بھی ہے۔ یہ علاقہ دو ریاستوں اتر پردیش، بہار کے تین اضلاع آرا، بلیلا اور چھپرا میں منقسم ہے، دو دریاؤں گنگا

اور گھاگرا کے درمیان واقع دیارا، جزیرہ جیسا ہے۔ ہر سال زمین سیلاب سے گھر جاتی تھی، بمشکل ایک فصل ہو پاتی تھی۔ تب کہیں آنے جانے کے لئے عام طور پر دریا کشتی کے ذریعے پار کر کے ہی جایا جاسکتا تھا۔

اطمینان ہی سُکھ ہے، یہ عملی علم ہری ونش جی کو اپنے گاؤں کے گھر کی حالت سے ہی ملا۔ وہ کس پس منظر سے نکلے ہیں، اسی سے متعلق ایک قصہ مجھے کسی نے سنایا تھا۔ ہائی اسکول میں آنے کے بعد، ہری ونش جی کی پہلی بار جوتا بنانے کی بات کی گئی۔ اس سے پہلے نہ تو ان کے پاس جوتے تھے نہ ہی خریدے تھے۔ ایسے میں گاؤں کے ایک شخص، جو جوتا بناتے تھے، ان کو ہری ونش جی کے لئے جوتا بنانے کے لئے کہا گیا۔ ہری ونش جی اکثر اس بنتے ہوئے جوتے کو دیکھنے جاتے تھے کہ کتنا بنا۔ جیسے بڑے دولت مند لوگ اپنا بنگلہ تعمیر ہوتا ہے تو بار بار دیکھنے کے لئے جاتے ہیں، ہری ونش جی یہ دیکھنے کے لئے پہنچ جاتے تھے کہ ان کا جوتا کیسے بنایا جارہا ہے، وہ کہاں تک پہنچا ہے۔ جوتا بنانے والے سے ہر روز سوال کرتے تھے کہ کب تک بن جائے گا۔ آپ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ ہری ونش جی زمین سے اتنا کیوں جڑے ہوئے ہیں۔

جے پی کا اثر ان کے اوپر بہت زیادہ تھا۔ اسی دور میں ان کا کتابوں کا شوق بھی بڑھتا گیا۔ اس سے بھی جڑا ایک قصہ مجھے معلوم ہوا ہے ہری ونش جی کو جب پہلی سرکاری اسکالرشپ ملی تو گھر کے کچھ لوگ امید لگائے بیٹھے تھے کہ بیٹا اسکالرشپ کا پورا پیسہ لیکر گھر آجائے گا۔ لیکن ہری ونش جی نے اسکالرشپ کے پیسہ گھر لے جانے کے بجائے کتابیں خرید لیں۔ تمام طرح کی مختصر سوانح حیات، ادب، یہی گھر لے گئے۔ ہری ونش جی کی زندگی میں اس وقت کتابوں کا جو داخلہ ہوا وہ اب بھی اسی طرح برقرار ہے۔

جناب چیئرمین، تقریباً چار دہائیوں تک سماجی فکر کی صحافت کرنے کے بعد ہری ونش جی نے 2014 میں پارلیمانی زندگی میں قدم رکھا۔ ایوان کے ڈپٹی چیئرمین کے طور پر ہری ونش جی نے جس طرح اس کے وقار کا خیال رکھا، رکن پارلیمنٹ کی حیثیت سے بھی ان کی مدت کار اتنی ہی شاندار رہی ہے۔ ایک رکن کی حیثیت سے، تمام موضوعات چاہے وہ اقتصادی ہوں، یا اسٹریٹجک، سکیورٹی سے متعلق معاملات ہوں، ہریونش جی نے اپنی بات موثر طریقے سے پیش کی۔

ہم سب جانتے ہیں کہ باوقار طریقے سے اور اختصار کے ساتھ اپنی بات رکھنا ان کی شناخت ہے۔ ایوان کے رکن کی حیثیت سے انہوں نے اپنے اس علم، اپنے اس تجربے سے ملک کی خدمت کرنے کی پوری کوشش کی۔ ہری ونش جی نے تمام بین الاقوامی فوروموں پر بھارت کے وقار، بھارت کا قد بڑھانے کے لئے بھی کام کیا ہے، چاہے وہ بین پارلیمانی یونین کی تمام میٹنگیں

ہوں یا دوسرے ممالک میں ہندوستانی ثقافت کے وفد کے رکن کے طور پر رول ادا کرنا ہو۔ ہری ونش جی نے ایسی ہر جگہ بھارت اور بھارت کی پارلیمنٹ کے وقار کو بڑھایا ہے۔

جناب چیئر مین، ایوان میں ڈپٹی چیئر مین کے رول کے علاوہ، ہری ونش جی راجیہ سبھا کی متعدد کمیٹیوں کے چیئر مین بھی رہ چکے ہیں۔ ایسی تمام کمیٹیوں کے چیئر مین کی حیثیت سے، ہری ونش جی نے کمیٹیوں کے کام کو بہتر بنایا ہے اور ان کے رول کو موثر انداز میں واضح کیا ہے۔

میں نے پچھلی بار بھی یہ بتایا تھا کہ ہری ونش جی کبھی صحافی کی حیثیت سے ہمارا رکن پارلیمنٹ کیسا ہو، یہ مہم چلا رہے ہیں۔ رکن پارلیمنٹ بننے کے بعد انہوں نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ تمام اراکین پارلیمنٹ اپنے طرز عمل اور زیادہ فرائض کو پورا کرنے والے بنیں۔

جناب چیئر مین صاحب، ہری ونش جی پارلیمانی کام کاج اور ذمہ داریوں کے درمیان بھی ایک دانشور اور مفکر کی حیثیت سے اتنے ہی سرگرم رہتے ہیں۔ آپ اب بھی ملک بھر میں جاتے ہیں۔ بھارت کے اقتصادی، سماجی، اسٹریٹجک اور سیاسی چیلنجوں کے بارے میں عوام میں بیداری پھیلاتے ہیں۔ ان کے اندر کا صحافی، مصنف جوں کا توں بنا ہوا ہے۔ ان کی کتاب ہمارے سابق وزیر اعظم جناب چندر شیکھر جی کی زندگی کی باریکی سے عکاسی کرتی ہے اور ساتھ ہی ہری ونش جی کی تصنیفی صلاحیت کا بھی اظہار کرتی ہے۔ میری اور اس ایوان کے تمام ارکان کی خوش قسمتی ہے کہ ڈپٹی چیئر مین کے طور پر ہری ونش جی کی رہنمائی آئندہ بھی ملتی رہے گی۔ معزز چیئر مین صاحب ،پارلیمنٹ کے اس ایوان بالا نے 250 اجلاسوں سے زیادہ کا سفر طے کیا ہے۔ یہ سفر جمہوریت کی حیثیت سے ہماری پختگی کا ثبوت ہے۔ ایک بار پھر سے ہری ونش جی آپ کو اس اہم اور بڑی ذمہ داری کے لئے بہت ساری نیک خواہشات۔ آپ صحت مند رہیں اور ایوان میں بھی صحتمند ماحول بر قرار رکھتے ہوئے ایوان بالا سے جو توقعات وابستہ ہیں انہیں پورا کرتے رہیں۔ ہری ونش جی کو مقابلہ دینے والے منوج جھا جی کو بھی میری طرف سے نیک خواہشات ۔ جمہوریت کے وقار کے لئے انتخابات کا یہ عمل بھی اتنا ہی اہم ہے۔ ہمارا بہار بھارت کی جمہوری روایت کی سر زمین رہا ہے۔ ویشالی کی اس روایت کو بہار کی اس شان کو، اس آئیڈیل کو ہری ونش جی اس ایوان کے ذریعہ آپ بہتر بنائیں گے، ایسا مجھے یقین ہے۔

میں ایوان کے تمام معزز اراکین کا انتخاب کے اس عمل میں شامل ہونے کے لئے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ایک بار پھر سے ہری ونش جی کو، تمام اراکین کو دلی مبارکباد۔ شکریہ!

2021

شری نریندر مودی نئی دہلی میں سوچھ بھارت مشن-اربن 2.0 اور امرُت 2.0 کے آغاز کے موقع پر

"سوچھ بھارت مشن اور امرُت مشن کے سفر میں جہاں اس میں ایک مشن ہے، تعظیم ہے، وقار ہے، وہیں اس میں ملک کا ایک عزم بھی ہے اور ساتھ ہی مادر وطن کے لئے بے مثال محبت بھی ہے۔"

راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریہ کی تحریک 'پر وزیراعظم شری نریندر مودی کا جواب

۸ فروری، ۲۰۲۱

راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

8 فروری 2021

محترم چیئر مین صاحب،

آج پوری دنیا کو بہت سارے چیلنجز کا سامنا ہے۔ شاید ہی کسی نے سوچا ہو گا کہ انسانیت کو اتنے مشکل دور سے گزرنا پڑے گا۔ اس طرح کے چیلنجوں کے درمیان، اس دہائی کے آغاز میں ہی ہمارے معزز صدر نے مشترکہ ہاؤس میں اپنا خطاب دیا، جو اپنے آپ میں اس چیلنجنگ دنیا میں ایک نئی امید جگانے والا، نیا جوش پیدا کرنے والا اور نیا اعتماد بحال کرنے والا صدر جمہوریہ کا خطاب رہا، خود انحصار کرنے والے ہندوستان کی راہ دکھانے والا اور اس دہائی کے لیے ایک راستہ ہموار کرنے والا صدر جمہوریہ کا خطاب رہا۔

محترم چیئر مین،

میں آج آپ سب کے درمیان صدر جمہوریہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوں۔ راجیہ سبھا میں 13 سے 14 گھنٹوں تک، 50 سے زائد معزز ممبران نے اپنے خیالات، قابل قدر نظریات پیش کیے، بہت سے پہلوؤں پر تبادلہ خیال کیا۔ اور اس لیے میں اس بحث کو تقویت بخش بنانے کے لیے تمام معزز ممبران کا بھی دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بہتر ہوتا اگر صدر جمہوریہ کی تقریر سننے کے لیے سب موجود ہوتے تو جمہوریت کا وقار اور بڑھ جاتا اور ہم سب کو کبھی شکوہ نہ ہوتا کہ ہم نے صدر کی تقریر نہیں سنی تھی۔ لیکن صدر کی تقریر کی طاقت اتنی تھی کہ وہ نہ سننے کے باوجود بھی بہت کچھ بول پائے۔ یہ اپنے آپ میں اس تقریر کی طاقت تھی، ان خیالات کی طاقت تھی، ان نظریات کی طاقت تھی جس کی وجہ سے نہ سننے کے باوجود بھی بات پہنچ گئی۔ اور اسی وجہ سے میرے خیال میں اس تقریر کی قیمت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

محترم چیئر مین،

جیسا کہ میں نے کہا، کئی چیلنجوں کے درمیان صدر جمہوریہ کی دہائی کی یہ پہلی تقریر تھی۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جب ہم پوری دنیا کی سطح پر دیکھتے ہیں، ہندوستان کے نوجوان ذہنوں کو دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ آج ہندوستان صحیح معنوں میں مواقع کی

سر زمین ہے۔ بہت سارے مواقع ہمارے منتظر ہیں۔ اور اس لیے ایک ایسا ملک جو جوان ہو، جو ملک جوش سے بھرا ہو، جو ملک بہت سے خواب دیکھ کر عزم کے ساتھ تکمیل کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہو، وہ ملک ان مواقع کو کبھی جانے نہیں دے سکتا۔ ہم سب کے لیے یہ بھی ایک موقع ہے کہ ہم آزادی کے 75 سال میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ بذات خود ایک متاثر کن موقع ہے۔ ہم جہاں بھی ہوں، جس شکل میں ہوں، ہمیں آزادی کے 75 ویں سال کو بھارت ماں کے بچے کی حیثیت سے اس تہوار کو منانا چاہیے۔ آنے والے سالوں کے لیے ملک کو تیار کرنے کے لیے ہمارے اندر کچھ نہ کچھ کر گزرنے کا جذبہ ہونا چاہیے اور جب 2047 میں ہم آزادی کی صدی منائیں گے تو ہم ملک کو کس حد تک لے جائیں گے، ہمیں ان خوابوں کو بار بار دیکھنا چاہیے۔ آج پوری دنیا ہندوستان کی طرف دیکھ رہی ہے، بھارت سے توقعات بھی وابستہ ہیں اور لوگوں میں ایک یقین بھی ہے کہ اگر ہندوستان ایسا کرتا ہے، تو وہاں سے دنیا کے بہت سارے مسائل حل ہو جائیں گے، آج دنیا میں ہندوستان کے لیے یہ اعتماد بڑھا ہے۔

محترم چیئرمین،

جب میں مواقع کی بات کر رہا ہوں، تو عظیم شاعر میتھلی شرن گپت جی کی نظم کا حوالہ دینا چاہوں گا۔ گپت جی نے کہا تھا:

اوسر تیرے لیے کھڑا ہے،
پھر بھی تو چپ چاپ پڑا ہے،
تیرا کرم چھیتر بڑا ہے،
پل پل ہے انمول،
ارے بھارت اٹھ، آنکھیں کھول۔

یہ میتھلی شرن گپت جی نے لکھا ہے۔ لیکن میں سوچ رہا تھا اس دور میں، اکیسویں صدی کے آغاز میں اگر ان کو لکھنا ہوتا تو کیا لکھتے۔ میں تصور کرتا تھا کہ وہ لکھتے:

اوسر تیرے لیے کھڑا ہے، تو آتم وشواس سے بھرا پڑا ہے،
ہر بادھا، ہر بندش کو توڑ، ارے بھارت! آتم نر بھرتا کے پتھ پر دوڑ

محترم چیئرمین،

کورونا کے دوران کس طرح کے عالمی حالات پیدا ہوئے، کسی کے لیے کسی کی مدد کرنا ناممکن ہو گیا۔ ایک ملک دوسرے ملک کی مدد نہ کر سکے۔ ایک ریاست دوسری ریاست کی مدد نہ کر سکے، یہاں تک کہ خاندان کا ایک فرد دوسرے فرد کی مدد نہ کر سکے؛ ایسا ماحول کورونا کی وجہ سے پیدا ہوا۔ دنیا نے ہندوستان کے لیے تو بہت سے خدشات کا اظہار کیا تھا۔ دنیا بہت پریشان تھی کہ اگر بھارت کورونا کی اس وبا میں خود کو سنبھال نہ سکا تو پھر نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری انسانیت کو ایک بڑے بحران کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بہت سارے لوگ پھنس جائیں گے، لاکھوں لوگ مریں گے۔ ہمارے یہاں بھی ڈرانے کے لیے بھرپور باتیں ہوئیں۔ اور یہ کیوں ہوا یہ ہمارا سوال نہیں ہے، کیوں کہ کوئی نامعلوم دشمن کیا کر سکتا ہے، کسی کو کچھ پتہ نہیں تھا۔ ہر ایک نے اپنے اپنے طریقے سے اندازہ لگایا تھا۔ لیکن ہندوستان کو ہمارے ملک کے شہریوں کو کسی نامعلوم دشمن سے بچانے کا کوئی خیال نہیں تھا اور جس کے پاس پہلے کی روایت نہیں تھی کہ ایسی چیز سے کیسے نپٹا جا سکتا ہے، اس کے لیے یہ پروٹوکول ہو سکتا ہے، کچھ پتہ نہیں تھا۔

ایک نئے انداز میں، ہر ایک کو نئی سوچ کے ساتھ چلنا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ اسکالروں، قابل لوگوں کا کوئی دوسرا خیال ہو۔ اور ہمیں راستے بھی ڈھونڈنے تھے۔ راستے بنانے بھی تھے اور لوگوں کو بچانا بھی تھا۔ اس وقت، خدا نے جو بھی دانشمندی، طاقت اور صلاحیت دی، اس ملک نے ایسا کر کے ملک کو بچانے کی پوری کوشش کی۔ اور اب دنیا اس حقیقت پر فخر محسوس کرتی ہے کہ واقعی ہندوستان نے دنیا کی نسل انسانی کو بچانے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس جنگ کو جیتنے کا سہرا کسی حکومت کے سر نہیں جاتا، اور نہ ہی کسی شخص کو، بلکہ ہندوستان کو جاتا ہے۔ فخر کرنے میں کیا جاتا ہے؟ دنیا کے سامنے اعتماد کے ساتھ بات کرنے میں کیا جاتا ہے؟ اس ملک نے کیا ہے۔ غریب سے غریب شخص نے یہ کام کیا ہے۔ اس وقت سوشل میڈیا میں دیکھا ہوگا فٹ پاتھ پر چھوٹی جھونپڑی لگا کر بیٹھی بوڑھی ماں، وہ بھی گھر کے باہر، جھونپڑی کے باہر دیا جلا کر اچھے ہندوستان کی خواہش مند تھی، ہم اس کا مذاق اڑا رہے ہیں؟ اس کے جذبات کا مذاق اڑا رہے ہیں؟ وقت ہے، جس نے کبھی اسکول کا دروازہ نہیں دیکھا اس کے ذہن میں، جو بھی ملک کے لیے چراغ جلا کر اپنے ملک کی خدمت کر سکتا ہے، اس نے اس جذبات کے ساتھ یہ کام کیا۔ اور اس نے ملک میں ایک اجتماعی طاقت بیدار کی تھی۔ اپنی طاقت، صلاحیت کو متعارف کرایا تھا۔ لیکن اس کا بھی مذاق اڑانے میں مزا آ رہا ہے۔ مخالفت کرنے کے لیے بہت سارے معاملے ہیں اور کرنا بھی چاہیے۔ لیکن ایسی چیزوں میں نہ الجھیں جو ملک کے حوصلے پست کرتے ہیں، جو ملک کی طاقت کو مجروح کرتے ہیں، اس کا کبھی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔

ہمارے کورونا جنگجو، ہمارے فرنٹ لائن ورکرز، آپ تصور کر سکتے ہیں کہ جب چاروں طرف خدشہ ہے کہ کسی سے کورونا ہو جائے گا، تو ایسے وقت میں اپنا فرض ادا کرنا، اپنی ذمہ داریوں کو نبھانا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ اس پر فخر کرنا چاہیے، ان کا احترام کرنا چاہیے اور ان سب کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ملک نے آج یہ کر کے دکھایا ہے۔ آیئے ہم ذرا ماضی میں دیکھیں، یہ تنقید کا وقت نہیں، ہم نے ان حالات کو جی کر دیکھا ہے۔ کبھی چیچک کی بات ہوتی تھی، خوف کتنا بڑھ جاتا تھا۔ پولیو کتنا ڈراؤنا لگتا تھا، اس کی ویکسین لینے کے لیے کیا کیا محنت کرنا پڑیں، کتنی پریشانی اٹھانی پڑی۔ کب ملے گا، کتنا ملے گا، ہم اسے کیسے حاصل کریں گے، یہ دن ہم نے بتائے ہیں۔ ایسی صورتحال میں، اگر ان دنوں کو یاد کریں، تب آپ جان لیں گے کہ وہ ممالک جن کا شمار تیسری دنیا کے ممالک میں ہوتا ہے، انہیں انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ویکسین لے کر آنا چاہیے۔ ہمارے سائنس دان بھی اتنے کم وقت میں مشن موڈ میں مصروف رہے ہیں، یہ بنی نوع انسان کی تاریخ میں ہندوستان کے تعاون کی ایک قابل فخر داستان ہے۔ آیئے ہم اس پر فخر کریں اور اس سے نئے اعتماد کو تحریک بھی ملتی ہے۔ آج ملک اس طرح کی کوششوں پر فخر محسوس کر سکتا ہے کہ میرے ملک میں دنیا کی سب سے بڑی ویکسین مہم چل رہی ہے۔ آج دنیا میں ویکسینیشن اگر تیز رفتار سے کہیں ہو رہی ہے تو یہ ہم سب کی ماں ہندوستان کی گود میں ہو رہی ہے۔ اور ہندوستان کی یہ صلاحیت کہاں نہیں پہنچی ہے۔

آج کورونا نے دنیا کے ساتھ تعلقات میں ہندوستان کو ایک نئی طاقت دی ہے۔ جب ابتدا میں کون سی دوا کام کرے گی، کوئی ویکسین نہیں تھی، تب پوری دنیا کی توجہ ہندوستان کی دوائیوں پر گئی۔ ہندوستان دنیا میں فارمیسی کا مرکز بن کر ابھرا۔ اس مشکل دور میں اس ملک نے 150 ممالک میں دوائیں پہنچانے کا کام بھی کیا ہے۔ ہم بنی نوع انسان کی حفاظت کے لیے پیچھے نہیں ہٹے۔ صرف یہی نہیں، اس وقت بھی ویکسین کے سلسلے میں، دنیا فخر کے ساتھ کہتی ہے کہ ہمیں ہندوستان کی ویکسین مل گئی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ دنیا کے بڑے اسپتالوں میں بھی، جب بڑے لوگ آپریشن کرانے جاتے ہیں، کوئی بڑا آپریشن ہوتا ہے، تو آپریشن تھیٹر میں جانے کے بعد، عمل شروع ہونے سے پہلے، ان کی نگاہیں تلاش کرتی ہیں کہ کوئی ہندوستانی ڈاکٹر موجود ہے یا نہیں۔ اور جیسے ہی ٹیم کے اندر چند ہندوستانی ڈاکٹر نظر آتے ہیں، انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب آپریشن ٹھیک ہو جائے گا۔ ملک نے یہی کمایا ہے۔ ہمیں اس پر فخر کرنا چاہیے۔ اور اس لیے ہمیں اسی فخر کو لے کر آگے بڑھنا ہے۔

اس کورونا میں جیسے ہندوستان نے عالمی تعلقات میں اپنی ایک الگ شناخت بنائی ہے، اسی طرح بھارت نے ہمارے وفاقی ڈھانچے کو اس کورونا دور میں ہماری موروثی طاقت کیا ہے، ہم کس طرح مشکل اوقات میں مل کر کام کر سکتے ہیں۔ ایک ہی سمت میں اپنی تمام طاقت لاگو کر کے کیسے کوشش کر سکتے ہیں؛ یہ مرکز اور ریاست نے مشترکہ طور پر کر کے دکھایا ہے۔ میں ریاستوں کو بھی،

کیوں کہ ایوان میں ریاستوں کا اپنا ذائقہ ہوتا ہے، اور اسی لیے اس ایوان میں خاص طور پر ریاستوں اور تعاون پر مبنی وفاق کو مستحکم کرنے کے کام کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اس کورونا بحران کو موقع میں بدلنے کا کام ہم سبھی نے کیا۔ لہذا، ہر ایک مبارکباد کا حقدار ہے۔ یہاں جمہوریت کے بارے میں بہت سی باتیں کی گئی ہیں۔ بہت کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن مجھے یقین نہیں ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے، ملک کا کوئی شہری اس پر اعتماد کرے گا۔ ہندوستان کی جمہوریت ایسی نہیں ہے کہ ہم اس کی جلد کو اس طرح پھاڑ سکتے ہیں۔ ہمیں ایسی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ اور میں مسٹر ڈیرک جی کی باتیں سن رہا تھا۔ اچھے اچھے الفاظ استعمال ہو رہے تھے۔ بولنے کی آزادی، دہشت ،ہاؤنڈنگ، الفاظ سنتے ہی ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بنگال کی بات کر رہے ہیں کہ ملک کے بارے میں بتا رہے ہیں؟ یہ قدرتی بات ہے کہ اگر آپ چوبیس گھنٹے وہی دیکھتے ہیں وہی سنتے ہیں تو شاید آپ نے غلطی سے وہی کچھ یہاں بتا دیا ہو گا۔ کانگریس کے ہمارے باجوہ صاحب بھی اس بار بہت اچھے انداز میں کہہ رہے تھے اور اتنا لمبا کھینچ کر بتا رہے تھے کہ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی وہ تھوڑی ہی دیر میں ایمرجنسی میں پہنچ جائیں گے۔ میں نے محسوس کیا کہ تھوڑی دیر میں ایک قدم باقی ہے، وہ 84 تک پہنچ جائیں گے، لیکن وہ وہاں نہیں گئے۔ ٹھیک ہے، کانگریس ملک کو بہت مایوس کرتی ہے، آپ نے بھی مایوس کر دیا۔

محترم چیئرمین،

میں ایک قول اس ایوان کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور خاص طور پر وہ لوگ جو جمہوریت پر شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں، وہ لوگ جو ہندوستان کی بنیادی طاقت پر شک کرتے ہیں، میں خصوصی درخواست کے ساتھ کہوں گا کہ اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ "ہماری جمہوریت کسی بھی طرح مغربی ادارہ نہیں ہے۔ یہ ایک انسانی ادارہ ہے۔ ہندوستان کی تاریخ جمہوری اداروں کی مثالوں سے بھری ہے۔ ہمیں قدیم ہندوستان میں 81 جمہوریہ کی تفصیل ملتی ہے۔ آج ضروری ہے کہ ہندوستانیوں کو ہندوستان کی قوم پرستی پر چاروں طرف سے ہونے والے حملے سے خبردار کیا جائے۔ ہندوستان کی قوم پرستی نہ تنگ ہے، نہ خود غرض اور نہ ہی جارحانہ۔ یہ ستیم شیوم سندرم کی قدروں سے متاثر ہے"۔

محترم چیئرمین،

یہ قول آزاد ہند فوج کی پہلی حکومت کے پہلے وزیر اعظم نیتا جی سبھاش چندر بوس کا ہے۔ اور اتفاق سے، ہم آج 125 ویں یوم پیدائش منا رہے ہیں۔ لیکن بدقسمتی کی بات ہے کہ ہم نیتا جی کے ان خیالات، نیتا جی کے ان جذبات، نیتا جی کے ان نظریات کو نادانستہ طور پر بھول گئے ہیں۔ اور نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج ہم نے خود کو ہی کوسنا شروع کر دیا ہے۔ میں تو کبھی کبھی حیران ہو جاتا ہوں،

دنیا ہمیں جو بھی لفظ پکڑا دیتی ہے، ہم اسے پکڑ کر چلد یتے ہیں۔ ہمیں دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت سننا بھی پسند ہے، ہاں یار ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ لیکن ہم نے اپنی نوجوان نسل کو یہ نہیں سکھایا کہ ہندوستان جمہوریت کیوں ہے۔ وہ جمہوریت کی ماں ہیں۔ ہم صرف بڑی جمہوریت ہی نہیں ہیں، یہ ملک جمہوریت کی ماں ہے۔ ہمیں اپنی آنے والی نسلوں کو یہ سبق سکھانا ہے اور ہمیں اس کو فخر کے ساتھ کہنا چاہیے کیونکہ ہمارے پرکھوں نے ہمیں وراثت بخشی ہے۔ ہندوستان کے نظم ونسق کا نظام جمہوری ہے صرف اسی وجہ سے ہم جمہوری ملک نہیں ہیں۔ ہندوستان کی ثقافت، ہندوستان کی تہذیب، ہندوستان کی روایت، ہندوستان کا ذہن جمہوری ہے لہذا ہمارا نظام جمہوری ہے۔

ایمرجنسی کے ان دنوں کو یاد کیجیے، عدلیہ کی کیا حیثیت تھی، میڈیا کیسا تھا، حکومت کی کیا حالت تھی۔ سب کچھ جیل میں تبدیل ہو چکا تھا، لیکن اس ملک کی ثقافت، ملک کے عوام، جو جمہوریت کے رنگوں میں رنگے تھے، اسے کوئی ہلا نہیں سکتا تھے۔ موقع ملنے پر انہوں نے جمہوریت کو فوراً ہی بحال کیا۔ یہ عوام کی طاقت ہے، یہ ہماری ثقافت کی طاقت ہے، یہ جمہوری اقدار کی طاقت ہے۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کون اس کے بارے میں بات کر رہا ہے، کون سی حکومت نے یہ کیا ہے، نہ ہی ایسی چیزوں میں وقت گزارنے کے لیے آپ نے مجھے یہاں بٹھایا ہے۔ ہمیں جمہوری اقدار کا تحفظ کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہے۔ خودانحصار ہندوستان کے سلسلے میں بھی تبادلہ خیال ہوا۔ میرے ساتھی دھرمیندر پردھان جینے ایک مفصل بیان دیا ہے کہ ایک خودکفیل ہندوستان کے لیے ہمارا کیا رخ ہے؟ لیکن ایک بات ٹھیک ہے کہ معاشی میدان میں بھی ہندوستان کی آج جو رسائی ہو رہی ہے۔ دنیا کے لوگ کورونا کے دور میں سرمایہ کاری کے خواہاں ہیں۔ سب چیزیں سامنے آچکی ہیں۔ لیکن ہندوستان وہیں ہے جہاں ریکارڈ سرمایہ کاری ہو رہی ہے۔ تمام حقائق بتارہے ہیں کہ بہت سارے ممالک کی معاشی صورتحال تباہ کن ہے۔ جبکہ دنیا ہندوستان میں ڈبل ڈیجیٹل نمو کی توقع کر رہی ہے۔ ایک طرف مایوسی کی فضا ہے، تو ہندوستان میں امید کی کرن نظر آرہی ہے، یہ دنیا کی طرف سے آواز اٹھ رہی ہے۔

آج بھارت کے زرمبادلہ کے ذخائر ریکارڈ سطح پر ہیں۔ آج ہندوستان میں خوراک کی پیداوار ریکارڈ سطح پر ہے۔ ہندوستان آج دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے جہاں انٹرنیٹ کے صارف موجود ہیں۔ ہندوستان میں آج یو پی آئی کے توسط سے ہر مہینے 4 لاکھ کروڑ روپے کی لین دین ڈیجیٹل ہو رہی ہے۔ یاد کیجیے، میں اسی ایوان کی تقریر میں سن رہا تھا دو سال، تین سال پہلے۔ لوگوں کے پاس موبائل کہاں ہے، لوگ ڈیجیٹل کیسے کریں گے، اس ملک کی طاقت دیکھیں، ہر ماہ 4 لاکھ کروڑ روپے! موبائل فون بنانے والے کے طور پر ہندوستان دنیا کا دوسرا بڑا ملک بن گیا ہے۔ ہندوستان میں ریکارڈ تعداد میں اسٹارٹ اپ ہیں، یونی کارن اور جس کا پوری دنیا میں نام ہونے لگا ہے۔ ہماری نوجوان نسل بھی اس دھرتی پر یہی کام کر رہی ہے۔ تجدید توانائی کے شعبے میں، ہم نے دنیا کے پہلے پانچ

ممالک میں اپنی جگہ بنالی ہے اور ہم آنے والے وقت میں اوپر ہی چڑھتے جائیں گے۔ پانی ہو، زمین ہو، آسمان ہو، خلا ہو، ہندوستان اپنی حفاظت کے لیے ہر شعبے میں اپنی طاقت کے ساتھ کھڑا ہے۔ سرجیکل اسٹرائک ہو یا ہوائی حملے، دنیا نے ہندوستان کی صلاحیت دیکھی ہے۔

محترم چیئرمین،

جب میں 2014 میں پہلی بار اس ایوان میں آیا تھا، میں اس احاطے میں آیا تھا اور جب مجھے نیتا کے طور پر منتخب کیا گیا تھا، تو میں نے اپنی پہلی تقریر میں کہا تھا کہ میری حکومت غریبوں کے لیے وقف ہے۔ میں آج دوبارہ آنے کے بعد بھی یہی چیز دہرا رہا ہوں۔ اور ہم نے نہ تو اپنی سمت بدلی ہے اور نہ ہی اپنی بات سے پھرے ہیں ہم اسی مزاج کے ساتھ کام کر رہے ہیں کیونکہ اس ملک میں آگے بڑھنے کے لیے ہمیں غربت سے آزاد رہنا ہو گا۔ ہمیں کوششیں کرتے رہنا ہو گا۔ اگر پہلے کوششیں کی گئی ہوں گی تو پھر ہمیں اس میں مزید اضافہ کرنا ہو گا، ہم رک نہیں سکتے۔ جتنا کر لیا بہت ہے، نہیں رک سکتے، ہمیں اور کرنا ہی ہو گا۔ آج مجھے خوشی ہے کہ جو بنیادی ضرورت ہے وہ زندگی کی آسانی کے لیے ہے اور جس سے اعتماد پیدا ہوتا ہے اور ایک بار غریبوں کے ذہن میں اعتماد بھر جاتا ہے، تب غریب خود غربت کے چیلنج کو طاقت دینے کے ساتھ کھڑا ہو جائے گا، غریب کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہو گا۔ یہ میرا تجربہ ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ 10 کروڑ سے زائد بیت الخلا تعمیر ہو چکے ہیں، 41 کروڑ سے زیادہ لوگوں کے کھاتے کھولے گئے ہیں۔ 2 کروڑ سے زیادہ غریبوں کے مکانات تعمیر ہوئے ہیں۔ 8 کروڑ سے زیادہ مفت گیس کنکشن دیے گئے ہیں۔ پانچ لاکھ روپے تک کا مفت علاج غریبوں کی زندگی میں ایک بڑی طاقت بن کر آیا ہے۔ ایسی بہت ساری اسکیمیں جو غریبوں کی زندگیوں میں تبدیلی لا رہی ہیں۔ نیا یقین پیدا کر رہی ہیں۔

محترم چیئرمین،

چیلنجز ہیں، اگر چیلنجز نہ ہوتے تو کہیں بھی کچھ نظر نہیں آئے گا، ایک خوشحال سے خوشحال ملک ہو اس میں بھی چیلنجز ہوتے ہیں، اس کے چیلنج مختلف ہوتے ہیں، ہمارے چیلنج مختلف قسم کے ہیں۔ لیکن ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ آیا ہم مسئلے کا حصہ بننا چاہتے ہیں یا ہم حل کا حصہ بننا چاہتے ہیں۔ بس یہ پتلی سی لکیر ہے اگر ہم مسئلے کا حصہ بن گئے تو سیاست تو چل جائے گی، لیکن اگر ہم حل کا ذریعہ بن جائیں تو سیاست کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم موجودہ نسل کے لئے سوچیں، ہمیں آنے والی

نسل کے لئے بھی سوچنا ہے۔ مشکلات ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر ہم مل کر کام کریں گے، اعتماد کے ساتھ کام کریں گے، تو ہم حالات کے ساتھ بھی بدلیں گے اور ہم مطلوبہ نتائج بھی حاصل کر سکیں گے۔ یہ میرا پختہ یقین ہے۔

محترم چیئرمین،

ایوان میں کسانوں کی تحریک پر بہت زیادہ بحث ہوئی ہے، زیادہ سے زیادہ وقت جو باتیں بتائی گئیں وہ تحریک کے بارے میں بتائی گئیں۔ ہر ایک اس پر خاموش ہے کہ یہ تحریک کس بات کو لے کر ہے۔ تحریک کیسی ہے، تحریک کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ان سب چیزوں کو بہت بتایا گیا ہے، یہ بھی ضروری ہے، لیکن بنیادی چیز جو ہے... اچھا ہوتا کہ اس پر تفصیل سے بات کی جاتی۔ جس طرح ہمارے معزز وزیر زراعت نے جو سوالات بہت اچھے انداز میں پوچھے ہیں، مجھے ان سوالوں کے جواب تو نہیں مل پائیں گے میں جانتا ہوں، لیکن انہوں نے اس موضوع پر بہت اچھی طرح سے گفتگو کی ہے۔ میں قابل احترام دیو گوڑا جی کا بہت شکر گزار ہوں۔ انہوں نے اس ساری گفتگو پر سنجیدگی سے غور کیا اور انہوں نے حکومت کی اچھی کاوشوں کو بھی سراہا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں کسانوں کے لیے کام کیا ہے اور انہوں نے حکومت کی کوششوں کو بھی سراہا ہے اور چھی تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ میں محترم دیو گوڑا جی کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محترم چیئرمین،

کھیتی کا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ اس کی جڑیں کہاں ہیں؟ میں آج سابق وزیر اعظم چودھری چرن سنگھ نے جو تفصیل سے بتایا تھا اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ بہت سارے لوگ ہیں جو چودھری چرن سنگھ کی میراث کو سنبھالنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، وہ شاید اس کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ وہ اکثر 1971 میں جو زراعت سے مردم شماری ہوئی تھی اس کا ذکر ان کی زبان میں ضرور آتا تھا۔ چودھری چرن سنگھ جی نے کیا کہا تھا... ان کا قول ہے کہ اگر کسانوں کی مردم شماری کی جائے تو، 33 فیصد کسان ایسے ہیں جن کے پاس زمین 2 بگھا سے کم ہے، 2 بگھا نہیں ہے، 2 بگھا سے بھی کم ہیں۔ 18 فیصد جو کسان کہلاتے ہیں ان کے پاس 2 بیگھا سے 4 بیگھا زمین ہے، یعنی نصف ہیکٹر سے ایک ہیکٹر... یہ 51 فیصد کسان ہیں، یہ چاہے کتنی ہی محنت کریں اپنی چھوٹی سی زمین پر ان کا گزرا ایمانداری سے نہیں ہو سکتا۔ یہ چودھری چرن سنگھ کا ایک حوالہ ہے۔ چھوٹے کاشتکاروں کی قابل رحم حالت نے ہمیشہ چودھری چرن سنگھ جی کو بہت تکلیف دی۔ انھیں ہمیشہ اس کی فکر رہتی تھی۔ اب ہم آگے دیکھیں گے۔ ایسے کاشتکار جن کے پاس ایک ہیکٹر سے بھی کم زمین ہوتے ہے، 1971 میں وہ 51 فیصد تھے، آج وہ 68 فیصد ہیں۔ یعنی ملک میں ان کسانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جن کے پاس

بہت کم زمین ہے اور اگر ہم آج چھوٹے اور پسماندہ کسانوں کو ملا دیں تو 86 فیصد سے زیادہ کسانوں کے پاس 2 ہیکٹر سے بھی کم زمین ہے۔ اور ایسے کسانوں کی تعداد 12 کروڑ ہے۔ کیا ان 12 کروڑ کسانوں کے تئیں ہماری کوئی ذمہ داری نہیں، کیا ملک کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے؟ کیا ہمیں کبھی بھی ان 12 کروڑ کسانوں کو اپنی اسکیموں کے مرکز میں رکھنا پڑے گا یا نہیں رکھنا پڑے گا؟ اس سوال کا جواب ہمارے پاس چودھری چرن سنگھ جی چھوڑ گئے ہیں... ہمیں اس کا جواب ڈھونڈنا ہو گا۔ ہمیں اس کام کے لئے چودھری چرن سنگھ جی کو سچی خراج تحسین پیش کرنے کے لیے جس کو جو موقع ملے ہر ایک کو کرنا ہو گا تب جا کر ہم یہ کر سکتے ہیں۔

اب کیا پہلے کی حکومتوں کی سوچ میں چھوٹا کسان تھا؟ اگر ہم ایک بار سوچیں تو دھیان آئے گا، میں تنقید کے لیے نہیں کہہ رہا بلکہ واقعی، ہم سب کو سوچنے کی ضرورت ہے۔ جب ہم انتخابات آتے ہی ایک پروگرام کرتے ہیں قرض معافی وہ کسان کا پروگرام ہے... یہ ووٹوں کا پروگرام ہے جسے ہر ایک اچھی طرح جانتا ہے۔ لیکن جب قرض معافی کرتے ہیں... جب چھوٹا کسان اس سے محروم رہتا ہے۔ اس کی قسمت میں کچھ نہیں آتا۔ کیونکہ قرض معافی... اس کے لئے ہے جو بینک سے قرض لیتا ہے.. غریب کسان کا بینک میں اکاؤنٹ نہیں ہوتا... وہ قرض لینے کہاں جائے گا؟ ہم نے یہ چھوٹے کسان کے لئے نہیں کیا ہے... بھلے ہی ہم نے سیاست کر لی ہو۔ ایک دو ایکڑ زمین والا کسان جس کے پاس نہ تو بینک اکاؤنٹ ہے وہ نہ تو قرض لیتا ہے اور نہ ہی اسے قرض معافی کا فائدہ ملتا ہے۔ اسی طرح پہلے کی فصل انشورنس اسکیم کیا تھی... ایک طرح سے وہ انشورنس جو بینک گارنٹی کے طور پر کام کرتا تھا اور وہ بھی چھوٹے کسان کا مقدر نہیں تھا۔ وہ بھی ان ہی کسانوں کے لیے تھا جن کے پاس بینک کا قرض تھا، انکا انشورنس تھا، بینک والوں کو بھی یقین ہو جاتا تھا، کام چل جاتا تھا۔

آج 2 ہیکٹر سے کم کتنے کسان ہوں گے جو بینک سے قرض لیں گے... آب پاشی کی سہولت بھی چھوٹے کسان کے نصیب میں نہیں ہے، بڑے کسان تو بڑا بڑا پمپ لگا دیتے تھے، ٹیوب ویل کر دیتے تھے، بجلی بھی لے لیتے تھے، اور بجلی مفت بھی مل جاتی تھی، ان کا کام چل جاتا تھا۔ چھوٹے کسان کے لیے تو سنچائی کی بھی دقت تھی۔ وہ تو ٹیوب ویل لگا ہی نہیں سکتا تھا کبھی کبھی تو اسے بڑے کسان سے پانی خریدنا پڑتا تھا۔ یوریا... بڑے کسان کو یوریا حاصل کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ چھوٹے کسان کو رات رات بھر لائن میں کھڑا رہنا پڑتا تھا۔ اس میں ڈنڈے چلتے تھے اور کبھی کبھی تو بیچارہ یوریا کے بغیر گھر واپس لوٹ جاتا تھا۔ ہم چھوٹے کسانوں کی حالت جانتے ہیں... 2014 کے بعد ہم نے کچھ تبدیلیاں کیں، ہم نے فصلوں کی انشورنس اسکیم کے دائرہ کار میں توسیع کی تاکہ کاشتکار... چھوٹے کاشتکار بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں اور اس کام کو بہت معمولی رقم سے شروع کیا اور پچھلے 4 سے 5 سالوں میں،

فصل انشورنس اسکیم کے تحت، اس کے دعویدار کسانوں کو 90 ہزار کروڑ روپے مل چکے ہیں۔ قرض معافی سے بھی اعداد و شمار بڑے ہو جاتے ہیں جی۔

پھر کسان کریڈٹ کارڈ دیکھیں۔ ہمارے یہاں کسان کریڈٹ کارڈ تھے، لیکن بڑے کسانوں کے پاس جاتے تھے اور وہ بینک سے بہت ہی کم سود پر کچھ ریاستوں میں تو صفر فیصد سود پر ان کو مل جاتے تھے پیسے اور ان کے پاس کچھ کاروبار ہوتا تھا رقم وہاں بھی لگ جاتی تھی۔ یہ چھوٹے کسان کے نصیب میں نہیں تھا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم ہندوستان کے ہر کسان کو کریڈٹ کارڈ دیں گے، نہ صرف یہ، ہم نے اس کا دائرہ ماہی گیروں تک بڑھایا ہے تاکہ وہ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اور پونے دو کروڑ سے زیادہ کسانوں تک ان کریڈٹ کارڈوں سے فائدہ اٹھا چکے ہیں اور ہم دیگر ریاستوں سے بھی مستقل طور پر اس پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کر رہے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ کسان اس سے مستفید ہو سکیں۔ اور ریاستوں کی مدد جتنی زیادہ ملے گی، اتنا ہی زیادہ کام ہو جائے گا۔ اسی طرح، ہم ایک اسکیم لے کر آئے، "پردھان منتری کسان سمنان ندھی یوجنا"۔ اس کے ذریعہ، رقم براہ راست کسان کے کھاتے میں جاتی ہے۔ اور اس غریب کسان کے پاس جس کو کبھی اس قسم کی مدد نہیں ملی۔ ایسے دس کروڑ خاندان ہیں جنھوں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔

اگر بنگال میں سیاست آڑے نہ آتی تو بنگال کے کاشتکار بھی اگر شامل ہو جاتے تو یہ تعداد اور بھی زیادہ ہو جاتی، اور اب تک 1 لاکھ 15 ہزار کروڑ روپے ان کسانوں کے کھاتے میں جا چکے ہوتے۔ یہ غریب چھوٹا کسان ہے اس کے پاس گیا ہے جو ہماری تمام اسکیموں کا مرکز نگاہ ہیں۔ سوئل ہیلتھ کارڈ ہم نے سو فیصد سوئل ہیلتھ کارڈ کے بارے میں بات کی، تاکہ ہمارے چھوٹے کسان کو اس کی زمین کیسی ہے، کس چیز کی پیداوار کے لیے ہے۔ ہم نے 100 فیصد سوئل ہیلتھ کارڈ کے لئے کام کیا، اسی طرح ہم نے یوریا کا نیم کوٹیڈ یوریا ہم نے 100 فیصد دیا۔ 100 فیصد کے پیچھے ہمارا ارادہ یہی تھا کہ کہ غریب سے غریب کسان تک بھی یوریا پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ یوریا ڈائیورٹ ہونا بند ہوا اور اس میں ہم سمجھتے ہوئے پہلی بار چھوٹے اور پسماندہ کسانوں کے لئے پنشن کی سہولت کہ اسکیم لے کر آئے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے چھوٹے کسان بھی آہستہ آہستہ آ رہے ہیں۔ اسی طرح پردھان منتری گرام سڑک یوجنا.... پردھان منتری گرام سڑک یوجنا، یہ صرف ایک سڑک نہیں ہے، کسانوں کی زندگی بدلنے کے لئے یہ ایک بہت بڑی چیز ہے۔ اور ہم نے اس بات پر بھی زور دیا کہ پہلی بار ہم نے کسان ریل کا تصور کیا۔ چھوٹے کسانوں کا سامان فروخت نہیں ہوتا تھا، آج کسان ریل کی وجہ سے گاؤں کے کسان اپنے سامان کو ممبئی کے بازار میں فروخت کرنے لگے، پھلوں اور سبزیوں کو بیچنا شروع کر دیا ہے۔ اس کا فائدہ ہو رہا ہے۔ چھوٹا کسان فائدہ اٹھا رہا ہے۔ کسان اڑان اسکیم.... کسان اڑان اسکیم کے ذریعہ، ہوائی جہاز سے جیسے ہمارے نارتھ ایسٹ جیسی بہترین چیزیں لیکن نقل و حمل کا نظام نہ ہونے کی وجہ سے وہاں کا کسان ہمارا فائدہ نہیں اٹھا پاتا تھا۔

آج اس کو کسان اڑان اسکیم کا فائدہ مل رہا ہے۔ سبھی چھوٹے کسانوں کی پریشانیوں سے واقف ہیں... وقتاً فوقتاً انھیں بااختیار بنانے کا مطالبہ بھی ہوتا رہا ہے۔

ہمارے قابل احترام شرد پوار جی اور کانگریس کے بھی ہر کسی نے... ہر حکومت نے زرعی اصلاحات کی وکالت کی ہے۔ پیچھے کوئی نہیں ہے کیونکہ سب کو لگتا ہے کہ ایسا کرنے سے قاصر رہنا الگ بات ہے، لیکن یہ ہونا چاہیے، یہ باتیں ہر ایک کی نکلی ہوئی ہیں اور آج ہی نہیں جب بھی جو جہاں تھے سب نے کی ہیں۔ اور شرد پوار جی نے تو ایک بیان بھی دیا کہ میں اصلاحات کے حق میں ہوں۔ ٹھیک ہے، اس کے طریقہ کار کے بارے میں ان کے ذہن میں ایک سوال ہے لیکن انہوں نے اصلاحات کی مخالفت نہیں کی۔ اور اسی وجہ سے مجھے لگتا ہے کہ ہمارے ساتھی مسٹر سندھیا جی یہاں بہت سارے پہلوؤں پر اس قانون کو لے کر یہاں پر باتیں کی ہیں۔ یہ تمام چیزیں گذشتہ دو دہائیوں سے مسلسل جاری ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ہمارے آنے کے بعد ہی ہوا ہے۔ سب نے کہا ہے اور اب وقت آگیا ہے۔ اب وقت آگیا ہے یہ ٹھیک ہے کہ کوما فل اسٹاپ مختلف ہو سکتا ہے، لیکن کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہے کہ ہمارے دور میں بہت اچھا تھا، میں بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہمارے وقت کی سوچ بہت اچھی ہے اور دس سال بعد کوئی سوچ آ ہی نہیں سکتی ہے۔ ایسا نہیں ہے، یہ معاشرہ تغیر پذیر ہے۔

آج کے وقت میں جو ہمیں صحیح محسوس ہوا تو چلو ہم بھی وہاں بھی بہتری لائیں گے... ہم نئی چیزوں کو شامل کریں گے، یہ ترقی کا راستہ ہوتا ہے... رکاوٹیں ڈال کر ترقی کہاں ہوتی ہے، اور اسی لیے مجھے حیرت ہوئی کہ اچانک یوٹرن لے لیا، ایسا کیا ہو گیا۔ ٹھیک ہے اب تحریک کے معاملے کو لے کر اس حکومت کو گھیر لیتے ہیں، لیکن ساتھ ہی کسانوں کو بھی کہتے ہیں کہ بھائی تبدیلی بہت ضروری ہے، بہت سال ہو گئے اب نئی چیزیں لینی ہوں گی۔ تو ملک آگے بڑھتا ہے، لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ سیاست اتنی حاوی ہو جاتی ہے کہ اپنے ہی نظریات چھوٹ جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب جو کر رہے ہیں وہ اچھا ہے۔ محترم ڈاکٹر منموہن سنگھ جی یہاں موجود ہیں، میں آج ان کا ایک اقتباس پڑھنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ جو لوگ یوٹرن کر رہے ہیں میری بات مانیں یا نہ مانیں منموہن سنگھ جی کی بات ضرور قبول کریں گے۔

"دوسری پیچیدگیاں بھی ہیں کیونکہ ہمارا پورا بازاری نظام ۱۹۳۰ کی دہائی میں قائم کیا گیا تھا جو ہمارے کسانوں کو ان جگہوں پر اپنی پیداوار فروخت کرنے سے روکتا ہے جہاں پر ان کو زیادہ سے زیادہ منافع مل سکتا ہے۔ ہمارا ارادہ ان تمام دقتوں کو دور کرنا ہے جو بھارت کو ایک بڑے ساجھا بازار کی شکل میں بے انتہا امکانات کے استعمال کے راستے کو مسدود کرتی ہیں۔"

یہ محترم منموہن سنگھ کا قول ہے۔ جناب منموہن سنگھ جی نے کسان کو پیداوار بیچنے کی آزادی دلانے، اور ہندوستان کو زرعی منڈی بنانے کے متعلق اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اور یہی کام ہم کر رہے ہیں۔ اور آپ لوگوں کو فخر ہونا چاہیے ... دیکھیں ... محترم منموہن سنگھ جی نے کہا تھا... وہ مودی کو کرنا پڑ رہا ہے۔ ارے فخر کیجیے.... اور مزے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ سیاسی بیان بازی کرتے ہیں، ان کی ریاستوں میں بھی جب انہیں موقع ملا ہے اسی میں سے آدھا ادھورا کچھ نہ کچھ کیا ہی ہے۔ یہاں مخالفت میں جو پارٹیاں شامل ہیں سب نے اپنی حکومتوں میں کوئی نہ کوئی کام آدھا ادھورا کیا ہے کہ وہ بھی جانتے ہیں کہ راستہ تو یہی ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ اس بحث میں قانون کی روح پر بات نہیں کی گئی ہے، شکایت یہی ہے کہ طریقہ ٹھیک نہیں تھا، اس کو جلدی کر دیا گیا۔ وہ تو جب خاندان میں شادی ہوتی ہے تو پھوپھی ناراض ہو کر کہتی ہیں کہ مجھے کہاں بلایا تھا، وہ تو رہتا ہے۔ اگر آپ کا اتنا بڑا کنبہ ہے تو یہ تو رہتا ہی ہے۔

اب ہم کچھ اور باتوں پر بھی دھیان دیں۔ اب دیکھیے... دودھ کی پیداوار... کسی بھی طرح کے بندھن میں نہیں بندھا ہے۔ نہ ہی مویشی پالنے والا بندھن میں بندھا ہوا ہے نہ دودھ، لیکن مزہ دیکھیے، دودھ کے میدان میں نجی یا کوآپریٹیا دونوں نے مل کر اتنی مضبوط زنجیر تشکیل دی ہے، دونوں مل کر یہ کام کر رہے ہیں۔ اور ہمارے ملک میں ایک بہت بڑا اسپلائی چین بنایا گیا ہے۔ یہ جو کیا گیا ہے اچھا ہے، اور ہم نے اسے اپنے دور میں نہیں کیا ہے آپ کو اس پر فخر ہو سکتا ہے۔ میرے کام سے پہلے بنا ہوا ہے۔ ہمیں فخر کرنا چاہیے۔ زیادہ تر منڈیوں کا پھلوں اور سبزیوں کے کاروبار سے براہ راست رابطہ رہتا ہے، منڈیوں میں مداخلت ہٹ گئی ہے، اس سے فوائد مل رہے ہیں۔ کیا ڈیری والے پھل سبزی خریدنے والے، مویشی پالکوں یا کسان کی زمین پر قبضہ ہو جاتا ہے ان کے مویشیوں پر قبضہ ہو جاتا ہے۔ دودھ بکتا ہے، مویشی نہیں بکتا ہے جی، دودھ کی صنعت کا ہمارے ملک میں بڑا تعاون ہے، زرعی معیشت کی کل مالیت کا 28 فیصد سے زیادہ یعنی، ہم زراعت پر اتنی بات کرتے ہیں، ہم اس پہلو کو بھول جاتے ہیں۔ اس میں 28 فیصد حصہ ہے۔ اور تقریباً آٹھ لاکھ کروڑ کا کاروبار ہے۔ جتنے روپے کا دودھ ہوتا ہے اس کی قیمت اناج اور دال دونوں ملا دیں تو اس سے زیادہ ہے۔ ہم اس موضوع کو کبھی نہیں دیکھتے ہیں۔ مویشی پانے والوں کو پوری آزادی، اناج اور دال پیدا کرنے والے چھوٹے اور پسماندہ کسانوں کو... جیسے مویشی پانے والوں کو آزادی ملی ہے، تو انہیں آزادی کیوں نہیں ملنی چاہئے؟ اب اگر ہمیں ان سوالات کے جواب مل گئے تو ہم سیدھے راستے پر گامزن ہوں گے۔

محترم چیئر مین،

یہ بات سچ ہے کیونکہ جیسا ہم لوگوں کی فطرت رہی ہے کہ اگر ہمیں گھر میں بھی تھوڑی سی تبدیلی کرنا پڑے تو گھر میں بھی تناؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں کرسی کیوں رکھی ہے، یہاں ٹیبل کیوں ہے... یہ گھر میں بھی ہوتا ہے۔ یہ اتنا بڑا ملک ہے اور جس طرح کی روایات کے ساتھ ہم بڑے ہوئے ہیں یہ فطری بات ہے کہ مجھے یقین ہے کہ جب بھی کوئی نئی چیز آتی ہے تو ہمیشہ تھوڑا سا کنفیوژن ہوتا ہے۔ لیکن ذرا ان دنوں کو یاد رکھیں جب گرین انقلاب کی بات ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ زرعی اصلاحات جو سبز انقلاب کے دوران رونما ہوئیں، خدشات، تحریکیں جو واقع ہوئیں، اس کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں، اور یہ دیکھنے جیسا ہے۔ زرعی اصلاحات کے لئے سخت فیصلے کرنے کے اس دور میں، شاستری جی کی حالت یہ تھی کہ ان کا کوئی ساتھی وزیر زراعت بننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ کیونکہ ایسا لگتا تھا کہ ہاتھ جل جائیں گے اور کسان ناراض ہو گئے تو سیاست مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔ یہ شاستری جی کے وقت کے واقعات ہیں، اور آخر کار شاستری جی کو مسٹر سبرامنیم جی کو وزیر زراعت بنانا پڑا تھا اور انہوں نے اصلاحات کی بات کی ، پلاننگ کمیشن نے بھی اس کی مخالفت کی تھی، مزے کی بات دیکھیے... پلاننگ کمیشن نے بھی احتجاج کیا تھا، جس میں وزارت خزانہ سمیت پوری کابینہ میں احتجاج کی آوازیں اٹھی تھیں۔ لیکن ملک کی بہتری کے لئے، شاستری جی آگے بڑھے اور بائیں بازو کی جماعتیں جو آج زبان بولتی ہیں، وہ اس وقت بھی بولتی تھیں۔ وہ یہی کہتے تھے کہ شاستری جی امریکہ کے اشارے پر یہ کر رہے ہیں۔ کانگریس یہ کام امریکہ کے کہنے پر کر رہی ہے۔ سارا دن... آج میرے اکاؤنٹ میں جمع ہے، اور نہ ہی اس سے پہلے آپ کے اکاؤنٹ میں تھا۔ ہمارے کانگریس کے نیتاؤں کو کو ہر چیز کے لیے امریکہ کا ایجنٹ کہا جاتا تھا۔ یہ سب جو بائیں بازو والے زبان بولتے ہیں، وہ اس وقت بھی یہی زبان بولتے تھے۔ زرعی اصلاحات کو چھوٹے کسانوں کو تباہ کرنے والا بتایا گیا تھا۔ ملک بھر میں ہزاروں مظاہرے کیے گئے۔ بڑی تحریک ہوئی۔ اسی ماحول میں لال بہادر شاستری جی اور اس کے بعد چلنے والی حکومت جو کرتی رہی اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم جو کبھی پی ایل-480 منگوا کر کھاتے تھے، آج ہمارے ملک کے کسان اپنی مٹی سے تیار کردہ چیزیں کھاتے ہیں۔ ریکارڈ پیداوار کے باوجود ہمارے زراعت کے شعبے میں مسائل موجود ہیں، کوئی ان سے انکار نہیں کر سکتا کہ پریشانی نہیں ہے، لیکن ہم سب کو مل کر مسائل حل کرنا ہوں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اب وقت زیادہ انتظار نہیں کرے گا۔

ہمارے رام گوپال جی نے بہت اچھی بات کہی ... انہوں نے کہا کہ ہمارے کسانوں نے کورونا لاک ڈاؤن میں بھی ریکارڈ پیداوار کیا ہے۔ حکومت نے بھی کورونا دور میں بیجوں، کھادوں، ہر چیز کی فراہمی میں کوئی کمی نہیں ہونے دی، کسی بحران کو آنے نہیں دیا اور اس کا اجتماعی نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں یہ ذخیرہ موجود تھا۔ پیداوار کی ریکارڈ خریداری بھی اس کورونا دور میں ہوئی۔

لہذا میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں نئے اقدامات ڈھونڈ کر آگے بڑھنا ہے اور جیسا کہ میں نے کہا، بہت سارے قوانین موجود ہیں، ہر قانون میں دو سال بعد، پانچ سال بعد، دو ماہ، تین ماہ کے بعد، ترمیمات ہوتی ہیں۔ ہم صرف جامد صورتحال میں زندگی گزارنے والے نہیں ہیں۔ جب اچھی تجاویز آتی ہیں تو اچھی بہتری آتی ہے۔ اور حکومت نے بھی اچھی اچھی تجاویز کو قبول کیا اور نہ صرف ہماری، ہر حکومت نے اچھی تجاویز کو قبول کیا ہے، یہی جمہوری روایت ہے۔ اور اس لیے ہم سب کو اچھا کرنے کے لیے اچھی تجاویز کے ساتھ اچھی تجاویز کی تیاری کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے۔ میں آپ سب کو دعوت دیتا ہوں۔ آیئے ہم ملک کو آگے لے جانے کے لیے، زرعی شعبے کے مسائل کو حل کرنے کے لیے، آندولن کرنے والوں کو سمجھاتے ہوئے ہمیں ملک کو آگے لے جانا ہوگا۔ ہو سکتا ہے، اگر آج نہیں تو کل جو بھی یہاں ہوگا، کسی نہ کسی کو یہ کام کرنا پڑے گا۔ آج میں نے کیا ہے، گالیاں میرے حساب میں جانے دو... لیکن یہ اچھا کام کرنے میں آج میرے ساتھ شامل ہو جائیں۔ برا ہو میرے حصے میں، اچھا ہو وہ آپ کے حصے میں... آؤ مل کر ساتھ چلیں۔ اور میں مسلسل، میرے وزیر زراعت لگاتار کسانوں سے بات کر رہے ہیں۔ اکثر ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ اور ابھی تک کوئی تناؤ پیدا نہیں ہوا ہے۔ ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوششیں جاری ہیں۔ اور ہم تحریک سے وابستہ لوگوں سے مستقل دعا کرتے ہیں کہ تحریک کرنا آپ کا حق ہے۔ لیکن اس طرح سے بزرگ لوگ وہاں بیٹھیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ آپ ان سب کو لے جایئے۔ تحریک کو ختم کیجیے، آگے بڑھنے کے لیے اکٹھے بیٹھ کر بات کریں گے۔ راستے کھلے ہیں۔ یہ ہم سب نے کہا ہے اور میں آج بھی انہیں ایوان کے توسط سے دعوت دیتا ہوں۔

محترم چیئرمین،

یہ یقینی ہے کہ ہمارے کھیتی کو خوشحال بنانے کے لئے فیصلے کرنے کا وقت ہے، یہ وقت ہمیں ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں آگے بڑھنا چاہیے.. ملک کو پیچھے نہیں لے جانا چاہئے۔ اپوزیشن ہو، تحریک کے ساتھی ہوں، ہمیں ان اصلاحات کو ایک موقع فراہم کرنا چاہئے۔ اور ایک بار یہ دیکھنا چاہئے کہ ہمیں اس تبدیلی سے فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر کوئی کمی ہے تو اسے ٹھیک کریں گے، اور اگر کہیں ڈھیلا پن ہے تو اسے مضبوط کریں گے۔ ایسا نہیں ہے کہ تمام دروازے بند ہیں... لہذا میں کہتا ہوں... میں یقین دلاتا ہوں کہ منڈیاں مزید جدید بنیں، مسابقت بڑھے گی، اس بار ہم نے بجٹ میں بھی اس کے لئے بندوبست کیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ ایم ایس پی ہے، بلکہ ایم ایس پی تھی، اور ایم ایس پی رہے گی۔ آیئے ہم اس ایوان کے تقدس کو سمجھیں... جن 80 کروڑ سے زیادہ افراد کو سستے میں راشن دیا جاتا ہے وہ بھی جاری رہنا چاہئے۔ لہذا، براہ کرم الجھن پھیلانے کے کام میں شامل نہ ہوں۔ کیونکہ ملک نے ہمیں ایک

خاص ذمہ داری دی ہے۔ ہمیں کسانوں کی آمدنی میں اضافے کے لیے دوسرے اقدامات پر بھی زور دینے کی ضرورت ہے۔ آبادی بڑھ رہی ہے۔ کنبہ کے اندر، ممبروں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ زمین کے ٹکڑے ہوتے جارہے ہیں۔ ایسی صورتحال میں کاشتکاروں پر بوجھ کم کرنے کے لئے کچھ کرنا ہوگا، اور ہم اپنے کسانوں کو روزگار کمانے کے مزید مواقع فراہم کرسکیں۔ ہمیں ان کی مشکلات پر قابو پانے کے لئے کام کرنا ہوگا اور مجھے یقین ہے کہ اگر ہم تاخیر کریں گے۔ اگر ہم اپنی ہی سیاسی چالوں میں پھنسے رہیں گے تو ہم کسانوں کو اندھیروں کی طرف دھکیل دیں گے۔ براہ کرم روشن کسانوں کے روشن مستقبل کے لیے ہمیں اس سے گریز کرنا چاہئے۔ میں سب سے درخواست کرتا ہوں۔ ہمیں اس بات کی فکر کرنی ہوگی۔

محترم چیئرمین،

ہمارے زراعت کے شعبے کے ساتھ ساتھ ڈیری اور مویشی پالن کو بھی فروغ دینے کی ضرورت ہے تاکہ ہمارے کسان ترقی کریں۔ اسی طرح ہم نے فٹ اینڈ ماؤتھ ڈیزیز کے لئے ایک بہت بڑی مہم چلائی ہے جس سے مویشی پالنے والوں، کاشتکاروں اور کاشتکار سے جڑے ہوئے لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ ہم نے ماہی گیری پر بھی زور دیا ہے، علیحدہ وزارتیں تشکیل دیں اور ماہی گیری اسکیم کے لئے 20 ہزار کروڑ کی سرمایہ کاری کی ہے۔ تاکہ اس پورے شعبے کو ایک نئی قوت مل سکے۔ سوئیٹ ریولوشن میں بہت زیادہ صلاحیتیں موجود ہیں لہٰذا ہندوستان کو اس کے لئے زیادہ زمین کی ضرورت نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر اپنے ہی کھیت کے کونے میں اسے کرتے ہیں تو وہ 40 سے 50 ہزار، لاکھ روپے، دولاکھ روپے سال میں کمالیں گے سال اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے پاس دنیا میں شہد کے لیے، اسی طرح موم کی مانگ ہے۔ بھارت موم برآمد کرسکتا ہے۔ ہم نے اس کے لئے ایک ماحول تیار کیا ہے اور اگر کسانوں کے کھیت میں کوئی چھوٹا کسان ہے تو وہ نئی آمدنی حاصل کرسکتا ہے، ہمیں اسے شامل کرنا ہوگا۔ اور سیکڑوں ایکڑ اراضی مکھیوں کے پالنے کے لئے درکار نہیں ہے۔ وہ اپنے یہاں آرام سے کرسکتا ہے۔ شمسی توانائی پمپ... شمسی توانائی سے ہم کہتے ہیں کہ اناج فراہم کرنے والا کسان اپنے کھیت میں شمسی توانائی سے توانائی پیدا کرسکتا ہے، توانائی پیدا کرنے، اپنے پانی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے شمسی پمپ چلاسکتا ہے۔ اس کے اخراجات، بوجھ کو کم کریں۔ اور اگر فصل ایک لیتی ہے تو دو لے لو، پھر تین لے لو۔ اگر آپ اسے تھوڑا سا انداز میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں تو آپ اسے تبدیل کرسکتے ہیں۔ ہم اس سمت جاسکتے ہیں۔ اور ایک چیز ہندوستان کی طاقت یہ رہی ہے کہ وہ اس طرح کے مسائل کا حل تلاش کرتا اور نئی راہیں تلاش کرتا ہے، آگے بھی راستے کھلیں گے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہندوستان کو غیر مستحکم، بے چین رکھنے کے لئے مستقل کوششیں کررہے ہیں۔ ہمیں ان لوگوں کو جاننے کی ضرورت ہے۔

ہم یہ نہ بھولیں کہ پنجاب کے ساتھ کیا ہوا۔ تقسیم ہونے پر پنجاب کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ جب 84 کے ہنگامے ہوئے، سب سے زیادہ آنسو پنجاب کے بہے، پنجاب سب سے دردناک واقعات کا شکار ہوا۔ جموں و کشمیر میں جو ہوا، بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ شمال مشرق میں بم بندوقوں اور گولیوں کا کاروبار جاری رہا۔ ان سب چیزوں نے کسی نہ کسی طرح ملک کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس کے پیچھے کون طاقتیں ہیں، ہر وقت، ہر حکومت نے اسے دیکھا ہے، اسے جانا اور اسے آزمایا ہے۔ اور اس طرح ہم ان تمام مسائل کو اس جذبے کے ساتھ حل کرنے کے لیے تیزی سے آگے بڑھے ہیں اور ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ کچھ لوگ، خاص طور پر پنجاب سے، خاص طور پر سکھ بھائیوں کے ذہنوں میں، غلط چیزیں بھرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ ملک ہر سکھ کے لئے فخر کرتا ہے۔ انہوں نے ملک کے لئے کیا نہیں کیا جتنا ہم ان کا احترام کریں گے کم ہے۔ گروؤں کی عظیم روایات میں سے... .مجھے پنجابی روٹی کھانے کا موقع ملا ہے۔ میں پنجاب میں اپنی زندگی کے اہم سال جانتا ہوں، لہذا میں جانتا ہوں۔ اور اس طرح جو زبان ان کے لیے کچھ لوگ بولتے ہیں، جو لوگ ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس سے ملک کو کبھی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور اس لئے ہمیں اس سمت میں فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

محترم چیئرمین صاحب،

ہم لوگ چند الفاظ سے کچھ زیادہ ہی واقف ہیں۔ مزدور، دانشور، ان تمام الفاظ سے واقف ہیں۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ کچھ عرصے سے، ملک میں ایک نئی برادری پیدا ہوئی ہے، ایک نئی برادری ابھری ہے اور وہ ہیں آندولن جیوی۔ آپ کو یہ گروپ نظر آئے گا۔ چاہے وکلا کی تحریک ہو، وہ وہاں نظر آئیں گے۔ طلباء کی تحریک ہے، وہ وہاں نظر آئے گا۔ کارکنوں کی تحریک ہو، وہ وہاں نظر آئیں گے، کبھی پردے کے پیچھے، کبھی پردے کے آگے۔ ایک پوری ٹیم ہے جو آندولن جیوی ہے۔ وہ تحریک کے بغیر نہیں جی سکتے اور تحریک کے ذریعے زندگی گزارنے کے طریقے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں ایسے لوگوں کی شناخت کرنی ہوگی، جو ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں اور ایک بہت بڑا نظریاتی موقف دیتے ہیں، گمراہ کرتے ہیں، نئے طریقے بتاتے ہیں۔ اس کے لئے ملک کو ان آندولن جیویوں سے بچانا چاہئے، اس کے لئے ہم سب... اور یہ ان کی طاقت ہے... ان کی کیا بات ہے، چیزیں خود کھڑی نہیں کر سکتے ہیں، اگر کسی کی چل رہی ہے تو جا کر بیٹھ جاتے ہیں... وہ اپنا جتنے دن چلے، چل جاتا ہے ان کا۔ ایسے لوگوں کی شناخت کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ یہ سب آندولن جیوی پر جیوی ہیں۔ اور یہاں سب میری باتوں سے لطف اٹھائیں گے کیونکہ جہاں بھی آپ حکومتیں چلائیں گے، آپ کو بھی ایسے پر جیوی آندولن جیویوں کا سامنا ہوگا۔ اور اسی طرح، میں اسی طرح سے ایک نئی چیز دیکھ رہا ہوں۔ ملک ترقی کر رہا ہے، ہم ایف۔ڈی۔ آئی کی بات کر رہے ہیں، فارن ڈائریکٹ انویسٹ منٹ۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ ان دنوں میدان میں

ایک نیا ایف ڈی آئی آ گیا ہے۔ یہ ملک کو نئ ایف ڈی آئی سے بچانا ہے۔ فورن ڈائریکٹ انویسٹ منٹ کی ضرورت ہے۔ لیکن جو نئ ایف ڈی آئی دیکھنے میں آرہی ہے، اس نئ ایف ڈی آئی سے لازمی طور پر گریز کرنا چاہئے، اور یہ نیا ایف۔ ڈی۔ آئی ہے فورن ڈسٹرکٹیو آئیڈولوجی، اور اسی لئے ہمیں ملک کو اس ایف ڈی آئی سے بچانے کے لئے زیادہ سے زیادہ آگاہی لانے کی ضرورت ہے۔

محترم چیئرمین،

ہمارے ملک کی ترقی کے لئے دیہی معیشت کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ دیہی معیشت ہمارے خود انحصار ہندوستان کا ایک اہم ستون ہے۔ خود پر منحصر ہندوستان، یہ سرکاری پروگرام نہیں ہو سکتا اور نہیں ہونا چاہئے۔ یہ ایک سو بیس کروڑ شہریوں کا عہد ہونا چاہئے۔ ہمیں فخر کرنا چاہئے اور اس میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے۔ اور مہاتما گاندھی جیسے عظیم آدمی نے ہمیں اس طرح کا راستہ دکھایا۔ اگر ہم وہاں سے تھوڑا سا ہٹ گئے ہیں تو پھر ہمیں اس پٹری پر واپس آنے کی ضرورت ہے، اور ہمیں خود انحصار ہندوستان کی راہ پر گامزن ہونا پڑے گا۔ اگر گاؤں اور شہر کے مابین فاصلے کو دور کرنا ہے تو اس کے لئے بھی ہمیں خود انحصار ہندوستان کی طرف بڑھنا ہو گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ جب ہم ان چیزوں کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں تو پھر ہمارے ملک کے عام آدمی کا اعتماد بڑھ جائے گا۔ جس طرح ابھی سوال جواب کے اندر آبی زندگی مشن پر تبادلہ خیال کیا جا رہا تھا- اتنے کم وقت میں تین کروڑ کنبوں کو پینے کا پانی فراہم کرنے اور نلکیوں کے رابطے فراہم کرنے کا کام ہو چکا ہے۔ خود انحصاری اسی وقت ممکن ہے جب ہر شخص معیشت میں حصہ لے۔ ہماری سونل بہن نے اپنی تقریر میں بہنوں اور بیٹیوں کی شرکت پر خصوصی توجہ دی۔

کورونا دور میں، چاہے وہ راشن ہو، مالی امداد ہو، یا مفت گیس سلنڈر۔ حکومت نے ہماری ماؤں اور بہنوں کا ہر طرح سے خیال رکھنے کی کوشش کی ہے کہ وہ تکلیف میں مبتلا نہ ہوں اور انھوں نے طاقت بن کر ان چیزوں کو سنبھالنے میں بھی مدد کی ہے۔ جس طرح اس مشکل صورتحال میں ہمارے ملک کی خواتین کی طاقت نے بڑے صبر و تحمل سے کنبہ کو سنبھالا ہے، حالات کو سنبھالا ہے، کورونا کی اس لڑائی میں ہر خاندان کی مادری طاقت نے بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اور جتنا میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اتنا ہی کم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خود انحصار کرنے میں بھی ہماری ماؤں اور بہنوں کا ایک اہم کردار ہو گا۔ آج، ہماری بیٹیوں کی شرکت جنگ کے میدان میں بھی بڑھ رہی ہے۔ جو نئے لیبر کورٹ تشکیل دیے گئے ہیں ان میں بیٹیوں کو ہر شعبے میں کام کرنے کے مساوی حقوق دیے گئے ہیں۔ مدرا یوجنا سے لیا گیا 70 فیصد قرض جو ہماری بہنوں نے لیا ہے، یعنی ایک طرح سے یہ اضافہ ہے۔ تقریبا 7 کروڑ خواتین کی شرکت سے، 60 لاکھ سے زیادہ سیلف ہیلپ گروپس آج خود انحصار ہندوستان کی کوششوں کو ایک نئ طاقت دے رہے ہیں۔

ہم ہندوستان کی نوجوانوں کی طاقت پر جتنا زیادہ زور دیں گے، ہم انھیں جتنے زیادہ مواقع فراہم کریں گے، مجھے لگتا ہے کہ وہ ایک روشن مستقبل کے لئے، ہمارے ملک، مستقبل کے لئے ایک مضبوط بنیاد بنیں گے۔ قومی تعلیمی پالیسی جو آئی ہے، قومی تعلیمی پالیسی نے ہماری نوجوان نسل کو بھی نئے مواقع دینے کی کوشش کی ہے۔ اور مجھے خوشی ہے کہ ایک طویل مدتی تعلیمی پالیسی پر تبادلہ خیال کیا گیا ہے، لیکن اس ملک میں جس طرح سے اسے تسلیم کیا گیا ہے اس سے ایک نیا یقین پیدا ہوا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ نئی تعلیمی پالیسی، نئی قومی تعلیمی پالیسی ہمارے ملک میں ایک نئے انداز میں پڑھنے کے ایک نئے انداز کے خیال کی ابتدا ہے۔

ہمارا ایم ایس ایم ای سیکٹر۔ ایم ایس ایم ای کو روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع مل رہے ہیں۔ اور جب کورونا دور میں ترغیب کی بات کی گئی تو، ایم ایس ایم ای کو بھی پوری توجہ ملی اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے ایم ایس ایم ای معاشی بحالی میں بڑا کردار ادا کر رہے ہیں اور ہم اسے آگے لے جا رہے ہیں۔

ہم شروعات سے ہی 'سب کا ساتھ، سب کا وکاس، سب کا وشواس' کے منتر پر عمل پیرا ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نارتھ ایسٹ ہو یا نکسل سے متاثرہ علاقہ، آہستہ آہستہ ہمارے مسائل کم ہوتے جا رہے ہیں، اور کم پریشانیوں کی وجہ سے خوشی اور امن کا ایک موقع ملا ہے، ترقی کے دھارے میں یہ ہمارے سبھی ساتھیوں کے آنے کا موقع مل رہا ہے اور ہندوستان کے روشن مستقبل میں مشرقی ہندوستان بہت بڑا کردار ادا کرے گا۔ اور ہم اسے مضبوطی سے لائیں گے۔

میں جناب غلام نبی جی کو سن رہا تھا۔ بہر حال، بہت نرمی، نرمی اور کبھی سخت الفاظ کا استعمال کرنا غلام نبی جی کی خصوصیت رہی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہم سبھی ممبران پارلیمنٹ کو ان سے سیکھنے جیسی چیز ہے اور میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ اور انہوں نے جموں و کشمیر میں ہونے والے انتخابات کی بھی تعریف کی۔ انہوں نے کہا کہ بہت لمبے عرصے سے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ جموں و کشمیر میرے دل میں بہت خاص ہے اور یہ فطری بات بھی ہے، ان کے دل میں یہ بات ہونا اور جموں و کشمیر پورے ہندوستان کے دل میں اسی جذبات سے بھرا ہوا ہے۔

جموں و کشمیر خود منحصر بنے گا، اس سمت میں–وہاں پنچایت کے انتخابات، بی ڈی سی انتخابات، ڈی ڈی سی انتخابات ہوئے اور ان سب کو غلام نبی جی نے سراہا ہے۔ میں اس تعریف کے لئے آپ کا بہت مشکور ہوں۔ لیکن میں ڈرتا ہوں، آپ نے تعریف کی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی پارٹی کے ممبران اسے ایک مناسب جذبے سے لیں گے، غلطی سے جی-23 کی رائے مان کر کے کہیں اسے الٹا نہ کر دیں۔

محترم چیئرمین،

کورونا کے چیلنجنگ مرحلے میں، سرحد کو بھی چیلنج کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ ہمارے بہادر فوجیوں کی ہمت اور مہارت نے ایک درست جواب دیا ہے۔ ہر ہندوستانی کو اس پر فخر ہے۔ ہمارے فوجی مشکل حالات میں ڈٹ کر کھڑے رہے ہیں۔ تمام ساتھیوں نے بھی ہمارے فوجیوں کی بہادری کی تعریف کی ہے، میں ان کا مشکور ہوں۔ ایل اے سی کے بارے میں ہندوستان کی پوزیشن بالکل واضح رہی ہے اور ملک اس کی طرف دیکھ رہا ہے اور اسے فخر بھی ہے۔ بارڈر انفراسٹرکچر اور بارڈر سیکیورٹی سے متعلق ہماری وابستگی میں کسی طرح کی نرمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جو لوگ ہمارے خیالات، ہمارے مقصد کو دیکھتے ہیں وہ اس معاملے میں ہم سے کبھی پوچھ گچھ نہیں کریں گے، وہ جانتے ہیں کہ ہم لوگ اس کے لئے ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ہم ان معاملوں میں کہیں پیچھے نہیں ہیں۔

محترم چیئرمین،

میں اس ایوان کی بہترین گفتگو کے لئے سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آخر میں میں ایک منتر کا ذکر کرکے اپنی تقریر ختم کروں گا۔ ہمارے یہاں ویدوں میں ایک عمدہ خیال پایا جاتا ہے۔ یہ منتر خود ہی ہم سب کے لئے، 36 کروڑ شہریوں کے لیے بہت بڑا حوصلہ ہے۔ ویدوں کا یہ منتر کہتا ہے:

"آیوتو اہم آیوتو میں آتما اینت میں، اینت چچھو، اینت شروترما"

یعنی، میں ایک نہیں ہوں، میں تنہا نہیں ہوں، میں اپنے ساتھ لاکھوں انسانوں کو دیکھتا ہوں اور تجربہ کرتا ہوں۔ لہذا میری روحانی طاقت کروڑوں میں ہے۔ میرے پاس لاکھوں افراد کا نظریہ، سننے کی طاقت، اور لاکھوں لوگوں کی عملی طاقت ہے۔

محترم چیئرمین،

ویدوں کے اسی جذبے سے، اسی شعور کے ساتھ، ہندوستان 130 کروڑ سے زیادہ شہریوں کے ساتھ سب کو ساتھ لے کر آگے بڑھ رہا ہے۔ آج 130 کروڑ وطن عزیز کے خواب ہندوستان کے اپنے خواب ہیں۔ آج 130 کروڑ وطن عزیز کی امنگیں اس ملک کی امنگیں ہیں۔ آج 130 کروڑ شہریوں کا مستقبل ہندوستان کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔ اور اسی طرح، جب ملک

پالیسیاں بنارہاہے، کوششیں کررہاہے، تو یہ صرف فوری طور پر منافع یا نقصان کے لیے نہیں ہے بلکہ طویل مدتی اور 2047 کے لئے ہے جب ملک آزادی کی ایک صدی کا جشن منائے گا، تب ملک کو نئی اونچائیوں پر لے جانے کے خواب کو لے کر کے یہ بنیاد رکھی جارہی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہم یقینی طور پر اس کام کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

میں ایک بار پھر قابل احترام صدر جمہوریہ صاحب کے خطاب کے لئے ان کا احترام کے ساتھ شکریہ ادا کرتا اور ان کا استقبال کرتا ہوں اور جس طرح سے ایوان میں تبادلہ خیال کیا گیا، میں آپ کو سچ کہتا ہوں، گفتگو کی سطح بھی اچھی تھی، ماحول بھی اچھا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ کسے کتنا فائدہ ہوتا ہے، مجھ پر بھی کتنا حملہ ہوا، ہر طرح سے جو بھی کہا جاسکتا ہے کہا گیا، لیکن مجھے بہت خوشی ہے کہ کم از کم میں آپ کے کام تو آیا، دیکھیے ایک تو کورونا کی وجہ سے زیادہ کہیں آنا جانا نہیں ہوتا ہوگا، پھنسے رہتے ہوں گے، اور گھر میں بھی خلش رہتی ہوگی۔ اب جب یہ غصہ یہاں نکال دیا تو آپ کا دل کتنا ہلکا ہوگیا ہوگا۔ آپ گھر کے اندر بہت زیادہ وقت خوشی خوشی گذار رہے ہوں گے۔ تو یہ خوشی جو آپ کو ملی ہے، میں اس کے لئے کام آیا، میں اسے بھی اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں، اور میں چاہوں گا کہ آپ یہ لطف مسلسل لیتے رہیے۔ بحث کرتے رہیں، مستقل بحث کرتے رہیں۔ ایون کو زندہ بنائے رکھیں، مودی ہے، موقع لیجیے۔

بہت بہت شکریہ۔

چار اراکین کو الوداع کہنے کے لیے راجیہ سبھا میں وزیر اعظم شری نریندر مودی کا خطاب

۹ فروری، ۲۰۲۱

چار اراکین کو الوداع کہنے کے لیے راجیہ سبھا میں وزیر اعظم کا خطاب

9 فروری 2021

محترم چیر مین صاحب،

اس ایوان کا حسن بڑھانے والے، ایوان میں زندگی لانے والے اور ایوان کے توسط سے عوام کی خدمت میں مصروف ایسے چار ہمارے ساتھی، اُن کی مدت کار مکمل ہونے کی وجہ سے نئے کام کی طرف قدم رکھ رہے ہیں۔

جناب غلام نبی آزاد جی، جناب شمشیر سنگھ جی، میر محمد فیاض جی، نظیر احمد جی، میں آپ چاروں شخصیتوں کو اس ایوان کا حسن بڑھانے کے لئے آپ کے تجربات کا، آپ کے علم کا ایوان کو اور ملک کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے علاقے کے مسائل کا حل نکالنے کے لئے آپ نے جو کچھ بھی تعاون کیا ہے، اس کے لئے میں سب سے پہلے تو آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میر محمد جی اور نظیر احمد جی، یہ دونوں ایسے ساتھی ہیں، ایوان میں شائد ان کی طرف بہت کم لوگوں کی توجہ گئی ہوگی۔ لیکن کوئی بھی سیشن ایسا نہیں ہوگا کہ جب مجھے، میرے چیمبر میں بیٹھ کر الگ الگ موضوعات پر انہیں سننے کا، سمجھنے کا موقع نہ ملا ہو۔ یہاں تک کہ کشمیر کی باریکیاں بھی، جب ان کے ساتھ بیٹھتا تھا، کبھی کبھی جب وہ اہل خانہ کے ساتھ بھی آتے تھے، تو متعدد پہلو وہ میرے سامنے رکھتے تھے۔ مجھے بھی اس سے بڑی توانائی ملتی تھی، تو میرا ان دونوں ساتھیوں سے ذاتی طور پر رابطہ رہا اور جو معلومات ان کے ذریعے مجھے ملتی تھی، میں اس کے لئے دل سے ان کے تعلق سے ممنونیت کا اظہار کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ان کا عہد اور ان کی صلاحیت ملک کے لئے اور خاص طور پر جموں وکشمیر کے لئے کام آئے گی۔ ملک کا اتحاد، ملک کا امن وسکون، وقار کو بڑھانے میں کام آئے گی، یہ میرا یقین ہے۔

ہمارے ایک ساتھی شمشیر سنگھ جی، اب تو یاد بھی نہیں رہا کہ کتنے برسوں سے میں ان کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں۔ کیونکہ میں تنظیم سے جڑا شخص رہا۔ اس شعبے میں میں کام کرتا تھا۔ کئی برسوں تک جموں وکشمیر میں بھی کام کرنے کا موقع ملا، تو میرے ساتھی کارکن کے طور پر کبھی کبھی ایک اسکوٹر پر سفر کرنے کا موقع ملتا تھا۔ بہت چھوٹی عمر میں، جو لوگ ایمرجنسی میں جیل گئے، ان میں شمشیر سنگھ بھی تھے۔ اس ایوان میں شمشیر جی کی موجودگی 96 فیصد رہی، یہ اپنے آپ میں ایک بڑی بات ہے، یعنی جو ذمہ داری عوام نے ان کو دی، اس کو بالکل صد فیصد ادا کرنے کی کوشش کی۔ نرم گفتار ہیں، سادہ ہیں اور مجھے یقین ہے کہ

جموں و کشمیر سے ریٹائر ہونے والے چاروں معزز ممبران کے لئے ان کی زندگی کا یہ عہد سب سے اعلیٰ عہد ہے۔ کیونکہ تاریخ نے ایک نئی کروٹ لی ہے اور جس کے وہ گواہ بنے ہیں، ہم سفر بنے ہیں، یہ ان کی زندگی کا بہت بڑا واقعہ ہے۔

جناب غلام نبی جی، مجھے فکر اس بات کی ہے کہ غلام نبی جی کے بعد اس عہدے کو جو سنبھالیں گے، انہیں غلام نبی جی سے میچ کرنے میں بہت دقت آئے گی۔ کیونکہ غلام نبی جی اپنی پارٹی کی فکر کرتے تھے، لیکن ملک اور ایوان کی بھی اتنی ہی فکر انہیں رہتی تھی۔ یہ معمولی بات نہیں ہے، یہ بہت بڑی بات ہے، ورنہ حزب اختلاف کے لیڈر کی شکل میں اپنا دبدبہ پیدا کرنا ، اس کا موہ کسی کو بھی ہو سکتا ہے، لیکن انہوں نے ایوان سے محبت کی۔ میں شر دپوار جی کو بھی اسی فہرست میں رکھتا ہوں، وہ ایوان کی اور ملک کی فکر کو اولیت دینے والے لیڈران میں سے رہے ہیں۔ غلام نبی جی نے بخوبی اس کام کو انجام دیا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ اس کورونا عہد میں ایک فلور لیڈرس کی میٹنگ کر رہا تھا تو اسی دن غلام نبی جی کا فون آیا، کہ مودی جی آپ یہ تو ٹھیک ہی کر رہے ہیں، لیکن ایک کام کیجئے تمام پارٹی کے لیڈروں کی میٹنگ ضرور بلوایئے، مجھے اچھا لگا کہ انہوں نے پارٹی لیڈرو کے ساتھ تمام پارٹی صدور کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے مشورہ دیا اور میں نے وہ میٹنگ کی اور ایسا غلام نبی جی کے مشورے پر کیا تھا۔ اور مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں، یعنی اس طرح کا ربط اور اس کی بنیادی وجہ ہے کہ انہیں دونوں طرف کا تجربہ رہا ہے، بر سر اقتدار پارٹی کا بھی اور اپوزیشن کا بھی۔ 28 سال کی مدت کار یہ اپنے آپ میں بہت بڑی بات ہوتی ہے۔

بہت سال پہلے کی بات ہے کہ شائد اٹل جی کی سرکار ہو گی، مجھے یاد نہیں رہا، میں یہاں ایوان میں کسی کام سے آیا تھا، میں تب سیاست میں نہیں تھا، یعنی یہ جو انتخابی سیاست ہوتی ہے، اس میں نہیں تھا، میں تنظیم کا کام کرتا تھا، تو میں اور غلام نبی جی ایسے لابی میں گپ شپ کر رہے تھے، صحافیوں کا جیسا مزاج ہوا کرتا ہے، وہ برابر نظر گڑائے بیٹھے تھے، کہ ان دونوں کا میل کیسے ہو سکتا ہے، ہم ہنس ہنس کر ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے، پھر جب ہم نکلے تو صحافیوں نے گھیر لیا، اس وقت غلام نبی جی نے بہت اچھا جواب دیا تھا، وہ جواب ہم لوگوں کے لئے بہت کام آنے والا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی دیکھئے آپ لوگوں نے ہم کو اخباروں میں، ٹی وی پر یا عوامی میٹنگ میں لڑتے جھگڑتے دیکھا ہو گا لیکن سچ یہ ہے کہ اس چھت کے نیچے ایک خاندان کا جو ماحول ہوتا ہے، ویسا کہیں نہیں ہوتا۔ ہم میں اتنی اپنائیت ہوتی ہے ، اتنے سکھ دکھ ہوتے ہیں، یہ جو جذبہ ہے، وہ جذبہ اپنے آپ میں بہت بڑی بات ہوتی ہے۔

غلام نبی جی کا ایک شوق شائد بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا اور کبھی ان کے ساتھ بیٹھو گے تو بتائیں گے۔ ہم سرکاری بنگلوں میں رہتے ہیں، تو بنگلہ کی دیواروں ، اپنا صوفہ سیٹ، اس کے آس پاس ہی ہمارا دماغ رہتا ہے۔ لیکن غلام جی نے اس بنگلے میں جو باغیچہ لگایا ہے، وہ ایک طرح سے وادی کشمیر کی یاد دلاتا ہے۔ کچھ اس طرح ہی باغیچہ انہوں نے لگایا ہے اور اس کا ان کو فخر بھی ہے ، وہ وقت دیتے ہیں، نئی نئی چیزیں جوڑتے ہیں اور ہر بار جب مقابلہ ہوتا ہے تو ان کا بنگلہ نمبر ون آتا ہے۔ یعنی اپنی سرکاری جگہ کو بھی پیار سے سنوارنا ، یعنی بالکل من سے انہوں نے اس کو سنبھالا ہے۔

جب آپ وزیر اعلیٰ تھے، میں بھی ایک ریاست کے وزیر اعلیٰ کے طور پر کام کرتا تھا۔ ہماری بہت گہری رفاقت رہی ہے اس دور میں، شائد ہی کوئی ایسا واقعہ ڈھونڈنے سے مل سکتا ہے، کہ جب ہم دونوں کے درمیان کوئی رابطے کا پل نہ رہا ہو۔ جموں وکشمیر میں جانے والے سیاحوں میں گجرات کا بڑا نمبر رہتا ہے۔ ایک بار گجرات کے مسافروں پر دہشت گردوں نے حملہ کر دیا تھا۔ تقریباً 8 لوگ مارے گئے تھے۔ سب سے پہلے غلام نبی جی کا فون میرے پاس آیا اور وہ فون محض اطلاع دینے کے لئے نہیں تھا، فون پر ان کے آنسو رک نہیں رہے تھے، اس وقت پرنب مکھر جی صاحب وزیر دفاع تھے، میں نے ان کو فون کیا اور کہا کہ صاحب اگر مرنے والوں کی لاشیں لانے کے لئے فوج کا جہاز مل جائے، رات دیر ہو گئی تھی، مکھر جی صاحب نے کہا کہ آپ فکر مت کیجئے میں انتظام کرتا ہوں۔ لیکن رات میں ایک بار پھر غلام نبی جی کا فون آیا وہ ایئرپورٹ پر تھے، اس رات کو ایئرپورٹ سے انہوں نے مجھے فون کیا اور اس طرح اپنے خاندان کے فرد کی فکر کرتے ہیں، ویسی ہی فکر انہیں تھی۔

عہدہ، اقتدار زندگی میں آتے رہتے ہیں، لیکن میں نے اسے کیسے پچپانا ہے، میرے لئے وہ بڑا جذباتی لمحہ تھا، دوسرے دن صبح فون آیا کہ مودی جی، وہ سارے لوگ پہنچ گئے ؟ اس لئے ایک دوست کے طور پر واقعات اور تجربات کی بنیاد پر میں ان کا احترام کرتا ہوں اور مجھے پورا یقین ہے کہ ان کی خاکساری، ان کی نرم مزاجی، اس ملک کے لئے کچھ کر گزرنے کی ان کی خواہش، ان کو کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دے گی۔ مجھے اعتماد ہے کہ وہ جو بھی ذمہ داری سنبھالیں گے، اس کی اہمیت میں اضافہ کریں گے، تعاون دیں گے اور ملک اس سے مستفید ہوگا، ایسا میرا پختہ یقین ہے۔ میں ایک بار پھر ان کی خدمات کے لئے احترام کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں اور ذاتی طور پر بھی میری ان سے یہ گزارش ہوگی کہ اس بات کو کبھی دل سے تسلیم مت کریں کہ اب آپ اس ایوان میں نہیں ہیں۔ آپ کے لئے میرے دروازے ہمیشہ کھلے ہیں، ان چاروں معزز ممبران کے لئے کھلے ہیں، آپ کے خیالات، آپ کے مشورے ضروری ہیں، کیونکہ ملک کے لئے یہ سب ضروری ہوتا ہے۔ یہ تجربہ بہت کام آتا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ کا یہ تجربہ مجھے ملتا رہے گا۔ آپ کو میں سبکدوش تو ہونے نہیں دوں گا۔ ایک بار پھر بہت بہت نیک خواہشات۔

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر 'شکریہ کی تحریک' پر وزیر اعظم شری نریندر مودی کا جواب

۱۰ فروری، ۲۰۲۱

لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبے پر شکریے کی تحریک پر وزیر اعظم کا جواب

10 فروری 2021

عزت مآب اسپیکر صاحب،

میں راشٹر پتی جی کے حوصلہ افزا خطاب پر شکریہ کی تحریک کی بحث میں شریک ہونے کے لئے اور صدر جمہوریہ جی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے کچھ باتیں پیش کروں گا۔ راشٹر پتی جی کا خطاب بھارت کے 130 کروڑ شہریوں کے عزم اور طاقت کا متعارف ہے۔ مشکل اور نامساعد دور میں بھی یہ ملک کس طرح سے اپنا راستہ چنتا ہے، راستہ طے کرتا ہے اور راستے پر کامیابی حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ یہ ساری باتیں تفصیل سے راشٹر پتی جی نے اپنے خطاب میں کہی ہیں۔ ان کا ایک ایک لفظ ملک کے لوگوں میں ایک نیا اعتماد پیدا کرنے والا ہے اور ہر کسی کے دل میں ملک کے لئے کچھ کرنے کی تحریک پیدا کرنے والا ہے اور اس لئے ہم جتنا ان کا شکریہ ادا کریں اتنا کم ہے۔ اس ایوان میں بھی 15 گھنٹے سے زیادہ بحث ہوئی ہے۔ رات کو 12-12 بجے تک ہمارے سبھی معزز ممبران پارلیمنٹ نے اس شعور کو بیدار رکھا ہے۔ بحث کو نتیجہ خیز اور بامعنی بنایا ہے۔ اس بحث میں حصہ لینے والے سبھی معزز ارکان کا میں تہہ دل سے ادا کرتا ہوں۔ میں خاص طور سے اپنی خاتون ممبران پارلیمنٹ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس بحث میں اُن کی حصہ داری بھی زیادہ تھی۔ فکر کی دھار بھی تھی، ریسرچ کرکے باتیں رکھنے کی اُن کی کوشش تھی اور اپنے آپ کو اس طرح سے تیار کرکے انہوں نے اس ایوان کو مالا مال کیا ہے۔ بحث کو مالا مال کیا ہے اور اس لئے ان کی یہ تیاری، ان کی دلیل اور ان کی سمجھ بوجھ اس کے لئے میں خاص طور سے خاتون ممبران پارلیمنٹ کا استقبال اور شکریہ ادا کرتا ہوں۔

عزت مآب اسپیکر صاحب،

ہندوستان کی آزادی کے 75 ویں سال میں ایک طرح سے ہم ابھی دروازے پر دستک دے ہی رہے ہیں۔ 75 سال کا پڑاؤ ہر ہندوستانی کے لئے فخر کا ہے اور آگے بڑھنے کے تیوہار کا بھی ہے اور اس لئے سماجی بندوبست میں ہم کہیں پر بھی ہوں، ملک کے کسی بھی کونے میں ہوں، سماجی، اقتصادی نظام میں ہمارا مقام کہیں پر بھی ہو، لیکن ہم سب نے مل کر کے آزادی کے اس تیوہار سے ایک نئی تحریک حاصل کر کے ، نئے عزائم لے کر کے 2047، جب ملک آزادی کے 100 سال منائے گا۔ ہم اس 100 سال کے ہندوستان کے آزادی کے سفر کے 25 سال ہمارے سامنے ہیں۔ ان 25 سال کو ہمیں ملک کو کہاں لے جانا ہے، دنیا میں اس ملک کی

موجودگی کہاں کرنی ہے، یہ عزم ملک کے ہر باشندے کے دل میں ہو۔ یہ ماحول کا کام اس احاطے کا ہے، اس مقدس زمین کا ہے، اس پنچایت کا ہے۔

عزت مآب اسپیکر صاحب،

ملک جب آزاد ہوا اور آخری برٹش کمانڈر تھے وہ یہاں سے جب گئے تو آخر میں وہ یہ کہتے رہتے تھے کہ ہندوستان کئی ملکوں کا براعظم ہے اور کوئی بھی اسے ایک قوم کبھی نہیں بنا پائے گا۔ یہ اعلانات ہوئے تھے لیکن ہندوستان کے لوگوں نے اس اندیشے کو ختم کیا۔ جن کے دل میں اس طرح کے شکوک وشبہات تھے اس کو ختم کر دیا اور ہم اپنے ذریعہ معاش، اپنی ثقافتی یکجہتی، اپنی روایات آج دنیا کے سامنے ایک قوم کی شکل میں کھڑے ہیں اور دنیا کے لئے امید کی کرن بن کے کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ 75 سال کے ہمارے سفر میں ہوا۔ کچھ لوگ یہ کہتے تھے ' انڈیا از اے میریکل ڈیموکریسی ' ، یہ وہم بھی ہم نے توڑا ہے۔ جمہوریت ہماری رگوں میں، ہماری سانس میں اس طرح سے بسی ہوئی۔ ہماری ہر سوچ، ہر پہل، ہر کوشش، جمہوریت کے جذبے سے پُر رہتی ہے۔ اس بات کو ہم نے کئی چناؤ آئے، کئی اقتدار میں تبدیلی ہوئی، بڑی آسانی سے اقتدار منتقل ہوئے اور تبدیل شدہ نظام اقتدار کو بھی سب نے دل سے تسلیم کر کے آگے بڑھایا۔

75 سال کا یہ سلسلہ رہا ہے۔ یہ ملک جمہوری قدروں اور تنوع سے بھرا ملک ہے۔ سیکڑوں زبانیں، ہزاروں بولیاں، طرح طرح کے ملبوسات، کیا کچھ نہیں ہے، تنوع سے بھرا ہوا۔ اس کے باوجود ہم نے ایک ہدف، ایک راہ اختیار کر کے دکھایا ہے۔ آج جب ہم ہندوستان کی بات کرتے ہیں، تو فطری طور پر سوامی وویکانند جی نے جو بات کہی تھی، اس کو میں ضرور یاد کرنا چاہوں گا۔ وویکانند جی نے کہا تھا کہ ' ایوری نیشن ہیز اے میسیج ٹو ڈیلیور، اے مشن ٹو فُلفِل، اے ڈسٹنی ٹو ریچ '، یعنی ہر قوم کے پاس ایک پیغام ہوتا ہے، جو اسے پہنچانا ہوتا ہے۔ ہر قوم کا ایک مشن ہوتا ہے، جو اسے حاصل کرنا ہوتا ہے، ہر قوم کا ایک مقدر ہوتا ہے، جہاں اسے پہنچنا ہوتا ہے۔ کورونا کے درمیان ہندوستان نے جس طرح سے اپنے آپ کو سنبھالا اور دنیا کو سنبھلنے میں مدد کی، ایک طرح سے ٹرننگ پوائنٹ ہے۔ جن جذبات کو لے کر کے، جس تہذیب کو لے کر کے وید سے وویکانند تک ہم پلے بڑھے ہیں، وہ ہیں:

سروے بھونتو سُکھِنہ، سروے بھونتو سکھنہ، سروے سنتو نِرامیا۔

یہ کورونا دور میں ہندوستان نے اس کو کر کے دکھایا ہے اور ہندوستان نے ایک خود کفیل ہندوستان کی شکل میں جس طرح سے ایک کے بعد ایک ٹھوس قدم اٹھائے ہیں اور عوام نے اٹھائے ہیں۔ لیکن ہم اُن دنوں کو یاد کریں کہ جب دوسری عالمی جنگ ختم ہوئی تھی، دو عالمی جنگ نے دنیا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ انسانیت اور انسانی اقدار بحران کا شکار تھے۔ ہر سو مایوسی چھائی ہوئی تھی اور دوسری عالمی جنگ کے بعد پوسٹ ورلڈ وار دنیا نے ایک نیو ورڈ آرڈر اختیار کر لیا تھا۔ امن کی راہ پر چلنے کا حلف لئے، فوجی تعاون، اس منتر کو لے کر کہ دنیا کے اندر تصورات مضبوط ہوتے گئے ہیں۔ یو این کا قیام عمل میں آیا، انسٹی ٹیوشنز بنے، طرح طرح کے میکانزم تیار ہوئے، تاکہ دنیا کو پوسٹ ورلڈ وار کے بعد ایک بہتر طریقے سے امن کی سمت میں لے جایا جائے۔ لیکن نتیجہ کچھ اور نکلا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں امن کی بات ہر کوئی کرنے لگا۔ پوسٹ ورلڈ وار امن کی باتوں کے بیچ بھی ہر کوئی جس کی طاقت تھی اپنی فوجی طاقت بڑھانے لگا۔ ورلڈ وار کے پہلے دنیا کے پاس جو فوجی طاقت تھی۔ یو این کے بعد وہ فوجی طاقت کئی گنا بڑھ گئی۔ چھوٹے موٹے ملک بھی فوجی طاقت کی مسابقت میں آنے لگ گئے۔ امن کی بات بہت ہوئی لیکن حقیقی بات کو دنیا کو تسلیم کرنا ہو گا کہ فوجی طاقت کی طرف بڑی بڑی طاقتیں زور وشور سے چل پڑیں۔ جتنے اختراع ہوئے، تحقیق ہوئی، وہ اسی دور میں ہوئیں، فوجی طاقت کے لئے، پوسٹ کورونا بھی ایک نیا ورلڈ آرڈر نظر آ رہا ہے۔ کورونا کے بعد دنیا میں ایک نئے رشتوں کا ماحول شیپ لے گا۔

اب ہمیں طے کرنا ہے کہ ہم ورلڈ وار کے بعد ایک خاموش تماشائی کے طور پر بدلتی ہوئی دنیا کو دیکھتے رہے اور اپنے آپ کو کہیں ایڈجسٹ کر سکتے ہیں، تو کرنے کی کوشش کریں۔ ہمارے لئے وہ دور بھی ویسا ہی تھا، لیکن آج پوسٹ کورونا جو نیا ورلڈ آرڈر تیار ہو گا اور ہونا ہی ہے۔ کس طرح کا ہو گا، کیسا ہو گا، کون اس کو انیشیئیٹ کرے گا، وہ تو وقت بتائے گا، لیکن دنیا نے جس طرح سے بحران کو جھیلا ہے۔ دنیا اس پر سوچنے کے لئے مجبور ہوئی ہے۔ ایسی حالت میں ہندوستان دنیا سے کٹ کر نہیں رہ سکتا۔ ہندوستان ایک کونے میں گزارہ نہیں کر سکتا ہے۔ ہمیں بھی ایک مضبوط پلیئر کے طور پر ابھرنا ہو گا۔ لیکن صرف آبادی کی بنیاد پر ہم دنیا میں اپنی مضبوطی کا دعویٰ نہیں کر پائیں گے۔ وہ ایک طاقت ضرور ہے، لیکن ملک محض اتنی طاقت سے نہیں چلتا ہے۔ نئے ورلڈ آرڈر میں ہندوستان کو اپنی جگہ بنانے کے لئے ہندوستان کو اور مضبوط ہونا پڑے گا، اہل ہونا پڑے گا اور اس کا راستہ ہے آتم نر بھر بھارت۔ آج فارمیسی میں ہم آتم نر بھر ہیں۔ ہم دنیا کی فلاح کے کام آتے ہیں۔ ہندوستان جتنا آتم نر بھر بنے گا اور جس کی رگوں میں 'سروے بھونتو سکھنہ' کا منتر جڑا ہوا ہے، وہ جتنا اہل ہو گا، انسانیت کی فلاح کے لئے دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے ایک بہت بڑا رول ادا کر سکے گا اور اسی لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم آتم نر بھر بھارت، اس تصور پر زور دیں اور ہم یہ مان کر چلیں، یہ کسی نظام حکومت کا تصور نہیں ہے، یہ کسی سیاسی رہنما کا تصور نہیں ہے۔ آج ہندوستان کے ہر کونے میں 'ووکل فار لوکل، ووکل فار لوکل' سنائی دے رہا

ہے اور آج لوگ کسی چیز کو ہاتھ لگاتے دیکھتے ہیں لوکل ہے یا نہیں۔ یہ عزت نفس کا جذبہ آتم نر بھر ہندوستان کے لئے بہت کام آ رہا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہم سب کی سوچ، ہماری پالیسیاں، ہمارے فیصلے ہندوستان کو آتم نر بھر بنانے کے لئے جو بھی ضروری تبدیلی ہو، اس تبدیلی کی طرف ہونی چاہئے، یہ میرا خیال ہے۔

اس بحث کے اندر تقریباً سبھی معزز اراکین نے کورونا پر بات کی ہے۔ یہ ہمارے لئے اطمینان کا باعث ہے، فخر کا باعث ہے کہ کورونا کی وجہ سے کتنی بڑی مصیبت آئی، یہ جو دنیا میں قیاس آرائی کی جا رہی تھی، بہت بڑے بڑے ایکسپرٹ نے اندازے لگائے تھے۔ ہندوستان میں بھی ایک خوف کا ماحول پیدا کرنے کے لئے حتی الامکان کوشش بھی ہوئی تھی اور یہ ایک اَن نون اینیمی تھا، تو یقین سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ یقین کے ساتھ کوئی کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک ایسے اَن نون اینیمی کے خلاف لڑنا تھا اور اتنا بڑا ملک، اتنی گھنی آبادی والا ملک، اتنے کم بندوبست والا ملک، دنیا کو شک ہونا فطری بات بھی تھی، کیونکہ دنیا کے بڑے بڑے ملک کورونا کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے تھے۔ تب ہندوستان کیسے ٹِک پائے گا، اب ہندوستان ایک بار حالت خراب ہو گئی، تو دنیا کو کوئی نہیں بچا پائے گا، یہ اندازہ بھی لوگ لگا رہے تھے۔ ایسے میں یہ 130 کروڑ عوام کی اس ڈسپلن، ان کی لگن، اس نے آج ہمیں بچا کے رکھا ہے۔ کریڈٹ گوز ٹو 130 کروڑ ہندوستانی اور ہمیں اس پر فخر کرنا چاہیئے۔ ہندوستان کی پہچان بنانے کے لئے یہ بھی ایک موقع ہے۔ ہم آپ کو کوستے رہ کر کہ کہیں دنیا ہمیں تسلیم کرے، یہ کبھی ممکن نہیں ہوتا ہے۔ ہم گھر میں بیٹھ کر کے اپنی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے، خامیوں کو ٹھیک کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن یقین کے ساتھ دنیا کے سامنے جانے کا تجربہ بھی رکھیں گے۔ تب جا کر کے دنیا ہمیں تسلیم کرے گی۔ اگر آپ اپنے بچوں کو گھر میں نہیں تسلیم کرتے ہو اور چاہو گے محلے میں بچہ تسلیم کرے، کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ دنیا کا اصول ہے اور اس لئے ہمیں اس بات کو کرنا چاہیئے۔

جناب منیش تیواری جی نے ایک بات کہی۔ انہوں نے کہا کہ بھگوان کی کرپا ہے کورونا میں ہم بچ گئے۔ میں اس بات سے ضرور کچھ کہنا چاہوں گا۔ یہ بھگوان کی ہی کرپا ہے، جس کی وجہ سے اتنی بڑی دنیا ہل گئی، ہم بچ گئے۔ بھگوان کی کرپا ہی ہے۔ کیونکہ وہ ڈاکٹرز، وہ نرس بھگوان کی شکل میں آئے تھے۔ کیونکہ وہ ڈاکٹرس وہ نرس اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو شام کو گھر لوٹوں گا، کہہ کر کے جاتے تھے۔ 15-15 دن لوٹ نہیں سکتے تھے۔ وہ بھگوان کا روپ لے کر کہتے تھے، ہم کورونا سے جیت پائے، کیونکہ یہ ہمارے صفائی ملازمین موت اور زندگی کا کھیل ان کے لئے بھی تھا، لیکن جس مریض کے پاس کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ میرا صفائی ملازم وہاں جا کر کے اس کو صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کرتا تھا، بھگوان کا روپ سے صفائی کارکن کے روپ میں آیا تھا۔ کوئی ایمبولینس چلانے والا ڈرائیور پڑھا لکھا نہیں تھا۔ اس کو پتہ تھا میں جس کو لے کر کے جا رہا ہوں، وہ کورونا پازیٹیو ہے، وہ ایمبولینس کا ڈرائیور بھگوان کے

روپ میں آیا تھا اور اس لئے بھگوان کا روپ ہی تھا، جس نے ہمیں بچایا ہے، لیکن بھگوان الگ الگ روپ میں آیا تھا اور جتنی ہم ان کی تعریف کریں، جتنا ہم ان کا قصیدہ پڑھیں گے، ملک کی کامیابی کا قصیدہ پڑھیں، ہمارے اندر بھی ایک نئی طاقت پیدا ہو گی۔ کئی وجوہات سے جن لوگوں کے اندر مایوسی پھیل چکی ہے، ان کو بھی کہتا ہوں کہ کچھ پل کے لئے 130 کروڑ عوام کی اس جرأت کو یاد کیجئے۔ آپ کے اندر بھی توانائی آجائے گی۔

عزت مآب اسپیکر صاحب،

یہ کورونا دور ایسی کسوٹی کا سبب تھا، جس میں سچی کسوٹی تب ہوتی تھی، جب بحران ہوتا ہے۔ عام طور پر بہت جلد ذہن میں نہیں آتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں کورونا میں جو ہوا، وہ تو ہے، لیکن ان میں سے ہر ایک نے طے کیا کہ وہ اپنے شہریوں کو براہ راست پیسے پہنچائیں گے تا کہ اس بحران کی گھڑی میں ان کے شہریوں کو مدد ملے۔ آپ کو جان کر تعجب ہو گا، دنیا کے بہت سارے ملک اس کورونا، لاک ڈاؤن، کرفیو، اندیشوں، اس ماحول کی وجہ سے چاہتے ہوئے بھی خزانے میں پاؤنڈ اور ڈالر کے ڈھیر ہونے کے باوجود بھی اپنے شہریوں تک نہیں پہنچا پائے۔ بینک بند، پوسٹ بند، نظام بند، کچھ نہیں کر پائے۔ ارادہ تھا، اعلانات بھی ہوئے، یہ ہندوستان ہے کہ جو اس کورونا دور میں بھی تقریباً 75 کروڑ سے زیادہ ہندوستانیوں کو راشن پہنچا سکا۔ 8 مہینے تک راشن پہنچا سکا۔ یہی ہندوستان ہے، جس نے جن دھن، آدھار اور موبائل کے ذریعے 2 لاکھ کروڑ روپے اس دور میں لوگوں تک پہنچا دیا اور بدقسمتی دیکھئے جو آدھار، جو موبائل، یہ جن دھن اکاؤنٹ اتنا غریبوں کے کام آیا، لیکن کبھی کبھی سوچتے ہیں کہ آدھار کو روکنے کے لئے کون لوگ کورٹ گئے تھے، کون لوگ سپریم کورٹ کے دروازے کھٹکھٹا رہے تھے۔ میں کبھی کبھی حیران ہوں اور آج میں اس بات کو بار بار کہوں گا، ادھیکش جی مجھے معاف کرنا، مجھے ایک منٹ کی مہلت دینے کے لئے، میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں، اس ایوان میں کبھی کبھی لاعلمی بھی بڑی مصیبت پیدا کرتی ہے۔

عزت مآب اسپیکر صاحب،

ٹھیلے والے، ریہڑی پٹری والے لوگ، اس کورونا دور میں ان کو بھی رقم ملی، ان کو پیسے ملے، یہ ان کے لئے کیا گیا اور ہم کر پائے۔ عزت مآب اسپیکر صاحب ہماری معیشت، اس دور میں بھی ہم نے ریفارم کا سلسلہ جاری رکھا اور ہم اس ارادے سے چلے کہ ہندوستان جیسی معیشت کو ابھارنے کے لئے، باہر لانے کے لئے ہمیں کچھ اہم قدم اٹھانے پڑیں گے اور آپ نے دیکھا ہو گا، پہلے

دن سے ہی کئی طرح سے ریفارم کے قدم ہم نے اٹھائے اور اس کا نتیجہ ہے، آج ٹریکٹر ہو، گاڑیاں ہوں، اس کی ریکارڈ سیل ہو رہی ہے۔ آج جی ایس ٹی کا کلیکشن ایور ہائی ایسٹ ہوا ہے۔ یہ سارے اعداد و شمار ہماری معیشت میں جوش بھر رہے ہیں، یہ دکھا رہا ہے کہ نئے جوش کے ساتھ ہندوستان کی معیشت ابھر رہی ہے اور دنیا کے جو لوگ ہیں، انہوں نے یہ اندازہ بھی لگایا ہے کہ تقریباً 2 ڈیجٹ والی نمو ضرور ہوگی۔ دو ڈیجٹ گروتھ کے امکانات سبھی پنڈتوں نے ظاہر کئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اس کی وجہ سے اس بحران کے دور میں بھی مصیبتوں کے بیچ سے بھی لوگوں کو امید کے مطابق ملک ترقی کرے گا۔

عزت مآب اسپیکر صاحب،

اس کورونا دور میں تین زرعی قوانین بھی لائے گئے۔ یہ زرعی اصلاحات کا سلسلہ انتہائی ضروری ہے، بہت ہی اہم ہے اور برسوں سے جو ہمارا زرعی سیکٹر چیلنج محسوس کر رہا ہے، اس کو باہر لانے کے لئے ہمیں کوشش کرنی ہوگی اور کرنے کی سمت میں ہم نے ایک ایمانداری سے کوشش کی ہے، جو آئندہ چیلنجز، جن کو کئی ماہرین نے کہا ہوا ہے، کوئی میرے الفاظ نہیں ہیں، زرعی سیکٹر کے ان چیلنجز کو ہمیں ابھی سے ڈیل کرنا پڑے گا اور اس کو کرنے کے لئے ہم کوشش کی ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ یہاں پر جو بحث ہوئی اور خاص طور سے جو ہمارے کانگریس کے ساتھیوں نے بحث کی، میں یہ تو دیکھ رہا تھا کہ وہ قانون کے کلر پر تو بہت بحث کر رہے تھے، بلیک ہے کہ وائٹ ہے، بلیک ہے کہ وائٹ ہے، اچھا ہوتا اس کے کنٹینٹ پر بحث کرتے، اچھا ہوتا اس کے انٹینٹ پر بحث کرتے تاکہ ملک کے کسانوں کو بھی صحیح چیز پہنچ سکتی تھی اور مجھے یقین ہے کہ دادا نے بھی تقریر کی اور مجھے لگتا ہے کہ دادا تو بہت مشق کر کے آئے ہوں گے، بہت اچھی بات بتائیں گے لیکن وہ زیادہ تر وزیراعظم اور ان کے ساتھی بنگال میں یاترا کیوں کر رہے ہیں، کیسے کر رہے ہیں، کہاں جا رہے ہیں، اس میں لگے رہے۔ تو دادا کے علم سے ہم اس بار محروم رہ گئے۔ خیر چناؤ کے بعد اگر آپ کے پاس موقع ہوگا، تو یہ کتنی اہم ریاست ہے، اس لئے تو ہم کر رہے ہیں۔ ہاں، آپ لوگوں نے اس کو کتنا پیچھے چھوڑ دیا، ہم تو اس کو اہمیت دینا چاہتے ہیں۔ ہم ایک بات سمجھیں، جہاں تک تحریک کا سوال ہے، دہلی کے باہر ہمارے جو کسان بھائی بہن بیٹھے ہیں، جو بھی غلط تصورات قائم کئے گئے ہیں، جو افواہیں پھیلائی گئیں، اس کے شکار ہوئے ہیں۔ میری تقریر کے بعد سب کیجئے آپ، آپ کو موقع ملا تھا، آپ تو ایسے الفاظ ان کے لئے بول سکتے ہیں، ہم نہیں بول سکتے۔ ہمارے جناب کیلاش چودھری جی نے اور دیکھئے میں کتنی سیوا کرتا ہوں آپ کی، آپ کو جہاں رجسٹر کروانا تھا ہو گیا۔

عزت مآب اسپیکر صاحب،

احتجاج کر رہے سبھی کسان ساتھیوں کے جذبات کا یہ ایوان بھی اور یہ سرکار بھی احترام کرتی ہے، احترام کرتی رہے گی اور اس لئے سرکار کے سینئر وزرا، جب یہ مظاہرہ پنجاب میں تھا تب بھی اور بعد میں بھی، لگاتار ان سے بات چیت کر رہے ہیں۔ کسانوں کے تئیں احترام کے ساتھ کر رہے ہیں۔ احترام کے جذبے کے ساتھ کر رہے ہیں۔

عزت مآب اسپیکر صاحب، مسلسل بات چیت ہوتی رہی ہے اور جب پنجاب میں تحریک جاری تھی، اس وقت بھی ہوئی ہے۔ دہلی آنے کے بعد ہوئی، ایسا نہیں ہے۔ بات چیت میں کسانوں کے اندیشے کیا ہیں، انہیں تلاش کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی گئی۔ ان سے لگاتار کہا گیا کہ ہم ایک-ایک مسئلے پر بات چیت کریں گے۔ نریندر سنگھ تومر جی نے اس سلسلے میں تفصیل سے بتایا بھی ہے۔ راجیہ سبھا میں تو کلاز بائی کلاز بحث کرنے کے لئے کہا ہے اور ہم مانتے ہیں کہ اگر اس میں کوئی کمی ہو اور حقیقت میں کسان کا نقصان ہو، تو بدل دینے میں کیا جاتا ہے۔ یہ ملک عوام کے لئے ہے۔ اگر کوئی فیصلہ کرتے ہیں، تو کسانوں کے لئے ہے، لیکن ہم انتظار کرتے ہیں، ابھی بھی انتظار کرتے ہیں کہ وہ اگر کوئی چیز اسپیسفک بتاتے ہیں اور اگر وہ کنونسنگ ہے، تو ہمیں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس لئے ہم جب شروع میں، وہ جب پنجاب میں تھے، یہ آرڈیننس کے ذریعے ہی تینوں قانون نافذ کئے گئے تھے۔ بعد میں پارلیمنٹ میں منظور ہوئے۔ قانون نافذ ہونے کے بعد نہ ملک میں کوئی منڈی بند ہوئی ہے، قانون نافذ ہونے کے بعد نہ کہیں ایم ایس پی بند ہوئی ہے۔ یہ سچائی ہے، جسے ہم چھپا کر باتیں کرتے ہیں، جس کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ اتنا ہی نہیں، ایم ایس پی کی خرید بھی بڑھی ہے اور قانون نئے بننے کے بعد بڑھی ہے۔

عزت مآب اسپیکر صاحب،

یہ شور شرابہ، یہ آواز، یہ رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش ایک سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت ہو رہی ہے اور سوچی سمجھی حکمت عملی یہ ہے کہ جو جھوٹ پھیلایا ہے، جو افواہیں پھیلائی ہیں، اس کا پردہ فاش ہو جائے گا۔ سچائی وہاں پہنچ جائے گی، تو ان کا ٹکنا محال ہو جائے گا اور اس لئے شور شرابہ کرتے رہو، جیسا باہر کرتے تھے، ایسا اندر بھی کرتے رہو، یہی کھیل چلتا رہا ہے، لیکن اس سے آپ کبھی بھی آپ لوگوں کا اعتماد حاصل نہیں کر پائیں گے، یہ مان کر چلو۔ عزت مآب اسپیکر صاحب، آرڈیننس کے بعد اور پارلیمنٹ میں قانون بننے کے بعد کسی بھی کسان سے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ پہلے جو حق ان کے پاس تھے، جو نظام ان کے پاس تھے،

پرانا ہے۔ کیا ہوا ہے، ایک اضافی متبادل نظام ملا ہے، وہ بھی کیا کمپلسری ہے۔ کسی قانون کی مخالفت تو تب معنی رکھتی ہے کہ جب وہ کمپلسری ہو۔ یہ تو آپشنل ہے۔ آپ کو مرضی پڑے جہاں جانا ہے جایئے، آپ کو مرضی پڑے وہاں لے جانا ہے، وہاں جایئے۔ جہاں زیادہ فائدہ ہو، وہاں کسان چلا جائے، یہ بندوبست کیا گیا ہے اور اس لئے ادھیر رنجن جی اب زیادہ ہو رہا ہے۔ ادھیر رنجن جی پلیز اب زیادہ ہو رہا ہے۔۔۔۔ اب زیادہ ہو رہا ہے۔ میں آپ کا رسپیکٹ کرنے والا انسان ہوں اور میں نے پہلے کہہ دیا، آپ نے جتنا کیا، یہاں رجسٹر ہو گیا اور بنگال میں بھی ٹی ایم سی سے زیادہ پبلسٹی آپ کو مل جائے گی۔۔۔ بابا کیوں اتنا۔ ہاں دادا، دیکھو میں نے بتا دیا ہے، فکر نہ کرو، بتا دیا ہے۔ ادھیر رنجن جی پلیز، پلیز ادھیر رنجن جی۔ اچھا نہیں لگتا ہے، میں اتنا احترام کرتا ہوں، آپ آج ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ آپ ایسا نہ کریئے۔ ارے بھائی حد سے زیادہ کیوں کر رہے ہیں۔

یہ جو ہے قانون، ادھیکش جی، کسی کو بھی مجبور نہیں کرتا ہے، ایسا قانون ہے۔ ان کے لئے آپشن ہے اور جہاں آپشن ہے، وہاں احتجاج کے لئے کوئی وجہ ہی نہیں بنتی ہے۔ ہاں، ایسا کوئی قانون، جو ایسے مسلط کر دیا ہو، اس کے لئے احتجاج کی وجہ بنتی ہے اور اس لئے میں کہتا ہوں، لوگوں کو میں دیکھ رہا ہوں، احتجاج کا ایک نیا طریقہ ہے۔ کیا طریقہ ہے، احتجاجی مظاہرین جو ہوتے ہیں، وہ ایسے طریقے نہیں اپناتے۔ آندولن جیوی ہوتے ہیں، جو ایسے طریقے اپناتے ہیں اور وہ کہتے ہیں، ایسا ہوا، تو ایسا ہو گا، ایسا ہو گا، تو ایسا ہو گا۔ ارے بھائی! جو کچھ ہوا ہی نہیں، جو ہونا نہیں ہے، اس کا خوف پیدا کر کے اور پچھلے کئی برسوں سے مسلسل سپریم کورٹ کا ایک ججمنٹ آ جائے، کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے اور ایک دم سے طوفان کھڑا کر دیا جائے، آگ لگا دی جائے ملک میں۔ یہ جو طور طریقے ہیں، وہ طور طریقے جو بھی جمہوریت میں یقین رکھتے ہیں، جو بھی عدم تشدد میں یقین رکھتے ہیں، ان سب کے لئے باعث تشویش ہونا چاہئے۔ یہ سرکار کی تشویش کا نہیں، ملک کی تشویش کا موضوع ہونا چاہئے۔ پلیز بعد میں، بعد میں، بعد میں وقت ملے گا آپ کو۔

عزت مآب اسپیکر صاحب،

پرانی منڈیوں پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے، اتنا ہی نہیں اس بجٹ میں ان منڈیوں کو جدید بنانے کے لئے، ان کے انفراسٹرکچر کو بہتر بنانے کے لئے مزید بجٹ کا بندوبست کیا گیا ہے اور اس بجٹ کے ذریعے سے عزت مآب اسپیکر صاحب، یہ جو ہمارے فیصلے ہیں، ''سروجن ہتائے-سروجن سکھائے'' کے جذبے کے ساتھ ہی کئے گئے ہیں۔ عزت مآب اسپیکر صاحب، اس ایوان کے ساتھ ہی اچھی طرح اس بات کو سمجھتے ہیں کہ کانگریس اور کچھ پارٹیوں نے بڑے زور و شور سے بات اپنی کہی، لیکن جو باتیں انہیں کہنی چاہئے، بھائی یہ نہیں یہ۔۔۔ توقع یہ ہوتی ہے کہ وہ اتنا اسٹڈی کر کے آئے ہیں، اتنا ہی نہیں، جو لوگ یہ کہتے ہیں

۔۔۔میں حیران ہوں، پہلی بار ایک نئی دلیل آئی ہے کہ اس ایوان میں کہ بھائی ہم نے مانگا نہیں تھا، تو دیا کیوں؟ پہلی بات ہے کہ لینا نہ لینا آپ کی مرضی ہے، کسی نے کسی کے گلے میں نہیں ڈالا ہے۔ آپشنل ہے، ایک نظام ہے اور ملک بہت بڑا ہے۔ ہندوستان کے کچھ کونے میں اس کا فائدہ ہو گا، ہو سکتا ہے کسی کو نہ بھی ہو، لیکن یہ کمپلسری نہیں ہے اور اس لئے مانگا اور دینے کا مطلب نہیں ہوتا ہے، لیکن میں پھر بھی کہنا چاہتا ہوں، اس ملک میں عزت مآب اسپیکر صاحب، جہیز کے خلاف قانون بنے، اس ملک میں کبھی کسی نے مانگ نہیں کی تھی، پھر بھی ملک کی ترقی کے لئے قانون بنا تھا۔

عزت مآب اسپیکر صاحب، ٹرپل طلاق، اس کے خلاف قانون بنے، یہ کسی نے مانگ نہیں کی تھی، لیکن ترقی پسند سماج کے لئے ضروری ہے، اس لئے قانون ہم نے بنائے ہیں۔ ہمارے یہاں بچوں کی شادی پر روک -کسی نے مانگ نہیں کی تھی قانون بناؤ، پھر بھی قانون بنے تھے، کیونکہ ترقی پسند سماج کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ شادی کی عمر بڑھانے کے فیصلے -کسی نے مانگ نہیں کی تھی، لیکن ترقی پسندانہ سوچ کے ساتھ وہ فیصلے بدلنے پڑتے ہیں۔ بیٹیوں کو حق دینے کی بات -کسی نے مانگ نہیں کی تھی، لیکن سماج کے لئے ضروری ہوتا ہے، تبدیلی کے لئے ضروری ہوتا ہے، تو قانون بنتے ہیں۔

عزت مآب اسپیکر صاحب،

ہم یہ مانتے تھے کہ ہندوستان کی بہت پرانی پارٹی کانگریس پارٹی، جس نے تقریباً6 دہائی تک اس ملک میں حکومت کی۔ یہ پارٹی کا یہ حال ہو گیا ہے کہ پارٹی کا راجیہ سبھا کا طبقہ ایک طرف چلتا ہے اور پارٹی کا لوک سبھا کا طبقہ دوسری طرف چلتا ہے۔ ایسی منقسم پارٹی، ایسی کنفیوزڈ پارٹی، نہ خود کا بھلا کر سکتی ہے، نہ ملک کے مسائل کے حل کے لئے کچھ سوچ سکتی ہے۔ اس سے بڑی بدقسمتی کیا ہو سکتی ہے؟ کانگریس پارٹی راجیہ سبھا میں بھی، کانگریس پارٹی کے سینئر لیڈر راجیہ سبھا میں بیٹھے ہیں، لیکن وہ ایک انتہائی خوش اسلوبی اور امنگ کے ساتھ بات چیت کرتے ہیں، تفصیل سے بحث کرتے ہیں، اپنی بات رکھتے ہیں اور یہی کانگریس پارٹی کا دوسرا طبقہ۔۔۔ اب وقت طے کرے گا۔

عزت مآب اسپیکر صاحب،

ای پی ایف پنشن اسکیم -ہمیں معلوم ہے، کبھی کبھی ایسے کیسیز میں یہ سامنے آیا، جب 2014 کے بعد میں یہاں بیٹھا، کسی کو پنشن 7 روپے مل رہی تھی، کسی کو 25 روپے، کسی کو 50 روپے، کسی کو 250 روپے۔۔۔ یہ ملک میں چلتا تھا۔ میں نے کہا، بھائی ان

لوگوں کو آٹو رکشہ میں وہ پنشن لینے جانے کا خرچ اس سے زیادہ ہوتا ہوگا۔ کسی نے مانگ نہیں کی تھی، کسی مزدور یونین نے مجھے درخواست نہیں دی تھی، عزت مآب اسپیکر صاحب، اس میں اصلاح کر کے کم از کم ایک ہزار روپے ہم نے دینے کا فیصلہ کیا تھا، کسی نے مانگ نہیں کی تھی، لیکن ہم نے پردھان منتری سمان ندھی یوجنا کے تحت ان کو ہم نے رقم سامنے سے دینا شروع کیا۔

عزت مآب اسپیکر صاحب، کوئی بھی جدید سماج کے لئے تبدیلی بہت ضروری ہوتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے، جس طرح سے اس دور میں احتجاج ہوتا تھا، لیکن راجہ رام موہن رائے جی جیسی عظیم شخصیت، ایشور چندر ودیا ساگر جی جیسی عظیم شخصیت، جیوتیبا پھولے جیسی عظیم شخصیت، باباصاحب امبیڈکر۔۔۔ کتنے بے شمار نام ہیں، انہوں نے سماج کے سامنے، روایت کے برعکس سماجی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا، نظام بدلنے کے لئے بیڑا اٹھایا تھا، اب کبھی بھی کسی نے جو ذمہ داریاں لینی ہوتی ہیں، ایسی چیزوں کی شروع میں مخالفت ہوتی ہے، جب بات سچ تک پہنچتی ہے، تو لوگ اس کو تسلیم بھی کر لیتے ہیں اور ہندوستان اتنا بڑا ملک ہے، کوئی بھی فیصلہ صد فیصد سبھی کو قابل قبول ہو، ایسا ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ ملک تنوع سے بھرپور ہے۔ کسی ایک جگہ پر وہ بہت زیادہ فائدہ مند ہو گا، کسی جگہ پر کم فائدہ ہو گا، کسی جگہ پر شائد جو پہلے کے فوائد ہوں، ان سے بھی محروم کرتا ہو گا، لیکن ایسا تو اتنے بڑے ملک میں بندوبست نہیں ہو سکتا کہ ہم اس میں کوئی۔۔۔ لیکن ایک لارجر انٹریسٹ۔۔۔ ملک میں فیصلے جو ہوتے ہیں،۔۔۔

سروجن ہتائے، سروجن سکھائے فیصلے ہوتے ہیں اور اس تعلق سے ہم کام کرتے ہیں۔

عزت مآب اسپیکر صاحب،

یہ سوچ کے ساتھ میری مخالفت ہے۔۔۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ مانگا تھا کیا؟ کیا ہم جاگیر دارانہ نظام ہیں کیا کہ ملک کے عوام ہمارے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ ان کو مانگنے کے لئے مجبور کریں؟ یہ مانگنے کے لئے مجبور کرنے والی سوچ جمہوریت کی سوچ نہیں ہو سکتی۔ عزت مآب اسپیکر صاحب، حکومتیں حساس ہونی چاہئیں، جمہوری طریقے سے عوام کی بھلائی کے لئے حکومت کو ذمہ داریاں لے کر آگے آنا چاہئے اور اس لئے اس ملک کے عوام نے آیوشمان یوجنا نہیں مانگی تھی، لیکن ہمیں لگا کہ غریب کو بیماری سے بچانا ہے، تو آیوشمان بھارت یوجنا لے کر کے جانا ہو گا۔ اس ملک کے غریب نے بینک اکاؤنٹ کے لئے کوئی جلوس نہیں نکالا تھا، کوئی میمورنڈم نہیں بھیجا تھا، ہم نے جن دھن یوجنا کی تھی اور ہم نے اس جن دھن یوجنا سے اس کے کھاتے کھولے تھے۔

کسی نے بھی، سوچھ بھارت کی مانگ کس نے کی تھی---لیکن ملک کے سامنے جب سووچھ بھارت لے کر کے گئے تو معاملہ چل پڑا۔ کہاں لوگوں نے کہا تھا میرے گھر میں بیت الخلاء بناو---یہ کسی نے مانگا نہیں تھا---لیکن ہم نے دس کروڑ گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا کام کیا ہے۔ مانگا جائے، تبھی سرکار کام کرے، وہ وقت چلا گیا، یہ جمہوریت ہے، یہ سامنت شاہی نہیں ہے۔ ہم لوگو ں نے لوگوں کے احساسات کو سمجھ کر کے ہم نے سامنے سے دینا چاہیئے۔ شہریوں کو محتاج بنا کر ہم ان کی خود اعتمادی کو بڑھا نہیں سکتے ۔ ہمیں شہریوں اختیارات دینے کی سمت میں آگے بڑھتے رہنا چاہیئے۔ شہری کو سائل بنانے سے اس کی خود اعتمادی ختم ہو جاتی ہے۔ ناگرک میں اہلیت پیدا کرنے کے لئے ہمارا قدم اس کے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے ہونا چاہیئے، اور ہم نے اس سمت میں قدم اٹھائے ہیں، سرکار.. دادا، دادا، ایک منٹ سنو دادا، ارے وہی میں کہہ رہا ہوں، دادا میں وہی کہہ رہا ہوں جو نہیں چاہتا ہو وہ اس کا استعمال نہ کریں، اس کے پاس پرانی سہولت موجود ہے۔ یہی آپ سمجھدار لوگوں کو صرف اتنا ہی مجھے سمجھانا ہے کہ اس کو نہیں چاہیئے تو پرانی سہولت موجود ہے---پرانی سہولت چلی نہیں گئی ہے۔

عزت مآب اسپیکر صاحب،

ایک بات ہم جانتے ہیں، ہم سب اس بات کو جو ٹھہرا ہوا پانی ہوتا ہے، وہ بیماری پیدا کرتا ہے، بہتا ہوا پانی ہے، جو زندگی کو بھر دیتا ہے۔ امنگ سے بھر دیتا ہے۔ جو چلتا ہے چلتا رہے، چلنے دو۔ ارے یار کوئی آئے گا تو کرے گا، ایسے تھوڑی چلتا ہے جی۔ ذمہ داریاں لینی چاہیئں۔ ملک کی ضرورت کے مطابق فیصلے کرنے چاہیئں، اسٹیٹس کو—ملک کو تباہ کرنے میں اس ذہنیت نے بھی بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ دنیا بدل رہی ہے، کب تک ہم اسٹیٹس کو، اسٹیٹس کو، اسٹیٹس کو---ایسے ہی کرتے رہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ صورت حال بدلنے والی نہیں ہے اور اس بنا پر ملک کی نوجوان نسل زیادہ انتظار نہیں کر سکتی ہے۔

لیکن آج میں ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں اور اس سے ضرور ہمارے دھیان میں آئے گا کہ اسٹیٹس کو ہوتا کیا ہے۔ یہ تقریبا 50-40 سال پرانے واقعہ کی داستان ہے۔ میں نے کبھی کسی سے سنا تھا، اس لئے اس کی تاریخ وار یخ میں ادھر اُدھر ہو سکتا ہے، لیکن جو میں نے سنا تھا وہ میری یادداشت میں ہے، وہ میں بتا رہا ہوں۔ 60 کے عشرے میں تمل ناڈو میں ریاست کے ملازموں کی تنخواہ بڑھانے کے لئے کمیشن بیٹھا تھا اور ریاست کے کرمچاریوں کی تنخواہ بڑھے، یہی اس کمیشن کا کام تھا۔ اس کمیٹی کے چیئرمین کے پاس ایک لفافہ آیا۔ ٹاپ سیکریٹ لفافہ تھا۔ انھوں نے دیکھا تو اس کے اندر ایک عرضی تھی۔ اس میں لکھا تھا، میں بہت سال سے سسٹم میں کام کر رہا ہوں۔ ایمانداری سے کام کر رہا ہوں لیکن میری تنخواہ نہیں بڑھ رہی ہے، میری تنخواہ بڑھائی جائے۔ یہ اس نے خط

لکھا تھا، تو چیئر مین نے اس خط لکھنے والے کو لکھا، بھئی تم کون ہو، تمہارا عہدہ کیا ہے، وغیرہ۔ تو اس نے پھر دوسرا جواب لکھا کہ میں سرکار میں جو چیف سکریٹری کا دفتر ہے وہاں سی سی اے کے عہدے پر ہوں۔ سی سی اے کے عہدہ پر میں کام کر رہا ہوں۔ تو ان کو لگا کہ یہ سی سی اے کیا ہوتا ہے، کچھ پتہ تو ہے نہیں، یہ سی سی اے کون ہوتا ہے؟ تو انھوں نے دوبارہ خط لکھا کہ بھئی ہم نے تو یہ سی سی اے لفظ کہیں دیکھا نہیں، پڑھا نہیں، یہ ہے کیا۔ ہمیں بتاؤ تو۔ تو اس نے کہا کہ صاحب میں مجبور کہ 1975 کے بعد ہی اس کے بارے میں ذکر کر سکتا ہوں، ابھی نہیں کر سکتا۔ تو چیئر مین نے ان کو لکھا کہ پھر ایسا کرو بھئی، 1975 کے بعد جو بھی کمیشن بیٹھے وہاں جانا۔ میرا سر کیوں کھا رہے ہو؟ تو اس کو لگا کہ یہ تو معاملہ بگڑ گیا---اسے لگا کہ ان کا کہنا ٹھیک ہے۔ کہنے لگا میں بتا دیتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ تو اس نے ان کو خط لکھ کر بتایا کہ صاحب میں سی سی اے کے عہدے پر کئی برسوں سے کام کر رہا ہوں اور وہ بھی چیف سکریٹری کے دفتر میں۔ اور اس نے بتایا کہ سی سی اے کا مطلب ہوتا ہے چرچل سگار اسسٹنٹ۔ یہ ہے وہ سی سی اے کا عہدہ جس پر میں کام کرتا ہوں اور یہ سی سی اے جو تھا اس کا کام تھا اس کی فکر کرنا کہ وہ سگار ان کو ٹھیک ٹھیک پہنچی کہ نہیں پہنچی۔ اور صرف اسی کام کے لئے یہ عہدہ تخلیق کیا گیا تھا، جس میں سگار کی سپلائی ہوتی تھی۔ 1945 میں وہ چناؤ ہار گئے لیکن وہ عہدہ بدستور رہا اور سپلائی بھی جاری رہی۔ ملک آزاد ہو گیا۔ ملک کے آزاد ہونے کے بعد بھی، محترم اسپیکر صاحب، یہ عہدہ بدستور قائم رہا۔ چرچل کو سگریٹ پہنچانے کی ذمہ داری والا ایک عہدہ چیف سکریٹری کے دفتر میں بدستور تھا۔ اور اس پر کام کرنے والے ہیں، اپنے لئے کچھ تنخواہ ملے، کچھ پرموشن ملے کی غرض کو سامنے رکھ کر یہ خط لکھا تھا۔

اب دیکھئے، ایسا اسٹیٹس کو، اگر ہم تبدیلی نہیں لائیں گے، سہولیات کو دیکھیں گے نہیں تو اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔ میں جب وزیر اعلیٰ بنا تو ایک رپورٹ آتی تھی کہ آج کوئی غبارہ نہیں آیا اور کوئی پرچے نہیں پھینکے گئے۔ یہ سب شاید دوسری جنگ عظیم میں شروع ہوا ہوگا۔ ابھی بھی وہ چلتا تھا۔ یعنی ایسی چیزیں ہمارے نظام میں گھسی ہوئی ہیں۔ ہمیں لگتا ہے بھائی، ہم ربن کاٹیں گے، دیا جلائیں گے، فوٹو نکل جائے گی، ہمارا کام ہو گیا۔ ملک ایسے نہیں چلتا ہے جی۔ ہمیں ذمہ داری کے ساتھ ملک میں تبدیلی کے لئے ہر قسم کی کوشش کرنی ہے۔ غلطیاں ہو سکتی ہیں، لیکن ارادہ نیک ہو تو انجام بھی اچھا سامنے آتا ہے۔ ہو سکتا ہے ایک آدھ میں کچھ نہ ملے۔ آپ دیکھئے، ہمارے ملک میں ایک وقت تھا، کسی کو اپنا سرٹیفکیٹ سرٹیفائی کرنا ہو، تو کارپوریٹر کونسل، اس کے گھر کے باہر صبح لائن لگ جاتی تھی اور جب تک وہ ٹھپہ نہ مارے، اور مزہ ہے کہ وہ نہیں مارتا تھا، ایک لڑکا باہر بیٹھا ہوتا تھا، وہ سکہ مار دیتا تھا۔ اور یہ سب چل رہا تھا۔ میں نے کہا بھائی اس کا کیا مطلب ہے۔ ہم بھروسہ کر کے ملک کے شہری پر... میں نے آکر کے ان سارے طور طریقوں کو ختم کر دیا، ملک کے لوگوں کو فائدہ ہوا۔ ہمیں تبدیلی کے لئے کام کرنا چاہیئے، اصلاحات کے لئے کام کرنا چاہیئے۔

اب ہمارے یہاں انٹرویو ہوتے تھے۔ میں ابھی بھی حیران ہوں جی۔ ایک شخص دروازے میں اندر داخل ہوتا ہے۔ تین لوگوں کی پینل بیٹھی ہے۔اس کا موڈ دیکھتے ہیں ، نام بھی پورا پوچھتے نہیں ، تیسرے یوں نکل جاتا ہے ۔اور وہ انٹرویو کال ہوتا ہے اور پھر آرڈر دیئے جاتے ہیں۔ ہم نے کہا بھئی کیا مطلب ہے، اس کی جو تعلیم اور اس کی کوالیفیکیشن ہے، اس کو سارے کو اکٹھا کرو، میرٹ کی بنیاد پر کمپیوٹر سے پوچھو، وہ جواب دے دیگا۔ یہ تیسرے اور چوتھے زمرے کے لوگوں کے لئے انٹرویو کی کیا بھیڑ لگا رکھی ہے۔ اور لوگ کہتے تھے کہ بھئی سفارش کے بنا نوکری نہیں ملے گی... ہم نے ختم کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ملک میں ہم چیزوں کو بدلیں۔ بدلنے میں ناکامی کے ڈر سے اٹک کر رہنا، یہ کبھی بھی کسی کا بھلا نہیں کرتا ہے۔ ہمیں بدلاو کرنے چاہیئں اور بدلاو کرنے کی کوشش ہم کرتے ہیں۔

عالیجناب اسپیکر صاحب،

ہمارے یہاں کھیتی، ہمارے یہاں کسانی ایک طرح سے ہماری تہذیب، خصوصی دھارے کا حصہ رہی ہے۔ ایک طرح سے ہماری تہذیب کے بہاو کے ساتھ ہماری کسانی جڑی ہوئی ہے۔ ہماری رشیوں نے، منیوں نے اس پر بہت کچھ لکھا ہوا ہے۔ ہمارے یہاں زراعت کے موضوع پر گرنتھ دستیاب ہیں۔ بہت سارے اعلیٰ درجے کے تجربے بھی ہیں۔ اور ہمارے یہاں راجہ بھی کھیتوں میں ہل چلاتے تھے۔ جنک راجہ کی بات تو ہم جانتے ہیں، کرشن بھگوان کے بھائی بلرام کی بات ہم جانتے ہیں۔ کوئی بھی بڑا کنبہ ہوگا، ہمارے یہاں کسانی اور کھیتی ... یہ ہمارے جس ملک میں صرف فصلوں کی کھیتی نہیں ہے۔ ہمارے یہاں زراعت ایک طرح کا معاشرتی زندگی کے کلچر کا حصہ رہا ہوا ہے۔ اور اسی حصے کو لے کر کے ہم کر رہے ہیں اور یہ ہماری تہذیب ہے۔ ہمارے تہوار ہوں ، ہماری جیت ہو، سب چیزیں فصل کاٹنے کے ساتھ جڑی ہوئی رہتی ہیں۔ یہ ہمارے یہاں روایت رہی ہے، ہمارے جتنے لوک گیت ہیں وہ بھی کسانی سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں... فصل سے جڑے ہوئے۔ ہمارے تیوہار بھی اسی سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں اور اسی لیے .... ہمارے ملک کی خاص بات دیکھئے... ہمارے ملک میں کسی کو آشیرواد دیتے ہیں، کسی کو نیک خواہشات دیتے ہیں تو اس کے ساتھ دھن دھیان شبد کا پریوگ کرتے ہیں۔ دھن دھانیہ۔ دھن اور دھانیہ کو ہمارے یہاں الگ نہیں کرتے ہیں۔ صرف دھانیہ بھی نہیں بنتا ہے کچھ شبد.... دھن بھی نہیں ہوتا ہے۔ دھن دھانیہ بولا جاتا ہے .... ہمارے یہاں دھانیہ کی یہ قیمت ہے.... یہ اہمیت ہے۔ سماج۔ زندگی کا حصہ ہے اور جو صورتحال بدلتی ہے، ہم نے بھی اس کو پھر سے پٹری پر لانے کے لئے کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔

راجیہ سبھا کے اندر میں نے چھوٹے کسانوں کے سلسلے میں تفصیل سے بات کی ہے۔ اب ملک کی 85-80 فیصد آبادی کو ہم ناراض رکھ کر کے ملک کا بھلا نہیں کرسکتے۔ ہم نے اس کے لئے کچھ سوچنا ہی ہو گا اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ سوچنا ہو گا اور میں نے گن لیا ہے کہ کسانوں کے نام پر... چھوٹے کسانوں کو کس طرح نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس میں تبدیلی بہت ضروری ہے اور آپ بھی... اگر یہ چھوٹا کسان جاگتا ہے تو آپ کو جواب دینا پڑے گا... میں پوری طرح سے اس بات کو سمجھتا ہوں۔ ہمارے یہاں جیسے جیسے آبادی بڑھ رہی ہے، زمین کا ٹکڑا چھوٹا ہوتا جارہا ہے۔ خاندان کے اندر زمین جو ہے، وہ بٹ جاتی ہے۔ چودھری چرن سنگھ جی نے تو ایک جگہ یہ کہا ہے کہ کسان اتنا..... زمین کی مالکی اس کی کم ہورہی ہے کہ ایک صورتحال ایسی آئے گی کہ وہ اپنے کھیت میں ہی ٹریکٹر کو ٹرن کرنا ہو گا تو نہیں کرپائے گا، اتنا سا زمین کا ٹکڑا ہو گا، چودھری چرن سنگھ جی کے شبد ہیں۔ ایسی جب فکر ہماری عظیم ہستیوں نے ہمارے سامنے کی ہے تو ہمیں بھی تو کچھ نہ کچھ انتظامات کرنے ہوں گے۔

آزادی کے بعد ہمارے ملک میں 28 فیصد زرعی مزدور تھے۔ 10 سال پہلے جو مردم شماری ہوئی تھی، اس میں یہ آبادی، زرعی آبادی 28 فیصد سے بڑھ کر 55 فیصد ہو گئی۔ اب یہ کسی بھی ملک کے لئے پریشانی کی بات ہونی چاہئے کہ 28 سے ہمارے زرعی مزدور 55 فیصد تک پہنچ چکے ہیں اور زمین کی عدم دستیابی کی وجہ سے، زراعت سے انہیں جو منافع ملنا چاہئے وہ نہیں ملنے کی وجہ سے اس کی زندگی میں یہ مصیبت آئی ہے اور وہ مزدوری کرنے پر، کسی دوسرے کھیت میں جاکر مزدور کی حیثیت سے کام کرنے پر مجبور ہو گیا۔ بدقسمتی سے، ہمارے ملک میں زراعت کی، جو سرمایہ کاری ہونی چاہئے وہ نہیں ہورہا ہے۔ حکومت اتنا کچھ کر نہیں پارہی ہے... ریاستی حکومتیں بھی نہیں کرپارہی ہیں اور کسان خود بھی نہیں کرپارہا ہے۔ جو کچھ بھی اس کو نکلتا ہے وہ بچوں کی پرورش اور پیٹ بھرنے میں اس کا چلاجاتا ہے اور اسی وجہ سے سرمایہ کاری کی بہت بڑی ضرورت ہے۔

جب تک ہم سرمایہ کاری نہیں لائیں گے، جب تک ہم اپنی کاشتکاری کو جدید نہیں کریں گے، جب تک کہ ہم سب سے چھوٹے کسان کے مفاد کے لئے انتظام نہیں کریں گے، ہم ملک کے زراعت کے شعبے کو طاقتور نہیں بناسکتے۔ اور اسی لئے ہمارے کسان خود کفیل بنے، اسے اپنی پیداوار فروخت کرنے کی آزادی ملے ، ہمیں اس سمت میں کام کرنے کی ضرورت ہے اور ہمارے کسان صرف گندم اور چاول... وہاں محدود رہے... اس سے بات بننے والی نہیں ہے۔ دنیا میں مارکیٹ کیا ہے، آج اس کی تحقیق کی جارہی ہے۔ اس قسم کی چیزیں تیار کریں اور وہ چیزیں عالمی منڈی میں فروخت کریں۔ ہندوستان کے تقاضے ہیں... ہمیں باہر سے چیزیں نہ لائیں۔ مجھے یاد ہے مجھے ... میں بہت پہلے جب یہاں تنظیمی کام کرتا تھا... مجھے نارتھ پارٹ میں مجھے فاروق صاب کے ساتھ بھی کام کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ مجھے ہریانہ کا ایک کسان اپنے کھیت میں لے گیا۔ اس نے مجھ سے بڑی درخواست کی تو میں

چلا گیا۔ چھوٹی سی جگہ تھی کی اس کی... ایک، ڈیڑھ دو بیگہ شاید زمین ہو گی۔ لیکن بڑی پیشرفت... وہ میرے پیچھے پڑا، آیئے آیئے۔ میں نے کہا، بھائی کیا بات ہے... تو بولا ایک بار آیئے تو دیکھئے۔ تو میں گیا اس کے وہاں۔

تقریبا 30-40 سال پہلے کی بات ہے... 30 سال ہو گئے ہوں گے۔ انہوں نے کیا کیا، دہلی کے 5 اسٹار ہوٹلوں میں جو چیزیں سبزیاں وغیرہ غیر ملکوں سے لاتے تھے، اس نے ان چیزوں کا مطالعہ کیا۔ اگر ان کو چھوٹے مکئی کی ضرورت ہو، ان کو چھوٹے ٹماٹر کی ضرورت ہو، اب اس نے اپنے اس چھوٹی سی جگہ میں، اور محدود ماحول کے اندر لوگوں کی مدد لی، اور مزہ ہے کہ اس کا مال دہلی کے فائیو اسٹار کے ہوٹلوں میں جانا شروع ہو گیا۔ اپنے ملک کو تھوڑا سا بدلاؤ کریں ہم۔ اب ہم نے کبھی سوچا ہے کہ اسٹرابیری، ہم زیادہ تر یقین کرتے ہیں کہ ان کا تعلق سرد علاقوں سے ہے۔ میں نے دیکھا کہ کچھ کے صحرا میں اسٹرابیری اگ رہی ہیں، میں نے دیکھ رہا ہوں کہ مدھیہ پردیش میں، اترپردیش کے اندر اسٹرابیری ہو رہی ہیں۔ بندیل کھنڈ میں... جہاں پانی کی پریشانی ہے... اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے یہاں امکانات موجود ہیں۔ اپنے کسان کی رہنمائی کر کے، ہم نئی چیزوں کی طرف گامزن ہوں گے۔ میں ضرور مانتا ہوں کہ ہمارے ملک کا کسان آگے آئے گا... لیکن اس کو... یہ ٹھیک ہے کہ اس کا تجربہ ایسا ہے کہ اسے ہمت دینی پڑتی ہے... اس کا ہاتھ تھامنا پڑتا ہے... ہاتھ پکڑ کر چلنا پڑتا ہے۔ اگر وہ چلنا شروع کر دے تو وہ کمال کر کے دکھاتا ہے۔ اسی طرح، زراعت کے اندر نئی سرمایہ کاری میں جتنا اضافہ ہو گا... میرا یقین ہے کہ روزگار کے مواقع بھی بڑھنے والے ہیں۔ اب ہم دنیا میں ایک نئی ہمیں مارکیٹ مل سکتی ہے۔

ہمارے یہاں دیہی معیشت میں بہتری لانے کے لئے ایگرو صنعت کے امکانات بھی بڑھیں گے۔ اور اس لئے ہمیں اس پورے علاقے کو خود کفیل بنانے کی سمت میں ہمیں ضرور کام کرنا چاہئے۔ کئی مشکل صورتحال میں بھی ہمارے کسان نے ریکارڈ پیداوار کی ہے۔ کورونا وبا میں بھی ریکارڈ پیداوار کی ہے۔ یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہمارے کسان کی جو پریشانیاں ہیں، وہ کم ہوں، ان کے سامنے جو چیلنج ہیں، وہ چیلنجوں کو کم کرنے کے لئے ہم کچھ قدم اٹھائیں اور ان زرعی اصلاحوں سے ہم اس سمت میں کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کسانوں کو ایک برابری کا پلیٹ فارم دے پائیں ہے، جدید ٹکنالوجی دے پائیں، ان کے اندر ایک نئی خود اعتمادی بھر پائیں، اس سمت میں سنجیدہ سوچ کی بہت ضرورت ہے۔ پرانی سوچ، پرانے خیالات کسانی کا بھلا کر پاتے تو بہت پہلے کر پاتے۔ دوسرے سبز انقلاب کی ہم نے بات کر لی، نیز بیٹھ کر کے ہمیں اس کو سوچنا چاہئے۔ سبھی پارٹیاں، چاہے اقتدار میں ہوں یا مخالفت میں... یہ ہم سب کا فرض ہے اور ہم اکیسویں صدی میں اٹھارہویں صدی کی سوچ سے ہمارے زرعی شعبے کو، ہم اس کی سوچ کو پورا نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی کو ہمیں بدلنا ہو گا۔

کوئی نہیں چاہتا ہے کہ ہمارا کسان غریبی کے چکر میں پھنسا رہے۔ اس کو زندگی جینے کا حق نہ ملے۔ میں مانتا ہوں کہ اس کو منحصر رہنا نہ پڑے.... اس کو پرادھین نہ رہنا پڑے، سرکاری ٹکڑوں پر پلنے کے لئے مجبور نہ ہونا پڑے، یہ ذمہ داری بھی ہم سب کی ہے اور ذمہ داری کو نبھانا... ہمارا ان داتا مضبوط ہو، ہمارا ان داتا کچھ نہ کچھ اور زیادہ دیش کے لئے کر سکے... اس کے لئے اگر ہم موقع دیں گے تو بہت ساری....۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل ایک بات کہتے تھے..وہ کہتے تھے آزادی حاصل ہونے کے بعد بھی اگر غلامی کی بو آتی رہے تو آزادی کی خوشبو نہیں پھیل سکتی۔ جب تک ہمارے چھوٹے کسان کو نئے اختیارات نہیں ملتے تب تک مکمل آزادی کی ان کی بات ادھوری رہے گی اور اس لئے بڑا بدلاؤ کر.. کر کے ہم کو ہمارے ان کسانوں کو ایک لمبے سفر کے لئے تیار کرنا ہو گا اور ہم سب کو مل کر کرنا ہو گا۔ غلط کچھ کرنے کے ارادے سے نہیں ہونا چاہئے، اچھا کرنے کے ارادے سے ہونا چاہئے۔ کسی کی بھلائی کرنے کے لئے ہونا چاہئے۔

ہماری سرکار نے چھوٹے کسانوں کے لئے ہر قدم پر دیکھیں گے ۔ چھوٹے کسانوں کو ہم نے بیج سے لے کر کہ بازار تک پچھلے 6 سالوں میں ان کے ایسے انٹروینشن کئے ہیں جو چھوٹے کسان کی مدد کر سکتے ہیں... چھوٹے کسانوں کو لا سکتے ہیں۔ اب جیسے ڈیری سیکٹر اور کو آپریٹو سیکٹر.... مستحکم بھی ہیں اور اس کا ایک مضبوط اقداری سلسلہ بھی بڑھا ،بنا بھی ہے،اب سرکار کی دخل کم سے کم ہے پھر بھی وہ اپنی مضبوطی پر آیا ہے۔ ہم دھیرے دھیرے پھل پھول سبزی کی طرف بدل دے سکتے ہیں اور اس کے بعد اناج کی طرف دھیان دے سکتے ہیں۔ ہم بہت طاقتور بنا سکتے ہیں۔ ہمارے پاس ماڈل ہے.... کامیاب ماڈل ہے۔ اس کامیاب ماڈ ل کا ہم استعمال کرنا چاہیں گے۔ ہمیں اسے متبادل بازار دینا چاہئے۔

دوسرا اہم کام جو ہم نے کیا ہے. دس ہزار کسانوں کی پروڈیوسرس تنظیم .. یہ کسانوں کے لئے... چھوٹے کسانوں کے لئے ایک بہت بڑی طاقت کے روپ میں ابھرنے والے ہیں اور جہاں جہاں مہاراشٹر میں خاص استعمال ہوا ہے ایف پی او بنانے کا ۔ کہیں اور ریاستوں میں بھی، کیرالہ میں بھی کمیونسٹ پارٹی نے کافی تعداد میں ایف پی او بنانے کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کی وجہ سے کسان اپنا بازار ڈھونڈنے کے لئے ایک مستحکم طاقت کے روپ میں ابھرے گا۔ یہ 10000 ایف پی او بننے کے بعد آپ دیکھنا کہ گاؤں کے اندر کسان چھوٹے ہیں، اس کو بازار کی طاقت کسان ڈیڈی کیٹ کرے گا اور کسان طاقتور بنے گا یہ میرا پورا یقین ہے۔ ان ایف پی او کے توسط سے بینک سے پیسہ بھی مل سکتا ہے، وہ چھوٹے چھوٹے ذخیرے کا انتظام کر سکتا ہے اگر

وہ تھوڑی طاقت زیادہ اکھٹا کرے تو وہ چھوٹے چھوٹے کولڈ اسٹوریج بھی بنا سکتا ہے اور ہم نے ایک لاکھ کروڑ روپیہ زراعت کے بنیادی ڈھانچے کے لئے طے کیا ہے اور اس کو ہم خود سہایتا گروپ یعنی سیلف ہیلپ گروپ ، ان سیلف ہیلپ گروپ میں بھی قریب سات کروڑ بہنیں جٹی ہیں۔ گاؤں کی بہنیں آخر وہ کسان کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ کسی نہ کسی کھیتی سے جڑے ہوئے خاندان کی بیٹیاں ہوتی ہیں اور وہ بھی آج نیٹ ورک کسانوں کی بھلائی میں کام آرہا ہے اور کسانی سرگرمیوں کا سینٹر بنتا جارہا ہے۔اور ان کے ذریعہ بھی مجھے یاد ہے گجرات میں بھلساڑ ضلع میں آدی باسیوں کے پاس زمین بھی کافی اوپر نیچے ہے، ان ایون لینڈ ہے۔اور بہت چھوٹی زمین ہے۔ ہم نے ایک پروجیکٹ کیا تھا اور عبدالکلام جی ایک دن اپنا جنم دن وہاں منانے کے لئے آئے تھے۔انہوں نے کہا بھائی کوئی پروٹوکول نہیں چاہئے، میں ان کسانوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔بہت کامیاب تجربہ تھامہیلائیں کافی کام کرتی تھیں اس آدی باسی بیلٹ کے اندر۔ اور مشروم، کاجو ..وہ گوا کی برابری کا کاجو پیدا کرنے لگ گئی تھی اور انہوں نے مارکیٹ حاصل کیا تھا۔ چھوٹے کسان تھے، چھوٹی جگہ تھی لیکن کوشش کی تو نتیجہ ملا اور عبدالکلام جی نے اس بارے میں لکھا بھی ہے۔انہوں نے آکر کے دیکھا تھا۔ تو میں کہتا ہوں کہ ہم نے نئے تجربات کی سمت میں جانا چاہئے۔دال کی ہمارے یہاں مشکل تھی ۔ ہم نے 2014 کے کسانوں کے آگے درخواست کی۔

اب آپ دیکھئے دال کی ہمارے یہاں مشکل تھی۔ میں نے 2014 میں آکر کسانوں کے سامنے درخواست کی، انہوں نے دیش کے اندر، دال کی مشکلوں سے ہمیں آزاد کردیا اور ان کو بازار بھی ملک گیا اور میں دیکھ رہا ہوں کہ آج کل آن لائن-آف لائن ای-نیم کے ذریعہ بھی گاؤں کا کسان بھی اپنا مال بیچ رہا ہے۔ ہم نے کسان ریل کا ایک تجربہ کیا۔ او کورونا وبا کے دور کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اور یہ کسان ریل اور کسان اُڑان یہ بھی اپنے آپ میں بڑے بازاروں تک چھوٹے کسان کو پہنچانے کی ایک بہت بڑی مدد ملی ہے۔ایک طرح سے یہ ٹرین جو ہے چلتا پھرتا کولڈ اسٹوریج ہے اور میں ایوان کے اراکین سے ضرور کہنا چاہوں گا کہ کسان ریل کہنے کو تو ایک سامان ڈھونے والا ذریعہ ہے لیکن اس نے دور سے دور گاؤں کے چھوٹے کسان کو کسی اور ریاست کے دوسرے بازار کے ساتھ جوڑدیا۔اب دیکھئے، ناسک سے کسان مظفر نگر کے بیوپاری سے جُڑا اور کیا بھیجا،اس کی طاقت بڑی نہیں تھی، 30 کلو انار، یہ اس نے وہاں سے اس کسان ریل سے بھیجا اور خرچہ کتنا ہوا، 124 روپے، اس کو بڑا بازار مل گیا۔ یہ 30 کلو اتنی چھوٹی چیز ہے کہ شاید آج کوئی کوریئر والا بھی نہیں لے جاتا لیکن یہ سہولت کی تو یہاں کا کسان وہاں تک جاکر اپنا مال بیچ پایا۔ اسی طرح سے جو بھی اس کو سہولت ملتی ہے، وہ جو چاہے انڈے، میں دیکھا ہے کہ انڈے کسی نے بھیجے ہیں اور انڈے بھی اس کو قریب 60 روپے خرچہ ہوا اس کو بھیجنے کا اور اس کے انڈے پہنچ گئے، وقت پر پہنچ گئے ، اس کا مال بک گیا۔ دیوالی میں ، دیوالی کا ایک کسان 7 کلو اس

کی کیوی، اس کو اس نے داناپور بھیجی۔ بھیجنے کا خرچ 62 روپے ہوا لیکن اس کو 60 کلو کی کیوی کا اچھا بازار ملا اور دوسری ریاست میں جا کر کہ ملا۔ کسان ریل یہ کتنی چھوٹی بات ہے لیکن کتنی بڑی تبدیلی کر سکتی ہے، اس کی ہم مثال دیکھتے ہیں۔

محترم اسپیکر جی،

چودھری چرن سنگھ جی نے ایک کتاب لکھی ہے -ہندوستان کا اقتصادی منصوبہ ۔ہندوستان کا اقتصادی منصوبہ کی کتاب میں چودھری صاحب نے لکھا، تجویز کیا ہے۔ سارے ملک کو خوراک دینے کے لئے ایک ہی علاقہ مان لیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں، ملک کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں لانے جانے پر کوئی پابندی نہ ہو، یہ چودھری چرن سنگھ جی کتاب کا اقتباس ہے۔ زرعی اصلاحوں ، کسان ریل، منڈیوں کو الیکٹرانک پلیٹ ہو ، ای-نیم ، یہ ساری چیزیں ہمارے دیش کے کسانوں اور چھوٹے کسانوں کو ایک بہت بڑا موقع دینے کی کوششوں سے ممکن ہو رہا ہے۔

محترم اسپیکر جی،

جو لوگ اتنی باتیں کرتے ہیں، سرکار اتنے سالوں تک چلائی ہے۔ میں یہ نہیں مانتا ہوں ان کو کسانوں کی دقت کا پتہ نہیں تھا یا ان کو سمجھ نہیں تھی۔ پتہ بھی تھا، سمجھ بھی تھی اور ان کو میں انہی کی بات آج یاد کرانا چاہتا ہوں۔ وہ موجود نہیں ہیں میں جانتا ہوں لیکن ملک کے لئے سمجھنا بہت ضروری ہے۔ میں اقتباس پڑھتا ہوں:

"ریاست نے ۲۰۰۵ میں راست بازار، ٹھیکے پر کاشتکاری، پرائیوٹ منڈی کا قیام، صارف۔ کاشتکار بازار اور ای۔ تجارت کے متعلق التزامات کرنے کے لئے اپنے اے۔ پی۔ ایم۔ سی قانون میں ترمیم کرنے کی پہل کی اور ترمیم شدہ التزامات کو نافذ کرنے کے لئے ۲۰۰۸ میں قواعد کو نوٹیفائی کیا۔ اب حقیقت یہ ہے کہ پورے ریاست میں ۲۴ نجی منڈیاں وجود میں آچکی ہیں"۔

یہ کس نے کہا تھا؟ یہ اے پی ایم سی قانون بدل دیا ہے، اس بات کو کون فخر سے کہہ رہا تھا؟ 24 ایسے بازار بن چکے ہیں، اس کا فخر کون کر رہا تھا؟ ڈاکٹر منموہن سنگھ جی کی سرکار کے وزیر زراعت جناب شرد پوار جی یہ فخر کی بات کر رہے تھے۔ اب آج ایک دم سے الٹی بات کر رہے ہیں اور اس لئے شک ہوتا ہے کہ آخر کار آپ نے کسانوں کو الجھن میں ڈالنے کے لئے یہ راستہ کیوں چنا ہے؟ ملک کی منڈیاں چل رہی ہیں، سینڈیکیٹ کی قیمتوں پر اثر کرنے والے نیکسیس کے بارے جب ان کو پوچھا گیا، ان کو ایک سوال پوچھا تھا کہ یہ نیکسس ہے منڈیوں والا، وغیرہ کا تو کیا کہنا ہے؟ شرد پوار کا ایک دوسرا جواب ہے وہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔

انہوں نے کہا تھا کسانوں کے بچاؤ کے لئے تو ایک ہی ایم سی اصلاحات کو پروموٹ کیا جارہا ہے تاکہ کسانوں کو ایک اے پی ایم سی منڈیوں کا اختیار ملے۔ جب زیادہ بیوپاری رجسٹرڈ ہوں گے تب ہلچل بڑھے گی اور منڈی میں سانٹھ گاٹھ اس سے ختم ہوگی، یہ بات انہوں نے کہی ہے، اب اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ان باتوں کو ہمیں سمجھنا ہوگا، جہاں ان کی سرکار ہے، الگ الگ جو سامنے بیٹھے ہیں متروں کی انہوں نے بھی کم ماترا میں اس زرعی شعبے میں اصلاح کرنے کی کوشش کی بھی ہے اور ہم تو وہ ہیں جنہوں نے 1500 قانون ختم کئے تھے۔ ہم ترقیاتی سیاست میں یقین کرتے ہیں، ہم جارحانہ سیاست میں جانا نہیں چاہتے ہیں اور اس لئے اور بھوجپوری میں ایک کہاوت ہے، کچھ لوگ ایسے ہیں بھوجپوری میں کہاوت ہے- نا کھیلب ، نا کھیلن دیب ، کھیل بھی بگاڑت -نہ کھیلوں گا نہ کھیلنے دوں گا میں کھیل کو بھی بگاڑ کے رکھوں گا۔

محترم اسپیکر جی،

ملک کا مان بڑھانے میں سبھی کا مجموعی یوگ دان ہے، کشمیر سے کنیا کماری تک، کچھ سے لے کر کاما کھایا تک ، جب ہر ہندوستانی کا پسینہ لگتا ہے تب جاکر دیش آگے بڑھتا ہے۔ میں کانگریس کے ساتھیوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ملک کے لئے عوامی شعبہ ضروری ہے تو نجی شعبے کی بھی ساجھیداری بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ سرکار نے موبائل مینوفیکچرنگ کی حوصلہ افزائی کی ۔ پرائیویٹ پارٹیاں آئیں ، مینوفیکچرر آئے ۔ آج غریب سے غریب خاندان تک اسمارٹ فون پہنچ رہا ہے۔ ٹیلی کام میں مقابلے کی حوصلہ افزائی کی تو موبائل پر بات کرنا قریب قریب زیرو ہوگیا اور ڈیٹا بھی دنیا میں سب سے سستا آج ہندوستان میں ہے۔ یہاں تک کہ ہماری ادویہ کی صنعت، ہمارے ویکسین بنانے والے، کیا یہ سارے سرکاری ہیں کیا؟ آج انسانیت کے کام اگر بھارت آرہا ہے تو ہمارے اس نجی شعبے کا بھی بہت بڑا رول ہے، پرائیویٹ صنعت کاروں کا رول ہے اور ہمیں اپنے دیش کے نوجوانوں پر بھروسہ ہونا چاہئے، ہمارے دیش کے نوجوانوں پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ اس طرح سے کوستے رہیں گے، ان کو نیچا دکھاتے رہیں گے اور ہم کسی بھی نجی سرگرمی کو جھڑک دیں گے ۔ کوئی زمانہ ہوگا، جب کوئی سرکار کرے گی۔ اس زمانے میں ضروری ہوگا، کیا ہوگا۔

آج دنیا بدل چکی ہے، سماج کی اپنی طاقت ہے، دیش کے اندر طاقت ہے، ہر ایک کسی کو موقع ملنا چاہئے اور ان کو اس طرح سے بے ایمان ظاہر کرنا، ان کے لئے گندی زبان کا استعمال کرنا، یہ ایک کلچر کسی زمانے میں ووٹ پانے کے لئے کام آیا ہوگا۔ مہربانی کرکے ہم اور میں لال قلعہ پر سے بولا ویلتھ کریئٹر بھی دیش کو ضروری ہوتے ہیں تبھی تو دولت بانٹیں گے ، غریب تک

دولت بانٹیں گے کہاں سے ؟روز گار دیں گے کیسے ؟ اور سب کچھ بابو ہی یہ کریں گے۔ آئی اے ایس بن گیا مطلب وہ فرٹیلائزر کا کارخانہ بھی چلائے گا، آئی ایس ہو گیا تو وہ کیمیکل کا کارخانہ بھی چلائے گا، آئی اے ایس ہو گیا تو وہ ہوائی جہاز بھی چلائے گا۔ یہ کون سی بڑی طاقت بنا کر رکھ دی ہم نے ؟ بابوؤں کے ہاتھ میں دیش دے کر ہم کیا کرنے والے ہیں ہمارے بابو بھی تو دیش کہ ہیں تو دیش کو نوجوان بھی تو دیش کا ہے۔ ہم اپنے دیش کو نوجوانوں کو جتنا زیادہ موقع دیں گے ، مجھے لگتا ہے ان کو اتنا ہی فائدہ ہونے والا ہے۔

جناب اسپیکر جی،

جب حقیقتوں کی بنیاد پر بات ٹکتی نہیں ہے تو ایسا ہوتا ہے جو ابھی دیکھا ہے۔ افواہوں کو ہوا دی جاتی ہے، یہ ہو جائے گا، وہ ہو جائے گا اور ماحول یہ آندولن جیوی پیدا کرتے ہیں۔ محترم اسپیکر جی ،کسان احتجاج کی پاکیزگی اور میں بہت ذمہ داری کے الفاظ استعمال کر رہا ہوں، میں کسان آندولن کو پاک مانتا ہوں اور بھارت کی جمہوریت میں آندولن کو اہمیت ہے اور رہنے والا ہے اور ضروری بھی ہے لیکن جب آندولن جیوی پاک آندولن کو اپنے فائدے کے لئے برباد کرنے کے لئے نکلتے ہیں تب کیا ہوتا ہے ؟ کوئی مجھے بتائے ، تین کسان قانونوں کی بات ہو اور دنگا باز لوگ جو جیل میں ہیں، جو فرقہ پرست لوگ جو جیل میں ہیں، جو دہشت گرد لوگ جیل میں ہیں، جو نکسل وادی جیل میں ہیں، ان کی فوٹو لے کر ان کی آزادی کی مانگ کرنا یہ کسانوں کے آندولن کو ناپاک کرنے کی کوشش ہے کہ نہیں؟

محترم اسپیکر جی،

اس دیش میں ٹول پلازہ سبھی سرکاروں نے منظور کی ہوئی سہولت ہے۔ ٹول پلازہ اس ملک میں سبھی سرکاروں نے کی ہوئی سہولت ہے اور ٹول پلازہ کو توڑنا اس ٹول پلازہ لو قبضہ کرنا، اس ٹول پلازہ کو نہ چلنے دینا، یہ جو طریقے چلے ہیں، وہ طریقے کیا پاک آندولن کو داغدار کرنے کی کوشش ہے کہ نہیں؟ جب پنجاب کی زمین پر سیکڑوں کی تعداد کے اندر جب ٹیلی کام کے ٹاور توڑ دئے گئے ، کیا وہ کسان کی مانگ سے منسلک ہیں کیا؟کسان کے پاک آندولن کو برباد کرنے کا کام آندولن کرنے والے نے نہیں ، آندولن جیویوں نے کیا ہوا ہے اور اس لئے دیش کو آندولن کاری اور آندولن جیویوں کے بیچ فرق کرنا بہت ضروری ہے اور ملک کو ان آندولن جیویوں سے بچانا وہ بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ افواہ پھیلانا، جھوٹ پھیلانا، گمراہ کرنا اور دیش کو دبوچ کر کے رکھ دینا ،دیش بہت بڑا ہے، ملک کے سامنے انسانیت کی امیدیں بہت ہیں اور ان کو لے کر کہ ہمیں آگے بڑھان ہے اور اس سمت

میں ہم کوشش کررہے ہیں ۔ ملک میں ایک بہت بڑا دھڑا ہے ، یہ دھڑا ان کی ایک پہچان ہے talking the right things یعنی ہمیشہ صحیح بات بولنا۔ صحیح بات کہنے میں کوئی برائی بھی نہیں ہے لیکن اس دھڑے کو ایسے لوگوں سے نفرت -چڑھ ہے ،جو doing the right things پر چلتے ہیں۔یہ فرق سمجھنے جیسا ہے ۔ talking the right thingsکی وکالت کرنے والے جب doing the right things کی بات آتی ہے تو اسی کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ چیزوں کو صرف بولنے میں یقین کرتے ہیں، اچھا کرنے میں ان کا بھروسہ ہی نہیں ہے ،جو لوگ انتخابی اصلاح کی بات کرتے ہیں۔ون نیشن ون الیکشن ، اس کی جب بات آتی ہے تو مخالفت میں کھڑے ہو جاتے ہیں ، یہی لوگ ، جب جینڈر جسٹس کی بات آتی ہے تو بڑھ چڑھ کر بولتے ہیں لیکن ٹرپیل طلاق ختم کرنے کی بات کرتے ہیں تو مخالفت میں کھڑے ہو جاتے ہیں ، یہ ماحولیات کی بات کرتے ہیں تو پن بجلی یا نیو کلیائی بجلی اس کے سامنے جا کر کہ جھنڈے لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں ، ہونا نہیں چاہیئے ، اس دیش کے لئے آندولن چلاتے ہیں ،تمل ناڈو کو اس کا بھگتان بھی کر چکا ہے اسی طرح سے جو دلی میں پالیوشن کو لے کر کورٹ میں جا کر مقدمہ کرتے ہیں ، اپیل کرتے ہیں ، مفاد عامہ کی درخواست کرتے ہیں ، دلی کو وہی لوگ پرالی جلانے والوں کے حق میں جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔تب سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کس طرح سے ملک کو گمراہ کرنے کا ان لوگوں کی کوشش ہے اور اس کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش ہے اور اس کو دیکھنے کی سمجھنے کی ضرورت ہے ۔ میں دیکھ رہا ہوں یہ 6 سال میں اپوزیشن کے مدعے کس قدر بدل گئے ہیں ۔ ہم بھی کبھی اپوزیشن میں تھے لیکن ہم جب بھی اپوزیشن میں تھے ، تو آپ نے دیکھا ہو گا کہ ترقی کے مدعوں کو لے کر کہ بدعنوانی کے مدعوں کو لے کر کہ ہم ایوان میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو گھیرتے تھے ۔ ہم وہ آواز اٹھاتے تھے ، ہم کوشش کرتے تھے ۔ میں حیران ہوں ، آج کل ترقی کے مدعے کی چرچا ہی نہیں کرتے ، میں انتظار کرتا ہوں کہ ایسے معاملے اٹھائیں تاکہ ہمیں کچھ کرنے کا موقع ملے کیونکہ ہم کیا کررہے ہیں ، لیکن وہ ہمیں موقع ہی نہیں دیتے کیونکہ ان کے پاس ان مدعوں پر بولنے کے لئے کچھ رہا ہی نہیں ہے اور اس لئے نہ وہ کتنی سڑکیں بنیں پوچھتے ہیں ، نہ کتنے پُل بنے پوچھتے ہیں ، نہ سرحدی نظم ونسق میں کیا ہوا ہے ، کتنی پٹریاں بچھی ہیں ، ان سارے موضوعات پر ان کو بات چیت کرنے میں دلچسپی نہیں ہے ۔

محترم جناب اسپیکر جی ،

اکیسویں صدی میں بنیادی ڈھانچے کی بہت بڑی اہمیت ہے اور ہندوستان کو آگے جانا ہے تو بنیادی ڈھانچے پر توجہ دینے کی بہت ضرورت ہے اور آتم نربھر بھارت کے روڈ میپ کے لئے بنیادی ڈھانچے پر توجہ دینا وقت کی اہم پکار ہے اور ہم سب کو اسے قبول کرنا ہو گا۔ بنیادی ڈھانچہ مضبوط ہو گا تبھی ملک کی رفتار بھی تیز ہونے والی ہے ، اس کی سمتیں بھی واضح ہونے والی

ہیں اور اسی لئے ہمیں کوشش کرنا چاہئے اور بنیادی ڈھانچے کا مطلب ہے، غریب کے لئے، اوسط درجے کے طبقے کے لئے، مختلف نئے امکانات کو بنیادی ڈھانچے جنم دیتے ہیں، نئے مواقعوں کو جنم دیتا ہے، روزگار کے نئے مواقع لے کر آتا ہے، معیشت کو کئی گنا کرنے کی اس کی طاقت رہتی ہے اور اسی لئے ہمیں بنیادی ڈھانچے کو بدل دینے کی ضرورت ہے۔ بنیادی ڈھانچے کا مطلبووٹ بینک کا موقع نہیں ہوتا ہے، کاغذ پر اعلان کر دینا کہ یہ روڈ بنے گا، ایک چناؤ جیت لو۔ دوسری بار جاکر وہاں سفید پٹی کر لو، دوسرا چناجیت لو، تیسری بار جاکر وہاں تھوڑی مٹی ڈال دو، چلو یہ اس کام کے لئے نہیں ہے، یہ سچ مچ میں زندگی بدلنے کے لئے اقتصادی صورت حال کو بدلنے کے لئے انفراسٹرکچر کو ہم نے قوت دینے کی ضرورت ہے۔ 110 لاکھ کروڑ روپے کی اسکیم کے ساتھ ہم نے بجٹ میں غیر معمولی خرچ کے ساتھ آگے بڑھنے کی سمت میں ہم چل رہے ہیں۔ ملک کے 27 شہروں میں میٹرو ٹرین، 6 لاکھ سے زیادہ گاؤوں میں تیز انٹرنیٹ، بجلی کے شعبے میں ہم ون نیشن ون گرڈ اس کنسپٹ کو پورا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ سولر پاور سمیت قابل تجدید توانائی کے معاملے میں آج دنیا کے پانچ ٹاپ ملکوں کے اندر ہندوستان نے اپنی جگہ بنالی ہے۔ دنیا کے سب سے بڑے سولر اور ونڈ کی ہائبرٹ پاور آج ہندوستان میں دنیا کا سب سے بڑا بن رہا ہے۔ ترقی سے ہم ایک نئی تیزی دیکھ رہے ہیں، نئے پیمانوں پر جا رہے ہیں۔

ہم نے دیکھا ہے کہ جہاں جہاں نہ برابری ہے، خاص کر کہ مشرقی بھارت، اگر ملک کے مشرقی بھارت کی ترقی ہمیں اس حالت میں لانا ہوگا تاکہ مغربی ہندوستان کی جو اقتصادی صورت حال ہے، اس کی برابری فورا کرے، تو مل کر کے ملک کے اندر ترقی کے امکانات بڑھیں گے اور اس لئے ہم نے مشرقی ہندوستان کی ترقی پر ہم نے خاص زور دیا ہے۔ چاہئے گیس پائپ لائن بچھانے کی بات ہو، چاہے روڈ بنانے کی بات ہو، چاہئے ایئرپورٹ بنانے کی بات ہو، چاہے ریل بچھانے کی بات ہو، چاہے انٹرنیٹ کنکٹی ویٹی کی بات ہو اور اتنا ہی نہیں آبی گزر گاہوں کے ذریعے نارتھ ایسٹ کی ریاستوں کو جوڑنے کی ایک بہت بڑی حصہ داری کی کوشش چل رہی ہے اور مجھے لگتا ہے کہ ہمارا یہ فوکس ہے کہ ملک کو ایک متوازن ترقی کی طرف لے جانا چاہئے۔ ملک کے ہر علاقے کا ایک بھی علاقہ پیچھے نہ رہ جائے، اس طرح سے ترقی کے پیمانوں کو لے کر آگے چلنے کا ہم نے کام کیا ہے اور اس لئے مشرقی ہندوستان پر ہم مشن موڈ میں کام کر رہے ہیں۔ درجنوں ضلعوں میں سی این جی، پی این جی، سٹی گیس ڈسٹری بیوشن، یہ جال ہم بچھانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ گیس پائپ لائن پہنچنے کے سبب کھاد کی پیداوار میں بھی بہت تیزی آئی ہے اور کھاد جو کارخانے بند پڑے تھے، ان کو دوبارہ کھولنے کے امکانات پیدا ہوئے ہیں، کیونکہ ہم نے گیس انفراسٹرکچر کے اوپر زور دیا ہے۔ ہم نے پائپ لائن کی طرف زور دیا ہے۔

قابل احترام اسپیکر جی!

کئی ملکوں سے ہم سنتے آئے ہیں، ڈیڈیکیٹڈ فریٹ کوریڈور لیکن یہ ڈیڈیکیٹڈ فریٹ کوریڈور کا کیا حال تھا، جب ان کو خدمت کرنے کا موقع ملا تھا، صرف ایک کلو میٹر کام ہوا تھا۔ آج تقریبا 600 کلو میٹر 6 سال کے اندر 600 کلو میٹر اور ایکچوئلی ڈیڈ یکٹڈ فریٹ پر کام چلنا شروع ہو گیا، مال ڈھونے کا کام شروع ہو گیا اور وہ سیکشن کام کر رہا ہے۔ یوپی اے کے دور میں بارڈر انفراسٹرکچر کسی بھی ملک کی دفاع کے لئے بارڈر انفراسٹرکچر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن اس کے تئیں اتنی مایوسی کی گئی، اتنی لاپروائی کی گئی، ملک کے اندر ہم ان موضوعات کو پبلکلی گفتگو کر نہیں سکتے، کیونکہ ملک کی سلامتی کے نظریئے سے اچھا نہیں ہے۔ لیکن یہ تشویش کا موضوع ہے کہ ہم نے کیونکہ وہاں لوگ نہیں ہیں، ووٹ نہیں ہیں، ضرورت نہیں لگی، فوجی آدمی جب جائے گا، جائے گا، دیکھا جائے گا، کیا ہونے والا ہے۔ اسی سوچ کا نتیجہ تھا اور اتنا ہی نہیں ایک بار تو ایک رکشا منتری نے پارلیمنٹ میں کہہ دیا تھا کہ ہم اس لئے انفراسٹرکچر کرتے ہیں، بارڈر پر تاکہ کہیں دشمن ملک اس انفراسٹرکچر کا استعمال نہ کر لے۔ کمال کے ہو بھائی، یہ سوچ ہے۔ اس کو بدل کر کے ہم نے آج قریب قریب جو توقعات اور اہتمام تھا، اس کا ایک بہت بڑا حصہ بارڈ کے اوپر انفراسٹرکچر کی سمت سے ہم نے پورا کیا ہے۔ ایل اے سی پر پل آج میرا اندازہ ہے کہ قریب 75 کے قریب برج پہلے ہی وہاں کام چل رہا ہے، تیزی سے اور اس لئے کئی سینکڑوں کلو میٹر ہم نے روڈ بنائے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ جو کام ہمارے سامنے تھا، قریب قریب 75 فیصد تو ہم نے اس کو پورا بھی کر لیا ہے اور ہم آگے بھی اس کام کو جاری رکھیں گے۔ بنیادی ڈھانچے کے الگ الگ شعبوں کو اسی طرح سے آپ دیکھئے اٹل ٹنل ہماچل پردیش میں اس کا حال کیا تھا۔ اٹل جی کے وقت جس کی سوچ کی گئی، اٹل جی کے جانے کے بعد کسی نہ کسی فائلوں میں اٹکا رہا۔

ایک بار چھوٹا سا کام ہوا پھر اٹک گیا، ایسے ہی کرتے کرتے چلا گیا، پچھلے 6 سالوں کے اندر اس کے پیچھے ہم لگے اور آج اٹل ٹنل کام کر رہی ہے۔ ملک کی فوج بھی وہاں سے آرام سے موو کر رہی ہے، ملک کے شہری بھی موو کر رہے ہیں، جو راستے 6-6 مہینے تک بند ہوتے تھے، وہ آج کام کرنے لگے ہیں اور اٹل ٹنل کام کر رہی ہے۔ اسی طرح سے میں یہ بات صاف کہنا چاہوں گا کہ جب ملک کے سامنے کوئی چنوتی آتی ہے، یہ ملک کی اہلیت ہے۔ ہمارے ملک کی سلامتی کے دستوں کو اہلیت حاصل ہے۔ ملک کو کبھی نیچا دیکھنا پڑے ایسی صورت حال ہمارے فوج کے جوان کبھی کرنے ہی نہیں دیں گے، کبھی ہونے ہی نہیں دیں گے، میرا پورا یقین ہے۔ آج ان کے ذمے جو بھی ذمہ داری، جہاں بھی ذمہ داری ملی ہے بخوبی نبھا رہے ہیں۔ قدرتی ناموافق حالات کے دوران ہی بڑی مستعدی کے ساتھ نبھا رہے ہیں اور ہمیں ہماری فوج کی سینا پر فخر ہے۔ ہمارے ویروں پر فخر ہے۔ ان کی اہلیت پر

ہمیں فخر ہے اور ملک کی ہمت کے ساتھ اپنے فیصلے بھی کرتا ہے اور ہم اس کو آگے بھی لے جارہے ہیں۔ میں نے کبھی ایک غزل سنی تھی، زیادہ تو مجھے دلچسپی بھی نہیں ہے، مجھے زیادہ آتا بھی نہیں ہے لیکن اس میں لکھا تھا، میں جسے اوڑھتا بچھاتا ہوں، وہ غزل آپ کو سناتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے یہ جو ساتھی چلے گئے، وہ جن چیزوں کے اندر جیتے ہیں۔ پلتے ہیں، وہ وہی سنتے رہتے ہیں اور جو ان کے کال کھنڈوں میں انہوں نے دیکھا ہے، جو ان کے کال کھنڈوں میں انہوں نے کیا ہے، اسی کو وہ کہتے رہتے ہیں اور اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اب چلنا ہی ہو گا۔ ہمیں بڑی ہمت کے ساتھ آگے بڑھنا ہی ہو گا اور میں نے کہا پوسٹ کورونا ایک نیا ورلڈ آرڈر جب ہمارے سامنے آرہا ہے تو ہندوستان میں کچھ نہیں بدلے گا کہ ذہنیت چھوڑ دینی ہو گی، یہ تو چلتا ہے، چلتا رہے گا۔ ذہنیت چھوڑ دینی پڑے گی، 130 کروڑ ہم وطنوں کی اہلیت لے کر چل رہے ہیں، مسئلے ہوں گے۔ بلیین آف پر اپلس ہیں تو بلین آف سولوشن بھی ہیں۔ یہ ملک طاقت ور ہے اور اس لئے ہم نے ہماری آئینی بندوبست پر یقین رکھتے ہوئے ہمیں آگے بڑھنا ہو گا اور مجھے یقین ہے کہ ہم ان باتوں کو لے کر آگے چلیں گے۔ یہ بات صحیح ہے کہ مڈل مین کلچر ختم ہوا ہے لیکن ملک کا مڈکل کلاس، جو ہے اس کی بھلائی کے لئے بہت تیزی سے کام ہو رہا ہے، جس کے سبب ملک کو آگے بڑھانے میں اب جو مڈل کلاس بلک ہے وہ بہت بڑا رول ادا کرنے والا ہے اور اس کے لئے ضروری جو بھی قانونی انتظامات کرنے پڑے وہ قانونی انتظامات بھی ہم نے کئے ہیں۔

قابل احترام اسپیکر جی!

ایک طرح سے اعتماد کے ساتھ ایک ترقی کے ماحول میں ملک کو آگے لے جانے کی لگاتار کوشش چل رہی ہے، میں صدر جمہوریہ ہند کا دل سے شکر گزار ہوں کہ متعدد موضوعات پر انہوں نے اسے واضح کیا ہے، جن کا سیاسی ایجنڈا ہے، وہ ان کو مبارک، ہم ملک کے ایجنڈے کو لے کر کے چلتے ہیں، ملک کے ایجنڈے کو لے کر چلتے رہیں گے۔ میں پھر ایک بار ملک کے کسانوں سے اپیل کروں گا کہ آیئے میز پر بیٹھ کر ملک کر مسائل کا حل تلاش کریں۔ اسی ایک امید کے ساتھ صدر کے خطاب کو صدر جمہوریہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے خطاب کا اختتام کرتا ہوں۔ بہت بہت شکریہ!

75

Azadi Ka
Amrit Mahotsav